کلیات سودا

حصۂ اوّل

مع مقدمہ از

ڈاکٹر امرت لعل عشرت

ایم، اے، ڈی، لٹ (تہران)

استاد شعبۂ اردو، فارسی و عربی

بنارس ہندو یونی ورسٹی

پبلشر: رام نرائن لال بینی مادھو

۲۔ کٹرہ روڈ۔ الہ آباد

KULLIYAT E-SAUDA

PART ONE

WITH INTRODUCTION BY

DR. AMRIT LAL ISHRAT

طبع اول	۱۹۷۱ء
ناشر	رام نراین لال بینی مادھو، الہ آباد
مطبع	الہ آباد لیتھو گرافرز اینڈ پرنٹرز الہ آباد
©	ناشرین

قیمت: پندرہ روپیے ۱۵

مقدمہ

سودا کے اجداد کے مولد و مسکن کے سلسلے میں عام طور پر کابل کا نام لیا جاتا ہے۔ لیکن بھگوان داس ہندی اور ان سے بڑھ کر خود اُن کے ذاتی دوست نقش علی مصنف "باغ معانی" کے بیانات کی روشنی میں یہ کہنا انسب ہوگا کہ یہ لوگ بخارا سے ہندوستان آئے تھے۔ اُن کے والد مرزا شفیع کو تذکرہ نگاروں نے نعمت خان عالی کا داماد یا بہنوئی تصور کیا ہے لیکن معاصر تذکرہ نگار چونکہ اس سلسلے میں خاموش ہیں اس لیے یہ بات مصدقہ نہیں ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مرزا شفیع کے تجارت پیشہ ہونے کی وجہ سے مرزا محمد رفیع نے اپنا تخلص سودا تجویز کیا۔ لیکن یہاں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اردو شعرا کی عشق پیشگی بھی جنون، وحشت اور سودا جیسے تخلص اختیار کرنے کا سبب بن سکتی ہے۔

مرزا محمد رفیع سودا کے سنِ ولادت کے تعین میں تذکرہ نگاروں نے سنہ ۱۱۰۶ھ، سنہ ۱۱۱۶ھ، سنہ ۱۱۲۴ھ، سنہ ۱۱۲۵ھ، سنہ ۱۱۲۸ھ وغیرہ تجویز کیے ہیں۔ یہاں پھر اُن کے دوست نقش علی کی تحریر کو مستند ماننا صحیح ہوگا جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مرزا کی ولادت سنہ ۱۱۱۵ھ اور سنہ ۱۱۱۸ھ کے درمیان ہوئی۔ والد کا کاروبار بیٹے کو پسند نہیں آیا یا وہ اس کاروبار کو قائم نہیں رکھ سکے۔ بہرحال والد کے انتقال کے بعد اُن کو جو کچھ ترکے میں ملا تھا وہ زیادہ دیر تک اُن کا ساتھ نہیں دے سکا اور وہ بہت جلد بقول گردیزی "سپاہی پیشہ" یا بقول میر "نوکر پیشہ" یعنی مصاحب ہو گئے۔

گردیزی کے بیان کی تصدیق میں مرزا کے یہ دو شعر شیخ چاند نے نقل کیے ہیں:۔

کبھی جاتی نہیں وہ مجھ سے جو اس ظالم نے
جس طرح کی مری اوقات میں ڈالی ہل چل
لا بٹھایا مجھے گھر بار چھڑا عشکر میں
پال ہے چوب تلے اپنے بغیر از پر تل

مولانا محمد حسین آزاد نے اپنے استاد شیخ ابراہیم ذوق سے مرزا کے حالات سنے تھے اور عینی شاہد کی حیثیت سے وہ مکان بھی دیکھا تھا جس میں اُن کی بود و باش تھی۔ آبِ حیات کا یہ اقتباس اس سلسلے میں دل چسپ ہے:۔

"دہلی میں پرورش پائی۔ کابلی دروازہ کے علاقہ میں اُن کا گھر تھا۔ ایک بڑے پھاٹک میں نشست رہتی تھی وہ دروازہ تباہیِ دہلی میں تباہ ہوا۔ شیخ ابراہیم ذوق علیہ الرحمۃ اکثر اُدھر ٹہلتے ہوئے جا نکلتے تھے۔ میں ہم رکاب ہوتا تھا۔ مرزا کے وقت کے حالات اور مقالات کے ذکر کر کے قدرت خدا کو یاد کیا کرتے تھے۔"

مرزا نے اپنے ادبی سفر کا آغاز فارسی گوئی سے کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ انھیں فارسی زبان و ادب پر خاصی دسترس حاصل تھی لیکن ایک عام خیال کے مطابق کہ زبردست مشق بہم پہنچانے کے بعد بھی کوئی شخص اہل زبان کے سامنے زبان دانی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اُنھوں نے اپنی طبع رسا کا رُخ فارسی گوئی سے ریختہ گوئی کی طرف موڑ دیا۔ اِس انقلاب کا جواز انھوں نے ایک قطعے میں پیش کیا ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں:۔

جو چاہے یہ کہ کہے ہند کا زباں داں شعر
تو بہتر اس کے لیے ریختے کا ہے آئین
وگرنہ کہہ کے وہ کیوں شعر فارسی ناحق
ہمیشہ فارسی داں کا ہو موردِ نفرین
کوئی زبان ہو لازم ہے خوبیٔ مضموں
زبانِ فرس پہ کچھ منحصر سخن تو نہیں
اگر فہیم ہے تو چشم دل سے کر کے نظر
زباں کا مرتبہ سعدی سے لے کے تا بہ حزیں
کہاں تک اُن کی زباں تو درست بولے گا
زبان اپنی میں تو باندھ معنیٔ رنگیں

تاریخ شعرا اردو کے قاری کی نظر میں مرزا کی یہ دور اندیشی اور حقیقت پسندی قابل تحسین ہے۔ اپنے فکر بادپا کی جولانگاہ کے لیے ریختے کا میدان تجویز کر کے انھوں نے وہ شہرت اور کامیابی

حاصل کی جو اُن سے پہلے اور بعد کے بہت سے شعرا کے لیے باعثِ رشک ٹھہری۔

فن شاعری میں مرزا کے اُستاد کی حیثیت سے سراج الدین علی خاں آرزو، سلمان قلی خاں وداد، نظام الدین احمد صانع اور شاہ حاتم کا نام لیا گیا ہے۔ بہترین قیاس یہ ہے کہ فارسی گوئی کے شوق میں انھوں نے پہلے تین حضرات سے کسب فیض کیا ہو گا لیکن اُردو شاعری کے سلسلے میں انھوں نے یقیناً شاہ حاتم کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا تھا جس کا ثبوت معاصرانہ شواہد بھی ہیں اور حاتم کا یہ قول بھی۔ ع

رُتبہ شاگردی من نیست اُستادِ مرا

مرزا سودا کی شخصیت اور زندگی کے بارے میں ہماری معلومات زیادہ تر قیاس آرائیوں پر مبنی ہیں اُن کی اپنی تحریروں اور مختلف تذکرہ نگاروں کی روایتوں سے یہ بات ضرور پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ وہ گفتار و کردار کے لحاظ سے بہت خوش خلق و خوش اطوار آدمی تھے۔ اُن کی شگفتہ مزاجی طبیعت کی برجستگی اور بے نظیر علمی و ادبی صلاحیتوں کی تعریف اُن کے دشمنوں نے بھی کی ہے۔ میر اِس شعر کے مالک ہونے کے باوجود کہ ؎

طرف ہونا مرا مشکل ہے میرؔ اس شعر کے فن میں یونہی سوداؔ کبھو ہوتا ہے سو جاہل ہے کیا جانے

بہت قریب سے دیکھنے کے بعد لکھتے ہیں:

"جوانیست خوش خلق، خوش خوی، گرم جوش، یار باش، شگفتہ روی"

اُن کے احباب اور شاگردوں کا حلقہ حلقۂ سحر و شام کی مانند وسیع تھا اور اس کا سبب اُن کے فنی کمالات کے علاوہ اُن کی زندہ دلی اور ہر چھوٹے بڑے سے اظہارِ محبت و خلوص بھی تھا۔ بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی و لطیفہ نگاری میں بھی وہ اپنی مثال آپ تھے۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے (جن میں مولانا محمد حسین آزاد بھی شامل ہیں) بہت سے اِدھر اُدھر کے لطیفے بھی ان سے منسوب کر دیئے ہیں۔ مرزا کو موسیقی اور ستار نوازی سے بھی دلچسپی تھی۔ سوز خوانی کے لیے اپنے سلام اور مرثیے کی دُھن خود تیار کرتے تھے۔ شاید اُن کے کلام کے مترنم ہونے کا ایک سبب ان کی موسیقی دانی بھی ہے۔

شخصی عادات میں مرزا کی سگ پروری بھی قابل ذکر ہے۔ انھیں ملائم پشم والے کتے بہت

پسند تھے اور یہ شوق اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ اُن کے دشمن ہجو کہتے وقت اسے اُن کی ایک بہت بڑی کمزوری قرار دے کر اُن کا مذاق اُڑاتے تھے۔ میر کا حملہ ملاحظہ ہو۔ ؎

اِک جو لچر کو رزق کی وسعت سی ہو گئی — تنگی کی حوصلے نے تو رجعت سی ہو گئی
کتوں کے ساتھ کھانے لگا کتوں سے معاش — چھچھڑی کی طرح شام و سحر کتوں کی تلاش
کتے ہیں پاس کتے ہیں جیب و کنار میں — کتے ہیں آستینوں میں کتے اِزار میں
آواز دے دے کتوں کو توڑے ہے اپنی جان — مر جائے گا یہ بھونکتے ہی بھونکتے ندان

مرزا اِس شوق کا جواز اور میر کا جواب یوں پیش کرتے ہیں ؎

کتے سے شب و روز جو رکھتا ہوں میں صحبت — دنیا ہے مجھے یادِ وفا اور قناعت
دُنیا کے وہ جیفے کو سمجھتا ہے نجاست — اک پارچہ ناں پر ہے مرے سگ کو رفاقت
کس طرح بتا اِس کی مرے دل میں نہ ہو چاہ

مرزا محمد رفیع سوداؔ کے دورِ حیات کا بیشتر حصہ دہلی میں بسر ہوا۔ حکومت کے داخلی خلفشار، عوام کی اقتصادی بدحالی۔ امرا کی عیاشی۔ فوجیوں کی نامردی اور ناداری۔ منشیوں متصدیوں کی بیکاری اور قلاشی اور مرہٹوں، جاٹوں، سکھوں اور روہیلوں کی غارت گری وغیرہ کے منظر یکے بعد دیگرے اُن کی آنکھوں کے سامنے متحرک و مجسم رہے۔ پھر بھی وہ ہر حال میں اپنے قیام دہلی پر مطمئن رہے۔ نادر شاہ کی دارو گیر اور کشت و کشتار نے اگرچہ بہت سے شرفا، امرا اور اُدبا و شعرا کو ترکِ وطن پر مجبور کر دیا لیکن مرزا اِن تمام سیاسی سماجی اور معاشی مصائب کے باوجود خاکِ دہلی کو خیر باد کہنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ وہ اپنی مالی پریشانیوں کو دور کرنے کے لیے ہر آستاں پر جبیں سائی کو بہت بُرا سمجھتے تھے اور کہتے تھے ؎

سوداؔ پئے دُنیا تو بہر سُو کب تک — آوارہ ازیں کوچہ بہ آں کو کب تک
حاصل یہی اِس سے ہے کہ دُنیا ہو دے — بالفرض ہوا یوں بھی تو پھر تو کب تک

لیکن مسلسل خارجی اور داخلی فتنوں نے جو وقتاً فوقتاً دہلی پر نازل ہوتی رہتی تھیں۔ آخر کار مرزا کو دہلی چھوڑنے پر مجبور کر ہی دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب احمد شاہ ابدالی کی لگاتار یورشوں سے دہلی میں نہ تو کوئی سپاہی بچا تھا اور نہ کوئی تلوار۔ مغلانی بیگم جیسے غداروں

گے ایا سے شرفا کے گھر کھود ڈالے گئے تھے اور خون کی ندیاں اتنی گہری ہوئی جاتی تھیں کہ ان کا پانی سر سے اونچا ہو رہا تھا۔ مرزا کے سرپرست عماد الملک کی دہلی سے روانگی کا ایک سبب ابدالی کی طرف سے اُن کے جانی دشمن نجیب الدولہ کا تقرر بھی تھا۔ دہلی میں موصوف کا امیر الامرا کی حیثیت سے تقرر جب ممدوح (عماد الملک) کے لیے خطرناک تھا تو مدح گو (سوداؔ) کو کیسے ساز گار ہوتا۔

دہلی سے نکل کر میرزا نے فرخ آباد کے دیوان مہربان خاں رندؔ کی شادی کا جو قطعۂ تہنیت تحریر کیا اُس کا مادۂ تاریخ اس مصرعے سے نکلتا ہے۔

ع ہوا ہے وصل ماہ و مشتری کا

اس حساب سے وہ ۱۱۷۶ھ کے لگ بھگ فرخ آباد میں وارد ہوئے۔ رندؔ شعر و شاعری کا بہت اچھا ذوق رکھتے تھے اور اپنے کلام پر میر سوزؔ سے اصلاح لیتے تھے۔ میرزا تقریباً نو دس سال تک رندؔ کے دامنِ دولت سے وابستہ رہے۔ آخر میں جب نواب احمد خاں بنگش کا انتقال ہوا اور نواب کے دیوان مہربان خاں رندؔ کے حالات خراب ہونا شروع ہوئے تو سوداؔ جیسے ”مستغنی الاحوال“ کو بھی کسی دوسرے در کا منہ دیکھنا پڑا۔

۱۱۸۵ھ میں اودھ کے نواب شجاع الدولہ کے دربار فیض آباد میں ان کی بہت قدر و منزلت ہوئی، لیکن آصف الدولہ کی تخت نشینی اور کرسیٔ حکومت کے فیض آباد سے لکھنؤ ہجرت کرنے پر میرزا کو مالی مشکلات نے پھر سے آگھیرا۔ اگرچہ آزادؔ اور اُن کے چند پیشرو تذکرہ نگاروں نے آصف الدولہ کے زمانے میں میرزا کے حق میں چھ ہزار سالانہ کے وظیفہ کا ذکر کیا ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ سفینۂ ہندی کے مصنف بھگوان داس ہندی چونکہ اس دور کے عینی شاہد ہیں اور لکھنؤ میں میرزا کی دامن بوسی کا شرف حاصل کر چکے ہیں اس لیے اُن کا بیان مستند ہے جس کے مطابق دو سو روپیہ ماہانہ کی جو پنشن شجاع الدولہ نے میرزا کے لیے مقرر کی تھی آصف الدولہ کے دورِ حکومت میں لکھنؤ پہنچنے پر بھی بحال رہی لیکن انتظامیہ امور میں انتہائی بد نظمی کے سبب میرزا اس کے حصول کے لیے بھی ہمیشہ شکوہ پرداز رہے۔ اُن کے یہ اشعار اس کیفیت کو بخوبی ظاہر کرتے ہیں۔۔۔

اپنی تری جناب میں اتنی ہی عرض ہے — بس کس کا ملتجی ہوں کہا کر نزد غلام
انصاف ہے کہ ہو وہ غلط اس جناب کی — اور اُن کی میں سماجت و منت کروں مدام
دیہات جو ہیں مصرف مطبخ کے اُس میں سے — اس نقدی کے عوض ہو مجھے صنک طعام
اے گنج بخش خلق مرا ہے جو مدعا — کرنا روا حضور ترے کس قدر ہے کام

میرزا سودا کے انتقال کا سبب "کثرت انبہ خوری" لکھا گیا ہے۔ تاریخ وفات اردو اور فارسی میں یوں نکالی گئی ہے:

"انبہ کھاتے کھاتے سودا کی جان نکلی"

اور "آہ سودا انبہ خورد و مُرد"

اس سے ۱۱۹۵ھ کی تاریخ برآمد ہوتی ہے اور چونکہ یہ سودا کے انتقال کی صحیح تاریخ ہے اس لئے اُن کی موت کا سبب "زیادہ آم خوری" تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

ایک فن شریف کی حیثیت سے فارسی شاعری کے مقابلے میں اُردو شاعری کا مرتبہ بلند کرنے میں میرزا محمد رفیع سودا نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں اُن کی داد و تحسین سے ایوانِ ادب آج تک گونج رہا ہے۔ ان کے معاصرین سے لے کر دورِ حاضر کے نقادوں تک ان کے مدّاحوں کی فہرست اتنی لمبی چوڑی ہے کہ 'ایں سعادت بزورِ بازو نیست' والی بات معلوم ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جامعیت کا کوئی دوسرا شاعر تاریخ ادب اُردو میں نظر آتا بھی نہیں۔ ایسے لوگ جو اُن کی زندگی میں خواہ مخواہ اُن کے منہ آتے تھے اب دُور دُور تک کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ میر کی بات دوسری ہے لیکن یقین اور رنگین جیسے شاعر جن کو سودا سے بہتر خیال کیا جاتا تھا (یقین) یا جو اپنے آپ کو علامہ سمجھتے تھے (رنگین) ادبی افراط و تفریط کی گرد چھٹ جانے کے بعد سودا کی گرد کو بھی نہیں پہنچتے۔

سودا ہر فن مولا شاعر ہیں۔ اُن کی قادر الکلامی نے ہر صنفِ سخن میں معرکے سَر کئے ہیں۔ قصیدہ، ہجو، مرثیہ، غزل، مثنوی، رباعی، قطعہ، مخمس، ترجیع بند، تاریخیں، معمے، مستزاد، غرض کوئی میدان ایسا نہیں جو اُن کے دائرۂ اختیار سے باہر ہو۔

میرزا کے کلام کی سب سے بڑی خوبی اُن کا لا محدود ذخیرۂ الفاظ اور ان الفاظ کا برمحل استعمال ہے۔ ان الفاظ اور ان سے بنائی گئی تراکیب نے اپنی ندرت۔ شان و شکوہ۔ گھن گرج۔ ترنم ریزی اور رنگا رنگی سے رنگ و روغن کا کام دے کر ان کے کلام کو وہ آب و تاب بخشی ہے جو آج صدیوں کے بعد بھی قائم اور دائم ہے۔ اُن کی مقبولیت اور شہرت کا ایک بہت بڑا راز اُن کی یہی زبان دانی ہے۔ بقولِ آزاد :

"بندش کی چُستی اور ترکیب کی درستی سے لفظوں کو اس دروبست کے ساتھ پہلو بہ پہلو جڑتے ہیں۔ گویا ولایتی طپنچے کی چادریں چڑھی ہوئی ہیں اور یہ خاص اُن کا حصّہ ہے چنانچہ جب اُن کے شعر میں سے کچھ بھول جائیں تو جب تک وہی لفظ وہاں نہ رکھے جائیں شعر مزا ہی نہیں دیتا۔"

زبان پر یہ حاکمانہ قدرت اُردو شاعری میں صرف چار شاعروں کے حصّے میں آئی ہے۔ سوداؔ، انشاؔ، انیسؔ، جوشؔ ملیح آبادی۔ سوداؔ کی شاعری کا یہ بے نظیر جوہر ہے۔ انشاؔ اس کے بھرپور استعمال کی فرصت نہیں نکال سکے۔ جوشؔ اس دور میں اسی کے سبب ملک الشعرا ہیں۔

سوداؔ سے پہلے اُردو شاعری میں قصیدہ نگار کی حیثیت سے جن شعرا کے نام قابلِ ذکر ہیں اُن میں نصرتیؔ دکن کے بہترین فنکار ہیں لیکن اُن کے قصائد سے حظ اُٹھانے کے لئے دکنی یعنی اُردوئے قدیم سے مکمل شناسائی شرطِ اوّلیں ہے۔ ولیؔ نے بھی قصائد لکھے ہیں لیکن تعداد کم ہونے کے علاوہ ان کی فضا عام طور پر مذہبی ہے۔ ہاں ان کی زبان دوسرے دکنی شعرا کے مقابلے میں زیادہ صاف اور قدامت سے کسی حد تک پاک ہو گئی ہے۔

دہلوی شعرا میں حاتمؔ۔ فغاںؔ۔ آبروؔ وغیرہ نے بھی سوداؔ سے قبل قصیدہ سرائی کی ہے، لیکن بقول شیخ چاند :

"یہ اپنی لفظی نحوی بیانی اور معنوی حیثیتوں سے نہایت ادنیٰ اور معمولی ہیں"۔

قصیدہ نگاری کے لئے جس فکری بلندی اور قادرالکلامی کی ضرورت ہے وہ ہر شاعر کے بس کی بات بھی نہ تھی۔ فارسی شعرا نے اس صنفِ سخن کو جس معراج پر پہنچا دیا تھا اُردو والے

اُس کے تصور ہی سے گھبراتے تھے۔ میرزا سودا بقولِ مصحفی "نقاشِ اوّل نظم قصیدہ در زبان ریختہ" ہیں۔ انھوں نے پہلی مرتبہ اُردو قصیدے کو نہ صرف فارسی کے مقابلے میں احساسِ کمتری سے بچایا بلکہ اسے اُسی منزل پر لا کھڑا کیا۔ وہ انوری کی طرح مشکل تراکیب و ادق مضامین خاقانی کی طرح سنگلاخ زمین اور عرفی کی طرح علمی مطالب کے استعمال و بیان میں اُردو قصیدہ نگاری میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

عدل یہ عصر میں اُس کی ہے کہ ہر ایک طبیب
شتشہ تپ کو بھی تبرید کے کھے خار خسک

کرنے دیوے نہ رفو چاک کتاں کو انصاف
تا نہ رشتہ کے لئے ماہ کی کھولے ہیچک

چہرۂ مہر وش ہے ایک شبنمِ مشکِ فام دو
حُسن بتاں کے دور میں سچ ہے ایک شام دو

بسانِ دانۂ روئیدہ ایک بار گرہ
کھلے جو کام سے میرے پڑے ہزار گرہ

نکل وطن سے ہے غربت میں زور کیفیت
کہ آب بخت ہے جبتک ہے تاک میں صہبا

ہنر کو مفلسی ہرگز ضرر نہیں کہ نہیں
چنار کو تہیدستی سے نقص جوہر کا

فتادگی میں یہ عزت ہے دیکھ اے سرکش
کہ نیک و بد نے کیا نقش پا کو راہنما

فارسی کے اساتذہ کی زمینوں بحروں اور ماحول میں اُردو کا کوئی قصیدہ نگار سودا کی سی کامیابی حاصل نہیں کر سکا۔ انھوں نے خاقانی، انوری اور عرفی وغیرہ کے قصائد کا جو جواب اُردو میں پیش کیا ہے اُس میں مقلد اکثر و بیشتر سے آگے بھی بڑھ گیا ہے۔ قصیدے کی تشبیب میں ندرت اور جدت کا اظہار سودا کا خاص حصہ ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں وہ اپنی طبیعت کی اُپج سے ہر دفعہ نیا موضوع تلاش کر کے لاتے ہیں اور فصاحت و بلاغت کے دریا بہاتے چلے جاتے ہیں۔ کہیں طبیعت حاضر ہوتی ہے تو مبالغہ آرائی کی انتہا کو پہنچتے ہیں۔ بہار کا وہ سماں دکھاتے ہیں جو گلشن کی بجائے صرف انھیں کی تشبیب میں نظر آسکتا ہے۔ یہاں اُن کی تشبیب، فارسی تشبیبوں کی ہمزاد معلوم ہوتی ہے۔ کہیں کہیں قصیدے کے آغاز میں اپنے سماجی اور تہذیبی ماحول کی عکاسی بھی کرتے ہیں اور اپنے مشاعروں اور شاعروں کی کیفیت اور نشتر غمزے بھی دکھاتے ہیں۔ گریز۔ مدح، حُسنِ طلب وغیرہ میں بھی اُن کی تخئیل ہر ہر قدم پر جگمگاتی ہے۔ اُن کا شاعرانہ مزاج بعض اوقات

ایسی مبالغہ آمیز شعریت پیدا کرتا ہے کہ تصنع کے باوجود اس کا تاثر خوشگوار محسوس ہوتا ہے۔ ممدوح کی مدح کے مقام پر اکثر دھوکا ہوتا ہے کہ سودا کے بجائے انوری کا اردو کلام ہے۔ سیف الدولہ احمد علی خاں کے گھوڑے کی یہ تعریف سنیئے:

راتوں کو یہ شبک جو پھرے سطح آب پر — ٹوٹے حباب سُم تلے آکر نہ زینہار
مشرق کی سرزمین سے مغرب کی سمت کو — اس برق وش کو پھینک دے گر ہو کے تو سوار
اس عرصہ میں پھر آوے کہ شاید نہ بجھنے پائے — گر پھینکنے میں نعل سے اس کی جھڑے شرار

مدح کی طرح قدح سے بھی سودا کو ازلی مناسبت معلوم ہوتی ہے اور اس میدان میں بھی وہ انوری کے صحیح جانشین نظر آتے ہیں۔ اُن کی ظریفانہ طبیعت ہر منظر اور ہر موقع کا خندہ آور پہلو تلاش کر لیتی ہے۔ اور اس کے بیان میں الفاظ کی تراش خراش سے تمسخر اور طنز کا ماحول پیدا کرنے میں مصروف ہو جاتی ہے۔ شخصی ہجویات میں وہ گالی گلوچ اور پھکڑپن کی وجہ سے بعض اوقات "جہنمی ہجاگوی عبید زاکانی" تک پہنچ جاتے ہیں لیکن جہاں اپنے دور کے سیاسی و تہذیبی انحطاط اور معاشرتی خرابیوں کا مضحکہ اڑاتے ہیں وہاں اصلاحی مقاصد کی جھلک نظر آتی ہے۔ تضحیک روزگار اور شہر آشوب اس قسم کے کامیاب نمونے ہیں۔ کہنے کو تو (انھوں نے ایک گھوڑے کی ہجو لکھی ہے اور اپنے دور کے فوجیوں کی حالت زار کا نقشہ کھینچ کر ہنسنے ہنسانے کا سامان بہم پہنچایا ہے لیکن حقیقت میں یہ اٹھارہویں صدی کے ہندوستان کی تمدنی اور اقتصادی بدحالی کا مرثیہ ہے) ایک ہجوگو کی حیثیت سے سودا تاریخ ادب اردو میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ ہمارے خیال میں مخترع ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اردو شاعری میں اس فن کے خاتم بھی ہیں۔ اُن کے زمانے میں اور ان کے بعد بھی کئی دوسرے شعراء نے کامیاب ہجویات پیش کی ہیں لیکن مستقل ہجوگوئی کی حیثیت سے سب کے امام ہیں۔

(سودا کی قصیدہ نگاری ان کی غزل گوئی پر بھی اثرانداز معلوم ہوتی ہے۔ اول الذکر صنف سخن کا دلیرانہ اور نشاط انگیز لہجہ آخرالذکر کو راس نہیں آسکتا۔ غزل۔ نرمی۔ گھلاوٹ اور درد و اثر چاہتی ہے۔ غم پرستی کا عنصر اس میں سوز و گداز پیدا کرتا ہے۔ دروں بینی اور داخلیت اس کے اجزائے ترکیبی میں شامل ہیں۔ خلوص عشق اس تصویر میں رنگ بھرتا ہے۔ سادگی اور بے تکلفی

اس میں تیر و نشتر کا کام دیتے ہیں۔ حزن و یاس اس کی لطافت کے ضامن ہیں۔ دنیا اور دنیاداری کی طمع قصیدہ نگار کو تو راس آسکتی ہے لیکن ایک غزل گو کو نہیں۔

سودا مذکورہ بالا ماحول کے آدمی ہرگز نہیں تھے۔ انھوں نے غزل کو بھی قصیدے کی طرح اپنی فنی آزمایشوں اور تجربوں کی آماجگاہ بنایا۔ مشکل سے مشکل زمینوں میں نظیری، صائب اور سبک ہندی کے دیگر فارسی شعرا کی طرح خوبصورت تشبیہات و استعارات کے انبار لگا کر انھوں نے اپنے تغزل کو فن کا بہترین نمونہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ خیال آفرینی، علوئے فکر اور زبردست زورِ بیان سے یہاں بھی وہی کام لیا گیا ہے جو ان کے قصائد و ہجویات کا طرۂ امتیاز ہے۔ مثلاً ؎

جو دیکھے مرغ ہوا کو وہ دام میں تیرے | تو ہووے رشک سے ماہی کباب در تہِ آب
گئی ہے سر سے گذر موج اشک آنکھوں کی | مجھے یہ لے گئی خانہ خراب در تہِ آب

سودا اور میر کی غزل گوئی کا اکثر تقابلی مطالعہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں عام طور پر لوگ اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ سودا ایک قصیدہ نگار غزل گو ہیں اور میر ایک خالص غزل گو۔ سودا کی غزل قصیدے کی سی مثالی شاعری کے حدود میں سرگرم سفر رہتی ہے۔ اس کا لب و لہجہ خارجیت کے زیر اثر کڑا اور دلیرانہ رہتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ وہ میر کے نرم و شیریں اور پُر خلوص اندازِ سخن سے بہت کچھ مختلف ہے ــــ مجموعی حیثیت سے (بقولِ خلیق انجم :-

"سودا ایک عظیم شاعر تھے لیکن عظیم غزل گو نہیں۔ اگر ان کی متاع فنِ غزل اور صرف غزل ہی ہوتی تو ان کا شمار اپنے دور کے دوسرے درجے کے شاعروں میں ہوتا)..... (لیکن) صفِ اول کے غزل گو نہ ہونے کے باوجود انھوں نے غزل کو بہت کچھ دیا ہے۔ اردو غزل میں "خارجیت" "زورِ بیان" اور "نشاط آمیز لب و لہجہ" انھیں کی دین ہے۔"

سودا کو مرثیے کی ادبی اہمیت کا احساس تھا۔ مرثیہ گوئی کا آغاز اگرچہ ان سے بہت پہلے ہو چکا تھا لیکن اس کے باوجود مرثیہ نگاری ابھی اپنے تجرباتی دور سے گزر رہی تھی۔ سودا نے

ایک ماہر فن کار کی طرح اِس صنفِ سخن میں بھی اپنے تخلیقی جوہر کے کرشمے دکھائے۔ وہ اس امر کو بخوبی سمجھتے تھے کہ مرثیے کا تعلق براہِ راست عوام سے ہے۔ اسی لئے اپنی قصیدہ نگاری کی عام روش کے برعکس انھوں نے اپنے مرثیوں کی زبان، بھاشا اور عوامی بول چال کے نزدیک رکھی۔ مرثیوں کے بحور کے انتخاب میں بھی انھوں نے عوامی پسند کا خیال رکھا لیکن ان باتوں کے ساتھ ساتھ مرثیے کا ادبی معیار بلند کرنے میں بھی سوداؔ کی کامیابی مُسلّم ہے۔

قصائد کی تشبیب کی طرح سوداؔ کے مرثیوں کے آغاز میں بھی مضمون آفرینی اور ندرتِ بیان موجود ہے۔ واقعات کے بیان میں ہندوستان کی سماجی رسوم اور تہذیبی زندگی کا بہت گہرا عکس اُن کے یہاں پایا جاتا ہے۔ چونکہ وہ خود موسیقی داں تھے اس لئے اپنے مرثیوں کی دُھنیں بھی خود ہی تجویز کرتے تھے ـــــ بقول ڈاکٹر سید مسیح الزماں :

"انھوں نے مرثیہ گوئی میں کسی مقرر راستے پر چلنا پسند نہیں بلکہ اس صنف کو ادبی حیثیت دینے کے لئے مختلف راستوں میں اس کے بڑھنے اور پھیلنے کے امکانات پر غور کیا اور اپنی ذہانت و جودتِ فکر سے نئے نئے پہلو نکالے جن کو بعد کے شعرا نے ترقی کی"۔ـــــ

●

سوداؔ کی نثری تصانیف "عبرۃ الغافلین" اور "سبیل ہدایت" کے علاوہ متعدد و متفرق اشعار سے بھی اُن کے نظریۂ شعر پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ شعر کو پُراثر دیکھنا چاہتے ہیں :ـــ

نہیں آفاق میں دلکش سخنِ بے تاثیر　　　گر اثر ہو تو کریں دل کو مسخر اشعار

ایہام گوئی اور لفظی بازیگری اُن کو نہیں بھاتی۔ وہ الفاظ کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ برداشت نہیں کرتے کہ الفاظ کے پیچھے معانی کا خون ہو جائے۔ ـــ

کاملِ فن سخن کہتے ہیں اس کو اکمل　　　پرورش لفظ کی منظور ہو جس کو اوّل
پر نہ یاں تک کہ عبارت ہی کو کر دیں مہمل　　　اعتقاد ان کا ہے یوں وہ جو کوئی ہیں اجہل
مو نہ ہو پرورشِ شانہ میں تو ہو موسل

بے جا رعایت لفظی کے ساتھ وہ بعید از فہم استعاروں کو بھی سخت ناپسند کرتے ہیں۔

یاں تلک باک نہیں ماہ کے گر ساتھ ہو شہر　　زلف کے واسطے بندھ جائے کہیں پٹ کی لہر
چشم کے وصف میں گو ہووے تو ہو گردش دہر　　نہ تلاش ان کے سخن کا ساکہ جس میں یہ قہر
باندھیں لب کو جو یہ اخگر تو دہن کو منقل

ایک جگہ ایک مرثیہ نگار کے مرثیہ اور سلام پر جو اعتراضات انھوں نے کیے ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شاعری میں الفاظ کے صحیح و برجستہ استعمال، محاورات کی دُرستی اور فصاحت کا خیال، قواعد زبان کی صحت۔ عروض و قافیہ سے واقفیت وغیرہ کو بہت ضروری چیزیں سمجھتے ہیں۔ عبرۃ الغافلین میں مرزا فاخر پر اعتراضات کرتے وقت بھی کم و بیش یہی باتیں سامنے رکھی ہیں۔

اِن تمام باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ سوداؔ شعر کے حُسن و قبح اور لفظی صنعتوں کے بارے میں کچھ خاص نظریات رکھتے تھے اور اِس موضوع کے بارے میں اُن کا ذہن بہت صاف اور اُن کا معیار بہت بلند ہے۔

●

حاصل سخن یہ کہ سوداؔ کے سے قدو قامت کے ملک الشعرا صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ زبان و بیان پر حاکمانہ اختیار اور تقریباً تمام اصنافِ شعر میں قادر الکلامی کا اظہار سوداؔ اور صرف سوداؔ ہی کا حصّہ ہے۔ اُردو قصیدے کو فارسی قصیدے کے سامنے سُرخرو ہونے کا فخر سوداؔ نے عطا کیا ہے۔ اُن کی طبع رسا اور زبان معجز بیان نے اِس صنفِ سخن کا وہ معیار قائم کیا ہے جس کی مثال اِس سے پہلے اور بعد میں صرف فارسی قصیدے میں مل سکتی ہے۔ فن ہجو گوئی کے وہ امام بھی ہیں اور خاتم بھی۔ ہجویات میں اور شہر آشوب میں اپنے دور کے سیاسی اور سماجی انحطاط کی مُنہ بولتی تصویریں پیش کرنے میں وہ ایک چابکدست مصوّر ہیں۔ تمسخر اور طنز اُن کے تیر و نشتر ہیں۔ سوداؔ کی غزل اپنے معاصرین سے مختلف ہے۔ اپنے مخصوص انداز میں انھوں نے غزل کو دلیرانہ اور کڑا لب و لہجہ عطا کر کے "خارجیت" کا شکوہ اور نشاطیہ پیرایۂ بیان بخشا ہے۔ اس صنف میں اُنھوں نے ایک نئی ڈگر قائم کی ہے جس پر انشا اور ذوق جیسے شعرا نے بھی باعثِ افتخار

خیال کیا ہے۔ اپنی ندرتِ فکر اور جدتِ ادا سے سودا نے مرثیہ کی ادبی سطح بلند کرنے میں بھی کارنامے انجام دئے ہیں۔ ہندوستانی سماج کی تہذیبی زندگی کا بہت بھرپور عکس اُن کے مرثیوں میں موجود ہے۔ مرثیہ کو عوامی پسند کی چیز بنانے میں انھوں نے اپنی زبان دانی اور موسیقی دانی سے بہت مفید کام انجام دیا۔

(مجموعی حیثیت سے سودا کی سی جامعیت کا دوسرا کوئی شاعر اُردو میں موجود نہیں۔ اس لحاظ سے وہ ایک عظیم شاعر ہیں۔)

کلیاتِ سودا کا یہ نسخہ اس لحاظ سے محلِ نظر ہے کہ اس میں سودا کے متعدد شاگردوں کا کلام بھی شامل ہو گیا ہے لیکن چونکہ متداول نسخہ یہی ہے اور سودا کے کلام پر اظہارِ خیال کرنے والوں نے اپنی تنقیدوں میں اسی کو بنیاد بنایا ہے اس لیے قارئین کے سامنے یہی متداول نسخہ اسی ترتیب سے پیش کیا جا رہا ہے تاکہ کلیاتِ سودا کی کمیابی کی شکایت دور ہو جائے۔ اس سلسلے میں ناشرین کی ہمت و حوصلہ کی داد دینا ضروری ہے جنھوں نے اس پُرآشوب دور میں اُردو کے مشہور شعرا کے کمیاب کلیات پھر سے بازار میں لانے کا اہتمام کیا ہے۔

امرت لعل عشرت

شعبۂ اُردو، فارسی و عربی
بنارس ہندو یونیورسٹی

۶ر اپریل ۱۹۷۱ء

فہرست مضامین

	صفحہ
۱۔ دیباچہ کلیات سودا (۱)	۱
۲۔ دیباچہ کلیات سودا (۲)	۳
۳۔ قصیدہ شاگرد سودا	۶
۴۔ رسالہ عبرۃ الغافلین	۴۸
۵۔ دیباچہ کلیاتِ سودا (۳)	۱۰۳
قصائد	
۶۔ قصیدہ در نعت حضرت سید المرسلین خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ...	۱۰۶
۷۔ قصیدہ در نعت منقبت حضرت امیر المومنین اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب ...	۱۰۸
۸۔ قصیدہ در منقبت شیر بیشۂ شجاعت سپہ سپر میدانِ سخاوت حیدر کرار صاحب ذوالفقار ...	۱۱۰

	صفحہ
۹۔ قصیدہ در منقبت حضرت امیر المومنین اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب	۱۱۲
۱۰۔ در منقبت امیر المومنین اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب صلوٰۃ اللہ علیہ	۱۱۴
۱۱۔ در منقبت امیر المومنین اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب صلوٰۃ اللہ علیہ ...	۱۱۶
۱۲۔ در مناقب حضرت امیر المومنین امام المتقین علی ابن ابی طالب صلوٰۃ اللہ علیہ ...	۱۲۴
۱۳۔ قصیدہ در منقبت گل گلزار نما نور دیدۂ رسولِ خدا سرور سینہ علی مرتضیٰ ابا عبد اللہ الحسین صلوٰۃ اللہ علیہ ...	۱۳۰
۱۴۔ قصیدہ در منقبت قرۃ العیون الحسنین اعنی حضرت امام کاظمین صلوٰۃ اللہ علیہ ...	۱۳۵

	صفحہ
۱۵۔ قصیدہ در مدح قرۃ العین رسول زمان حضرت امام ضامن موسیٰ رضا شاہ خراسان	۱۴۰
۱۶۔ در مدح امام ثامن ضامن علی موسیٰ رضا شاہ خراسان صلواۃ اللہ علیہ وکنایہ وطعن بر شاعر فاخر مکین و اکسیر استاد اد	۱۴۵
۱۷۔ قصیدہ در منقبت فخر دودمان نبوی خلاصۃ خاندان مرتضوی امام عسکری صلواۃ اللہ علیہ ...	۱۴۵
۱۸۔ قصیدہ در منقبت خلیفۃ الرحمٰن امام مہدی الہادی آخر الزمان صلواۃ اللہ علیہ	۱۵۲
۱۹۔ در منقبت خلیفۃ الرحمٰن امام مہدی الہادی آخر الزمان صلواۃ اللہ علیہ السلام وطعن بر شاعر کہ ایراد بر شعر میرزا گرفتہ بود	۱۵۵
۲۰۔ در ستایش و مدح ابو العدل عزیز الدین محمد عالمگیر ثانی بادشاہ غازی	۱۵۸
۲۱۔ قصیدہ در ثنائے شاہ جم جاہ خسرو فلک بارگاہ عالی گوہر محمد شاہ عالم بہادر بادشاہ غازی	۱۶۰
۲۲۔ قصیدہ در مدح نواب وزیر الممالک عماد الملک مدار المہام آصف جاہ نظام الملک بہادر غازی الدین خان ...	۱۶۱
۲۳۔ قصیدہ در مدح نواب وزیر الممالک عماد الدولہ مدار المہام آصف جاہ نظام الملک بہادر ...	۱۶۷
۲۴۔ قصیدہ در مدح نواب وزیر الممالک اشجع دوران ...	۱۷۰
۲۵۔ قصیدہ در مدح نواب وزیر الممالک اشجع زمان شجاع الدولہ جلال الدین حیدر بہادر ہزبر جنگ ...	۱۷۲
۲۶۔ قصیدہ در مدح نواب وزیر الممالک شجاع الدولہ جلال الدین حیدر ہزبر جنگ ...	۱۷۵
۲۷۔ در مدح نواب وزیر الممالک شجاع الدولہ بہادر ہزبر جنگ	۱۷۷
۲۸۔ قصیدہ در تعریف تیر و کمان وصفائی شست داصابہ تیر بہدف نواب وزیر الممالک ...	۱۸۱

صفحہ

۲۹۔ قصیدہ در مدح نواب وزیر الممالک جلال الدین حیدر شجاع الدولہ بہادر ہزبر جنگ در فتح کردن بحافظ رحمت خاں ... ۱۸۲

۳۰۔ قصیدہ در مدح نواب وزیر الممالک آصف الدولہ یحییٰ خاں بہادر رستم جنگ ۱۸۴

۳۱۔ قصیدہ در مدح وزیر الممالک نواب آصف الدولہ بہادر رستم جنگ ۱۸۷

۳۲۔ قصیدہ در مدح وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر رستم جنگ ۱۸۹

۳۳۔ قصیدہ در مدح وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر رستم جنگ ۱۹۲

۳۴۔ قصیدہ در مدح نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر رستم جنگ ۱۹۳

۳۵۔ قصیدہ در مبارکباد عید رمضان نواب وزیر الممالک آصف الدولہ ۱۹۴

۳۶۔ قصیدہ در مدح حکیم میر محمد کاظم ۱۹۴

۳۷۔ قصیدہ در مدح نواب سرفراز الدولہ حسن رضا خاں بہادر ۱۹۶

۳۸۔ قصیدہ در مدح سرفراز الدولہ حسن رضا خاں بہادر ... ۱۹۹

۳۹۔ قصیدہ در مدح نواب سیف الدولہ احمد علی خاں بہادر پسر سید صلابت خاں ۲۰۱

۴۰۔ قصیدہ در مدح سیف الدولہ احمد علی خاں بہادر ... ۲۰۷

۴۱۔ قصیدہ در مدح نواب احمد علی خاں سیف الدولہ پسر صلابت خاں بہادر ۲۰۹

۴۲۔ قصیدہ در مدح نواب نسبت علی خاں خواجہ سرا محمد شاہی ۲۱۲

۴۳۔ قصیدہ در مدح بستت خاں محمد شاہی ۲۱۵

۴۴۔ قصیدہ در نصائح فن شعر و طعن بر شاعری و در مدح مہربان خاں ۲۱۹

۴۵۔ قصیدہ در ہجو شخصے کہ متعصب بود ۲۲۱

۴۶۔ قصیدہ در ہجو مولوی ساجد در بیان آنکہ یزید را اولی الامر گفتہ بود ... ۲۲۳

۴۷۔ قصیدہ شہر آشوب ... ۲۲۶

۴۸۔ قصیدہ در ہجو اسپ المسمّیٰ بہ تضحیک روزگار ... ۲۳۰

۴۹۔ قصیدہ چہل و ششم فارسی در تعریف مسجد نو ۲۳۴

مثنویاں

صفحہ

۵۰۔ مثنوی اوّل قصہ در عشق پسر شیشہ گر بہ زر گر پسر بطور ساقی نامہ و دیگر حکایت شیخ و دعا، بادشاہ ... ۲۳۸

۵۱۔ مثنوی دوم در تعریف شکار کردن نواب آصف الدولہ بہادر... ۲۶۵

۵۲۔ مثنوی سوم بطور خط ... ۲۶۷

۵۳۔ مثنوی چہارم بہ طور خط ... ۲۶۹

۵۴۔ مثنوی پنجم در بیان معانی بیت مثنوی مولوی روم ... ۲۷۰

۵۵۔ مثنوی ششم در تعریف چھڑی ۲۷۱

۵۶۔ مثنوی ہفتم در تعریف دیوان و اشعار مہربان خاں ... ۲۷۳

۵۷۔ مثنوی ہشتم در ہجو بیل راجہ نربت سنگھ ... ۲۷۵

۵۸۔ مثنوی نہم در ہجو شیدی فولاد خاں کوتوال شاہ جہاں آباد ... ۲۷۹

۵۹۔ مثنوی دہم ... ۲۸۲

۶۰۔ مثنوی یازدہم در ہجو موسم سرما.. ۲۸۶

۶۱۔ مثنوی دوازدہم در ہجو امیر دولتمند بخیل ۲۸۹

صفحہ

۶۲۔ مثنوی سیزدہم در ہجو میر ضاحک ۲۹۵

۶۳۔ مثنوی سیزدہم در ہجو طفل ضائع روزگار لکڑی باز ... ۳۰۰

۶۴۔ مثنوی ہفتدہم در ہجو حکیم غوث ... ۳۰۴

۶۵۔ مثنوی ہیزدہم در ہجو چیک مرزا فیضو ... ۳۰۸

۶۶۔ مثنوی نوزدہم بطور ساقی نامہ در ہجو میاں فوقی ... ۳۱۱

۶۷۔ مثنوی بستم در ہجو فدوی متوطن پنجاب کہ در اصل بقال بچہ بود ۳۱۷

۶۸۔ مثنوی بست و یکم در تعریف چاہ مومن خاں ۳۲۶

۶۹۔ مثنوی بست و دوم ... ۳۲۷

۷۰۔ مثنوی بست و سوم ... ۳۴۵

۷۱۔ غزلیات فارسی ... ۳۵۲

اُردو غزلیں

۷۲۔ ردیف الف ... ۳۸۰

۷۳۔ ردیف بای موحدہ ... ۴۲۷

۷۴۔ ردیف التاء ... ۴۳۱

۷۵۔ ردیف ثاء مثلثہ ... ۴۳۷

	صفحہ
۷۶۔ ردیف جیم فارسی ...	۴۳۸
۷۷۔ ردیف حاء مہملہ ...	۴۴۰
۷۸۔ ردیف خای معجمہ ...	۴۴۲
۷۹۔ ردیف دال مہملہ ...	۴۴۳
۸۰۔ ردیف ذال معجمہ ...	۴۴۶
۸۱۔ ردیف راء مہملہ ...	۴۴۷
۸۲۔ ردیف زاء معجمہ ...	۴۶۰
۸۳۔ ردیف سین مہملہ ...	۴۶۳
۸۴۔ ردیف شین معجمہ ...	۴۶۵
۸۵۔ ردیف صاد مہملہ ...	۴۶۷
۸۶۔ ردیف ضاد معجمہ ...	۴۶۹
۸۷۔ ردیف طاء مہملہ ...	۴۷۰
۸۸۔ ردیف ظاء معجمہ ...	۴۷۳
۸۹۔ ردیف عین مہملہ ...	۴۷۴
۹۰۔ ردیف غین معجمہ ...	۴۷۶
۹۱۔ ردیف فا ...	۴۷۸
۹۲۔ ردیف کاف ...	۴۸۱
۹۳۔ ردیف لام ...	۴۸۷
۹۴۔ ردیف میم ...	۴۹۰

کلیاتِ سودا

حصّۂ اوّل

دیباچہ کلیاتِ سودا

(۱)

حمد سوداخانۂ ستایش رفیع است و زیادہ ازاں کہ دانی وسیع امادراں حمد خالق اشیا عمدہ متاع پرداز ست ہمانا جنسیہ کہ خانہ پرور ست مستغنی از روز بازار منِ کہنہ فروش کہ در پسِ کوچۂ دکاں می آرام چگونہ بر متاع بازار زدہ بازرگانی نمایم کالا آب کردن چہ سود کہ صرف قماش دکانداری نیست از اینجاست کہ صبح در کشادنِ دکان بازار می دارم و شام در گرو در بندان ست پس بنساط سخن در طرز خموشی انداختن ست و بزنجیر کردن در محال کوشی بر داختن **نعت** بر حمد خداوند ہر دو عالم نعت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہر متکلم عرض عرض داند و ہر مسلم مستحب بلکہ فرض آری من چہ باشم کہ بدعوی خامہ تراشم اگر کتاں باماہ زبان بازی نماید بندہ منعوت خدارا ستاید منزل گہی قاب قوسین ادنیٰ رفعت او و خطاب رحمۃ للعالمین اعلیٰ و فعتِ او والنہار اذا تجلیٰ غازۂ رخسار پُر انوارش واللیل اذا یغشیٰ سواد زلف مشکبارش **منقبت آل** حب آل رنگی دارد کہ زبان در وصفش مال کہ محب ہمیشہ مانند لال در جامۂ آل ہر کس را کہ محبت رنگ بست افتاد بحکم بر فرق فرقدان پا نہادہ آنانکہ بمدح آل فیض مآل شتافتہ اند در درج دہن دنداں راسلک لال یافتہ **محمدیت اصحاب** نازش مدح خلفای راشدین اند کہ رونق چہار طاق دین اند منکراں را کہ چار اندر چار ہمی گفتند و بخواب چہار پہلو می خفتند بر چار نہج انتقام زدند دکمان پاک نژاد را چار خم کردند ہیچ معنی چار چار گو کہ لیاقت بر سر یک پا نشستن ندارد چساں

بر چار باشت چار یار چار زانو زنند تمهید به حمد ... دکه حرف ورق گیر
کرسی نشانند آن خود را پروانهٔ بزبران بیشهٔ سخنوری می خوانند ریختهٔ ... دیدنی دارد و گفتهٔ
زبانش شنیدنی که میرزا رفیع سودا شاعری بود از نکات سخن ماهر و ذاتش آراسته
و پیراست بصفات باطن و ظاهر ذهن ذکا و طبع ... داشت و فکر رسا و خیال بلند پایه تا م
دو دیده می رفت و آهوی مانده ... گرفت ... آراستن کار دست بستهٔ آن بزرگوار
بود و در پی صید زخم خورده شتافتن حوصلهٔ ابنای روزگار پو پو مشان ترازوی نظم بر افراختند
از دغدغهٔ شاهین نگاهش از دست انداختند تا آنکه ... ترازوی سخن می گفتند چنان
زبیش رخصت هوش کردند سخن ترازو زدن و ترازو شدن از من فراموش کردند ۔

دیباچهٔ کلیاتِ سودا

(۲)

سطرے چند بطور دیباچه تصنیف یکے از تلامذهٔ ارشد مرزا رفیع المتخلص به سودا
مع قصیده نه صد و پنجاه شعر بنظر در آمده آغاز کلیات ... کرده شد ۔

مرزا محمد رفیع السودا ... افضل و کمال این مرد بزرگ مقدور خامه و زبان و بیان
و بنان نیست و این معنی مثل آفتاب ... روشن است و آنچه بعضے صاحبان سابق در حال
از شیخ و شاب ملال خاطر بهم رسانیده چیزے در حق ملازمانش تعبیر کرده حال را خالی کرده اند
و می کند زیاده از دین ایشان ست ناحق ستم بر نامه و خامه کرده ... راه نا انصافی پیموده
چراکه در عالم سخن هندی مرتبه مرزا بکمال رسیده و این فن بسر حدِ تمام رسانیده از عرش برین
گذرانیده نردبان فکر و اندیشه این مردم را ادعای رسانی آن رواق بلند خیالی است
محال بر حرف ست دور از خیال زیاده گوئی خود را مضحکهٔ روزگار ساخته اند و عبث بلاف و گزاف

بزبان ها درانداخته اگرچه مرزا فاضل تخلص به مکین نیز بسبب شکرآبی که فیمابین جناب رفیع و
مرزا مذکور از لکهنؤ بمیان آمده بود چنانچه از رساله عبرة الغافلین مفصل و مشروحاً
احوال واضح می شود لیکن آخر از تازیانهٔ تحمل و اغماض آنجناب متنبه گشته بتقریر این الفاظ که
بار این همه بیان واقع آن ست که مرزا رفیع سودا یگانهٔ روزگار بوده است مقر بکمال آنجناب
گردیده قطع نظر از اخلاق حمیده از کمالات بلاغت و فصاحت شعر و سخن جناب رفیع حتی برین
فرقه بل هرکه سر بسخن هندے داشته باشد گذاشته اند که هیچ کس از عهدهٔ شکر آن برون نمی تواند
به آمد واحدے ادائے این دام نباید نمود چه بر صاحبان سخن و مالکان این فن هویداست که بعد
انقضائے دوره فارسی گویان نوبت پادشاهی ملک سخنوری ریخته هندی بولی دکهنی دباخی
وابرد وغیره رسید طور و طریق فصاحت و بلاغت و متانت را صافت یک لخت از صفحهٔ روزگار
برانداخته و از خشت و گل محاوره کج ج تلاش ایهام و بزبان خام بموجب خاطر خواه خود قصرے
بلند برافراختند و بر غرفهٔ مضمون آن شاهد رعنائی فصاحت و بلاغت جلوه پیرا و نه بربام
خیالاتش ماه روی باداى تازه و نزاکت و متانت سرگرم تماشا دل دادگان شاهد رعنائے
اشعار دردمندانه ازین جهت همیشه در آتش غم می سوختند و تیر در جگر خوردگان عشق بیان
مضامین معامله ادا ازین تشویش بهمواره سنگ بار بسینه می کوفتند اشک حسرت از دیده میراندند
تا آنکه فضل و کرم ایزد باری بابخت و طالع سخنوران مددگاری کرده آن جماعه در زاویهٔ عدم
متواری که آفتاب ظهور جناب مرزا رفیع سودا از مطلع فضل و کمال شارق و بازغ گردیده این
واین فرقه و سخنور کش غم و جماعه پایمال الم که راقم حروف هم کرده است بداد خود رسید بر صدق مقال
این هیچدان ناقل بیان تمام کمال بلاغت نظام آن قدوهٔ متاخرین بل شرف متقدمین و متوسطین
خصوص قصائد و مثنویات و غزل شاهد نیست روشن و برهانیست مبرهن اگرچه این احقر العباد
ضراعت نهاد که ناآشنائے قلم و سواد بل بیگانهٔ اقلیم استعداد است نه چیزے باعزد دیگر نهاد دارد
و نه بجناب مرزا رفیع که خلاق معانی تازه گذشته زیاده از انها اتحاد و لیکن چون مصرع

مصرع — انصاف شیوهٔ ایست که بالای طاعت ست

دیم شیفته نازنین صنمان نگار در دو مندانه دگرفتار عنبرین مویان اشعار متین دعاشقانه است
دانز کمان ابروی شاهدان که خونریش فتنه برانداز مضامین و کلام متین تیر در جگر خورده و خاک
صبر و قرارش را سیلاب عشق که فرنگیان سخندان محذورده قدسیه بسیلاب برده جناب مرزا در
احیای مردات بحکم خفتگان این علم مسیحائی نفس آورده اند الحمد در تحریر این سطور داد ای
مدح منتخب نیز هند مجبور گردیده امید از سخن فهمان حق پژوه حسب کلامان انصاف شعار
نمین ست که مضمون خود نمائی نگردد این چند اوراق برائے مهر کردن دہان زیاده گویان
مرقوم می گردد ✚

——•••✿•••——

قصیدہ

کیا حضرتِ سودا نے کی اے مصحفی تقصیر
کرتا ہے جو ہجو اُس کی تو ہر صفحہ میں تحریر

خوبی سخن سے ہے جو آفاق کا ممدوح
سو اس کی تو اور اُس کے سخن کی کرے تحقیر

جو شاعری اسے غیرتِ نقاشِ مانی
جن شعر سے شرمندہ ہے بہزاد کی تصویر

جو شاعری پہونچی ہے فرنگ و صفہاں میں
اور لے کے عرب تا عجم اُس نے کیا تسخیر

کرتا ہے تو اُس شاعری کی ہجو و مذمّت
جو شاعری خورشید کی صورت ہے جہانگیر

یہ سن کے جو پُرمغز ہیں کہتے ہیں تجھے پوچ
اور پوچ ترا پوچ تری جانی ہیں تقریر

فضل و ہنر و علم میں گذرے ہیں جو کامل
ہر اک سے رہے ہیں وہ مقر اپنے بتحقیر

اس رتبہ نفس اپنے کے تھے کسر کے درپے
خالق نے کیا تھا تب اُنھیں صاحبِ توقیر

مغرور جو اتنا ہے تو اس بے صبری پر
کیا کبر و منی سے تری طینت کا ہے تخمیر

دیکھا تو یہ غرّہ ہے ترا ازرہِ تحمیق
معذور رہے تو ہی بہ تری حمق کی تقصیر

کمزور جو اپنے تئیں جانے ہے زبردست
بے شبہہ و شک آئے ہے ہر ایک کے وہ زیر

گذرے ہیں جو استادِ سخن اپنے وہ اشعار
سب کر گئے ہیں فخر و مباہات میں تحریر

بے بہرہ معانی سے سخن بسکہ ہے تیرا
لفظوں میں ارادہ ہو ترا کیونکہ گرہ گیر

یہ شعر ہے فخریہ میں بے معنی کہ جس میں
تو شاعری کے دعوے کی ٹھونکے ہے بم وزیر

سو متصفوں کے واسطے تا اس کو نہیں وہ
مضموں کو کیا اُس کے میں اس تحریر میں زنجیر

شعر مصحفی

شانہ پہ میرے مُہرِ نبوّت نہیں نہیں
کرتا ہیں صاف دعوئی وحی و پیمبری

مضمون شعر مصحفیؔ

شانہ پہ نہیں مہر نبوّت نہیں کرتا ۔ — پیغمبری و وحی کے دعویٰ کے میں تشہیر
یہ بات جو واہی تو بکا بند کر آنکھیں — اس حرف سے کیا پلئے تری شاعری توقیر
تخصیص یہ تجھ پر ہے نہیں شانہ پہ جس کے — ہو مہر نبوّت کرے دعویٰ یہ ہوا ہیر
اس شعر سے کچھ شعر کا فخر یہ نہ نکلا — اور پیچ پہ بک کر تو ہوا داخل تکفیر
اس مُہر نبوّت کے جو مضمون کو لایا — نزدیک تری فہم کے ہے تازہ یہ تقریر
اُلجھاؤ یہ اس سادگی معنی نے ڈالا — عاجز جسے سلجھانے میں ہے ناخنِ تدبیر
لائے ہیں کہیں مُہر نبوّت کا وہ مذکور — جو شاعری کے فن میں ہیں ہمیر ہیں مشاہیر

مضمون منہ

سودا کے تئیں کہتے ہیں تھا شاعرِ مغلق — کیا مصرعۂ بے ربط کیا تو نے یہ تحریر
سو شاعری اُس کی تو بلیغوں پہ عیاں ہے — بے معنی تر اُس سے ہے زیادہ یہ تسطیر
سودا کو کوئی شاعرِ مغلق نہیں کہتا — یہ خلق پہ ہے از رہِ بہتان تری تقریر
کہتے ہیں وہ خلّاق معانی تھا جہاں میں — مذکور جہاں آئے ہے سودا کا یہ تذکیر
تو جانے بلیغ آپ کو اور تیری حماقت — کرتی ہے سدا جہل کی بنیاد کو تعمیر
دعوائے بلاغت کا ترے ہے یہی مصداق — اس قطعہ کو اس واسطے کرتا ہوں میں تحریر
کیا خوب مضامین میں کرتا ہے مذمّت — محسودوں کے تو اپنے ہو آزردہ و دلگیر

منہ

بعضے حمقا کا جو پدر ہو وے سے گا ہے — آنے سے سپیدی کے جوان میں بھی جوں پیر
از روے تناسب وہ اُسے زال سمجھ کر — کہتے ہیں کہ ہم رستم دستاں کے ہیں ہمشیر

پھر اس پہ یہ دعویٰ کہ کہیں شیر ہے مارا — کر لا دے جو صحرا سے سیہ گربہ کو نخچیر
پر دے جو ہیں ٹک صورت و سیرت میں ممیّز — کب شیر کے بچے سے کریں نسبت خنزیر
کیا اسپ معانی کو کدادیں گے وہ جن پاس — نے پوزی نہ پٹا نہ فراخی ہے نہ خوگیر

مصنّف

ہے سب یہ تری شاعری اعجوبہ و لیکن — اعجوبہ تر اُس سب سے ہے خنزیر کی تقریر
دعوائے بلاغت کا سبب حمق ہے تیرا — طینت کا بلیغوں کی نہ ہو حمق سے تخمیر
ہے واقعہ میں جو کہ حقیقت کا تری حال — دریافت کر اُس کے تئیں کہتے ہیں جماہیر
گر عمر طبیعی کو بھی پہونچے تو یقیں ہے — پہونچے نہ بلاغت کو تو نابالغوں کے پیر
تو حمق کو جانے ہے بلاغت سو دہ کیا ہے — خامہ نے بلیغوں کے ترے حق میں یہ تحریر
کرتی ہے بلاغت پہ تری لعن بلاغت — سُن تیری فصاحت پہ فصاحت کی ہے تقریر
اے مصحفی جانے ہے تو اپنا جسے دیواں — نفرین خلائق کی ہے گویا کہ وہ جاگیر
جو مانی و بہزاد سے رکھتا ہے زیادہ — صورت کشی معنی و مضمون میں تشہیر
مضمون و معانی سے نہیں بہرہ کچھ اُس کو — کیٹو وہ زباں جس سے تو کرتا ہے یہ تقریر
رکھ چشمِ حماقت پہ ذرا عقل کی عینک — باریکیِ مضموں کی دیکھ اُس کے تصاویر
پرواز معانی کے ہیں کس رنگ سے چہرہ — اور کیسی صفائی سے ہے اُن چہروں کی تحریر
انداز رقم چہروں کی اُن حور وشوں کے — تصویر بھی ہے دیکھ کے غرقِ خوئے تشویر
خم بھولے کماں دیکھ کے گر اُن کا خم ابرو — مژگاں کی کجی دیکھ اکڑ کے نہ چلے تیر
ابرو مژہ و چشم و نگہ ناز و کرشمہ — کی یکسر مو کھینچنے میں اُس نے نہ تقصیر
چشم اُن کی میں اُستاد نے رکھا ہے یہ غمزہ — سوراخ ہے جس سے جگرِ عاشقِ دلگیر
رخسار میں اُن کے وہ بھرا رنگ کہ جس کے — گل ڈالے ہے غیرت سے گریباں کے تئیں چیر

خوبی خط اُن کے سے بنفشہ کو ہے سودا — مرغوب کیے زلف سے سنبل ہے بزنجیر
زیبندہ کیے زلفِ فریبندہ کیے خال — دکھلا خرد و ہوش کو کرتے ہیں وہ تسخیر
محبوبی و انداز و ادا خوبی و شوخی — ہر عضو میں اُن کے ہے بھری اُس نے یہ توقیر
دیکھ اُن کے قد و قامت و رفتار کا عالم — حیران کھڑا سرو ہے شمشاد زمیں گیر
بہزاد سخن تھا وہ جب اس طرح سے اُس نے — کھینچے ہیں نگاراں معانی کی تصاویر
ہیں تجھ سے ہزاروں یہاں چیت بگاڑو — جو سمجھے نہ پرداز کو اور جانے نہ تحریر
اقلیم سخن میں تھا وہ بہزاد کا اُستاد — تب کھینچ گیا حُسنِ معانی کی تصاویر
روغن سے معانی کے تو اور رنگ سخن سے — واقف نہیں کیا جائے گا تو کھینچ کے تصویر
طراحیِ تقریر کو سمجھے گا نہ ہرگز — گر مے کی سخن کے نہیں آئی تجھے تدبیر
الوانِ معانی سے تو آگاہ ہو کیونکر — یہ رنگ کراتی نہیں ہرگز تجھے تقطیر
سودا کے مضامین کا چربا کھینچے تجھ سے — اتنی بھی لیاقت نہیں رکھتی تری تقریر
اعجاز کو سودا کے اور افسون کو اپنے — یک یکہ سمجھتا ہے تو اے سامری کے پیر
گوسالہ کو جبریل سے کیا نسبت و کیا ربط — فرعون کو ہو موسیٰ عمران کی توقیر
ہو داغ برص کا نہ کبھو اُس کے برابر — بخشی ہے خدا نے ید بیضا کو جو تنویر
دعویٰ کرے ہے ہمسری و ہم سخنی کا — ساتھ اُس کے تو اے مادۂ حیلہ و تزویر
اُس کو تو یقین جان کہ بیہودہ ہوا ہے — تیرے سر بے مغز میں یہ خبط گرہ گیر
سودا کی ہو تحریر معانی ہے مساوی — بن اُس سے ہو تیری جو بیہودہ ہے تقریر
بازار کی مورت ہو اگر اُس کے برابر — ہووے جو بنائی ہوئی بہزاد کی تصویر
ٹک دیدۂ تفہیم سے تو دیکھ وہ دیواں — تا سیر مرقع ہے طبیعت ہو تری سیر
آئینہ عروسانِ معانی کا ہے گویا — از بسکہ پُر از نور و صفا اُس کی ہے تقریر
دیواں کو مدوّن نہ کیا بلکہ جہاں میں — وہ ایک پری خانۂ چیں کر گیا تعمیر

اے شب پرہ بینائی میں آنکھیں ہیں تری کور ٭ اُس پر توِ خورشید کی مطلق نہیں تقصیر
بہرِ طلبِ فائدہ خوشش گوئی سودا ٭ تو غور سے گر دیکھتا اے حمق کی تصویر
اندیشہ بے معنی تری طبع کا ہو خضر ٭ کرتا نہ تجھے وادیِ بدگوئی کا رہگیر
پر کثرتِ نشہ نے مے حمق کی تجھکو ٭ فرصت تری اک آن جو آنکھوں کے تئیں چیر
حسن و سخن و لطفِ بیاں دیکھتا اُس کا ٭ اور نہ بکتا نہ ہذیان یہ اے واہیوں کے پیر

منہ

سچ پوچھو تو اُردو کی فقط صاف زباں ہے ٭ مضموں نہیں کرجانتا زنہار وہ تحریر
اُس شاعرِ ساحر کی کہے حق میں تو یہ بات ٭ ہے تیری حماقت کی دلیل اب یہی تقریر
سودا کے سخن کے تئیں اُستاد تو اپنا ٭ کرتا اگر اے جرعہ کشِ بادۂ تقصیر
اس طرح سے میدان میں تقریر و بیاں کے ٭ یہ ٹھوکریں کھا کھا کے نہ ہوتا زبر و زیر
دیکھ اُن کے کلاموں کے جو تھے ماسبق اُسکے ٭ اُستاد بنا ہر کوئی زیرِ فلکِ پیر
ہوتے وہ اگر تیری طرح حمق کے مانند ٭ تو قطع نہ ہو جاتی وہ اُستادی کی زنجیر
اب تک ہے اِسی بات کا یہ سلسلہ جاری ٭ ہیں سب ہوئے اُستاد بتقدیم و بتاخیر
تو اُس کو کہے صاف زباں دیکھ کے جس کی ٭ نقاشی کو ہے خاک بسر کردۂ تصویر
کیا سہل سمجھتا ہے تو اُس صاف زباں کو ٭ گو سات جنم لیوے تو بالفرض ز تقدیر
ویسا نہ ہو یک لفظ زباں سے ترے جاری ٭ پیدا کرے ہرگز نہ ترا نُطق وہ توقیر
یہ شعر جو بے معنی دوا ہی تو بکا ہے ٭ اس طرح کیا مصرعوں کو اُس کے میں زنجیر
سو اس میں بھی تو غور سے دیکھے تو بہت جا ٭ یوں مصرعۂ اوّل کو تو لایا ہے یہ تقریر
معنی ستم لفظ سے فریاد کناں ہے ٭ اور مصرعۂ ثانی میں یہ مضموں ہے گرہ گیر
اتنا تجھے سوجھا نہ یہ کرتا ہوں میں جس کے ٭ نطقِ سخن و شاعری و شعر کی تحقیر
عالم کی جہاں میں صفحاتِ دل و جاں پر ٭ نقشِ حجرآسا سخن اُس کے کی ہے تحریر

سودا کے سخن کو وہ دیا حُسن خدا نے
سُن کر جسے تحسین کو دشمن نہ کرے دیر

تو بد ہے جو اس طرح سے بد گوئی کرے ہے
سودا کے سخن سنجی کی اے مایۂ تدبیر

اُس انوریِ ہند نے دیوان میں اپنے
اک شعر کیا ہے اسی مضمون کا تحریر

سودا

ہے میری صفائی سخن آئینہ کے مانند
جو بد ہے لگا دیکھ اُسے یہ کرنے وہ تقریر

مونڈ آنکھوں کو اس طرح جو مُنہ تو نے دیا کھول
اس حرف کا سمجھا نہ تو اتنا زبر و زیر

بکتا ہے تو یہ جس سخن ایجاد کے حق میں
اُس کے سخن و شعر کا آفاق ہے تسخیر

یہ شعر تیرے جو سنے کا بجز اُس کے
بد کہنے میں ہرگز نہ کرے گا تیرے تاخیر

میں تجھ سے یہ پوچھوں ہوں بتا کیا ہے وہ معنی
جو ہے ستم لفظ سے فریادی و دلگیر

کس شخص میں ہیں اُسکے سے الفاظ معانی
شاعر جہاں جتنے ہیں گمنام و مشاہیر

فکر اُس کی نے جو بخشا ہے معانی کو جو کچھ رنگ
یوں لعل کو دے رنگ نہ خورشید کی تنویر

سودا کی فصاحت ہے جو کچھ نظم بیاں میں
رکھتی وہ فصاحت نہیں خاقانی کی تقریر

دی اُس نے وہ الفاظ و معانی کو بلاغت
پھبتا ہے کہے خلق جو سحباں کا اُسے پیر

ہر معنی و ہر لفظ ہے خورشید سا روشن
ہر شعر میں خامہ نے کیا اُسکے جو تحریر

اشعار کے ملحوظ مراتب کے قرائن
جس طرح سے تھے اُسکو وہ کب آئیں یہ تقریر

لے کر کے قصیدہ سے غزل تا یہ مخمس
ترجیع سے تا مثنوی وہ فخر تحاریر

مطلع سے عرض کھینچ گیا تا حدِ مقطع
ہر شعر میں معنی کے جُدا رنگ سے تصویر

انداز ہر اک اُس کے قصیدہ کا جو دیکھو
تمہید سے ہے تا بگریز اک نئی تقریر

وہ ربط سخن اور وہ آئین بیاں کا
پاوے نہ کبھو کوئی کرے کیسی ہی تدبیر

دعویٰ جو کرے ہمسری کا شعر میں اُس کے
داناؤں میں ہوتا ہے بہ تحقیق وہ تشہیر

ہر چند اُڑے عرش پہ جا ذہن کسی کا
پر ذہن کے سودا کے رہے گا وہ سدا زیر

مضمون کی تھی پھلجھڑی گویا ذہن اُس کا   کیا مُنہ جو کرے کوئی وہ گلریزیِ تقریر
گو نام کو ہندی ہے پر از فارسی ہے وہ   اشعار میں اُس کے وہ مضامیں ہیں گرہ گیر
کب سیر گلستاں کی خوش آوے اُسے رکھے   دیوان کو سودا کے نظر اپنی کی جو زیر
وہ مخترعِ طرز کہ طرزِ قدما پر   کھینچا خطِ نسخ اُس کی ہے خامہ نے یہ تحریر
رنگِ سخنِ ریختہ کرتا ہے اُسی کا   اب فارسی کا رنگ رُخِ اُستادوں کی تغییر
وہ ہادیِ راہِ سخنِ ریختہ جس کے   سب پیروں میں وہ پیشروی کر گئے ہیں پیر
جن روزوں میں حاصل تھا سخن کا اُسے کمال   تھی مَیر کی جب بتدیانہ یہی تقریر
تو ویسی کی اذکار کو از بسکہ ہر اک جا   بے موجب و تقریب جو لاتا ہے یہ تحقیر
اُس کا یہ نتیجہ ہے کہ تیرا سخن و شعر   نزدیک خلائق کے ہے بے رتبہ و توقیر
چھائی تری آنکھوں پہ ز بس حمق کی چربی   اندھا ہے تو اس میں نہیں مطلق تری تقصیر
بینائی اگر ہوتی ترے دیدۂ و دل میں   یوں موند کے آنکھوں کو نہ کرتا تو یہ تقریر
کہتے ہیں کہ سودا نہیں اس عہد میں ہے ہے   یہ حرف بھی کیا محض غلط رکھتا ہے تشہیر
سودا جو نہیں ہے تو نہ ہوویں تو ہوں بیٹھا   سودا کی جگہ مسندِ معنی پہ یہ توقیر
پر دیدۂ انصاف ز بس کور ہیں مجکو   دردی کش سودا بھی سمجھتے نہیں بے پیر
سودا کی جگہ پر لو زباں اپنی سے ایسا   جا بیٹھا وہ گویا ترے بابا کی تھی جاگیر
تا کفش کن اُسکی نہ ترا پوچھے کبھو وہم   دی اُس کی جگہ کے تئیں خالق نے یہ توقیر
سودا کی جگہ کے تو ملائک ہیں نگہباں   واں جا نہیں سکتا ہے خیالِ فلکِ پیر
کرتا ہے جو شیطاں کی طرح جانے کا واں عزم   بھگولتے ہیں وہ مار کے آتش کے اُسے تیر
سودا کی جو مسند ہے معانی کی سو اُس پر   کہتا ہے تو بیٹھا ہوں میں با عزّت و توقیر
کی لات زنی تو نے جو بیہودہ یہ سُن کر   دانا تجھے دشنام دے کرتے ہیں یہ تقریر
بیٹھے گا تو کس طرح سے سودا کی جگہ پر   شیروں کی جگہ پر نہیں بیٹھا کبھی خنزیر

سودا کی جگہ سے ہے تجھے فاصلہ اتنا
جتنا کہ تفاوت رکھے توقیر سے تحقیر

ہیں دیدۂ انصاف تو خورشید سے روشن
کھودے سبل حمق نے لیکن تری تبصیر

ہر کوئی سمجھتا تجھے دُودے کش سودا
گر صاف سخن طبع سے پایا تری تقطیر

کیا ربط سخن کو ترے سودا کے سخن سے
ذرّہ میں کہاں مہر جہان تاب کی تنویر

جس جا میں کہ جا صاف سخن اُس نے پیا ہے
اس جا نہ فرشتہ کے تئیں لے گئی تقدیر

گذرا ہے وہ عالم میں اک اُستاد زبردست
کیا کیا کروں اوصافِ سخن اُسکی میں تحریر

خوبیِ معانی کہوں یا بندشِ الفاظ
پاکیزہ بیانی کہوں یا صافیِ تقریر

تھی ریختہ کی قدر خزف ریزہ سے کمتر
دی اُس کی زباں نے گہر و لعل کی توقیر

عالم وہ ملیک قلزمِ ذخّارِ سخن تھا
مضموں گہر اور آپ تھا غوّاص گہر گیر

تھا نقد سخن ناسرہ و قلب سے بدتر
فکر اُس کی نے خالص کیا جوں زرگری اکسیر

نیساں کا خضاب آب خجالت سے ہوا دیکھ
اُس کے دہنِ لب کے گُہر باری و تقریر

حیرت زدہ آفاق میں ہیں دیکھ کے اُس کے
الوان مضامین کو گلہائے تصاویر

شبنم نہیں گلشن میں دمِ صبح گلوں پر
دیکھ اُس کی معانی کو ہیں عرقِ خوی تشویر

اکثر جہلا کہتے ہیں اُستادوں کی اُس نے
ہیں سارے مضامین چرا کر کیے تحریر

رہتی ہے ہمیں آٹھ پہر سیر سخن کی
اُن کے جو ہیں آفاق میں اُستاد مشاہیر

یک حرف مشابہ کسی مضمون کا اُن کے
باقی نہیں اُس میں، جو وہ سودا کی ہے تقریر

جو اُس نے مضامین زبردست ہیں باندھے
رستم نے کب اس طرح سے دیووں کو کیا زیر

تو نام لے اُس خالقِ معنی کے جگہ کا
اس بے ادبی کی تجھے اللہ دے تعزیر

زور آوری شاعری میں تو نے کیا ہے
اس شعر کے مضموں کو نئی طرح سے تحریر

آویں نہ کریں مجھ سے فنِ شعر میں پنجہ
سودا نہیں، بیٹھے تو ہیں سودا کی جگہ میر

جس طرح فنِ شاعری میں کرنے کو پنجہ
للکارے ہے تو میر کو ہے طرفہ یہ تقریر

اول تو تجھے میلر سے کیا پنجۂ نسبت
سودا کو چکھے بیٹھے جو کہتا ہے تو اُن کو
ہر چند کہ بھی سیبر کے اوپر یہ مُنھ آیا
اس چکھنے کو ادر کھانے کو کیا کہتے ہیں اے سگ
آفاق میں آئے ہیں سبھی مرنے کے خاطر
جاتا ہے چلا قافلہ اس جا سے پس و پیش
اے صورتِ مُردہ سو اُنھیں سمجھے تو مُردہ
ہیں مار گئے نقش وہ ایسا کہ نہ ہرگز
دیوان جہاں میں وہ گئے رکھ سخن ایسا
کب مرتے ہیں مقبول جنابِ احدی کے
جو گذرے ہیں مقبول خدا نقش انھوں کے
جس طرح نگینہ پہ عقیقِ جگری کے
جوں کر گیا وہ شارے زمانے کی مذمت
رکھتا نہیں اُس مہر سے ذرّہ کی بھی نسبت
تھا اہل ولایت سے وہ اور شاعر عالم
کی ہجو ہر اک شخص کی ہر چند کہ اُس نے
ہر ایک سبب یہ کہ وہ خود آپ مغل تھا
اور دوسرے مغلوں کی ہے خلقت میں تبختر
اور تیسرے ذہن اُس کا سا پیدا کرے کوئی
معذور رکھا اُس کے تئیں کتنی جہت سے
کیا اپنے ہیں تو فضل و بزرگی و مشیخت

زنہار چھچھوروں سے نہ پنجہ کریں گنبھیر
کیا چکھنے میں سودا کے ہوئے ایک کے دو میر
پر اس میں بیاں کر گیا سودا کی بھی تحقیر
طمہ ہیں سب اُس کے جو اجل نام ہے اک شیر
برباد فنا خانۂ دنیا کی ہے تعمیر
بر مصلحتِ وقت کوئی زود کوئی دیر
جو زندۂ جاوید ہیں از خوبی تقریر
تا حشر اُٹھے صفحۂ عالم سے وہ تحریر
نام اُن کا رہا تا بہ ابد جس سے بتوقیر
جو مردہ کہے اُن کو وہ مردود ہے بے پیر
ہر دل پہ ہے اس طرح سے تقریر کی تاثیر
کرتا ہے کوئی خامۂ الماس سے تحریر
کرتا ہے اُسی طرح سے ہر ایک کی تحقیر
کر اُس کی نہ تقلید کی دل اپنے میں تدبیر
اُس کا بجہاں ہو نہ سکا کوئی گلوگیر
پر اُس سے طرف اُس کے نہ عائد ہوئی تقصیر
اور جتنے بزرگ اُسکے تھے مغلونکے تھے وہ پیر
کرتے ہیں سدا ہندیوں کو یاد بہ تحقیر
یہ بھی ہے محالات سے نزدِ خُرد و پیر
اک شخص سے ایسی ہے موافق ہوئی تقدیر
سمجھا ہے بتا لے زرِ تحقیق کی اکسیر

ظاہر ہے حسب اور نسب بھی ترا مجہول
تحقیر کو ننگ اُس سے ہے تیری ہے جو توقیر

حیران ہوں میں ایسے نسب اور حسب پر
اس عجب و تکبر بہ تو کرتا نہیں تقصیر

باطن سے ترے کھائے زہد باطنی لگاؤ
ظاہر کی بدی ہے تری آفاق میں تشہیر

اس ظاہر و باطن پہ کرامت کیجیو روزی
یہ صورت و سیرت کسی کافر کو بھی تقدیر

مرزا کو ترے سامنے مطلق نہیں کچھ قدر
یک ذرہ نہیں پاس ترے مہر کو توقیر

بے پیر تو کہتا ہے جنھیں اُن کی زبانی
مطلع ہے یہ پہونچے نہ جسے مہر کی تنویر

مطلع

بے پیر فقط تو ہے کسی کی نہیں تقصیر
سودا سا نہ کہ جانے کہے خلق کو بے پیر

کہتا ہے جو ہر ایک کو اب تو یہ کہ مجھکو
دُردی کش سودا ابھی سمجھتے نہیں بے پیر

کس بات پہ سمجھیں تجھے دُردی کش سودا
طینت کا ترے صاف سخن سے نہیں تمیز

کرتا ہے عبث خلق سے اے جاہلِ ناداں
دانا ہو تو دے طبع و زباں اپنی کو تعزیر

کیوں خلق کو تو دیتا ہے جھنجھلا کے یہ دشنام
پوچ آپ کے خلق کی ثابت کرے تقصیر

یہ گالیاں دے چاہیے تو اپنی زباں کو
عاجز ہیں جو کر سکتے ہیں سودا کی سی تقریر

کاہے کو تو نارِ حسد اُسکے میں جلے ہے
سر چھوڑنے سے تا ئذہ راضی ہو بتقریر

ہر ایک کو حصہ ہے دیا اُس کے مناسب
قسّام نے قسمت کی جو تقسیم کی جاگیر

جس جس کسی کا حوصلۂ ظرف تھا جتنا
اُتنا ہی اُسے بادۂ حکمت سے کیا سیر

تجھ کو دیے یکسر خزف اُسکو گہر و لعل
اور اُس کو دیا آب بقا تجکو گل و قیر

ایک قطرہ بھی لینے کی اگرچہ ہوئی مانع
دریا میں سے فیضان سخن کے تری تقریر

جس رتبہ میں کم ظرفی و بے حوصلگی ہے
تیری سو بیاں اُس کے میں حیران ہے تقریر

پایا تو شراب آب کے دھوکے میں پر اُسکے
ہے آب بقا کی ترے عندیہ بیں تو قیر.

گھٹ جاتی تری شاعری کی کچھ نہ مشیخت | سودا کو اگر یاد نہ کرتا تو بہ تحقیر
گو نطق میں شرکت ہے تجھی پر تجھے اُس سے | ہمسر کسی تدبیر نہ ہرگز کرے تقریر
تیرے سخن اور اُس کے میں اتنا ہے تفاوت | جتنا کہ تفاوت رکھے ہے خاک سے اکسیر
ہوش و خرد و فہم و ذکا عقل و فراست | ہر اک کو دیا حق نے جواں ہے کوئی یا پیر
تا نیک و بد دہر جو ہے روز سے یا شب | کرنے میں تفاوت کے نہ اُسکے کرے تاخیر
ہے خوبی تمیز ہے ساری یہ کہ ہر ایک | کرتا ہے جدا عنبر و عطر و بصل و سیر
ہرگز نہ کہے چرخ کہن کو کوئی زمیں کو | تاریکیِ شب کو نہ کہیں مہر کی تنویر
تیرے سخن اور اُس کے سخن کو کہے یکساں | تمیز سے بے بہرہ ازل سے ہو جو بے پیر
ایجاد کیا اُس نے کہ جس طرز و روش کو | سو اُس کے ہی خامہ پہ ہوئی ختم وہ تحریر
نطق اُس کے نے بخشی ہے سخن کو جو حلاوت | وہ لُطف نہ پیدا کریں مل کر شکر و شیر
کر غور و تامل سخن و شعر کسی کا | کرتا ہے بجز فضل حق آفاق کو تسخیر
جس شخص کی تعلیم الٰہی کرے تکمیل | روکش ہو جو اُس سے کرے اپنے تئیں تشہیر
اے مدعی ان بیتوں میں خود کھینچ گیا ہے | پہلے ہی تری صورت و سیرت کی وہ تصویر

از سودا

پکڑی جو لٹورے نے کہیں کھیتی سے چڑیا | سمجھا کہ نہیں باز کوئی مجھ سا کلاں گیر
یا شب کو بیا گھونسلے میں جگنو کو لا کر | جانے یہ دل اپنے میں کیا ماہ کو تسخیر
یہ بات جُدا ہے کہ وہ مہر آپ کو سمجھے | دُم کرمک شب تاب کی چمکے جو شب قیر

مصنف

تھا سب یہ قصیدۂ دل ترے نغز قصیدہ | اس واسطے اشعار کیے اُس کے میں تحریر
تا اُس کے معانی کو سُنیں اہل معانی | اور دیکھیں بلاغت تری اے بیہدہ تقریر

گُل کترے ہیں جو تو نے ہر اک شعر میں اُس کے
دیکھے گر اُنھیں دنگ رہے گلشن کشمیر

مِنہ

گر باز معانی کا مرے ہووے ہوا گیر
پیدا کریں احرار ہوا حکم عصافیر

مصنّف

کیا باز معانی ہے ترا خوف سے جس کے
پیدا کریں احرار ہوا حکم عصافیر

احرار و معانی کو کیا تو نے ہے اک جا
ہرگز کسی اُستاد کو سوجھی نہ یہ تدبیر

گذرے ہیں جو کامل سخن اُن کے قدموں پر
جو کوئی چلا جائے بے منزل کا ہو رہگیر

بے دغدغہ پہونچے ہے وہ تا منزل معنی
اس خوبی سے جس طرح کہ پہونچے بہدف تیر

پیرو تو ہوا کون سے گمراہ کا جس نے
پاؤں میں ترے ڈالی ضلالت کی یہ زنجیر

بولا کوئی اُستاد نہ اس طرح سے اک لفظ
جو کچھ ہے معانی کے بیاں میں تری تقریر

مطلق شعرا کی نہیں تقریر سے لگا
جس طرح سے کرتا ہے تو کہہ شعر کو تحریر

بولیں ہیں معانی کو ہزاروں جگہ اُستاد
طائر بھی کہ اور مرغ بھی اور وحشی و نخچیر

لیکن کہیں احرار ہوا کو نہیں لائے
وہ کتنی ہی معنی کے تئیں شوکت و توقیر

بے معنی نہ بکوائے کجی طبع کی تجھکو
گر راستی ہوتے ترے اندیشہ میں جوں تیر

اُستاد زبردست جو گذرے ہیں انھوں نے
با فکر متین و بخیالات و بہ تدبیر

تھے عرش پہ جو بال کشا مرغ معانی
لفظوں کا بچھا دام کیا ان کو گرہ گیر

اندیشہ کو شاہین و خیال اپنے کو شہباز
وہ کہہ گئے اس فن کے جو تھے موجد تقریر

معنی ہے شکار اور خیال اُس کا ہے صیّاد
خود صید سے ہر چند معانی ہو ہوا گیر

اس باز معانی کے اڑانے سے تو آیا نہ
اور جانوروں پر اُسے زنہار نہ کر سیر

معنی کو اُڑاتا ہے کوئی جانوروں پر
میں فرض کیا یہ کہ ترا باز ہوا شیر

احرار ہوا سے جو عصافیر کو خارج
کرتا ہے عصافیر نے کیا کی تری تقصیر

جتنے کہ ہیں طائر وہ سب احرار ہوا ہیں　　آفاق میں سیمرغ سے لے تا بہ عصافیر
تو نے معانی کا بنا باز اُڑایا　　تا پکڑے تو اُس باز سے احرار ہوا گیر
اس شعر نے مطلع کو نہایت ہی دیا حُسن　　اُس مطلع عزا کو بھی لازم یہی تقریر
اس شعر میں عنقا کا اگر ذکر نہ آتا　　احرار ہوا پاتے کسی طرح نہ توقیر

منہ

لیتا ہوں کماں فکر کی جب ہاتھ میں اپنے　　پاتا ہوں میں عنقا کے تئیں اُس کے سر تیر
کیا جستی تری فکر کی ہے تیرو کماں میں　　رکھتا ہے تو عنقا کے تئیں جس سے سدا زیر
اے مصحفی عالم میں ہے تو ایک شکاری　　عنقا سا شکار اپنے جو پاتا ہے سر تیر
عصفور سے سیمرغ تلک سب ہیں ترے صید　　پاوے گا نہ اُنکو جو معانی کے ہیں نخچیر
کی تو نے ان الفاظ کی موزونی پہ تنخواہ　　پر دی انھیں زنہار معانی کی یہ جاگیر

منہ

اور باندھوں ہوں جب شست نشانہ پہ سخن کے　　رہ جائے ہے منہ دیکھ مرا دیدۂ زرگیر
یہ شست نشانہ پہ جو باندھے ہے سخن کے　　ہے اس میں طبائع کو تردّد بجا ہیسر
اس مصرع بے ربط کے معنی نہیں سمجھے　　رہ جائے ہے مُنہ دیکھ مرا دیدۂ زرگیر
زرگیر کے منہ دیکھ کے رہجانے سے تیرے　　کیا پائی تری شاعری و شعر نے توقیر
بہتر تھا کہ دیتا گر ارادے کی تو اپنے　　اس شعر کے ساتھ حاشیہ میں شرح بھی تحریر
وہ شخص جو کوئی تھے اس اندیشہ کے مالک　　جس طائرِ اندیشہ کی تھا عرش سرا زیر
ہے چشم حقیقت میں اُس اندیشہ کے آگے　　اندیشہ فلک کا ترے جوں مور زمیں گیر
رکھتے جو معانی سے یہ الفاظ علاقہ　　عنقا ہو گر احرار ہو گر دیدۂ زرگیر
وہ چھوڑ نہ جاتے انھیں ہرگز تری خاطر　　تا کھیلے شکار ان سے کماں لے کے تو اور تیر
ٹک دیکھ تو اُستاد ہے مضمون کا نقشہ　　یہ شعر نہیں کھینچی ہے اک سحر کی تصویر

سودا

تیر اُن کے کرے فکر رسا کا اُسے غربال
مضموں جو چھپے کوہ میں ہو صورتِ نخچیر

بد فکر کہے جن کو تو شرمندہ انھوں نے
ایضاح ارادے سے ہے خورشید کی تنویر

جو تو نے ارادہ کیا سو شعر کے تیرے
اُلفاظ میں آیا نہ رہا دل میں گرہ گیر

شاگرد خدا جانے کس اُلّو کا ہوا تھا
بتلائی تجھے شاعری میں جس نے یہ تقریر

تھا زور لٹّورا کہ وہ تعلیم سے جس کے
معنی سے رہا باز تو عنقا سے ہوا شیر

دستور یہ ہے شعر کے کہنے کا جہاں میں
کرتا ہے بقدر اپنی طبیعت کے جو تحریر

لیتا ہے معانی کے تئیں طبع میں ٹھہرا
کرتا ہے پھر الفاظ میں لا اُس کو گرہ گیر

تیری یہ عجب فکر ہے جس میں نہیں کرتا
رکھنے کے معانی کی تو الفاظ میں تدبیر

کیونکر ترے اشعار میں ہو نورِ معانی
طینت کی تری طبع کی ظلمت سے ہے تخمیر

روشن نہ رہے معنی و مضمون کی اک شمع
از بسکہ مچایا ہے تری طبع نے اندھیر

تیرے سبھی اشعار کے معنی کے بیاں میں
ہے بند غرض بو علی سینا کی بھی تقریر

تمہید قصیدہ کے تئیں سُن یہ جو تو نے
کھینچی ہے ہر اک شعر میں مضمون کی تصویر

منہ

دیوان کو میرے نہ لگا ہاتھ تو ناداں
ہر صفحۂ کاغذ پہ ہے یاں شیر کی تصویر

اعجاز خلیلی کو کوئی پہونچے ہیں وہ لوگ
چالاکی سے ہاتھوں کی بچھاتے ہیں جو نخچیر

ہر چند کہ دونوں کا مربی تو ہے نیساں
پر قیمت کافور کو کب پہونچے طباشیر

پھبتا ہے کب اُن کے تئیں عطار کیا دعویٰ
دکانوں میں جن کے ہو نہ ہاں و نہ عقاقیر

خشخاش کے دانوں کو اگر دودھ میں رکھیں
شیرینی نہ پیدا کریں جوں دانۂ انجیر

ہر چند کہ یاقوت کے ڈھنگ اُسمیں ہوں ساری
پر ہووے گمیدک کو نہ یاقوت کی توقیر

مصرع کو بصد خونِ جگر مصرع سے چسپاں ۔۔۔ کرتے ہیں تو پھر بھی وہ پلکے کی ہے تعمیر
یوں چاہیے لاوے جو کرے شعر کا دعویٰ ۔۔۔ میرا سخن اور میری زباں اور مری تقریر
میرا نہ یہ چھچھوروں کی طرف روی سخن ہے ۔۔۔ اس بات کو وے سمجھیں گے جو ہو ویں گے گنبھیر

جواب مصنّف

سنتا ہے چھچھوروں کے بے چھچھورے جو یہ تونے ۔۔۔ اِس شعر کو گنبھیروں کی جانب کیا تحریر
گنبھیر یہ کہتے ہیں سخن کا کوئی پرساں ۔۔۔ اس وقت میں ہوتا تو وہ دیتا تجھے تعزیر
تمیزِ سخن اوٹھ گئی از بسکہ جہاں سے ۔۔۔ یک جو ترے منھ آئے نہیں کوئی گادگیر
کرتا وہ ہر احمق کا ہلالی کا سا احوال ۔۔۔ اس عصر میں افسوس نہیں میر علی شیر
یہ شعر ہے کیا واہی و بے معنی کہ جس میں ۔۔۔ تصویر کے لا تو نے کیا شیروں کو زنجیر

متن

دیوان کو میرے نہ لگا ہاتھ کہ ناداں ۔۔۔ ہر صفحہ کاغذ یہ ہے یاں شیر کی تصویر

جواب مصنف

وہ ہاتھ لگا دے نہ اُنھیں جو تری صورت ۔۔۔ سیرت میں بتر طفل سے ہو دیکھتے ہیں پیر
پھبتا نہیں ان شیروں پہ کرنا تجھے یہ ناز ۔۔۔ بانی میں کہ کھینچ آئے تجھے شیر کی تصویر
تصویر کے بھی شیر میں ہے شیر کی صورت ۔۔۔ دیواں کے ترے شعر میں ننگِ سگ خنزیر
اس شعر میں الفاظ کی تصویر تو کھینچی ۔۔۔ معنی کا پھرا رنگ نہ کیا اُس نے کی تفسیر
صفحہ پہ نزاکت کے مصور نے لکھی ہے ۔۔۔ حل کر کے گل و لالہ ترے رنگ کی تصویر
کہتے ہیں سبھی چہرے کی تصویر کا لکھنا ۔۔۔ یہ رنگ کی تصویر فقط تیری ہے تقدیر
اس وقت سُنا کب کہ مصور کے تئیں کہو ۔۔۔ کوئی کہے تو کھینچ مرے رنگ کی تصویر
اس شعر کو اس رنگ سے اُس وقت نہ کہتا ۔۔۔ گر فہم سے بہرہ تجھے دیتی تری تقدیر

ہر چند مصوّر نے گل و لالہ کا بے رنگ
چہرہ میں بھرا پر نہ ملائی تری تصویر

پلنے کو رہِ راست کی تقریر و بیاں کے
کوشش میں تو اور سعی میں کرتا نہیں تقصیر

پر دیکھنے دیتا نہیں تجکو طرف اُس کے
یہ حمق کہ تیرا ہے ہر اک آن گلو گیر

اس رنگ کی تصویر سے تصویر کا تو رنگ
گر بولتا ہو جاتے معانی تو نہ تغییر

سودا کا قصیدہ وہ کہ جو شعر ہے اُس کا
معنی کی نزاکت سے ہے صندوقچہ تصویر

یہ تیری زباں سے جو ادا ہووے نہ ہرگز
تھی اُس سے جواب اُسکے میں بہتر کوئی تقریر

نادر یہ مقولہ ہے کہ اس کہنے پہ تو نے
سودا پہ کیا اپنے بہ ترجیح میں تحریر

منہ

سودا سے کہا نغز قصیدہ میں یہی نہ
کچھ اس کے سوا اور تو میری نہیں تقصیر

مصرع سے بصد خونِ جگر مصرع کو چسپاں
مصرعہ یہ عجب پوچ تو لاتا ہے بہ تسطیر

مصرعِ کا جو مصرع میں ترے لفظ ہے اے کور
عین اُس میں سماتا نہیں ہرگز کسی تقدیر

سو طرح کے وہ سقم ہیں ہر شعر میں تیرے
صحت کی جنھوں کی نہ مسیحا سے ہو تدبیر

جو تیری زباں ہے سو زباں تیری اب اُسکی
کرتی ہے ادا کرنے میں سو طرح کی تقصیر

اس پر تجھے ہے فارسی گوئی کا بھی دعویٰ
کیا تاب زباں سے ہو تری مغلوں کی تقریر

پھر فارسی گوئی پہ سنو تحفہ کی یہ اور
کہہ کہہ کے جواب ایسوں کے کرتا ہے یہ تحریر

ہے شاعری و شعر میں یہ مرتبہ اُن کا
جانے ہیں جنھوں کے تئیں سارے شعرا پیر

جز تیرے کسی شخص سے از عہد نظیری
صادر نہ ہوئی آج تک اس طرح کی تقصیر

یارب کہ نظیری کی تجھے روح مقدس
اے مصحفی دے اس گنہ و جرم پہ تعزیر

ہے فارسی و ہندی تری مضحکہ جو ہے
طینت کا تری بسکہ حماقت سے ہے تخمیر

سودا و نظیری کی غزل اور قصیدہ
رکھتی ہے زیادہ مہ و خورشید سے تنویر

طرز اُس کے پہ یک خلق ہے مفتون بدل و جان
انداز کا اُس کے دل آفاق ہے تسخیر

ہندی میں ہے یہ انوری و سعدی کا استاد — اور فارسی کے فن میں وہ ہے عنصری کا پیر
ہے اُس کے تصرف میں مضامین کا کشور — اقلیم معانی کی جو ہے اُس کی ہے جاگیر
تشریف قبول اُن کے کلاموں کو خدا نے — بخشی ہے تب آفاق میں ہے اُن کی یہ توقیر
اُن کے سخن و شعر کے تعریف و ثنا میں — جبریل امیں کی بھی زباں کرتی ہے تقصیر
ویسا کہے مقبول ہو جو درگہِ حق کا — پہونچے ہے اُسے کب کسی مردود کی تقریر
حمق اپنے کی غلبہ سے اب اے کان سفاہت — کہنے کی جواب اُن کے جو کی تونے یہ تدبیر
جز قافیہ پیمائی کے اُن کا سا ہے تیسرا — نہ معنی و نہ لفظ نہ تقریر و نہ تحریر
اس طرح سے تابندہ یہ مطلع ہے کہ جوں جو — خورشید درخشاں بوسطِ بر فلکِ پیر

مصنف

گر مار کے سو بار جلاوے تجھے تقدیر — ایسی نہ زباں کی تری زنہار ہو تقریر
تقریر وہ یہ معنی کی تصویر ہے جس کی — خامہ کو مرے فخر ہوا کرنے سے تحریر

سودا

مستغنی ذاتی نہ مہوس کی ہوں تسخیر
معدن ہے جہاں سونے کا واں خاک ہے اکسیر

لبریز ہے کیسہ دُرِ مکنون سے جن کا — کب شبہہ فرشتوں کو حضور اُنکے ہے توقیر
ہے لعل سے نسبت نگہِ چشم کو جن کے — جاتی ہے دو پلکی پہ نظر اُن کی بہ تحقیر
ہے وہ دُرِ یکتا بجہاں جس کی زباں کی — لڑتی ہے سدا ابر گہربار سے تقریر
ہر صفحہ پہ بولے ہے صریر اُن کے قلم کی — تعلیم ہے منشیِ فلک کو مرے تحریر
دنیا جو سخن فہم یوں بہزاد سمجھتا — پرواز کو معنی کے جو کھینچے ہیں وہ تصویر
پر اُن کے کرے فکر رسا کا اُسے غربال — مضمون چھپے کوہ میں ہو صورتِ نخچیر
معنی کی جو ہو نام سے مشہور ہو کل — اُس کو بھی نہ چھوڑیں وہ کبھو بن کیے تسخیر

اُن سا نہ ہو کوئی کبھو آفاق کے اندر   تا فیض سخن اُس کی نہ طینت میں ہو تخمیر
رد کش ہو وہ ایسوں کے جنھیں حق نے دیا فہم   نادانی سے کب اپنے تئیں کرتے ہیں تشہیر
یہ بات جدا ہے جو وہ مہر آپ کو سمجھے   دُم کرمکِ شب تاب کی چمکی جو شبِ قیر
صاحب ہیں کئی اس طبقہ میں شعرا کے   ہم بزم سخنداں کو نہ اُن سے کرے تقدیر
مصرع میں اگر پشۂ معنی ہو قلم بند   زعم اپنے میں سمجھے ہیں کیا پیل کو زنجیر
نقارے کا مضموں بدرشتی جو یہ باندھے   کوسِ لمن الملک کے ٹھوکے ہیں بم و زیر
سمجھے ہیں کلام اپنا بہ از سورۂ یوسف   معنی جو ہیں سو خواب فراموش کی تعبیر
کرتے ہیں مجالس میں پھر اُس کو بہ بدی یاد   سامع کرے تحسین میں ذرّہ بھی جو تاخیر

اس خبط کے عہدہ سے ولے وہ ہی برآویں   جو ملک سخن کے ہیں مہنتوں میں مشاہیر
اُستاد کی اُن کے ہے اُنھوں کو یہ نصیحت   لفظی نہ تناسب ہو تو کچھ مت کرو تحریر
اتنا تو ملازم رکھو الفاظ کا ملحوظ   بے پنجہ و ناخن نہ لکھو دودھ کو تم شیر
جب تک کہ نہ منظوم ہو پاسنگ و ترازو   باندھو نہ کبھو شعر میں تم لفظ شکم سیر
تم شعر و سخن اپنے کی بندش میں کماں بن   بولو نگہِ یار کو یارد نہ کبھو تیر
چہرے کو نہ معشوق کے دو شمع سے تشبیہ   تا زلف کو باندھو نہ کسی شکل سے گل گیر
مضموں جو قد و زلف کا معشوق کے باندھو   لکھو الف و لام کے سیپارہ کی تفسیر
ملحوظ قرائن رکھو ہر آن نظر میں   مرجع ہو مؤنث تو ضمیر اُس کی ہو تذکیر
اُستاد کی اس پند پہ کی اور ترقی   شیوہ وہ لیا غیر کی ہو جس میں کہ تحقیر
مضموں جو ہو ریختہ کا تازہ کسی کے   کرتے ہیں اُسے فارسی میں باندھ کے تشہیر
پھر کہتے ہیں یوں ہے کسی اُستاد کا یہ شعر   سرقہ یہ کیا جس نے بڑا ہے کوئی بے پیر
اور اُن کا کوئی فضل و کمال آن کے دیکھے   ہیں طرفہ معجون جو ہوں خبط سے تخمیر
سرقہ کو نہ سمجھے نہ توارد کو گر اُن سے   پوچھے جو کوئی کیا ہے یہ دونوں کی تقریر

پھر بعد تامل بجواب اُس کے یہ ذی ہوش — رد یہ کہیں سرقہ کو توارد کو کہیں شیر
محسود نشانہ ہے تخیّل میں اُنھوں کے — ہووے نہ گمانِ حسد اُن کے سے جُدا تیر
اتنا تو سمجھتے نہیں ناداں کہ جہاں میں — حاصل نہیں ہوتی ہے کچھ ان باتوں سے توقیر
سر رشتہ ہے عزّت کا فقط ہاتھ خدا کے — افزایش قدر اپنی میں چلتی نہیں تدبیر
قطرہ وہی پانی کا ہے قسمت کی ہے تفریق — ہو ایک تگرگ ایک گہر ہو کے گرہ گیر
ان کا ہو اگر بو علی سینا بھی معلّم — تعلیم کرے کس روش اُسکی اُنھیں تاثیر
نسبت سے فلزات کے مس ہووے ہے سونا — پتّھر کی جو ہو جنس وہاں کیا کرے اکسیر

مصنّف

اُستاد کو منظور جو اکسیر پہ تھی چوٹ — ہر جا پہ جُدا رنگ سے کیا صرف کی اکسیر
دیکھ اُس کو ہے اُستادوں کی تقریر کا یہ طور — اُردو کی فقط صاف زباں اُسکی ہے تقریر
کیا ربط ہے سوؔدا کے تجھے طرزِ سخن سے — گہ کھایا عبث تونے یہ اے مردکِ بے پیر
مضمون و معانی سے نہیں بہرہ کچھ اُس کو — اُن کے تئیں تو یوں کہے جن کی ہے یہ تقریر
اعجاز تراوش کرے ہے نطق سے جن کے — مضمون و معانی کی تو اُن کے کرے تحقیر
اور مزخرف اپنے کو سمجھتا ہے معانی — رحمت تجھے اور اُس کو جو کوئی ہے ترا پیر
دیکھ اُس کے ذرا جلوۂ تقریر و بیاں کو — صافی سخن اُس کی سے ہے نور کی تقطیر
دُرریزیِ الفاظ و ادا بندیِ معنی — رنگینیِ تحریر و گہر باری تقدیر
پائے گا تو ایسی نہ کسی اہلِ سخن میں — جتنے کہ مشاہیر ہیں اور غیر مشاہیر
سوؔدا کا ہے سلکِ دُرِ شہوار سے بہتر — ہر مصرعِ اشعار بچشمِ خرد و پیر
سمجھا تو یہ گہ ہجو میں سوؔدا کے سخن کے — اپنے لیے پیدا کروں گا عزّت و توقیر
کہہ کر سخن اُس کے کو برا تو نے تو اپنی — توقیر بڑھانے کے لیے کی تھی یہ تدبیر
ایک لیشم کی عزّت میں نہ فرق اُس کے سخن کے — آیا ہے نہ آوے گا تو کتنی کرے تحقیر

اُکھڑی سخن اُس کے کی نہ اک نشئم بھی تجھ سے — اور اپنے تئیں تو نے کیا خلق میں تشہیر
کچھ باپ کا تیرے وہ نہ تھا قتل کا باعث — للہ عداوت تو ہے نزدیک یہ تکفیر
ظاہر میں اگر اُس کے تجھے کیجے مقابل — ننگ اُس کے غلاموں کی ہے تیری ہے جو توقیر
ہے باطنی اُس کے تئیں تجھ سے یہ تفاوت — جوں تیرے لیے شب سے رکھے مہر کی تنویر
یک صفحہ رہا تیرے نہ دیوان کا خالی — اس مرتبہ سودا کے مطاعن کیے تحریر
اُس چاند پہ اس ڈالنے سے خاک کی تیرے — دونی بجہاں اُس کی ہوئی نور کی توقیر
پھینکا طرف اُس کے تو بہت گرچہ و لیکن — تیری ہی سر درد پڑا خاک کا وہ ڈھیر
بیہودہ کیا اپنی تو اوقات کو ضایع — اُس سے تو ترے واسطے انسب تھی یہ تدبیر
تو اُس کے عوض دیکھتا اپنے ہی سخن کو — کچھ آتی رہِ معنی پہ شاید تری تقریر
پر حمق نے تیرے تجھے اس پر متوجہ — ہونے نہ دیا ٹک تری مطلق نہیں تقصیر
تو کیا کرے ہے طور یہی سب حمقا کا — طبع اُن کی زبس ہوتی ہے تحمیق کی جاگیر
جو ہو سخنِ خوب بُرا کہتے ہیں اُس کو — اور کرتے ہیں ذکر اُس کے مصنّف کا بہ تحقیر
ہیں متفق اللفظ وہ اس بات کے اوپر — ان واہیوں کی بس کہ جو صائب نہیں تدبیر
کہتے ہیں غزل اور قصیدہ کی زباں سے — تقریر و بیاں کرنے میں ہے فاصلہ سو تیر
ہے طرز غزل اور قصیدہ کی ہے طرز اور — آپس میں ان دونوں کے ہے فرقِ زبر و زیر
مصروف غزل گوئی ہیں لیکن گہ و ناگاہ — کرتے ہیں قصیدہ جو بصد فکر یہ تحریر
کہتے ہیں قصیدہ بھی غزل ہی کی زباں میں — مطلق انھوں کی کرتی تفاوت نہیں تقریر
طورِ غزل اپنے کی قصیدہ میں بھی ہرگز — کرنے میں رعایت کی نہیں کرتے ہیں تقصیر
پایا نہ قصیدہ میں جو کچھ وزن غزل سے — اور دیکھیے کلام اُن کے کی یکساں ہے جو توقیر
ثابت یہ ہوا اس سے کہ ان میں نہیں قدرت — تقریر قصیدہ کو غزل سے کریں تغییر
ہے طرفہ یہ تقریر کہ اس کہنے پہ اپنے — باوصف کہ اک حرف میں اُن کے نہیں تاثیر

کہنے کا غزل اور قصیدہ کا جو مذکور
آتا ہے تو لاتے ہیں یہ اس طرح پہ تذکیر

سودا کی غزل کے تئیں رکھا نہیں منظور
جو طور غزل کا ہے سو کہتے ہیں اُسے میر

ہر چند غزل ہی میں نہیں در ہمہ گوئی
جانے ہے ہر اک اپنے تئیں میر کا بھی پیر

یہ میر کے بھی نام کا اک حرف ہے ورنہ
عندیہ میں ان کے نہیں کچھ میر کی توقیر

کیا میر کا ذکر اُس کو نہ مانے یہ غزل میں
آوے نکل اُستاد انھوں کا قبر کو چیر

سودا کی غزل گوئی کا اس طرح جو مذکور
سنتا ہوں تو حیراں ہوں میں جوں صورت تصویر

اس سوچ میں اور فکر میں رہتا ہوں ہر آن
جوں غنچہ گرہ خاطر و نشگفتہ و دل گیر

منظور غزل اُس کی جو رکھتا نہیں شاعر
اُس سے بھی بُرا ہوگا وہ زیرِ فلکِ پیر

سودا سے بڑا شاعری میں تا بقیامت
ممکن ہی نہیں یہ کہ کسی کو کرے تقدیر

ہے شاعری میں اُس سے بڑا نام خدا کا
اُس کے سخن و شعر کو دی حق نے یہ توقیر

جو شاعری میں اُس سے بڑا ہو وہ ممیز
گر ہو وے سخن کا تو بجا اُس کی ہے تقریر

شاعر جو یہ موجود ہیں ان میں سے کسی کے
سودا کی سنی ہرگز ہے نہ تقریر نہ تحریر

کس فہم و فراست پہ یہ ہو کر کے ممیز
سودا کی غزل سنجی کی اب کرتے ہیں تحقیر

اس فکر میں تھا میں کہ کہا پیر خرد نے
تو کیوں متردد ہے یہی ان کی ہے تقصیر

دوں طبعی و نافہمی و بد فکری کے باعث
اُس رتبہ تک اُن کو جو نہیں لے گئی تقدیر

اس واسطے جاں اجنبی اُس طرز روش کو
بد کہنے میں یہ اُس کے نہیں کرتے ہیں تاخیر

ہر چند کہ مقدور نہیں ایک بھی مصرع
کہہ کر کہیں سودا کے یہ تقریر میں تحریر

اس پر بھی یہ ناداں بہ تقاضائے سفاہت
طرزِ غزل اپنی کی بڑی جانے ہیں توقیر

اور اُس کی غزل کی کہ نظیری کی غزل سے
ہم پہلو و ہم رتبہ ہی کرتے ہیں یہ تحقیر

ہے پیچ یہ مثل عقل کو جانتے ہی ہر اک شخص
ہر ایک کو وہ سیر بھر اور اپنی سوا سیر

لیکن یہ سمجھتا ہے حماقت پہ دلالت
یہ خبط نہ ہو وے کسی خاطر میں گرہ گیر

دانا جو ہیں کرتے نہیں دانائی کا اقرار
دانائی کی گو اُن کے مقر ہوویں جماہیر

کیسی ہی بنایا کریں باتیں کوئی نادان
داناؤں میں ہو گی نہ سخن اُس کے کو توقیر

منظور جو رکھتے نہیں سودا کی غزل کو
کرتا ہوں انھوں کی پہ تشفی کو میں تحریر

لے رودکی سے تا بہ حزیں جتنے تھے شاعر
ہر ایک ہوا گرچہ کہ فن اپنے میں تحریر

گذرا ہے پر آفاق میں جو اکبری دورا
اللہ نے اُس وقت کو بخشی تھی یہ تاثیر

اُس عہد میں کامل ہوئے ہر فن میں ہزاروں
حاجت نہیں اظہار کی سب ہیں وہ مشاہیر

تعریف خصوصاً طبقی کے شعرا کے
اُس عصر کے کرنے میں زباں کرتی ہے تقصیر

وہ بلبلیں تھیں گرچہ ہزاروں سے زیادہ
گلشن میں سخن کے تھا ہر اک چہچہہ تقریر

ایک ایک کی ہے چہچہہ و شور سے اب تک
گر گوشش سپہر بریں پر گوشش جماہیر

اُس دورہ کے اُن بلبلوں میں سے ہے زیادہ
وہ بلبلوں کا زمزمہ و نغمہ جہانگیر

نام اُن کا ظہوری و نظیری ہے کہ کوئی
بلبل نہ کیا زمزمہ اُن کا سا بہ تحریر

گلزار فنِ شاعری میں تا بقیامت
بجتی رہے گی اُن کی ہی دستانکی بم و زیر

کر سیر جو ہیں گلشنیں دیوانوں کی اُن کے
گر فہم سے کچھ بہرہ تو رکھتا ہے بہ تقدیر

کھینچی ہے، معانی کے قصیدہ میں بھی ہر چند
اُن مانی و بہزاد نے ہر شعر میں تصویر

پر نازک و باریک کیا طرز غزل کو
تھا ساز معانی کا جو بم اُس کا کیا زیر

توقیر متانت نے غزل گوئی کی اُن کے
رکھے نہ قصیدہ کی کسی شخص کی توقیر

اُن کا ہے جو کچھ خواہ غزل خواہ قصیدہ
رنگین و متیں ایک سے ہے ایک کی تقریر

موقوف غزل اور قصیدہ پہ نہیں، کچھ
جیسے ہو زباں جس کی دلاتا ہے یہ تحریر

سودا کی غزل چاہتے ہیں اپنی زباں میں
یہ ہو نہ اگر چرخ و زمیں ہو زبر و زیر

اندیشہ دیا حق نے جنھوں کے تئیں عالی
کیونکر وہ کریں بستِ سخن کہنے کی تدبیر

کرتے ہیں وہ نطق اپنی طبیعت کے موافق
گر ہووے موافق نہ بافہام جماہیر

جو کچھ کہیں وہ خواہ غزل خواہ قصیدہ — کب لفظ و معانی کی کریں خوبی میں تقصیر
کچھ ایک قصیدہ نہیں ہر بات میں اُس کے — پایا ہے جو کچھ خامۂ فکر اُس کی سے تحریر
الفاظ و معانی ہیں بہم چوں گہر و آب — تقریر و فصاحت ہیں بہم چوں شکر و شیر
دیکھ اُس کو تو ٹک کھول کے تفہیم کی آنکھیں — طینت ہو بشرطیکہ تری فہم سے تخمیر
پہونچا دلِ دانا بہم اور دیدۂ بینا — یکساں ہے تری چشم میں تاریکی و تنویر
کر فرق سفیدی و سیاہیِ جہاں میں — یک رنگ سمجھتا ہے تو لے شیر سے تا قیر
تو خاک کو سمجھے ہے زرِ تاب سے بہتر — ذرّہ کو بڑا جانے کرے مہر کی تحقیر
بہتر جو سخن ہے گہر و لعل سے اُس کے — کرتا نہیں تو رشتۂ خاطر میں گرہ گیر
رہتا ہے خزف ریزوں کی تحصیل کے درپے — کرنے کو تو کر جمع دُر و لعل کی تدبیر
ہرگز نہیں رکھتا گہر و لعل کا رُتبہ — دیکھا سخنِ اہلِ جہاں تا سخنِ میر
جب تک کہ نہ ہو سنگ نہ ہو رنگ نہ ہو ڈھنگ — پاتا ہے سخن کب گہر و لعل کی توقیر
سو ان میں سے اک بات ہے ان کا سخن و شعر — رکھتا نہیں یہ جتنے ہیں گمنام و مشاہیر
کیں باتیں خدا نے یہ تمام اُن کے سخن پر — وصف اپنے میں یہ شعر جنھوں نے کیا تحریر
ہیں وہ دُرِ یکتا بجہاں جن کے زباں کے — لڑتی ہے سدا ابرِ گہر بار سے تقریر
یہ کیا غضب افہام جہاں پر ہے خدایا — ان کو نہ دیا تو نے مگر فہم بہ تقدیر
جو ایسی زباں میں ہو غزل اُس کو کہیں بد — اور لہجہ میں ہو عام کے سو پاوے وہ توقیر
آیا ہے عجب دور یہ تا چند کرے گا — اس طور سے اور وضع سے گردشِ فلکِ پیر
ناداں و سفیہ اپنے تئیں سمجھیں گے دانا — اور لائیں گے داناؤں کی کہہ ہجو یہ تحریر
اچھوں کو بُرا جو کہے بیشک وہ بُرا ہے — ہو دیگی بُروں کی نہ کبھو اچھوں میں توقیر
تجھ سا نہ بُرا ہووے گا آفاق میں کوئی — اچھوں سے جو اچھے ہیں تو ان کی کرے تحقیر
مانند ترے اور بھی بے معنی کے ہیں — زندانِ حماقت میں ہے جو جو کوئی زنجیر

کسر آئے نہ پریشان میں کچھ اُسکے سخن کی رکھتی ہے زیادہ یہ مثل مہر سے تشہیر
جو خاک کوئی پھینکے ہے خورشید کے اوپر سو ڈالے ہے خاک اپنی ہی آنکھوں میں وہ بے پیر
نازاں ہے عبث تو سخنِ پوچ پر اپنے معنی سے ترے طبع کا ہرگز نہیں تخمیر
سودا ہی ہر اک شخص سے یاں سینہ سپر تھا کہتا ہے تو جو شعر میں تھا صاحبِ شمشیر
جھوٹا ہے تو زنہار یہ سودا کی نہ تھی شان چڑھتا کوئی منہ اُس کے جو زیرِ فلکِ پیر
کب سامنے ہوتا کوئی روبہ صفت اُس کے ایسا رکھے تھا دبدبۂ شاعری وہ شیر
یہ جھوٹ تو سب اس لیے بکتا ہے کہ اُسکی ہے رتبہ شناسی میں تری فہم کی تصویر
تھا اُس کے مقابل بجہاں کون کہ جسکا سینہ کے تئیں اپنے وہ کرتا ہدفِ تیر
سودا پہ یہ بہتاں ہے فقط تیرے گماں کا اے مفتری اس جھوٹ پہ حق دے تجھے تعزیر
معلوم ہوا اُس سے یہ تجھ پر ہے تیقن سودا کی بھی تھی خلق میں تیری ہی سی تصویر
اُس تذکرۂ پوچ میں اپنے مفتری اپنے احوال بقا میں جو کیا تونے یہ تحریر
میرزا سے کیے لکھنؤ میں معرکہ اُس نے جھوٹا ہے تو اور جھوٹ وہ سب ہے، تری تقریر
ہر چند کہ بکتا ہے یہ سب پوچ تو اور جھوٹ مانا میں جو کہتا ہے تو بالفرض وہ تقدیر
وہ معرکہ یوں اُس سے تھے جوں لشکر خفاش ہو معرکہ پرداز بخورشید جہاں گیر
عہد اُس کے میں اس طرح تھا نامِ شعرا گُم معدوم ستارے کریں جوں مہر کی تنویر
تو اصل سے اُس حال کے مطلق نہیں آگاہ واہی جو بکا ہے یہ تری حمق کی تقصیر
اُس ذکر کو سُن من و عن اب میری زباں سے کھینچوں میں اُس احوال کی تقریر میں تصویر

شروع مناظرہ مرزا رفیع السودا با فاخر مکین و احوال بقا

اشرف علی خاں نامی باخلاق مہذب تھے عمدہ گھرانے سے وہ اک مرد بتوقیر
تھا شعر کا شوق اُن کو جوانی سے نہایت مصروف اُسی میں رہے جبتک کہ ہوئے پیر

یک عمر کہ عرصہ میں بہت شوق و شغف سے اُن خاں نے کیا تھا غرض ایک تذکرہ تحریر
دلجمعی نہ تھی منتخب اپنی سے سو اُن کے جس میں کسی آگہ کے دکھانے کی تھی تدبیر
مذکور سنا فارسی گوئی کا مکیں کے اشرف علی خاں نے جو با خواہ جماہیر
دل اُن کے میں آیا اُسے لے جائیے اُس پاس رکھے ہے وہ اس شہر میں اُستادی کی تشہیر
اس تذکرہ کو لے گئے القصہ وہ اس پاس تا دیکھے وہ اُس تذکرہ کے شعر بتاخیر
جو شعر ہو چسپت اُس میں کرے صاد وہ اسیر اور سست کے احوال کو دیوے نہ وہ تعزیر
دکھلایا جب اُس تذکرہ کو خاں نے مکیں کو تب عذر دماغ اپنا بیاں کر وہ بتکریر
تصحیح رکھی اُس کی کئی شرط پہ موقوف جو جو اُسے منظور تھا لا اُس کو بتقریر
جس دم نہ کی اُن شرطوں کی اشرف علی خاں نے لایا جو بتکرار وہ اقبال میں تاخیر
ہاتھ اپنے سے اک بند پہ لکھ اُس نے وہ شرطیں جو باتیں کہ پائیں تھیں قرار اُس کی بتدبیر
پھر اُن سے کہا کیجیے مہر اپنی اب اُس پر تا ہووے باسناد مزین یہ تحاریر
اصلاح کی لکھوا سند اشرف علی خاں سے وہ متکی مسندِ تعلیم جماہیر
اس طرح ہوا تذکرہ اوپر متوجہ کرتی ہے زباں جس کے بیاں کرنے میں تاخیر
ابکار مضامین و معانی کے سب اس میں تھی زادہ طبع اُن کی جو گذرے ہیں مشاہیر
تن پر نہ رکھا ایک کے سر اُن میں سے اُسنے کی ہاتھ جو ظالم نے قلم اپنے کی شمشیر
آئے وہ سب اس طرح بزیرِ قلم اُس کے جوں فوج گنہگاروں کی آئے تہِ شمشیر
پہونچی یہ خبر جس گھڑی اشرف علی خاں کو سُن اُن کے اس احوال کو حالت ہوئی تغییر
اُس حال سے آئے جو افاقے میں وہ ہیں جلد پاس اُس کے سراسیمہ و مضطر گئے جوں تیر
احوال کو خاں کے جو وہ دیکھا متغیر تا دیر تبسم سے رہا غنچہ کے تصویر
پاس اُس کے سے القصہ وہ پیش آ بہ خشونت [illegible] تذکرہ کو لائے اٹھا سخت ہو دلگیر
لا گھر [illegible] اُس تذکرے کے حال کو دیکھا [illegible] دیکھنے لا اُس کو لگی کرنے یہ تقریر

اس ظلم کا انصاف کرو دو مری تم داد
میں ورنہ گریبان کو ڈالوں گا ابھی چیر

سودا نے کہا خاں سے کہ انصاف کے خواہش
ایسی ہے اگر آپ کو تو کیجیے مت دیر

انصاف طلب ہو جے اُن اشخاص سے جاکر
جو فارسی گوئی میں ہیں بالفعل مشاہیر

میں ریختہ گو ہوں مجھے اب رکھیے معاف آپ
دکھلایئے اُس کو انھیں اچھی ہے یہ تدبیر

رنجیدہ و آزردہ ہو سودا سے یہ سُن کر
ڈیرہ کو گئے اپنے وہ با حالتِ تغیر

اُس تذکرے کو ڈال گئے تھے وہ خفا ہو
اس واسطے سودا کے رہا پاس وہ تا دیر

ناچار ہو اُس پر وہ ہوا جب متوجہ
جس جا کہ اُن اجزا میں تھی اصلاح کی تحریر

دیکھی تو عجب طرح کا ہے قتل مچایا
ہاتھ اپنے میں لے اُس نے قلم کا تبر و تیر

اُستادوں کے وہ شعر کہ ہر حرف جنھوں کا
دیوان فصاحت کے کتابہ کی ہے تحریر

اُس کے تئیں کاٹا ہے بنایا ہے بگاڑا
ہر شعر کے معنی کو کیا ہے زبر و زیر

کاٹا کوئی مصرع کوئی مصرع ہے بنایا
بے معنی کوئی لفظ کہ اُس کی لکھی تقریر

معنے سے گذر کے کہیں لفظوں کی رعایت
لفظوں کا تبدّل کہیں معنی کی ہے تغییر

ٹھہرایا ہے بے معنی کوئی مصرع استاد
مصرع کوئی بے معنی کہ اُس میں کیا تسطیر

لکھا ہے کہیں شیخ پہ بے علمی کا ایما
پھیرے کہیں لفظ اُسکے جو تھی شیخ کی تقریر

لکھی ہے کسی شعر کی تقریر پہ تضحیک
سمجھا نہ کہ ہے اپنی ہی نافہمی کی تقریر

کر ڈالے قلم خوردہ کہیں صفحہ کے صفحہ
خط کھینچ کے اوراق کے اوراق کیے قیر

لے سعدی سے تا جامی و خسرو سے حسن تک
لے مولوی روم سے تا محسنِ تاثیر

جو تھے متقدم متوسط متاخر
ذات اُن کی ہوئی شاعری کی بانیٔ تعمیر

وہ تذکرہ ان سب کے سخن سے تھا مزیّن
قاصر ہے ثنا جن کے میں آفاق کی تقریر

اُس تذکرہ پر ہات وہ اس طرح کیا صاف
جس طرح سے چورنگ لگاتے ہیں بشمشیر

سودا ہوا اُس دم گل تصویر سا حیراں
یوں دیکھی جب اُسکی وہ چمن بندیٔ تحریر

بعد اُس کے اتاقتے میں جو آیا تو یہ سمجھا
نزد اُس کے اس اصلاح میں کچھ ہوئے گی تدبیر

اُستاد فلک رُتبہ کہ ہے خلق کے نزدیک
از روئے شرف خاک رہ ان کی بہ از اکسیر

کرتا ہے کلاموں کو جو اُن شخصوں کی اصلاح
اُستادوں کو اُستادوں کی وہ ٹھونک بجا زیر

سودا کے ہوا دل کو یقیں دیکھ یہ احوال
وقت اپنے کا وہ شخص بلا شک ہے بڑا پیر

مشتاق سخن اُس کا ہوا تا کرے دریافت
اُستادوں کی استاد کی کیفیت تقریر

استادوں کے اشعار پہ اغلاط کا اطلاق
کر کے جو کرے ہے سخن اُن کا زبر و زیر

آگاہ ہو جو اس فن سے جو اس طرح سے اُس کے
صحت سے عجیب کیا ہے کہ طینت کا ہو تخمیر

ہے شاعری میں جو کوئی اس طرح کا محتاط
اور نکتوں کی چینی میں وہ ہے خلق میں تشہیر

جو شخص کہ ایسا ہو وہ کب اپنے سخن لے
اغلاط کو اور سقم کو رکھے گا گلو گیر

از بسکہ وہ مشتاق سخن کا تھا مکیں کے
پہونچانے کے تھا اُس کے بہم در پے تدبیر

سودا کنے دیوان مکیں لے گئے آخر
عرصہ میں کئی روز کے ایک صاحب توقیر

اُس کو بتائیں جو لگا دیکھنے سودا
جو اُس میں کہ الفاظ و معانی تھے گرہ گیر

اشعار میں اُس کے جو نئے طرز سے دیکھے
آئینہ میں ہر لفظ کے اِک معنی کی تصویر

اُس شاعرِ ذی ہوش کی تعریف میں اُس نے
کس خوبی سے تب ایک رسالہ کیا تحریر

در بیان رسالہ عبرۃ الغافلین

کی اُس نے رسالہ کی غرض پانچ ہیں فصلیں
پہلے میں تو لکھنے کے رسالہ کی ہے تقریر

اور دوسری وہ فصل کہ جس میں ہیں اشعار
جو اُس کے قلم کے تھے ہوئے طعمۂ شمشیر

اور تیسری وہ فصل کہ اصلاح کر اُس نے
استادوں کے اشعار کیے ہیں زبر و زیر

اور فصل چہارم میں وہ اشعار مکیں کے
کس لطف سے تقریر کو لایا ہے بہ تحریر

پنجم میں وہ اشعار مکیں ہیں کہ کر اصلاح
سودا نے جن اشعار کی دی معنی کو توقیر

القصہ ہوا جب وہ رسالہ مترتب　　اور پائی ہر اک سمت میں ذکر اُس کے نے تشہیر
تیغ کا رسالہ کے جو پہونچا اُسے احوال　　جان اپنی اُسے شان کا وہ موجب تکسیر
بھیجے تھا بقا کے تئیں دی شعر کی اسناد　　پاس اُس کے جو عالم میں تھا یکتائے مشاہیر
ہر چند رہی ان میں یہ تکرار کئی روز　　سُن اس کو کہ ہے صحبتِ آخر کی یہ تقریر
سوداؔ کے جو ہیں شعر مکیں مورد ایراد　　ہیں طرفہ مضامین و معانی کی وہ تسخیر
اک شعر ازاں جملہ یہ لکھتا ہے کہ جس کا　　ہر لفظ ہے نخچیر معانی کے لیے شیر
مضمون کو اُس فارسی کے شعر کے موزوں　　گر میں نے کیا ہندی میں اس طرح سے تسطیر
تھا دل مرا محفل میں گرفتہ قدح آسا　　صہبا نے کی ہوئی کی شگفتہ مری تدبیر
سوداؔ کی یہ اُس شعر پہ حجت ہے کہ تو نے　　کس واسطے باندھا ہے قدح کے تئیں دلگیر
دیتے ہیں قدح کو وہ گل و لالہ سے تشبیہ　　جو ڈال گئے شعر کے بنیاد کی تعمیر
ہے شکل گل و لالہ شگفتہ کہ گرفتہ　　بیہودہ دوا ہی نہ کر اس رنگ سے تقریر
صورت گل و لالہ کی اگر ہوتی گرفتہ　　کب کرتی پیالہ کی تشابہ سے وہ تدبیر
معنی کے سوا بندشِ الفاظ کے اُس کے　　سوداؔ نے رسالہ میں مفصل لکھی تقریر
اُستاد کا تب شعر سند کے لیے اپنے　　پھر اُس نے دیا کر کے بقا کے تئیں تحریر
اُستاد کے اُس شعر کے مضموں کو بھی اپنے　　الفاظ میں ہندی کے کیا لا کے گرہ گیر
کیا بادہ خوشی دے مجھے جب ہجر میں تیرے　　نظروں میں قدح ہے دل گرفتہ کی تصویر
ہر چند کہ معنی میں ہے دونوں کے تناقض　　لفظوں کے تشابہ سے کر استاد کی تدبیر
اس شعر کو لکھ کر دیا تھا اُس نے بقا کو　　یہ کہہ کہ یہ اسناد دکھا کر تو اُسے زیر
جس وقت کہ دکھلائیے سوداؔ کو یہ اسناد　　پھر کیجو طرف سے مرے تو اُس سے یہ تقریر
بے سقم سبھی شعر ہیں اس طرح ہمارے　　ہے اُن کے سمجھنے میں تری فہم کی تقصیر
سوداؔ نے کہا اُس سے کہ اے فہم کے دشمن　　لا شعر کے معنی کو سمجھ کر تو بہ تذکیر

یہ شعر ہے تائید ہمارے ہی سخن کا   سمجھا نہیں تو معنی کا اُس کے زبر و زیر
اُس شعر میں اُستاد کا جو کچھ تھا ارادہ   سودا نے کیا آگے بقا کے اُسے تقریر
جب شعر نہ ٹھہرا وہ سند شعر مکیں کے   تب واں سے اُٹھا ہو کے بقا ملزم و دلگیر
اُن بیتوں کا احوال کہا آ کے مکیں سے   اُن دونوں کے مضموں کا جو آپس میں تھا تغییر
جب بند ہوئے شاعری میں تب انھیں اپنے   خفت کے مٹانے کے لیے سوجھی یہ تدبیر
بہتر ہے کہ سودا کے تئیں دیجیے خفت   تا خشک جبھوں کا ہو ہماری خوشی تشویر
یہ مشورہ ٹھہرایا بلا سب کو مکیں نے   جو شیخ بچہ اُس کے تھے در حیطۂ تسخیر
سودا کو پکڑ لاؤ تم اور دو اُسے خفت   اُس نے ہیں جو ایراد لکھے ڈالو اُسے چیر
آ کے وہ دل و جاں سے قبول اور کمر باندھ   کہنے کو سمجھ اُس نے کیا اُس نے جو تقریر
آئے تھے بہم جمع ہو ہتیاروں کو لے کے   سودا کنے اشرار وہ برعزم زد و گیر
گھر اپنے میں بیٹھا وہ عذر اوروں سے غافل   ناگاہ یہ وارد ہوئے لے خنجر و شمشیر
پیش آیا بہ تعظیم وہ اخلاق سے اُن ساتھ   اُن کو وہ نہ سمجھا کہ یہ ہیں مایۂ تذویر
یہ بولے وہ سب بیٹھتے ہی تم کو مکیں لے   جلدی ہے بلایا نہ کرو چلنے میں تاخیر
سودا نے کہا اُس گھڑی مجکو خفقاں ہے   سچ جانیے اور کیجیے موقوف یہ تقریر
کل آؤں گا میں اُن کنے کہہ دو یہ تم اُن سے   جاگیر نہیں ہے جو کریں گے مجھے تغییر
یہ سن چھری اک شخص نے کوکھ اُسکے یہ دھر دی   اور سر پہ کھڑے دو ہوئے لے برہنہ شمشیر
کہنے لگے لے جائیں گے ہم تم کو اسی وقت   چلنے میں مکیں کے کنے ہرگز نہ کرو دیر
اور لے لو رسالہ کو جو لکھا ہے وہ تم نے   جانے کی نہیں پیش تمھاری کوئی تقریر
سودا نے اُن اشرار کی دیکھی جو یہ شدت   سمجھا کہ کریں گے نہ یہ بدذاتی میں تقصیر
ناچار میانے کو منگا اُس میں وہ بیٹھا   جب دیکھی کوئی اُس نے بجز اُس کے نہ تدبیر
اُن میں سے چھری کھینچ وہ ہیں آن کے جلدی   چڑھ بیٹھا میانی میں بھی اک نطفۂ خنزیر

اس طرح سے جب لے چلا تنہا اُسے پاکر
وہ لشکر شیطان و غا پیشۂ بے پیر

گھر اُسکے سے لے پہونچے تھے تا دس قدم اُسکو
ناگاہ تماشا یہ دکھائے اُنھیں تقدیر

نواب سعادت علی خاں ہاتھی کے اوپر
با فوج و حشم اُس گھڑی آ کر ہوئے رہ گیر

دیکھیں تو ہے مرزا رفیع ایک میانی کے اندر
اور گرد ہے بس میانی کے ایک جمع مقاہیر

سوداؔ سے لگے پوچھنے یہ ماجرا کیا ہے
سُن کر کے اُس احوال کی کچھ تھوڑی سی تقریر

بتلا لیا نواب سعادت علی خاں نے
سودا کے تئیں اپنی خواصی میں بتوقیر

آمادہ و نامرد ہوئے بھاگنے کے سب
اُس حال کو دیکھ اُن کی یہ حالت ہوئی تغییر

سودا سے جو ہیں ٹک متوجہ ہوئے نواب
یک چشم زدن میں یہ ہوئے واں سے گرہ گیر

فرمایا یہ نواب نے وہ ماجرا سُن کر
یہ بھاگ نہ جاویں کہیں کرلو انھیں زنجیر

تا اُن سے خبردار ہوں جاتے رہے وہ یوں
جس طرح کماں سخت میں سے جائے نکل تیر

جز پیر کے گھر اپنے کہ اک آن میں پہونچے
ٹھہرے نہ کہیں بیچ میں یہ بھاگے وہ بے پیر

آ لشکرِ حق نے تو یہ دی ان کو ہزیمت
یوں آگے کا احوال کیا خامہ نے تحریر

نواب جو سودا کے تئیں لے گئے ہمراہ
داخل ہو مکاں میں لگے فرمانے یہ تقریر

حاکم نہیں اس عہد کا مجبور ہوں ورنہ
تم دیکھتے دنیا میں جو ان کے تئیں تعزیر

فرمایا پھر اُس کے تئیں ازراہِ تفضّل
تم یاں رہو یک چند کہ جاتا نہیں تدبیر

تم سے کریں پھر آن کے شاید کہ خلش وہ
ان موذیوں کا بس کہ ہے بدذاتی سے تخمیر

سودا نے کہا یہ ہے مرا خانۂ اُمید
حق اُس کو رکھے حشر تلک فیض کی جاگیر

اقبال خداوند سے اک خلق کو ہے راہ
یا دوستی و یک دلی زیرِ فلک پیر

آفاق مجھے جانے ہے اور بہتوں کو میں بھی
احوال یہ رکھتا نہیں کچھ حاجتِ تقریر

آگاہ شرارت سے نہ تھا اُن کے میں ہرگز
پیش آئیں گے اس طور سے مجھ ساتھ وہ بے پیر

تکرار سخن کی تھی عداوت نہ تھی مجھ سے
کچھ اُن کو یہ اُن کی ہے فقط حمق کی تقصیر

شاعر کے لیے جنگ سخن کرنے کو باہم
تیغِ سخن اُس کی جو اصالت نہیں رکھتی
کچھ مجکو تہ بھی اُس سے سخن اپنے کی تکرار
اصلاح دی اپنے تئیں سمجھا کہ بتایں
لکھا ہے یں اس واسطے تا نزد سفیہاں
خالی ہے اُن اُستادوں کا نقدِ سخن ایسا
نا فہمی سے جب اُس نے لکھے اُن پہ مطاعن
دیواں کو منگا اُس کے میں جس طرح کہ اُس نے
میں بھی اُسی طرح سے اشعار کے اُس کے
پر میرے اور اُس کے ہے یہ لکھنے میں تفاوت
احوال یہ کر عرض ہو نواب سے رخصت
پہونچی جب اُسے یہ خبر آفاق میں جو تھا
وہ آصفِ جمجاہ کہ عدل اُسکے سے دائم
یہ شعلہ در آتش خشم و قہر کے اُس کے
بجھتی نہ تھی آتش غضب و غصہ کی اُس کے
مختار تھا اُس عصر میں نواب کا نائب
فرمایا اُسے آصفِ دوراں نے بُلا کر
ناحق متعرض ہوئے سودا سے وہ دبا کر
کھُدوادَ محلہ کو ابھی جا کے انھوں کے
پھر اُن میں سے ایک ایک کو گنگا کے کرو پار
اور پہلے اُسے بار اُتروادَ کہ جس نے

بہتر نہیں ہے تیغِ زباں سے کوئی شمشیر
اس واسطے شمشیر سے کی لڑنے کی تدبیر
مجھ پر نہ گوارا ہوئی استادوں کی تحقیر
اُستاد انھوں کا ہیں جو وہ اُستادِ مشاہیر
اُستادوں کے حرف آئے نہ در عزت و توقیر
ہے قلب تماسا منے جس کے زرِ اکسیر
جل کر مجھے ناچاری سے تب سوجھی یہ تقریر
اُستادوں کے اشعار کیے ہیں زبر و زیر
با شرح و بیاں معنی کی تقریر کی تحریر
بیجا ہے وہ تقریر و بجا ہے مری تقریر
کر آیا اُسی رات کو گھر اپنے میں شبگیر
فریاد رسِ آہو و کلّہ شکن و شیر
شاہین رہا عہد اس کے میں محکوم عصافیر
اُس لحظہ بھی قاصر ہے بیاں جس کی ہیں تقریر
ہر چند کہ ارکان تھے بجھانے کی بتدبیر
لایا تھا ممالک کو وہ سب اپنے بہ تسخیر
ان شیخوں کی تم نے سُنی یہ بدعت و تقصیر
واللہ کہ ہے اُن کی خطا کی یہی تعزیر
اور منہدم اُس کو کرو جو ان کی ہو تعمیر
اخراج سبھوں کو کرو بے طفل سے تا پیر
بھیجا تھا اُن اشرار کو ازبہر زبونگیر

لاؤ مرے احکام کو تم جلد عمل میں   خاصہ میں نہ کھاؤں گا اگر اس میں ہوئی دیر
نائب نے جو نواب کے اُس وقت میں دیکھی   اس مرتبہ نارِ غضب و غصّہ کی تاثیر
حیران تھا کہ کیا بات بناؤں میں کہ جس سے   نواب کے نزدیک معاف اُن کی ہو تقصیر
تھا اُس کو سلوک اُس سے اُس ایام میں منظور   رکھتا تھا وہ شیخوں کی بسرداری جو تشہیر
خاطر کا تھا پاس اُس کے جو مختار کو ملحوظ   از بہر رفاہ اُس کے یہ نائب نے کی تدبیر
ارکانوں سے تب اپنے بلاکر کہا اُس نے   یہ کام کرو جلد کرو اس میں نہ تاخیر
سب شیخ بچوں کے تئیں تم اور رئیس کو   سودا کنے لیجا کے کرو اُس سے یہ تقریر
حاضر ہوئے ہیں آگے گنہگار تمھارے   جس طرح انھیں چاہیے اب دیجیے تعزیر
القصہ جو تھے نائبِ مختار کے ارکان   آ شیخوں کے گھر میں وہ لگے کرنے یہ تقریر
سودا کے گھر اب تم چلو سب لیکے رئیس کو   اس میں ہی بھلائی ہے تمھاری نہ کرو دیر
سودا کنے جس وقت کہ ان کے تئیں لائے   خجلت سے ہر اک اُن میں تھا غرقِ خوئے تشویر
خفّت سے انھوں کا تھا جو کچھ چہرہ دن کا عالم   احوال وہ زنہار نہیں قابلِ تحریر
سودا کے حضور اُن سبھوں کو لائے وہ اشخاص   اور بولے کہ ان خاطیوں کی بخشیے تقصیر
سودا نے کہا ان کی ہیں تقصیر سے گذرا   سر آکے مرے آگے انھوں نے کیے جب زیر
یہ کیا کریں اسمیں کہ مقدر مرا یوں تھا   انسان کو لازم ہے رہے تابعِ تقدیر
رخصت انھیں سودا نے کیا عطر دے اور پان   حاصل یہ انھیں اس حرکت سے ہوئی توقیر
ہرکارے نواب آصف الدولہ کے تھے حاضر   جا عرض کیا دیکھ گئے تھے جو یہ تفسیر
سودا کے تئیں لے چلے تھے جیسے وہ مردود   لیجاتی گھر اپنے اُسے بالفرض وہ تقدیر
اور ڈالتے تلوار سے مار اُس کو وہ نامرد   عزت کی نہ سودا کی نہ اک جھانٹ کی تحقیر
پایا ہے اکیلا جو سلاطین کو اکثر   اس طرح سے ہیں نے گئے لا خنجر و شمشیر
پرکندہ کیا اُس نے جو استادی کو اُس کے   اُس کندہ کی اب مشکل و دشوار ہے تطہیر

سودا کا کشاکش وہ ہوا موجب عزت
اس سے بڑھی اور اُسکی تو استادی کی توقیر

اللہ جو اشخاص تو کرتا ہے مقرر
اُن کے لیے ہر امر میں عزت کی ہو توقیر

شاعر کے تئیں کام ہے کیا تیغ و سپر سے
جب لڑنے کو دی حق نے زباں کی اُسے شمشیر

اثبات قصور اُس کے ہوا تیغ و زباں کا
جس دن سے کی با تیغ و تبر لڑنے کی تدبیر

اے مصحفی اس طرح سے یہ سانحہ گذرا
جو تو نے بقا ساتھ کیے معرکے تحریر

بدذاتی میں کچھ شبہہ نہ تھا اُن کے ولیکن
خفت دے اُسے کون دے عزت جسے تقدیر

ہے سننے کی یہ نقل کہ اس جنگ و جدل پر
جس سے پڑی افساد کے بنیاد کی تعمیر

سودا سے کئی روز کے بعد آ کے بقا نے
اُس رنجش ماضی کا کیا عذر تقاصیر

اور کہنے لگا یہ کہ بلا شک ہو مسلم
استاد ہو تم اس میں باقرار جہانگیر

یہ عرض ہے میری جو قبول اسکو کریں آپ
انسب ہے مری فہم کے نزدیک یہ تدبیر

دیجے مرے دیوان کو اصلاح کی تشریف
تا اہل سخن میں ہو سخن کو مرے توقیر

ہر چند کہ تھا ننگ کا سودا کے یہ موجب
پر خلق سے اقبال میں کی اُس کے نہ تاخیر

آیا کیا لینے کے وہ اصلاح کے خاطر
دیواں جو کئی جز کا تھا کر اُس کو بغل گیر

دیوان کے اصلاح تلک رکھی یہ صحبت
کی وقت میں اصلاح کے ہرگز نہ کبھو دیر

دیواں کو کیا اُس نے جو اصلاح سے فارغ
بعد اُس کے معاً اُس کے تئیں سوجھی یہ تدبیر

شاگرد میں سودا کا ہوا آ کے ولیکن
ہووے گا کمیں سن کے اس احوال کو دلگیر

شاگردیِ سودا کی وہ بیعت شکنی کر
لا حجتِ بے موجب و بے ربط بہ تقریر

اُس طوق اطاعت سے نکل اپنی گلی میں
جا ڈالی پھر اُس سلسلہ کی پاؤں میں زنجیر

برگشتہ ہو کہنے لگا بے ہودہ و واہی
مجذوب کے مانند وہ جذبے کا ہو تسخیر

یہ تو نے سنی معرکہ آرائی بقا کی
اُس کذب کو دھو ڈال کر اس صدق کو تحریر

سودا سے ہو کس طرح بقا معرکہ پرداز
خورشید کا ذرہ نہ کبھو ہووے گلوگیر

اُستاد کے بھیجے سے تو آنے کو بقا کے — گر معرکہ سمجھے تو ہے اس میں تری تقصیر
اے واہی کیا تذکرہ میں تو نے ہی اپنے — مذکور کو سوداؔ کے عجب طرح سے تقریر
اُس شہرۂ آفاق کے احوال کو کوئی — لکھتا ہے پہ رتبہ کی خفت و تحقیر
نسبت کرے ہے سرقہ کی اور جہل کی اُس سے — رکھ بعضوں پہ عندیہ کی اپنے کرے تقریر
جہل اُس کی کا اور سرقہ کا رتبہ تجھے کھلتا — گر ہوتی ترے دیدۂ تفہیم میں تبصیر
جہل اُس کی کرے ناز صد اعلم و ہنر پہ — اور سرقہ نے طبع و دلِ عالم کیا تسخیر
ہر چند کہ ہیں اُس کے مراتب تجھے ملحوظ — ہے اُس کے تجاہل میں حسد کی تری تقصیر
اس لکھنے سے قدر اُس کی نہ یک ذرّہ ہوئی کم — اور تیری حماقت کی زیادہ ہوئی تشہیر
اغلاط و توارد کا کرے اُس پہ تو بہتاں — لعنت تری اس جھوٹ پہ اے مفتری بے پیر
لکھتا تو اگر یہ کسی گم نام کے حق میں — جب خلق کے نزدیک تھی سچی تری تقریر
اُس کا ہنر و فضل ہر اک دل پہ لکھا ہے — ذکر اُس کا نہ تھا کچھ ترا محتاج بتحریر
ہر فرد کے ہے پیش نظر تجھ سے زیادہ — احوال کا اُس کے جو نقیر اور ہے قطمیر
جانے ہے اُسے ماہی و مہ روزۂ خورشید — ہے بسکہ وہ آفاق میں مشہور مشاہیر
ایسا نہیں گذرا ہے جہاں میں کوئی اب تک — اور بعد کے ہونے کی خبر رکھتی ہے تقدیر
ذکر اُس کا ہے لکھنا ترا ایسا کہ جہاں میں — ذرّہ کرے خورشید کے احوال کو تحریر
گر نظم و نثر میں جو یہ تو نے بکا ہے — کچھ شان کی اُس کے نہیں شایاں وہ تقریر
کیا ہجو تری اُس کی اگر مدح کرے تو — ہو رتبہ و قدر اُس کی کا وہ موجب تحقیر
دھو پہلے تو با مشک و گلاب اپنے دہن کو — اُس شخص کا تب لا بزباں اسم بتوقیر
کس واسطے گذرا ہے وہ مقبول طبائع — تو آپ ہی کہے یہ اُسے اے واہیوں کے پیر
مقبول اُسے جانے ہے تو مقبول کے مردود — کرتا ہے تو پھر کس لیے ہر شعر میں تحقیر
اُس کا ہے بھرا دل میں حسد تیرے و لیکن — تقریر و بیاں کی ہے سلیقہ کی یہ تقصیر

شدت سے حماقت ٹھہرتا نہیں یک جا
لکھی ہے کہیں مدح کہیں ذم کرے تحریر

یا چھائی ہوئی اُس کے تن کی جو ہے صولت
اس واسطے کرتا ہے تو بھٹکی ہوئی تقریر

کہیے اُسے خورشید سپہرِ سخن و شعر
انوار کلام اُس کا ہے از بسکہ جہانگیر

اوروں کے تئیں نسبتِ ذرات ہے اُس سے
ہیں ریختہ گو جتنے کہ گم نام و مشاہیر

یوں اُس کے سخن سے ہے نمودِ سخنِ خلق
جوں پرتوِ خورشید سے ذرات کی تنویر

اے مصحفی ہر ایک کے حسب اور نسب سے
اس طرح ہوا کب تو خبردار و خبر گیر

ہیں فارسی کے تذکرے بے حد و نہایت
دیکھ اُن میں کہ کس طور سے مذکور ہیں تحریر

البتہ سب ایک سے ہوویں گے نہ شاعر
ہر ایک کا یکساں نہیں اندیشہ و تدبیر

لازم ہے سخن کے تئیں پستی و بلندی
ہوتی ہے جدا طرح سے ہر فکر کی تقریر

پر ثبت کیا ان میں ہے جن جن کے سخن کو
ہر ایک کے احوال کو لکھا ہے بتوقیر

وہ کون ہے جس شخص کے احوال کو تو نے
لکھا نہیں بے رتبہ و بدطور و بہ تحقیر

اس تذکرے میں تیرے کسی شخص کے حق میں
اظہار معائب کے سوا کچھ نہیں تذکیر

معلوم ہوا اس سے کہ تھا تجھکو یہ منظور
پردے میں کرے تذکرے کے ہجو جماہیر

جس جس کا بھرا ہے حسد و کیں ترے دل میں
کرتی ہے اُس احوال کو ظاہر تری تقریر

ماہر کے لکھا حق میں کہ وہ بے خبری سے
بینا نہ ہووے کور ہے نزدیک بتقدیر

اور وہ ہیں خبردار جو اُس سے نہ تھے نزدیک
یہ اپنی طبیعت تو نے کتنا یہ کیا تحریر

یعنی کہ میں گو صحبتِ سودا میں نہ پہونچا
پر میں نے سخن اپنے کو دی ویسی ہی توقیر

منھ اپنے سے چاہے سو بک ورنہ رکھے ہے
بے رتبہ کئی شعر ترے خلق میں تشہیر

تحقیر کر اُس سید پاکیزہ نسب کی
لی تو نے عبث لعنت و نفرین کی جاگیر

ایک میں کہوں تجھ سے سخنِ واقعی تیرا
تفہیم میں اُس کے نہ کرے فہم جو تقصیر

نے دوستی سودا سے ہے نہ دشمنی تجھ سے
دنیا میں کسی شخص کو ہیچ جان بہ تقریر

ساری یہ زبردستیِ خوبیِ سخن ہے / کرتی ہے جو عالم کے دلوں کے تئیں تسخیر
جو گذرے ہیں مقبولِ خدا اُن کے سخن کے / دلہائے خلائق پہ ہے چھائی ہوئی تاثیر
مقبولی و مردودی طرف سے ہے خدا کے / پیش اس میں نہیں جاتی ہے کچھ سعی و تدابیر
تو آیا کہے گا اور کہے گا کوئی کیا اور / شاعر بجہاں جتنے ہیں لے خورد سے تا پیر
سب ریختہ کہتے ہیں یہ سودا کے سخن کو / جو حق نے دیا ہے شرف و عزت و توقیر
لگا نہیں کھاتی ہے کسی بات میں اُس سے / یوں کہنے کو لوگوں کے تو استاد بھی ہیں میر
یہ نکتہ ہے آویزۂ گوشِ دلِ دانا / ہر چند کہ احمق کے جگر کے لیے ہے تیر
قائم نہ رہا آ کوئی میدان میں اُس کے / زعم اپنے میں گو بیشۂ معنی کا ہوا شیر
شہباز خیال اُس کا رکھے تھا تہِ چنگال / تھے جتنے معانی و مضامین کے نخچیر
دی قدر مگس کی سمجھے اور اس کو ہما کی / جس روز کی تقدیر نے تقسیم کی تدبیر
عقل اُس کی ترا حمق سے ایک ایک پہ غالب / ہرگز نہ ہٹے آگے سے ایک ایک کے ہو زیر
اس شخص سے خامہ کی مرے ہے یہ گذارش / دیکھے جو طرف دار کہیں کوئی یہ تحریر
لادے نہ وہ ہرگز خفگی طبع میں اپنی / کس واسطے ہے واجبی و راست یہ تقریر
اور اُس میں جو بہتاں کا اُسے ہووے تردّد / اوّل نہ رسالہ کی طلب میں کرے تاخیر
پھر اُس کو قسم ہے کہ تعصب کو اُٹھا کر / پڑھنے میں نہ اک حرف کی اُسکی کرے تقصیر
اوّل سے جو آخر تک اُسے غور سے دیکھے / بغض و حسد و جہل کو کر طبع سے تغییر
نکتے وہ کیے اُس میں بیاں اُس نے کہ جنکو / دیکھ اُس کی طبیعت کے مقر ہے خرد و پیر
لاحل اگر ہیں معنیِ اشعار کہیں کے / کس خوبی سے حل کر انھیں لایا وہ بتقریر
کس لطف سے الفاظ و معانی میں کیا دخل / اشعار کے اُس کے نے اُنھیں کر دیا تصویر
رکھتی تھی عجب معجزہ بے علمی سودا / علاموں کا اللہ نے جاہل کو کیا پیر
بغض اور عداوت کو جگہ دل میں نہ دیکر / دیکھ اُس کے رسالہ کا نقیر اور تو قطمیر

بعد اُس کے تو انصاف سے کر غور کہ عائد — اور دونوں میں سے کس طرف ہوتی ہے تقصیر
مختار کیا تجھکو میں ہو کر کے حکم تو — وہ کر کہ ہو جس پر متقاضی تری تدبیر
کچھ شعر کی باتیں نہیں ایمانی و دینی — بد کہنے سے جن کو ہو کوئی داخل تکفیر
اُستاد نہیں باپ کی گر بات بُری ہو — اچھی نہیں کی جاتی بجنگِ تبر و تیر
اس بات کو سچ جان کہ پیدا کرے معنی — شاگردوں کے لڑنے سے نہ استاد کی تقریر
احمق ہے سو جھانے سے قباحت جو کسو کی — ممنون ہو اور لیکے لڑے اُس سے وہ شمشیر
سودا دمکیں میں پڑی اُس سے ہے لڑائی — تھے ورنہ بہم بیش ازیں جوں شکر و شیر
کہنے سے ہو گر کوئی نبی یا ولی کوئی — تو اُس کی خطا سے بری و پاک ہو تقریر
ممکن نہیں پہونچائے بہم رتبۂ معصوم — بالفرض ہوا شعر میں خاقانی کا بھی پیر
سہو اور خطا ہے بشریت کا لوازم — انساں جو ہے ہر امر میں ہے مصدر تقصیر
پاک اپنے تئیں جانے جو انسان خطا سے — بے شبہہ و شک جرم و خطا کا ہے وہ تخمیر
عیبِ دگراں کے تئیں ہر یک نگراں ہے — کچھ اُس سے کسی شخص کی بڑھتی نہیں توقیر
تیزیِ نظر عقل کو دی حق نے جنھوں کے — عیب اپنے بجز چشم کے کُند ان کی ہے تنویر
آفاق میں جو عقل سے معذور ہیں اُن کے — اوروں کی خطا جوئی پہ مصروف ہے تدبیر
حمق اپنے سے اوروں کے ہنر کو جو کہے عیب — کیونکر نہ خطا بینوں کا ہووے ہدفِ تیر
حال اُس کے سے اِک شعر نظیری ہے مطابق — اس واسطے مضموں کو کیا اُسکے میں تحریر
یک عمر بکا دوستوں کا عیب جہاں میں — دشمن سے سُن اپنے تو ذرا وصف کا تذکیر

اکمال سمجھتے ہیں معرفت تیرے جس کو
کس نقص سے اُس کے تئیں کرتا ہے وہ تقریر

اس قصہ کے لکھنے کا ہوا مصحفی باعث — تھا ورنہ دماغ اُس کے کسے کرنے کا تحریر
لکھتا نہ اگر معرکہ سودا سے بقا کے — کرتا یہ بیاں کرنے کی میں کس لئے تدبیر

ناواقفوں کے واسطے واقف تو ہیں واقف — اس معرکہ کی میں نے قلم بند کی تقریر

کیا معرکوں کا ربط تھا سودا سے بقا کو — یہ اُس کی فقط جہل و حماقت کی ہے توقیر

طاقت تھی کہ ہوتا کوئی سودا کے مقابل — کیا روبرو اُس کے تھے بقا کے تئیں توقیر

اے روبہ پُر حیلہ و اے گربۂ پُر مکر — سودا کے بُرے کہنے پر از بسکہ تو ہے شیر

اُس کا ہے بھرا بغض ترے دل میں جو ہے تو — رکھ اوروں پر اُس کے تئیں لایا ہے بتقریر

ان باتوں سے اچھے نہ بُرے ہووے کسی طرح — کیونکر وہ بُرے ہوں جنھیں اچھا کرے تقدیر

سمجھا تو کہ سودا کو بُرا کہہ کے ہوں اچھا — اچھا نہ بنا بلکہ بروں میں ہوا تشہیر

اے مصحفی اچھا تو نہ ہووے گا کسی طرح — اچھا وہ نہیں ہے جو کرے اچھوں کی تحقیر

اچھے جو ہیں سمجھے ہیں بروں کے تئیں اچھا — کہتا ہے بُرا اچھوں کو تو ہے بروں کا پیر

اچھا جو دکھاتا ہے تجھے تیری نظر میں — سو حمق ہے تیرا کہ وہ تیرا ہے گلوگیر

اچھا تو اگر آپ کو سمجھا تو نہ آیا — فہرست میں اچھوں کے ترا نام ہے تحریر

جانے گا بُرا اپنے تئیں سب سے جو اچھا — ہووے گا تو اور پاوے گا تب اچھوں میں توقیر

خوب آپ کو سمجھا تو ترقی سے رہا تو — اس حرف کو زنہار نہ کر دل میں گرہ گیر

دشوار ہے تا منزلِ اکمال پہونچنا — پہونچاتی وہاں لاکھوں میں اک آدمی کو تقدیر

ہے نقص کے اندیشہ میں تکمیل کی کوشش — جب سمجھا تو کامل ہوں ہوا نقص میں زنجیر

دانا ہے تو ناداں ہو دانست کی کر سعی — تا ہووے تو اُن سب سے جو دانائے مشاہیر

گر خوب ہے اپنے سخنِ خوب کو بد جان — گو بد ہے سخن غیر کا کر اُس کی نہ تحقیر

ہر شیشۂ دل کے لیے ہے تیری زباں سنگ — تا چند رکھے گی یہ درستی تری تقریر

دیکھے گا بنا تیغ زباں اپنی سے کب تک — ہر خاطر و ہر دل کو لگا زخم تو دلگیر

صد مرہم و بخیہ کے پے زخم دلِ خلق — تقریر تیری چاہیے پیدا کرے تاثیر

گر فہم ہے تو اپنے تئیں ہیچداں جان — تا تجکو جہاں کے ہمہ دانوں میں ہو توقیر

بالفرض اگر تو فلکِ فضل و ہنر کا | خورشید ہے کر ذرہ مثالوں کی نہ تحقیر
جوں ہو سکے تو نقشِ خودی کے تئیں کر نیست | تا صفحۂ ہستی میں ہو قائم تری تصویر
کیسا ہی تو اچھا کہے اُس پر نہ ہو راضی | کر سعی کہ ہو اس سے بھی اچھی تری تقریر
زنہار طبیعت کو نہ کر حمق کا پیرو | کر عقل کو فکر اپنی کا تو راہبر و پیر
تعریف نہ کر آپ تو پڑھ کر سخن اپنا | ہے تجکو قسم اس کی جو ہے خالقِ تقدیر
دے گی جو تری طبع کی تئیں جو بے معنی | سامع نہ کرے گا کبھو تحسین میں تاخیر
اور ہے وہ اگر پوچ و لچر واہی و بے ربط | تعریف سے تیرے نہ اُسے ہووے گی توقیر
تعریف نہ کر بلکہ سخن کے تئیں کر خوب | تا خوب تر از خوب نہ ہو لانہ بہ تحریر
منہ پر ترے تحسیں کریں پیچھے تری نفریں | ہو یہ حرکت کر کے تو زنہار نہ تشہیر
تبعیتِ نفس اپنی حماقت سے نہ کر تو | جو کوئی مرید اس کا ہے شیطاں کا ہے وہ پیر
بد طینت و بد نفس جو کوئی ہیں جہاں میں | شان اپنی بڑھاتے ہیں وہ کر غیر کی تحقیر
رکھتے نہیں زنہار خبر عیب سے اپنے | اوروں کے ہنر کی کرے ہیں عیب سے تقریر
نامرد ازل ہیں سو وہ اوروں کی ہمیشہ | رہتے ہیں بدل ڈھونڈنے کے درپئے تعییر
صورت ہیں ہنر کی وہ نظر میں حمقا کے | ہیں گرچہ کہ سر تا بقدم عیب کی تصویر
جو واقعی میں مرد ہیں اُن کا ہے یہ احوال | ہیں اپنے معائب کے وہ ہر آن خبر گیر
کہتا ہوں میں تجھ سے زرہ پند و نصیحت | سُن گوشِ دل و جاں سے ذرا تو یہ تقریر
اکسیر بنا چاہے اگر عزّ و شرف کی | مردوں کی نہ کر گرد قدم ہونے میں تقصیر
گر یاد ہے کر خاصیتِ خاک تو پیدا | آتش ہے تو پہونچا تو بہم آب کی تاثیر
ہر چند تری طبع کی بالفعل ہیں یہ باتیں | اور تیری حماقت کے مخالف ہے یہ تقریر
پر فہم سے شاید کبھو نسبت کرے پیدا | تب جان زمانے کے فہیموں کا مجھے پیر
دل اپنے میں کر سوچ کہے گا تو کہ جس کے | ایک حرف نے کی تب تو مرے دل میں نہ تاثیر

پر ہر سخن اُس کا تھا بہ از گوہرِ شہوار
تھی اُس کے سمجھنے میں مرے فہم کی تقصیر

اور ایسا ہی احمق جو رہا تا بدمِ زیست
ہوتا نہیں اس جرم سے تو واجب تعزیر

کس واسطے مجبور سرشت اپنی سے ہے تو
کرنے میں بد و نیک کے مختار ہے تقدیر

اے ناطقہ اب ادہمِ خامہ کی عناں کے
تنگی کرے ہے صفحہ بجولانیٔ تحریر

ہوں گے حمقا تیری نصیحت سے نہ عاقل
احمق ہیں ازل ہی کے یہ ان کی نہیں تقصیر

تعریف میں کچھ نطق و بیاں اپنی کی لکھ تو
جاگیر سخن میں ہے تجھے چاہیے توقیر

لازم ہے جو ہیں جوہری بازار سخن کے
اب گوہرِ شہوار ہیں تو لیں تری تقریر

اُس لطف و صفا سے نہ کرے جوہری ہرگز
جس طرح کیے لعل و گُہر تو نے گرہ گیر

فرمانِ بلاغت کی ہے پیشانی کا طغرا
اس نظم کے ہر مصرعۂ موزون کی تحریر

جوں زلفِ بتاں اس کا ہر اِک مصرعۂ دلکش
ہے گا دلِ عشاقِ سخن کے لیے زنجیر

کیا طاقت و کیا تاب جواب اس کا معاند
لاوے بزباں اور کرے لکھنے کی تدبیر

دیکھے جو مخالف کوئی اُس کو جگر اُس کا
دو ٹکڑے ہو کٹ کر یہ وہ برندہ ہے شمشیر

آنکھوں میں احبا کے یہ ہے کحلِ جواہر
سیر اُس کی ہے ان کی سببِ قوتِ تبصیر

اقلیمِ معانی میں ہے راقم ترا ڈنکا
عالم میں سخن کی ترے بجتی ہے بم و زیر

شاہنشہِ اقلیمِ سخن ہے تو جہاں میں
چاروں حدیں اُسکی تری فرماں کی ہیں زیر

ہے چار قبِ نطق و بیان و سخن و حرف
قامت پہ زباں کے ترے زیبندہ یہ تقریر

لیتا ہے ترا خامۂ فکر اُن سے سدا باج
ہیں تخت نشینانِ سخن جتنے مشاہیر

ہے طبل دوات اور علم خامہ ہے تیرا
معنی ہے سپاہ اور زباں ہے تری شمشیر

شمشیر کی تعریف تری کیا کروں جس سے
تو نے ہے کیا ملک و سخن کے تئیں تسخیر

ہے فارس میدان معانی تو وہ جس کے
خامہ کا فرس ران بنانے کی سدا زیر

ہے شاعری کی فخر و شرف طبع سے تیری
جس نے کہ معانی کو دیا خلعتِ توقیر

در کوہ کنی سخن اے خسرو شیریں
خامہ ہے ترا تیشۂ فرہاد کا بھی پیر

شبدیز ہے اندیشۂ گلگوں ہے تری طبع
شکر ہے مضامیں تری شیریں تری تقریر

وامق ہے دل اہل جہاں حسن کا اس کے
عذرائے یہ رکھتی ہے تری خامہ کی تحریر

لایا ہے بکوہ ایک جوئے شیر کو فرہاد
ہر بین و سطور اس کی ہے اک تازہ جوئے شیر

شہرے نے ترے خامہ کے لیلی روشنی کے
جوں شہرۂ مجنوں کیا آفاق کو تسخیر

جس حسن سے تو نے بتِ معنی ہیں تراشے
آذر کی فلک نے نہ تراشیں یہ تصاویر

الفاظوں سے یوں اُس کے معانی ہے نمایاں
فانوس سے تابندہ ہو جوں شمع کی تنویر

عزا و فصیح اور بلیغ ایسا قصیدہ
ہے مصحفی کیا کہ نہ سکے مصحفی کا بپیر

تیری ہی طبیعت میں ہے یہ زور کہ تو نے
یوں باندھ یہ مضمون زبردست کیے زیر

اے سحر رقم مانیٔ اندیشہ نے تیری
کھینچی ہے کس انداز سے اس نظم کی تصویر

صد آفریں ہے بلکہ ہزار آفریں تجکو
کیا طول دے تو نے یہ قصیدہ کیا تحریر

جس نظم کی عمرِ خضر و عمر مسیحا
آگے کرے تطویل کی کوتاہی و تقصیر

سو اُس کو میں لکھا کہ نہ ہو تیرے فلک سے
اے مصحفی ہے صحبتِ سودا کی یہ تاثیر

تکرار قوافی کی جو ناداں کرے تکرار
اُس کے لیے اشعار کیے ہیں نے یہ تحریر

تکرار قوافی کے قصیدہ میں نہیں عیب
یہ قاعدے ہیں کہہ گئے استاد مشاہیر

آوے نہ نصیر اور نظیر اس میں کسی طرح
اس وزن کے ہیں قافیہ ہر چند بہ تکثیر

اس بحر کے خاطر ہیں کئی قافیے مخصوص
آتا نہیں تقطیر و تغیر اس میں مگر تیر

اس وزن کے قافیے سو آتے ہیں اس میں
خامہ کی مری کچھ نہیں اس امر میں تقصیر

سب فارسی و ہندی ملا قافیہ اُس کے
کچھ تیس سے شاید کہ زیادہ ہوں تسطیر

ان قافیوں میں آٹھ سو اور کتنے ہیں اشعار
کس طرح سے اس میں نہ قوافی ہوں بہ تکریر

تکرار قوافی کے ہیں استاد کے خاطر
اس ذکر کو ان بیتوں میں لایا ہوں بتذکیر

صائبؔ سا ہوا کوئی کم آفاق میں اُستاد — لائق ہے اُسے گر میں کہوں شاعروں کا پیر
اُس شاعر ساحر کے قصیدوں کو جو دیکھا — رکھتی ہے بلندیِ معانی یہ وہ تقریر
پہونچے نہ جسے وہم فرشتہ کا بھی زنہار — ہر چند اُڑے عرش پہ ہو کر کے ہوا گیر
تکرار کو پر قافیہ کے حُسن سمجھ کر — صورت کشِ معنی وہ بہ از مانی تصویر
مضمون معانی کو بدل اُس نے کیا ہے — بعد ایک دو بیتوں کے وہی قافیہ تحریر
اُستادوں کے نزدیک نہیں عیب کچھ اس میں — نادان ہے جو یہ عیب سمجھ کر کرے تحقیر
القصہ کہ جس دم چمنِ نطق میں میرے — اس رنگ شگفتہ پہ ہوا گلبنِ تقریر
گلدستہ بنایا پے طبع عقلا میں — گُل لا کے گلستانِ طبیعت سے بہ توقیر
تا اُس کے تفرّج سے تفرّج کریں حاصل — جس وقت بمطالع کریں یہ خوبیِ تحریر
پہر حمقا دستہ ہے تیروں کا یہ گویا — دیکھے سے اسے ہوتے ہیں از بسکہ وہ دلگیر
اور مرتے ہیں سُن اُسکے تئیں وہ کہ لگے ہے — ہر مصرعہ چست اُسکا جگر اُن کے ہیں جوں تیر
تیزی و صفائی کو قصیدہ کو مری دیکھ — ہاتف سے خطاب اس کو دیا برش شمشیر
بہتر ہے کروں خاتمہ اس کا بدعا میں — کہتی ہے اجابت نہ دعائیہ میں کر دیر
تا جہل کو نسبت کریں ظلمت سے جہاں میں — تا جلوہ گر آفاق میں ہے علم بہ تنویر
جو عاقل و عالم ہیں زمانے میں الٰہی — تدبیر سے ان کی نہ تفاوت کرے تقدیر
اور جتنے کہ ہیں احمق و اجہل سو انھوں کے — لعنت کا گلے طوق رہے پاؤں میں زنجیر

خاتمہ قصیدہ تلمیذ سودا

بمعاونت انجام رسانندہ ہر مبدع قصیدہ و خوش آیین در سخت زمین روکش مضامین قصائد عرفی و خاقانی و کشادگی بخش بازار شعر حالی و ہلالی و ہر مصرع اشس در خوبی و لطافت کلیات ناسخ را ناسخ و مضامین ہر اشعارش در صفائی الفاظ کلام فردوسی

را پاسخ تصنیف شاعر بے بدل و دریاب بے مثل شاگرد ارشد یادگار شعرائے متقدمین
نازش استادان متاخرین کامل زمن اکمل در شعر و سخن مرزا محمد رفیع المتخلص بہ سودا
با تمام رسیده از ینجا رسالۂ دیگر مسمیٰ بہ عبرۃ الغافلین در ہجو مرزا فاخر صاحب مکین
تصنیف مرزا محمد رفیع المتخلص بہ سودا کہ موصوف بہ صفت اند شروع شد و خدا یا
بانجامش رساناد ۔ واللہ الموفق بالاتمام ۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۰

براربابِ فہم و ذکا مخفی نماند ہر دردمندے کہ بخود دارسید بدرد دلہا رسید
و تا بدرد دلہا رسید بخدا رسید بس برزبان راستی بیان خدا رسیدگان در کلام اساتذہ
مسلم الثبوت حرف جا و بیجاے تامل نی گذارد و می دانند ۔

بیت

ہر کہ سخن را بہ سخن ضم کند — قطرۂ از خونِ جگر کم کند

و بر دل آگاہ ایشاں روشن است جمعی کہ در فن سخن لبہائے دریدہ دہنان دوختہ
کوس لِمَنِ الملک الیوم کوفتہ از دار الغنا بدار البقا پیوستہ اند ازانہا انحراف ورزیدن
کار خردمنداں نیست کہ نفوس نفیسہ مذکورہ علت غائی ایجاد سخن و صیاد مرغ معنی
عرش مسکن اند و عقیدۂ این ہیچمداں نیز ہمین ست چہ جائیکہ ثناہا ز خیال قدرت آنہا
بال افشان است تا گنجشک طبعاں را چہ یارا کہ زیر سایۂ او پر زنیم اگر میلان طبیعت
کسے بہ سخن طرازی و نکتہ رسی باشد باید کہ شیرۂ جان را در متابعت ہمچو کساں صرف نماید
و ما ورای این اگر با قلیم سخن پا گذارد و پہلو نشینی اہل معانی دستش ندہد باید کہ دریں
راہ بر نقش قدم آنہا جبیں سائیدہ پیروی کند از نشیب و فراز راہ سخن لغزشی نخورد و
سرنگوں نیفتد عیاذاً باللہ اگر کسے سوای طرق آنہا بعمل آرد بجز مایۂ انفعال و رسوائی

به نسبت نیازی بهمرحیت مرطیمزدگان این طائفه گرداب دریای بلا اندز نهار بی آشنای
اینها به پرسی تمام با نمرق نه شنوبی ونطم امواج طبیعت آنها کوه را از جا می برد
تا اینگاه بجز لطف اگر طبیعت کسی برخیزد قلم خورده آنها سرگرم نکته چینی شود بدان مانند
کمی یاد تند خیال شیا یک ما بدهم شمالی هزار اوراق مغشوش کرده آنها لیاقت آن دارد که کسی
تمیز مشتاق خویش نمایند تا ما بصحیت منظوره ایشان چند سید و در ریزه چینی ایشان صاحب قسمتان
خیالهای بهم بداشتند و لیکن تنهایی می بهمند لیکن نواله باندازه کام و دهن باید برداشت تا از
دهن باز نمی بود مصیحه ع آیت لقمه باندازه هر کام و دهان نیست
اما ای عزیز اگر چه صهبای باده سخن تمر و تیست سرخوش باش ولیکن از شور انگیزی بیهوده نمک برد ل
کباب سخن کباب کیفیت خواهد رفته و برنج خمار گرفتار خواهی شد غرض مآل این قال مقال
وگفتگو آن بنست [illegible] است
نام نیک رفتگان ضایع مکن تا بماند نام نیکت برقرار
کسی که بسیار سست او خود را کم می پندارد بسیار تر است و کسی که کم است و خود را بسیار می شمارد
و خود سر است او بیاری می گفته نه شد نمی تواند بلکه توقعات دل تربیت و تهذیب اخلاق صرف نماید
بیا بکن خمیر مایه مزارات از سنگ نه که هر متاز کیفیت آن بواسطه تربیت و کسب صفا کارش
بجایی می رسد که صورت انسانی دارد و جلوه گر می شود تو که خود انسانی اگر پیش انسان کاملی
زانوی ادب آنچه کنی نشستی همچنان ترا نیز کمالات و طهارت می گیرد و هر صاحب کمالی که ترا
خواهد دید بصورت خود خواهد رفت هر یکی هم جلیس خود را دوست می دارد و عزیز دلها
خواهی شد اگر دنیا فتی پروا نمی کند و گر غافل شدی از شعور افسوس من

بدانکه این رساله مسمی بعبرة الغافلین مشتمل بر پنج فصل است

فصل اول در بیان موجب نوشتن رساله فصل دوم در بیان اشعار یکه مرزا فاخر

بر و خط کشیده اند **فصل سوم** در بیان اصلاح نمودن میرزائے موصوف بر اشعار استادان ثقہ ماضیہ **فصل چہارم** در بیان اشعار معترض میرزائے مسطور **فصل پنجم** در بیان اشعار میرزائے مومی الیہ کہ بندہ موافق فہم ناقص خود دراں دخل نمودہ **فصل اول در بیان موجب نوشتن رسالہ**۔ باید دانست کہ دریں ایام سانحہ عجیب و غریب روی دادہ لازم کہ سخن طرازاں روزگار و نکتہ سنجان ہر دیار بہ پنبہ از گوش ہوش برآوردہ تحویل سامعہ نمایند اشرف علی خاں نامی مرد بزرگ از خاندان عمدہ کہ آشنای دیرین این احقرانداز تذکرہ ہای قدیم و جدید بمشقت پانزدہ سال قریب لک بیت در تذکرۂ خود تالیف نمودہ بخدمت میرزا فاخر صاحب متخلص بہ مکیںؔ سلمہ اللہ الواہب آوردند و الحاح و سماجت برای تصحیح بردند میرزا صاحب فرمودند کہ ما را دماغ نیست خوب این کار را برای خاطر شما بشرطے قبول کنم کہ اشعار تمام شعرای ہند را از فیضی و غنی و نسبتی و ناصر علی و بیدل و سراج الدین علی خاں آرزو و میر شمس الدین فقیر گرفتہ یک قلم خط بکشم مگر تصحیح و انتخاب اشعار شعرائے اہل ولایت خواہم نمود خان مذکور باستماع این حرف بے معنی تذکرہ را برداشتہ آوردند و قبول ننمودند بعد از چند سال سی جزو تذکرہ را بخدمت شیخ آیت اللہ صاحب متخلص بہ ثناؔ برای تصحیح بردہ بودند چنانچہ شیخ صاحب مذکور چند جزو بصحت رسانیدند بعدہٗ اتفاق رفتن ایشاں از لکھنؤ بطرف فیض آباد افتاد بعد ازاں ناچار شدہ باز بخدمت میرزائے موصوف تذکرہ مسطور را خان بردند و التماس نمودند کہ شعر غلط را صحیح نمایند و مکرر را مکرر بنویسند مرزا صاحب اجزا را کہ شیخ آیت اللہ صاحب تصحیح نمودہ بودند ملاحظہ کردہ فرمودند کہ این تذکرہ را آں زماں بصحت می رسانم کہ یک نوشتہ در باب سماجت خود بدہید چنانچہ خان مذکور نوشتہ دادند چوں نوشتہ ملاحظہ نمودہ شد بے دماغانہ از دست انداختند و فرمودند قسمی کہ من می گویم نوشتہ بدہند۔ ایشاں گفتند کہ ہرچہ بفرمایند ہماں قسم نوشتہ بدہم مرزا صاحب فرمودہ چنیں نوشتہ بدہید مسودہ زبانی مرزا فاخر کہ سابق تذکرہ را بخدمت افصح الفصحا

وابلغ البلغاء مرزا صاحب مشفق کرم فرما مرزا فاخر صاحب سلمہ الواہب برای تصحیح اشعار
وعبارت بردہ بودم ایشان بسبب کثرت اشغال فرصت نیافتہ ناچارسی جزو تذکرہ رانزد
شیخ آیت اللہ ثنا کہ گمان اوشادی برایشان ہم داشتم بردہ بودم ایشان تامدت دیدہ بعضے
جاہا کہ غلط بود آن را صحیح دانستہ درگذشتند وبعضے جاہا غلط دانستہ بہ تصحیح پرداختند آن را
غلط تر نمودند لہذا مرتبہ ثانی بہ حدی وآرزوی تمام بخدمت فیض موہبت مرزا صاحب کہ دریں
فن استاد اند ومثل ایشان دریں جزو زمان ودریں شہر صاحب کمال دیگر نیست برائے تصحیح
بردم تمت کلامہ خان مذکور اول بدل خفتہ شدہ ابای این معنی نمودند کہ صاحب را بشیخ
آیت اللہ صاحب چکار ذکر اوشان دریں نوشتہ خوب نیست کہ از آشنایان بندہ واوستاد
مسلم الثبوت اند چون مرزا فاخر صاحب مصر برایں معنی برای تفاخر شدند ناچار بہر خود
موافق درخواست اوشان او نوشتہ دادند۔ بعد از مدت مدید چون بسمع خان مذکور رسید کہ
اشعار چیدہ چیدہ از تصانیف استادان سابق وحال کہ دران جریدہ مندرج بودند ہمہ را
قلم خوردہ ومشکوک ساختہ بل اکثر جاہا باصلاح پرداختند سراسیمہ گشتہ از خود رفتند چون
بہوش آمدند باضطراب تمام نزد مرزا فاخر صاحب حاضر شدند میرزا ایں صورت ملاحظہ فرمودہ
تبسم می نمودند خان مذکور نتیجہ سماحت سابق را برعکس دیدہ درطلب تذکرہ بہ بے دماغی پیش
آمدند آخر کار از حضور فیض گنجور میرزای موصوف آن اجزای را بخانہ آوردہ چندے گوشہ نشینی
ورزیدند ومشغلہ صاف نمودن اشعار قلم خوردہ شب وروز بسر می بردند دریں ضمن ہر آشنائی
کہ بخدمت خان مذکور می رسید ومستفسر احوال بر نیامدن خانہ می گردید ایشان آہِ سرد
از دل پر درد کشیدہ می گفتند کہ اے مہربان از چندے در تعزیہ زادہای طبع سخنورانِ سابق
وحال عزلت اختیار نمودہ ام کہ میرزا مظلمہ خون فرزندان اہل معانی را ناحق بگردن خود گرفتند
غرض کہ درہمیں مخمصہ بودند کہ روزی بخاطر ایشان چنیں رسید کہ آن اشعار قلم خوردہ را بنابر
منصفی نزد اضعف العباد آوردہ انصاف خواستند بندۂ خاکسار محمد رفیع تخلص بہ سودا

التماس نمود که این احقر بزبان امور فارسی چندان ربطے ندارد
بدان می ماند - **بیت**

تو کار زمین را نکو ساختی — که با آسمان نیز پرداختی

وخدا عالم است این چند بیت ریخته از قبیل قصیده و غزل
والآن بنده هم گلیم خود را از آب نکشیده و میرزا فاخر صاحب البته این کار فهمیده و سنجیده بعمل
آورده باشند در کمالات ایشان هرگز شبهه نیست اگر مزاج شریف چنین انصاف طلب است
می باید که انصاف این نسخه را نزد سخنوران فن فارسی برده طلب انصاف نمایند چنانچه
بالفعل از شاگردان شیخ محمد علی حزین رحمة الله علیه شیخ آیت الله متخلص ثنا و از شاگردان
میر شمس الدین فقیر میرزا بهجو متخلص بنده حاضرانند و سید است این زمره و صاحبان میرزا علی
هاتف در بنگاله و نظام الدین بلگرامی متخلص بصانع در فرخ آباد و نور العین واقف
در شاهجهان آباد موجوداند حق تعالی
این ابیات یکپای مردی می خواهد
التماس نمودم خان مذکور این شعر خان آرزو بر زبان آورد

آید بحال ذائقه خویشتن گریه ام — یک آشنا

بعد از خواندن شعر فرمودند مگر صاحب را خبر نیست
هرگاه گرد بر آفتاب تابان انداخته در حق شمس الدین فقیر چنین می فرمایند
او پنج و شش جا غلط فاش بر آورده ام
و اشعار نور العین واقف را اکثر جا اصلاح می نماید
انگاشته می فرمایند که دیده و نادیده خط کشیده
خان موصوف چنین فرمودند بنده بدر
همچو کسان اعتبار ندارند تا

است غرض با وصف این ہمہ فہمانیدن آں اجزای قلم خوردہ را بجبر اً و قہراً بہ پیش احقر انداختہ کبیدہ خاطر برخاستہ بخانہ خود تشریف بردند چناں چہ دریں ایام گاہ بیگاہ کہ این عاصی سیر این ابیات نمودہ در رفع اکثر اشعار شیخ سعدی و امیر خسرو دہلوی و مولوی روم و مولوی جامی وغیرہ اساتذۂ قدیم و جدید کہ منتخب و برگزیدۂ عالم اند قلم خوردہ بنظر در آمدہ و بسبب نارسائی فہم ناقص خود قبح این ابیات مطلقاً بخاطر نہ رسید و لاکن اینقدر دانست البتہ کہ از چنین صاحب کمال کہ بکمال خود دعوی دارد و ہیچ کارے بعمل آمدنے وجہ نخواہد بود فی الواقع مرتبہ مرزا دریں فن بجائیست کہ مسترد او را مردم اگر بہ بیاض دیدہ بنویسند جا دارد گو مثل من ہیچداں بہ کنہ اوپے نبرد لیکن از دانائی مرزا صاحب بعید بود کہ چنیں حرکت بعمل آوردہ رو کش وضع شریف گشتند خدا نخواستہ اگر ہر یکے از معتقداں شعرائے مذکور مشکوک نمودن این اشعار سوال نمایند بقیہ عمر ایشاں در بہم رسانیدن جواب بہ نحوی صرف شود کہ جای دم زدن نباشد علی الخصوص و حرکت بسیار قبیح از ایشاں بعمل آمدہ یکی خط کشیدن بر اشعار صحیح اُستاداں مسلم الثبوت و دیگر از جہاں گذشتگاں را بخوبی یاد نہ کردن بریں ہر دو چیز تصحیح تذکرہ موقوف نبود و عالم سخن ہزار رنگ است و ہر یکے برنگے مالوف چہ لازم بود کہ شعر دیگرے را کہ مرغوب طبع خود نباشد سست دانستہ مغشوش ساز ندمی بایستی ہر شعرے کہ پسند خاطر می بود بصاد خاص مزین می ساختند و باقی را بحال خود می گذاشتند بدانست این احقر بحفر اصلح دانست چنیں می نمود واللہ اعلم بالصواب۔

فصل دوم در بیان اشعار اساتذہ کہ میرزاے موصوف برو خط کشیدہ اند در قبول نمودہ۔

حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ

تو بدیں خوبی و من عاشق وانگہ ز تو دور	خودم انصاف بدہ زیستن امکاں دارد
عمر ہا بگذشت یاد من نیامد در دلت	جان من یاران غم یار از زیں بہتر خورند

اے صبا خاک رہش آرد بینداز بچشم — کہ بلا ہا ہمہ زیں رخنہ بروں می آید
تو اے صنم کہ مرا در دلے چہ سود ازیں — کہ درمیان من و دل ہزار فرسنگ است
انچہ من دیدم و من می کشم از درد فراق — کہ شنیداست کہ دیداست وکرا پیش آمد
ز انساں شدہ ام خوار بہ پیشِ تو کہ ہر چند — از جور تو کردم گلہ انکار نہ کردے
من اشک بیدلاں را خندہ می پنداشتم روزے — کنوں برمی دہد تخمے کہ من می کاشتم روزے
گویند کہ از خوباں بدنام شدی خسرو — دل چوں نہ کند فرماں خسرو چہ کند آنرا
کرشمہاے تو از بسکہ ہست رنگ آمیز — نہ آشتی تو داند کسے نہ جنگ ترا
خسروِ کہ سوختست وی اول دلش دہید — واں دل کہ سوختہ نبود آتشش دہید
ندانم من ترا در دل چہ افتاد — کہ دادی صحبتِ دیرینہ برباد
تغافل کردنت بے فتنہ نیست — فریبِ صید باشد خوابِ صیاد
سخن باقی و شب در گفتگو — سپیدہ ام دمید و مہ فرو رفت

سعدی علیہ الرحمۃ

بر من کہ صبوحی زدہ ام خرقہ حرام است — اے مجلسیاں راہِ خرابات کدام است
آرزو می کشدم باتو دمے در بستاں — یا بہر گوشہ کہ باشی تو کہ خود بستانی
چوں تنگ نباشد دلِ مسکیں حمامے — کس یار ہم آواز نگیرند بدامے
ہر کسے را فرحے ہست ازاں می ترسم — پیش ازانکہ بکشد زہر کہ تریاق آمد
چرا و چوں نہ رسد بندگانِ مخلص را — رواست گر ہمہ بد می کند نکو کہ نکوست
بہ پیشِ دگرے نمی تواں رفت — از تو بہ تو آمدم بہ زنہار

مولانای روم علیہ الرحمۃ

اے خداوند یکے یار جفا کارش دہ ‏ دلبرے عشوہ گرے سرکش خونخوارش دہ
تا بداند کہ شب ما بہ چساں می گذرد ‏ دردِ عشقش دہ و عشقش دہ بسیارش دہ

ایں ہر دو شعر در اکثر تذکرہ ہا بنام مولوی روم مثبت است در زبان زدِ عالم نیز چنین است و میرزا صاحب می فرمایند کہ ایں ہر دو شعر از مولوی روم نیست خوب است

مصرع ‏ متاع نیک ہر دکاں کہ باشد قابل خط کشیدن نبود

مولوی جامی علیہ الرحمۃ

سرود مجلس در دست آہ و نالۂ ما ‏ حباب خونِ جگر لالہ گوں پیالۂ ما
مرا بکوے تو خواہم کہ خانۂ باشد ‏ ز بہر آمدن آنجا بہانۂ باشد

وازاں شوخ کہ من بر سرِ راہش چو روم بہر محرومیِ من از رہِ دیگر گذرد گذر کن از سخن بوسہ ایں نہ بس باشد کہ بگذرد سخنانِ تو بر لب و دہنش خواہم از دل بر کشم پیکان تو لیک از دل بر نمی آید مرا شکار پیشہ دو ترک اند خفتہ چشمانش نہادہ بر سر بالین خود کمان ہر دو۔

آہے سبزواری

شود از دیگراں در خشم و بر من دامن افشاند ‏ غبارِ در دل ہر کس کہ دارد بر من افشاند
تابوت من آہستہ ز کویش گذرانید ‏ چوں نیست امیدے کہ بیایم دگر اینجا

مولانا فسری

آئی و بگذری و بمن ہیچ ننگری ‏ اے جانِ من فدای تو ایں نیز بگذرد

نعمت خان عالی

شد گلِ رویش مگر از روے گل گلرنگ تر / کز نوائے بلبلاں شد نالہ میر آہنگ تر
ہر لحظہ زبس آمد و رفت تو در آنجاست / وا بستر برگ گلِ جای تو گرم است
گل اشک چشم و لالہ داغ دل سنبل پریشانی / گرفتہ ہر کسے در عشق چیزی یادگار از من
اگر بنشست عالی یار من شکوہ نتواں کرد / کہ دارد از غرورِ نازِ معشوقانہ عار از من
واعظاں منع شراب از دو سہ حرفی کردند / فعل ابجد بگرفتند و بیخانہ روند
قدر و قیمت نیست ہرگز دمِ بے فیض را / عاقلاں عبرت ز نخلِ بے ثمر باید گرفت
صد قسم گر بخوری یک سخنت نیست درست / زانکہ دیدیم بیک حرف تو پنجاہ غلط
یا رخ و زلف تو کار است چہ می باید کرد / آفتِ لیل و نہار است چہ می باید کرد
بہ غیبت ہر کہ حق آشنائی را نگہ دارد / الٰہی ہر کجا باشد خدا باشد نگہبانش

شفیعائے اثر

بخون غلطیدن دلہا ز بیدادِ تو می باشد / ستم در قبضۂ مژگان جلادِ تو می باشد

امینائے یحیٰی

کجا باشد آں ہمہ مہرے کہ داشتے اکنوں / بخاطرت نرسم گر ہمہ عنبار شوم

میر صید حسین مخاطب بامتیاز خاں متخلص بخالص

ز شرم آلودہ چشمے دیدہ ام نظارہ گری / کہ تا آید نگاہش بر سر مژگاں جیاگردد
ہر کہ شد بالا نشیں محروم گشت از یادِ تو / مقری تسبیح اذاں بے بہرہ از یادِ خدا است
شوخیِ مشتِ پری یعنی کہ بلبل را چرا / سیر گلشن پیش کش بیرحم گلچیدن چہ بود
آدمی نیست صنوبر کہ بود پارہ‌ش دل / آنقدر دل زکسے خواہ کہ مقدور شود

حسن سرشار ترا مشاطهٔ در کار نیست — میزند برگشته مژگان شانه بر کاکل ترا

زتاثیرِ نگاهِ چشم او پیوسته بیمارم — بمن آب و هوائے وصل گلرویان نمی سازد

بمراد خود نشد چون بگذار کم شود دل — چه بکار خویش آید که بکار ما بیاید

ماه من از صبا رخش بسکه آب و تاب شد — سهره چو بست عارضش پنجه آفتاب شد

میرزا صائب

زخطست این نمایان گشته از طرف بناگوشش — که شد گرد یتیمی سایه افگن از برو دوشش

ترک عجب و کبر کن تا قبلهٔ عالم شوی — صورتِ ابلیس را بگذار تا آدم شوی

که کام عاشق ناکام می تواند داد — بغیر ما بکه دشنام می تواند داد

هرگز نبوده است بایں رتبه حسن خط — ما سربسر قلمروِ ایجاد دیده ام

گر بشنوی ازو دو سه حرفی چه می شود — صائب چها شنید ز مردم برای تو

آنکه دارد اعتماد خیرگی بر چشم خویش — سخت مترسم دو چار آفتابِ من شود

حکیم شیخ حسین شهرت

نشد هرگز کسے محسود من از مردمِ دنیا — اگر کردم حسد بر تارکِ دنیا حسد کردم

سودای بار محنتِ وصلِ تو در گرفت — بیدرد نرخ جور و جفا را گران مکن

پیش چون خودی هنگام عرض مدعا ظالم — زبانِ خویش را الکن ندیدی کاش میدیدی

برنگِ موی چینی میدهم جا در دل خویشش — اگر از زلف یار افتد بدستِ من رسن داری

گدائی را به نخوت می کنند امروز درویشان — چه می کردند اگر می داشتند این قوم دنیائی

پریشانست بوی نافه هر جا میروم شهرت — نمیدانم گره از زلفِ ما کاکل کشاد امشب

گرفتم بوسه از لعلِ لبش دشنام می خواهم — که من کارِ نمایان کرده ام انعام میخواهم

نام صاحب جوهران از کار خرما شد بلند — شاهدی از بهر این دعوی به از شمشیر نیست

عشق چوں کامل عیار افتد کند ایجادِ حُسن — کوہکن معشوق را از سنگ پیدا کردہ است
شہرت از فرزندیِ آدم نکردی حق شناس — بندگی باید پیمبر زادگی منظور نیست
دنیای سفلہ پرور نہ گرفت دست مردی — تا چوں خودی نہ بیند از خاک بر ندارد
من و شہرت جناغ دوستی با ہر کہ می بندم — بغیر از دشمنی با شرط دیگر نیست منظورش
یک عمر دریں میکدہ بودیم سرافراز — چوں دخترِ رز یک پسرِ سادہ نہ دیدیم
شہرت رخِ یارِ تو نکو خط چو برآورد — در بنگ تو کیف است کہ در بادہ نہ دیدیم

سراج الدین علی خاں آرزو

اگر می دید سرخ از رنگ پاں دندان جاناں را — گسستی شیخ ہمچو اشکِ ما تسبیح مرجاں را
شیخ آنجا دعویٔ تقویٰ نخواہد رخت بیش — عالم آبست ایں واللہ جای زور نیست
ہر لحظہ آیدم بنظر دیگر او مرا — زاں روی وصل پیش بود آرزو مرا
کام و دہانِ من زمی بوسہ برکنند — در بزم وصل تست ببیں آرزو مرا
گر تو ہم آئی پئے طوفِ شہیداں دور نیست — گریہ می آید درینجا راہ چنداں دور نیست
زیں بیش طاقت جو رائے بیوفا نداریم — تا چند خوں تواں کرد آں دل کہ ما نداریم
آید بحال ذایقہ خویشتن گریہ ام — یک آشنای بامزہ در روزگار نیست
بتقریب عجب بودم رفیقِ محتسب عمری — پے تاراج می تا خانۂ خمار می رفتم
از زلف دل گرفتہ بخطِ تو بستہ ایم — ایں عذر بدتر است بسے از گناہِ ما
مہ کامل بنورانی رخ دلبری نمی ماند — اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

دیدیم زلف تا کمرآں دل فروز را
شاہے عجب مقابلہ دیدیم روز را

محمد قلی سلیم طهرانی

آنکه بر ما گل نمی زد پیش ازین از دوستی / می زند اکنون بچوب گل من دیوانه را

نگاه باغبانم می پرستم لاله و گل را / کنم چون موی پیغمبر زیارت شاخ سنبل را

نمی کشد به چمن طبع پر غرور مرا / شراب می کشد این جا گهی بزور مرا

سلیم یار فراموشی عشق را نازم / که خاک بودم و بفروخت چون عبیر مرا

زبلبلان گلستان سلیم صد فریاد / که از بهار نه کردند باخبر ما را

ای باغبان بجان تو ما آزموده ایم / از نکهت گل است علاج زکام ما

بمعشوق کسی هرگز نه دارم میل آمیزش / به بلبل می دهم گل را اگر در دست من باشد

رسید کار بجایی ز عاشقی ما را / که در قبیلهٔ ما هر که بود مجنون شد

از گرفتاری چرا نالم سلیم / فکر آزادی چه در اندیشه نیست

زناز و غمزه دران چشم هر چه خواهی هست / ولی چه سود اسیران نگاه می خواهند

گر آتش بازی ام چون دید در طفلی پدر / گفت این بدبخت مشق عشق بازی می کند

گرفتم اینکه دهد وعده شاهد امید / دماغ کو که کسی صرف انتظار کند

آن لب سلیم آب بقا را شهید کرد / خونهای خلق کهنه شد این خون تازه است

دارد ای دوست ز تو شکوهٔ بسیار سلیم / آه اگر مهر خموشی ز دهان برخیزد

حسن و عشق از یک نگاه گرم یار هم شوند / چون دو هم شهری که در غربت دوچار هم شوند

وای بر آنکه کند توبه هنگام بهار / این گناهیست که مستوجب بخشیدن نیست

گرم بوصل رساند سلیم نیست عجب / که هر چه گوئی ازین روزگار می آید

من کجا و سفر از کوی خرابات سلیم / چه توان کرد چو تقدیر الهی باشد

بره گذار نظر رهزنی دوچار شدم / خبر ز دیده بدل تا رسیده کارم شد

چه سوی صیدگاه آید ز ذوقِ او غزالان را — صدای خندهٔ زخم از سر یک تیر می آید
ز بوی پیرهن بیرون زلیخا آنچنان داغ است — که چون برگ گل هر جا نسیمی دید می لرزد
بباغ می رود آں شاخ گل سلیم دگر — بهار در چمن امروز میهمان گل است
گل رخاں بینند هر گه بر اسیر یک دگر — آفریں گویند بر هر زخم تیر یک دگر
رسوائی عالم شدی از دست گل رخاں — صد بار گفتمت که سلیم ایں چنیں مباش
سلیم رفت ز کف اختیارِ ما بیروں — نصیحتِ منِ دیوانه بعد ازیں عبث است
در باغ ز سامان گل و لاله کمی نیست — چیزیکه دریں فصل ضروراست دماغ است
منت ز باغباں چه کشم از برای گل — دارد خدنگ ناز تو زخمے که واه واه
بد نیستاں گر نظر یک دم جدا نیست — گرش با ما بنظر بودے چه بودے

خضر خونساری

از رفتن تو دلے باز پس نمی ماند — تو میروی و دریں شهر کس نمی ماند

جلیل خلیل تخلص

دردی که می کشد دلم از انتظار وصل — داند کسے که بر سر راہے نشسته است
گره شد بر تو از تنگی جایم شمع تاباں را — نگیں یاقوت احمر گشت آخر ایں نگیں داں را

درویش دہلی

برنگ دیگر امروزم نصیحت می کند ناصح — مبادا دل ز دستش برده باشد دلربائی من
هنوزم پیش آئینه اعتبارے هست ای همدم — که شب بوده است با اغیار و پنهاں میکند از من

افسوس که کار مشکل افتاد
قتلم برضای قاتل افتاد

میر رضی دانش

مے مخور چندانکہ نشناسد زگل گلچیں ترا
پاسبانِ حُسن پاک خوشیتن بودن خوش است

چند ہر ہفتہ کنم خونِ دلِ مے خواراں
شب آدینہ ہمیں در رمضان می بایست

داوٗد تنبولی

میشود از شعلۂ آہ دل دیوانۂ ما
سیل دودی شد و برخاست ز ویرانۂ ما

اوفتادہ بکف زلف تو و کام گرفتیم
شب بر سر دست آمد و آرام گرفتیم

درکی قمی

کردۂ ذوق چنے کرم طلب بازِ مرا
شوقِ گل با قفس آورد بہ پرواز مرا

بروز عہد تو ہر دل کہ بود پُر خوں شد
ستم تو کردی و تہمت بنام گردوں شد

دانائے کشمیری

زکوۃ حسن ز عاشق دریغ نتواں داشت
درست اگر نہ دہی نیم بوسہ بسیار است

تاب مقراض ندارد ورق نازک گل
لب گستاخ رساندن برخ او ستم است

اضطراب اندر سخن عیب است دانا چوں ہلال
مصرعۂ بر بستہ باید گو پس ماہی رسید

فقیہ دردمند

نامہ ام تا باز ننماید کسے خواب مرا
گشتہ قاصد را اگر گردن بستہ مکتوب مرا

ذہنی مشہدی

صد سفر ہمراہ وی بودیم از عہدِ صبی
از رقیب امروز می پرسد کہ او ہمراہ کیست

رضی الدین نیشاپوری

گر بر سر من ز چرخ آتش بارد
ممکن بنود کہ دل ترا بگذارد

آخر روزی گذر کند بر دل تو
ایں سوختہ دل بما امیدے دارد

رضی اصفہانی

زخمے بمن نزد کہ دم تیغ برنگشت
برگشتگی بخت من ازیں قیاس کن

رضاے ہروی

دل جاں سپردہ بسکہ طپید است در برم
من خوشتر ایں گمان کہ قراری گرفتہ است

میر رضی ارطمانی

باور مکن کہ از تو دل آزردہ می روم
جنگِ مرا چو صلح تو ہیچ اعتبار نیست
چہ دوستی است باآں سنگدل رضی دیگر
چہ دشمنی است کہ باجان خویشتن داری

رضای کاشی

نیازِ عاشقاں معشوق را درناز می آرد
تو سرتاپا وفاداری ترا من بیوفا کردم

سعدالدین راقم

زآزار دلِ من یکسر مو کم نمی گردد
ستم بے وفا برگشتہ مژگانی کہ من دارم

میر محمد زماں خاں راقم

زگلگشتِ چمن بیروں چو آں سروِ خراماں شد
کشادہ بال قمری سرورا چاکِ گریباں شد

حسن بیگ رفیع

زجورِ یار چہ گویم مثل کہ بے مثل است
بلطعت او ستمِ روزگار می ماند

سلمان ساوجی

دعوئ زہد تو آں روز مسلّم دارم
کہ روے بر سرآں کوچۂ و ہوشیار آئی
شکلِ صنوبری کہ دلش نام کردہ اند
سلماں بیاد قدتو در برگرفتہ است

ثنائیؔ

اُفتاد مرا عجیب شکارے چکنم
وندر سرم انگند خمارے چہ کنم
سالوسم وزاہدم و لیکن در راہ
گر بوسہ دہد مرا نگارے چہ کنم

میر نظام الدین سنبھلی

بہر ماہی کہ آں نامہرباں یکبار پیش آید
روم از خویش و ماہی بایدم تا دل بخویش آید

سیفی بخاری

ہر کہ دید از غم آں مہ جبیں زارم گفت
ہر بلائے کہ ترا ہست ہمیں یک ماہ است

ہست از دہنت در دل ہر غنچہ سخنہا
گلہا شگفتہ گر بکشایند دہنہا

میرزا سلیمان جابری وزیر

اگر ز دل غرض تست صبر معدوم است
دگر مرادِ من از تو وفا ست معلوم است

حاجی فریدوں شائق

مست و بیباک و وفا دشمن و خنجر بکف
خوب می آئی اگر رحمِ شفاعت نکند

امشب مہ دو ہفتہ خوش با ضیاست بنگر
شائق بمال چشمے آں نازنیں نباشد

میر سنجر کاشی

رو ندارم کہ بگویم بتو ورنہ دارم
سخنے چند کہ بر روی تو گفتن دارد

رہینِ حیرتم اے دل ز سادہ لوحے تو
کزو جدائی و اُمید زیستن داری

محسن سیرتی

دلِ محمود شد اسیرِ ایاز
کار خود کرد عشق بندہ نواز

زیر پرِ بدنِ کبوتر ہمہ تن در اضطرابم
کہ کجا نشستہ باشد کجا رسیدہ باشد

سالک قزوینی

زاں لب مردہ را نقش آبِ زندگی ست
دشنام خشک ہم بدعا گو نمی رسد

حسرت مرا گداخت کہ چوں جذبۂ وفا
دستِ پسر گرفتہ بدستِ پدر دہد

دل سر از زلف بر نمی دارد
زیں طلسم شکستہ چوں بستند

از پے قتل چوں می وعده چه می کنی مکن | بند قبای خویش را خاطر خود گره مزن
بمنای بت مشغول درماں که خواهی شد | که در هر گوشه از چشم تو افتاد است بیمارے
همچو دور افتادهٔ ناگه بیار خود رسید | دست تا گردنِ من کرد تغیش خون کمر بست
پروانه مزن لاف محبت که نداری | آں سوز که بے منت پرواز نتواں ساخت

میر سیادت لاهوری

چو آفتاب لب بام آخر عمر است | رسید بر سر ناخن حنای عشرتِ من

سرخوش

حال دلم بگوش تو غافل چساں رسید | گفتم پیام شوق تو قاصد ز خویش رفت
چشم او آبروے میکده ریخت | مے بکشتی نشسته می آید

سدی مشهدی

خویشتن را هیچ گه می ذوق عشقِ کار نیست | از هوس پهلو خورد عشقی که مادرزاد نیست

سخنور

تاب حوصلهٔ عاشق تو می نازم | که جاں ز جور بر لب رسید و هیچ نگفت

رُباعی شاه بوعلی قلندر

دل کرد بسے نگاه در دفترِ عشق | جز روی خوشت ندید اندر عشق
چندانکه رخت حسن نهد بر سر حسن | بیچاره دلم عشق نهد بر سرِ عشق

شاه واقفی

نمی کز چشم بر خیزد جهاں را در خطر دارد | معاذ الله که ایں ابر بلا طوفاں برانگیزد

شاه حسین

بچوں ساز م در مقام نازمی دارد ترا | بر من زار از ترحم بامید آرد ترا

شریف تبریزی

دست تو چوں بگردنِ قاتل نمی رسد　　اے مرغ نیم کشتہ طپیدن چہ فائدہ

شرف جہاں

شد سینہ بصد چاک زتیغِ ستم او　　بیروں نہ شد از سینۂ صد چاک غم او

میر شاہی

زجہاں ندارم بہ کسی جزاز تو اُلفت　　تو ہم ازدری برآئی سر بیکسی سلامت

شرف جہاں

سگ کویش اگر آزرد مارا نزد نمی رنجم　　میانِ ہمنشیناں گفتگو بسیاری باشد

شاپور

کم کن ای شاپور ارتار زلفش گفتگو　　ایں سخن ہا آدمی را نزود کافرمی کند

شانی تکلو

نکشم ناز دلبراں چہ کنم　　طور من عاشقانہ اوفتادہ است

حیدر شکوئی

نزاکتش نہ باندازہ است محرم　　بگو تنیستم بسیار یار لب نہ کند

شفعائی

صبارا نیست بامن سینہ صافیہا ازاں ترسم　　کہ بوئے پیرہن در نیمہ راہ افگندہ بر تردد
از دردِ دل تو در آید نگردد زجیب راست　　تا با آنسو کہ نشستہ است وفا نہ نشیند
من کجا و ہوس بوسہ ازاں لعل کجا　　لب گزیدی و دلم در طلبِ جام افتاد
غافل زخود شدیم بگوشش گہ وداع　　خود را زاضطراب ہما نجا گذاشتیم
شفائی از تو تمنائے یک نگہ دارد　　امید دار بدلداری و عنایت نیست

شیخ بہاؤالدین عاملی

مرا امید بہبودی نماند اے خوشا روزی ۔۔۔ کہ می گفتم علاجِ ایں دلِ بیمار می باید
زاہدے بمیخانہ سرخرو بہ سے دیدم ۔۔۔ گفتمش مبارکباد از سمتے مسلمانی

کمال الدین ثنائیؒ

دل داد و جاں ازاں لب شکرفشاں گرفت ۔۔۔ جاں تمام داد و عوض نیم جاں گرفت

شرف الدین علی پیام

جز عزیز القدر یوسف را کجے نوشتہ است ۔۔۔ از غرورِ میرزائی شوخ بے پروائے ما
غیر و وصل کسے زہے طالع ۔۔۔ من و ہجران یار یا قسمت
تو ہم بگیسوئے خود گو کہ واشود باما ۔۔۔ اگر مناسبتِ شام با غریبان است
دوش گفتی کہ رقیب از تو شکایت دارد ۔۔۔ ہرچہ خواہی تو بگو غیر چہ طاقت دارد

باقر کاشی

حیراں خودم کہ از چہ جسم ۔۔۔ من ہیچ باین و آں تمایم

مرزا بیدل علیہ الرحمۃ

عشق گاہے قدرداں درد پیدا می کند ۔۔۔ بے ستوں تا حشر اگر نالد دگر فرہاد نیست
دل جمع ایں زماں چہ امکان است ۔۔۔ ریشہ گل کرد و رفت دانۂ ما
ز جیب ہر مژہ آغوش می چکد اینجا ۔۔۔ بیا کہ جای تو در چشم دوستاں خالیست
عنقا سرو برگیم مپرس از فقیر ہیچ ۔۔۔ عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ
نشانۂ گوشۂ دل از دیر و حرم نمی رسد ۔۔۔ سر بہزار سنگ زن درد بہم نمی رسد
روز در غم حسرت شب بگوی نومیدی ۔۔۔ روز آں شبم اینست طرفہ زندگانی ہاست

ازین عبرت سرا گفتم چه بردند آرزومندان | حقیقت محرمان گفتند داغِ آشنائی ها

آنجا جواب نامهٔ عاشق دریدن است | بیهوده انتظار خبر می کشیم ما

همه عمر تو قدح زدیم و نه رفت رنجِ خمارِ ما | چه قیامتی که نمی رسی ز کنار ما بکنار ما

رباعی

بیدل بسجود بندگی توام باش | تا بار نفس بدوش داری خم باش

زین غره که در کارگه طینت تست | الله نمی توان شدن آدم باش

رباعی

بیدل به تلاشِ رزق آماده بر | سگ تابع سگ بگشت و خر چاکر خر

در زمرهٔ کائنات دیدے که نه کرد | این ننگ بخود قبول جز نوع بشر

رباعی

زاهدان سوے فطرت مردانند | در معبدِ شوق نیستی فردانند

یک ره خبر از آتش کاغذ زده گیر | تا سوختگان چو سبحه می گردانند

رباعی

در مذهب خود گر همه خر گردد کس | ناصح نشوی بیاد تر گردد کس

اے بے خبر این قافله اوهام است | جائے نه رسیدست که برگردد کس

رباعی

بیدل اگر از عالم جودت خبر است | اظهار قناعت ز هر تدبیر بهتر است

ساغر خورد و عشرت کن و اقبال طلب | مهمان کریم را فضولی هنر است

رباعی

بیدل عمریست کز طلب دربدریم | در معنی تحقیق همان بے خبریم

صد پرده شگافتیم و چیزی نکشود | اکنون برخیز تا گریبان بدریم

شوکت بخاری

خطے کہ بیاقوت تو نظارہ پسند است
گر دلیست از آمدن خندہ بلند است

کے بود طاقت آغوش من اندام ترا
میگذارد چو شکر آب نگیں نام ترا

کسے می سنجد آں دندان ویاقوت لب اورا
کہ از شبنم بود سنگ و ز برگ گل ترازو یش

خان آرزو در مصرعہ ایں بیت چنیں دخل کردہ اند۔

نہ سنجد گوہر دندان ویاقوت لبش آنکس
کہ از شبنم بود سنگ و ز برگ گل ترازو یش

میرزا صاحب بعد از خط کشیدن در تذکرہ مذکور بدستخط خاص نوشتہ اند در ہر دو صورت معنی ندارد و بر ارباب فہم روشن است کہ بہر دو صورت بدے معنی ندارد و در دخل خان آرزو ترقی معنی است

غنی بیگ قبول

بے اصل ہر کہ دید بنای زمانہ را
آئینہ دار ساخت زیک خشت خانہ را

نیست در سر فکر روزی صاحب شمشیر را
باشد از ناخن کلید رزق در کف شیر را

تیغ ہندی کشیدہ می آید
وائے بر عاشقی کہ بے جگر است

گر نہ بیند رخ زیبائے ترا
گل فرستد بہ محمدؐ صلوات

در شیشۂ بلورے جانفزا قبول
ہر کس کہ دید گفت کہ روح مجسم است

قبول بسکہ کنی خویش را بوصلش گم
ترا نشستہ بہ پہلوئے یار نتوان دید

شیعہ و سنی و ملحد نیستم
کم کسے داند کہ ایں ہم مشربی است

از جہاں مجنوں پرید دردی در ویرانہ کرد
کم کند عاقل چنیں کاری کہ ایں دیوانہ کرد

گفتمش می کنی کہ من نگہے
از سر ناز گفت باید دید

می روم از جفاے او اے کاش
در مقام ستیزہ گوید باش

شیخ آیت اللہ ثنا

مردیم چوں کنیم کہ باید بخلق ساخت ... ماراکہ درغمِ تو بخود ہم برار نیست

در تذکرہ خان موصوف نقطہ شک گذاشتہ اند فی الواقع در معنی ایں بیت شک دیدہ فہمے میرزا بلا شک چہ سود از فطرت تو رازرا در سینہ می داند کہ ازبس بدگمانی دوستی را کینہ می داند میرزا را می گویند کہ معنی فطرت درست نمی آید و در تذکرہ اشرف علی خاں نقطہ شک بریں شعر کردہ اند اینجا شک از فطرتِ میرزا صاحب بعید است۔

شیخ محمد علی حزیں علیہ الرحمۃ

لبِ یاقوت او سازد خجل لعلِ بدخشاں را ... خط ریحان او در دام [illegible] ماہ تاباں را

نہ آنم کز جفائے عشق آساں دشت بردارم ... بدامانِ قیامت می برم چاکِ گریباں را

دل را بہ نہاں خانۂ دیدار فرستیم ... ایں نامۂ سربستہ بدلدار فرستیم

داغی خوشی اُفتاد زعشقِ تو بدستم ... ایں لالہ بآرایشِ دستار فرستیم

بجفات دل نہادم بکن انچہ می توانی ... چکنم نمی توانم ز تو احتراز کردن

ہدفِ سیہ زمن ناوک مژگان از تو ... سخت جانی زمن درستی پیمان از تو

طفلے کہ ز مستی نہ شناسد سرو پارا ... از بے سرو پایان چہ خبر داشتہ باشد

ز ہجراں دیدہ ام خالی کہ کافر از اجل بیند ... خدا کوتاہ سازد عمر ایام جدائی را

اگر از دیدۂ ابنائے زماں مستوری ... خوش بیاسائے کہ از جملہ بلا ہا دوری

یک روش نیست جہاں گذراں اے غافل ... خاک رہ گردی اگر تاج سر فغفوری

من آں غارت گر جاں می پرستم ... غمِ جاں نیست جاناں می پرستم

سزد کز تو کنم عہدِ جوانی ... کہ پور پیر کنعاں می پرستم

من سرگشته و دراز کوی جانان خانهٔ دارم — دل آنجا دلبر آنجا مدعا آنجا امید آنجا

آنجا میرزا صاحب عقل مصاحب بعد از خط کشیدن بر اشعار اوستادان در تذکرهٔ مذکور بدستخط خاص نوشته اند عجب حالیست که مؤلف تذکره شعر بلند رتبہ را موقوف داشته بلکه موقوف بر نوشتن دیگران گذاشته و اشعار رتبه دار ہمیں اند۔

سعید اشرف

فتنه گردان نرگسِ خونخوار گرد آوری — چوں طبیبی کو کند بیمار را گرد آوری

چوں رگِ یاقوت در لعلش بود موج سخن — بسکه کرد است از حیا گفتار را گرد آوری

کوس شهرت نتوان زد زبیانِ دگری — چند چوں کوتاه بنالی زفغانِ دگری

تا به کے پایه زمردم بود دو دست زتو — چه کنی دست فروشی زدکانِ دگری

تارے از پیرہن طاقتِ ماتا باقیست — ماه من کاه ندارد بکتانِ دگری

زباں رانیست یارای سخن گفتن مگر گردد — طپیدنہای دل افشاگری رازیکه می دانی

بگفتا کیست اشرف اینکه می بینم سرراهش — گرفتارے که می بینی نظربازے که میدانی

زمینِ چشمه ایم از انتقامِ ما چه می پرسی — بما چندانکه کاوی فیض از ما بیشتر یابی

ظاهر میرزا صاحب قباحت این شعرہ قصیده اند که بلند رتبه دانسته بانتخاب نوشته اند باغ رفتے دگر دید عارض گلها برنگ چهرهٔ مفلس زشرم مهمان سُرخ۔

پستی در سرکشی دارم تهاں چوں گردباد — خاکسارم گرد روم بر آسماں چوں گردباد

صد ہنر دارم ولے لافم بشعر دلکش است — خامه در دست در تیر روی ترکش است

حالتی

از چاک تنم در دل پُرخوں نظرے کُن — نظارهٔ صد بار زمن خسته تری کن

با مهر و محبت تو جفا پیشه چه داری — رو داغ بحالی شد خوں در جگری کن

سبحان الله ایں هر دو شعر حالتی را بلند رتبه دانسته در تذکرهٔ مذکور بخط خود نوشته اند

در ہجو شعر رتبہ دار او خط کشیدہ اند اینست کشیدہ تیغ و سر حالتی بفتراکش خبر دہید کزیں رہ چنیں سوار گذشت **فصل سیوم** در بیان اصلاح نمودن میرزائے مسطور بر اشعار شعرائے حال واستقبال۔

میاں نورالعین واقف ساکن پٹیالہ

دیدم سحر ز مرغ چمن زار در قفس — نالیدنے کہ زلزلہ افتاد در قفس

میرزا صاحب در مصرعہ ثانی بلفظ بیتابی تصرف نمودہ می فرمایند کہ نالہ تعلق بشنیدن است نہ بدیدن حالانکہ شعر محسن تاثیر کہ از استادان ثقہ و مسلم الثبوت و زبان دان واز اعزہ ایران است سند شعر واقف است۔

محسن تاثیر می فرماید

از نالہ ام آخر بہ قفس آتش زد — کس چنیں نالۂ مرغان گرفتار ندید

وجناب فیض مآب حضرت شیراز خواجہ حافظ نیز می فرماید۔

ایں چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم — ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم

ونیز باید دانست کہ از بیتابی مرغ زلزلہ در قفس لطف ندارد واگر طوطا ہم بال و پر جنباند قفس در حرکت می آید درینجا لطف صولت تاثیر نالۂ مرغ مدعای شاعر است

عزت

بر سبکروحی ما کس نتواند زیست — چوں ہوا در ہمہ آفاق بود خانۂ ما

در مصرع ثانی اصلاح میرزا اینست۔ ع ہمچو بو در ہمہ آفاق بود خانۂ ما

بندہ التماس می نماید ہرچند بو ہم سبک روح است لاکن در بودن ہمہ آفاق تعلق ندارد چہ حکما خلا را بسبب امتلا ہوا محال قرار دادہ اند نہ بجہت بو شعر نام بردہ درست است و اصلاح میرزا بر نکتہ رساں و نکتہ سنجاں قبیح و نادرست اگر اصلاح منظور بود کاش چنیں می فرمودند ہمچو بو در ہمہ گلزار بود خانۂ ما ۔

غنی بیگ

ماہِ نو گرچہ رفت بر گردوں
زیر چاقِ کمان ابروی اوست

میرزا صاحب در مصرع دوم این شعر بجای زیر چاق زیر طاق اصلاح نموده اند این جا حق بطرف میرزا محمد فاخر صاحب است چه ازین اصلاح شعر دو لطف پیدا کرد اوّل آنکه مبالغہ طول قامت معشوق است لاحول و لاقوة الا باللہ العلی العظیم نفهمیده اند که زیر طاق اینجا معنی ندارد و اصلاح دان می داند که زیر چاق مصطلح محکوم و فرمان بردار شدن است حق تعالیٰ اصلاح غلط فہمی خود بینی ایشان نماید۔ آمین!

اشرف

مهر خود را از تو اے بے مہر کے خواہم برید
تا جوانی عاشقم چوں پیر گردیدی مرید

میرزا صاحب مصرع اوّلین را چنیں فرموده اند۔

اے بت بے مہر قطعاً از تو خواہم برید
تا جوانی عاشقم چوں پیر گردیدی مرید

ازین اصلاح شعر نزدیک زبان دان از پایۂ سلامت افتاد و بجہت تناسب الفاظ قطع و برید که لازمۂ زبان میرزا صاحب است ہرگز از مزاج ایشان بر حُسن تکرار لفظی نه رفت۔

میرزا خلیل

شنیدن بے تو رفت از یاد دیدن شد فراموشم
چو می آئی ہمہ چشمم چو می گوئی ہمہ گوشم

میرزا صاحب چنیں در مصرع آخر اصلاح فرموده اند
چو می بینی ہمہ چشمم چو می پرسی ہمہ گوشم

چوں مزاج شریف ایشاں بفراہم آوردن الفاظ تناسب بسیار راغب است چنانچہ در شعر بالا اشعار رفت لہٰذا مصرعِ آخر را چنیں اصلاح فرموده اند۔

یکی چشم گوش است بینی چرا باشد
گو صورت معنی از صفحہ عبارت حک شود

دوستی با پائدار بایستی ولہ

میرزا صاحب ہیچ پرواہ نیست
عہدہا برقرار بایستے ۔ میرزا صاحب بجائے پائدار استوار اصلاح دادہ اند
فی الواقع باعتقاد و خوب فہمیدہ اند لاکن اعتقاد جمہور این است کہ برائے دوستی
پائداری و برای ستون چوب و کمر استواری می باید نہ بے استواری فہمید میرزا صاحب
صائب : یک دیدنش برائے ندیدن کفایت است + ہر چند روی مردم دنیا ندیدنی ست
میرزا فاخر صاحب در مصرع اوّل چنیں اصلاح نمودہ اند مصرع
یک دیدنے برائے ندیدن بود ضرور
فصاحت مصرع میرزا صاحب و مصرع اصلاحی میرزا فاخر بچشم غور ملاحظہ باید نمود
کفایت است ۔

من باتو نی گفتم کم دہ دو سہ پیانہ من مستم و تو مستی اکنوں کہ برد خانہ

میرزا صاحب بدستخط خاص مصرعۂ ثانی را در تذکرۂ اشرف علی خاں خط کشیدہ چنیں
اصلاح نمودہ اند ۔ ع من مست و تو گشتنی مست اکنوں کہ برد خانہ
میر عقیل نامی شاعر متخلص بہ **کوثری**
بر بلاغت و فصاحت طبعان خوبی اصلاح روشن
از سادات ہمدان پرہیز و محب حضرت ائمہ اطہار علیہ السلام بود حتّٰی کہ شاہ عباس
ماضی روزے باو تکلیف شراب کرد او گفت می خورم بسر مبارک مرتضی علی علیہ السلام
شاہ فرمود بسر من رنجور آشفتہ شدہ گفت کہ من نخورم مگر ترا از مرتضی علی دوست تر
می دارم شاہ را بسیار خوش آمد و بسیار خوش آمد و مبلغی بعد وسی رغال برائے او مقرر کرد
مثنوی شیر علی و فرہاد خوب گفتہ نقلش صفائی گو ہر و سلامت آب کوثر دارد ۔
اشرف علی خاں از ریاض الشعرا از سفینہ دستخطی شیخ محمد علی حزیں ایں قطعہ را
مع احوال در تذکرہ خود ثبت نمود ۔

یکے شوریدہ باغے داد ترتیب نمودے از ریاحیں زیب و تزئیب

بآب دیدہ پروردی گلشن را — ز گلہا مژدہ دادی بلبلش را
گہے شاطگی کردی چمن را — گہے آراستی سرو چمن را
گہے خاشاک چیدی بہرِ بلبل — کہ سازد آشیاں در پہلوئے گل
چو شد آراستہ از گل بہارش — فروزاں گشت طرف لالہ زارش
کہ ناگہ تند بادِ ہیچو صرصر — بر آورد از کمیں گاہ بلا سر
چناں بکشود بروے دست تاراج — کہ گلچیں را بجائے کرد محتاج
فلک نگذاشت کز گلہائے باغش — بوی آشنا گردد دماغش

اعتراض میرزا فاخر صاحب اینست تزئیب از لفظ زیب ظاہرا بر آوردہ اند۔ چنانچہ مزیب بمعنی آراستہ می گویند غافل اند کہ چوں اصلش کہ زیب است لفظ فارسی است مزیب و تزئیب چگونہ درست باشد چنیں لغزش در کلام ناآگہاں بسیار است چنانچہ مزلف و مرغن افسوس کہ رفتہ رفتہ اہل علم را ہم آگاہی بعضی اوقات نمی شود کلام نکیس تمام شد تمت کلامہ چوں مؤلف تذکرہ نوشتہ کہ از بیاض دستخطی شیخ محمد علی حزیں علیہ الرحمۃ والغفران نوشتہ ام دریں صورت کنایہ ناآگاہی و بے علمی بطرف شیخ ست نمی دانند کہ شیخ مذکور شخصے گذشتہ کہ تحریر و تقریر او برائے تمام عالم سند است و لفظ تزئیب را کہ شیخ دست داشتہ بے سند نخواہد بود و اوستاداں اکثر الفاظ فارسی را معرب نمودہ در اشعار خود آوردہ اند چنانکہ حکیم خاقانی علیہ الرحمۃ در تحفۃ العراقین فرمودہ خاقانی ذو الخورشیدین شد خراسان و تقی اوحدی صفاہانی در تذکرہ در تعریف مولانا فیضی قلمی نمودہ کہ جمع متاخرین حتی مولانا عرفی ایکارہ تیغ مہند طبعان از سوہان فطرت و مصاحبت او باصلاح آمدہ باید دانست کہ مہند در ینجا ہند ساختہ شدہ است وملا کوزی ہم مرد ولایت زاد عالم و زباں دان است و مع ہذا اہل عرب ہم اکثر الفاظ عجم را معرب نمودہ اند چنانچہ لفظ جالا فارسی است ایں را معرب نمودہ مبہی گفتہ اند و ہند مہندس

پس زیب را تزئیب کردن چه نقصان دارد و ماورای این چیزے که شیخ محمد علی حزین
جائز داشته بر خورده گیری ما مردم زیاده از دہن است و ہمچناں مزلف که اصل ماده اش
زلف است بر السنهٔ اہل عجم این قدر شہرت دارد که اصطلاح مقرر شده در صحت این
ہیچ شکی ست چنانچه او ستاد ولایت است و اکثر ہا می گویند از امیر خسرو دست موران
خط بدور رخت صف کشیده اند صد گونه جور از تو مزلف کشیده اند و سوای این شعر
ملا محمد سعید اشرف است که مرزا از زمرهٔ مفت خوران مائدهٔ سخن او خود را می دانستند

اشرف :
ہمچو رخسار مزلف و لبراں تازه خط
مصحفی گر می نوشت آہم خط خوانا نداشت

سرور خان عاقل

گواہی می دہد عالم بوحدت ذات بیچوں را
که خاصیت یکے باشد ز چندیں جز معجوں را

میرزا صاحب در باب معنی این شعر چنیں می فرمایند که بدستخط خاص در تذکره مذکور نوشته اند
چه نوشته ام مؤلف زاد فہمه ملتجی شده که اشعار بے رتبه را خط نه کشم سخن شناسی کو که سستی این
بیت مرحومی را بفہماند واضح باد تلاش در عرصه ما عبارت از چنیں تشبیہات بارده می گیرند مرذات
بیچوں را تشبیه بمعجون داده و اہل عالم را اجزاے آں گفته ہر چند معجون بمعنی آمیخته شده آمده
اما بنا بر عرف خالی از سوئے ادب نیست مشبع مفہمد این قسم تشبیہات بد مفہوم را اہل کمال
در کلام نمی آرند مگر جاے که غرض تشبیه بقبیح باشد مضایقه ندارد و عجب معجون بے نشه بود
علیه الرحمة والغفران نه فہمید که سر رشته یک جا می کشد تنہا معجون قرار دادن ذات بیچوں را
تعالی شانه عما یقولون محل گرفت نیست بلکه ترکیب تمام بیت بے کیفیت واقع شده کاش

چنیں می گفت ؎

بود آمیزشی باہم بطینت ربع مسکوں را
که کیفیت یکے باشد ز چندیں جزو معجوں را

واگر عالم را معجون مراد گرفته مصرع اول بمعنی ربط ندارد تمام شد کلام تمکین تمت کلامه اعتقاً

ایں عاصی این ست که اصلا بکنه مضمون مصنّف پے نه برده اند مصنّف اجزای معجون
را بعالم که خلقت آنها از عناصر است مناسبت داده است و فاهمیت معجون را بوحدت
سخن پیش پا افتاده مرا نظر بکور سوداے بچشم فهم ملاحظه نمی کنند و در تفضیح مصنف و
مؤلف عبارت آرائی بیجا می نمایند نمی دانند که ایں عبارت موجب تفضیح سخن سنجی
ایشان است. بنابر نافهمی خود در مصرع شاعر سوی ادب قرار داده اند مصرعے که معنی
ندارد بدولت موزوں فرموده این است **مصرعه** - بود آمیزشی باهم بطینت ربع مسکوں را
بر هر ذی شعور پیدا است که معنی ربع مسکوں یعنی چهارم حصه زمین که آبادی دارد چنانچه
اهل ریاضی جاے که حقیقت زمین یعنی کرهٔ ارضی نوشته یک ربع را مسکوں نوشته اند پس
قطعه زمین را باهم آمیزش است بلکه آنرا باهم در طینت آمیزش است که ترکیب همه از
عناصر است و قطعه زمین صرف عنصر خاکی است و آمیزش کثرت می خواهد و هر چند زمین بایں
معنی که بسیط است نوعے از کثرت دارد لاکن ایں کثرت باعث آمیزش که دریںجا عبارت
از فعل و انفعال است نخواهد بود و دریں مقام فائده نخواهد بخشید با ایں همه رسائی فهم
اعتراض هاے بیجا بر اساتذه مسلم الثبوت دال بر ذکاوت طبع وقّاد است و لفظ معجون بعالم
تفضیک مستعمل زبان اهل هندوستان قباحت است مغل بیچاره چه می داند که در هندوستان
قباحت است **شیخ ناصر علی تخلّص** که از جمله خوبان روزگار است و اکثر
صاحب تذکره اورا آبروے شعراے هندوستان نوشته اند و میرزا معز فطرت و
سرخوش و دیگرے شعراے عالمگیری و بهادر شاهی پیروی او دارند در حق او میرزاے
موصوف چنیں می فرمایند. انصاف را چه پیش آمد چرا مانند بعضے اشعارش
حُکمُ المعنی فی بَطنِ الشاعِر پیدا کرده و مصنفان چه شد براے چه بصورت اکثر الفاظش
ترکیب لایعنی بهم رسانیده هیچ نمی گویند میرزا صاحب مرحوم یعنی جناب میرزا صائب
را ایں حالت رسیده که مورد چنیں کلمات بود

از ہوش ربودند مکیں ہرزہ درایاں — خیر است چرا ایں ہمہ بے ہوش نشستے
شورِ زغن و زاغ بلند است دریں باغ — اے بلبل خوش لہجہ چہ خاموش نشستے

عاصی گوید فی الواقع ایں بلبل خوش لہجہ سزاوار ہمیں کہ با زاغ و زغن طرف نشود
و در حق چنیں میرزا صائبی کہ اشعار او را میرزا فاخر صاحب خط بکشند و اصلاح نمایند
ناصر علی اگر ایں مقطع گفت گفتہ باشد چہ مضایقہ است ناصر علی شخصے است کہ فہمیدن
شعر او کمال است ہم چشمی او کرا مجال است و میرزا صاحب می فرمایند کہ مصنفان را چہ شد
کہ انصاف نمی نمایند ہرگاہ مصنفان بیچارہ در حق میرزا صائب چیزے نمی خوانند گفت تا
بہ ناصر علی چہ رسد ناصر علی صاحب کمال و مرد خدا رسیدہ بود می دانست کہ شخصے بعد ازیں
در بلدۂ لکھنؤ ہم خواہد رسید کہ زادہاے طبع مردم بہ تیغ قلم قتل خواہد ساخت بنا بر خوف
اکثر اشعارش المعنی فی البطن الشاعر ست حق بجانب [illegible] افضل سرخوش در
تذکرۂ خود نوشتہ است کہ در اوائل مشق روزی فقیر با ناصر علی گفت اعزہ می گویند مسودہ
اشعار ملا ندیم بدست ناصر علی افتادہ اشعار او را بنام خود می خواند ناصر علی گفت کہ امتحان
شاعر طرح غزلیست بیا تید طرح غزل بکنیم ایں غزل در پیش بود آب افتادہ است اول فقیر
اسپ را در میدان تاخت و ایں مطلع را بدیہہ گفتہ خواند سرخوش تن ز اشکم تا بگردن
غرق آب استادہ است سر بروے تن عیاں ہمچو حباب استادہ است ٭ ناصر علی حسن مطلع
بہم رسانیدہ جواب مدعیاں را بایں عبارت فی الفور ادا ساخت اہل ہمت را نیا شد تکیہ
بر بازوی کس خیمۂ افلاک بے چوب و طناب استادہ است میرزا فاخر صاحب بدستخط
خاص در تذکرہ مذکور نوشتہ اند علیٰ ہذا القیاس مصرعہ اول ناصر علی علیہ الرحمۃ سست
افتادہ واقع شدہ اگر بجای اہل ہمت سر بلنداں می گفت ملائم افلاک بود اُنْظُرُوْا
ینتظر الانہ، ف یاد صفے کہ موجب گفتن حسن مطلع ملاحظہ نمودہ مصرع اول شعر او را سست
انگاشتہ باصلاح پرداختہ حاضر جوابی او را بخاک سیہ برابر ساختہ و بکنہ مدعا نپرداختہ

که جواب مدعی را بچه خوبی بیان کرده اند که روح ناصر علی اُنظُرُوا بنظر الانصاف بگوید نه محل انصاف خواستن میرزاست **شیخ آیت اللہ ثنا** غزلے خوب گفته این است ؏

دل از پیالۂ قسمت عبث خروش کشد — ز درد صاف رسد آنچه کو خموش کشد
غمت به لذتِ شادیست خاصه کامی را — که بیش قسمت خود را بذوق گوش کشد
نشست و خاست بجوے گلم ز ضعف نماند — مگر نسیم کنوں تا درت بدوش کشد
چو آید از پس دیوار تکتک پاے — چراغ در نگهِ سر ز راهِ گوش کشد
بچارسوی غم آبادم آں کدام رہیست — که سر بجوی فرح بخش می فروش کشد
چه می فروش که حکم از دهد بغاشیه اش — ملک ز پایهٔ عرشِ مجید دوش کشد
چناں ز مصرعِ صیدی بشور سیم ثنا — که نفس ما نتواند کسے خموش کشد

میرزا صاحب موصوف در مصرع که لفظ نیش و نوش یکجا بسته شده می گویند که نیش کشیدن بمعنی خوردن دریں بیت شده چرا بجاے آں زهر نگفته که زهر کشیدن مستعمل است و هم صنعت طباق که در انست فوت نمی شود عاصی گوید مراد مصرع ثانی آن است که شاعر بدرا مثل نیک بر خود گوارا می کند و کشیدن بمعنی خوردن است چنانچه شراب کشیدن مشهور و معروف است و شراب خوردن نیز بالفرض اگر میرزا صاحب را در نیش خوردن بلفظ کشیدن شبهه باشد باعتبار تشبیه بنوش تواں فهمید و اعتراض دوم میرزا صاحب بر ایں بیت آخر قطعه است چه مے فروش که حکم ازدهد بغاشیه اش ملک ز پایهٔ عرش مجید دوش کشد میرزا صاحب در تذکره مذکور نوشته اند ایں بیت حکم المعنی فی بطن الشاعر دارد بغاشیه کشے می باید تنها از لفظ غاشیه خدمت و اطاعت مفهوم نمی شود بنده می گوید سبحان اللہ مرتبه شعر فهمی و زبان دانی تا بکجا رسیده شاعر گفته است که بغاشیه دهد و غاشیه را کسے نمی خورد و نمی پوشد بالفعل کشیدن ازیں احتمالات ممیز گرداند علاوه آنکه لفظ کشد در غزل ردیف افتاده است باز هم غاشیه کشیدن نفهمیدن خالی

از بے دماغی نیست بسبب آنکہ نکتہ این معنی نرسیدہ اند ایرساں حبۂ ازگریہ بہم آمدہ را
بتیو خنداں بہ تصنّع چوں شفق جید کنم میرزا صاحب بجای لفظ تصنع بلفظ تکلف اصلاح
ہم کم از خوگرفتن باصلاح دادن نیست بر ماہران این فن این معنی روشن است +

شیخ علی حزیں علیہ الرحمۃ

میگرفتیم بجاناں سر را ہے گاہے | او ہم از لطف نہاں داشت نگاہی گاہے
دو سہ روز نیست کہ دزدیدہ نگہ ویں عجب ست | نہ ثواب ے ز من آمد نہ گناہے گاہے

میرزا صاحب در مصرعہ ثانی بجای لفظ نہاں لفظ بما اصلاح دادہ و مزہ لطف نہانی
را برخاک برساختہ در مصرع آخر حسن مطلع بجائے لفظ ثوابے لفظ خطائے بہم رسانیدہ اند
واصلا بمال مصنّف پے نہ بردہ او می گوید کہ از دو سہ روز کہ نگاہ دزدیدہ است بیش ازیں جہ
صواب از من بظہور آمد کہ می کرد و حالا چہ گناہ از من بوقوع آمد کہ نگہ می دوزد و ایں ارادہ شیخ
علیہ الرحمۃ از لفظ دو سہ روز پیدا است سخن فہمی می باید کہ پے بارادہ مصنّف برد و ایشاں
لفظ گناہ و خطا کہ بر زبان عوام یکجا مستعمل است از زبان آنہا برداشتہ اینجا اصلاح نمودہ اند
و مرتبہ شعر را از اعلا علیین تا اسفل السافلین انداختہ است **وَلَہٗ**

زمرد کار دلِ روزگار مے لرزد | کمر چو راست کنم کوہسار می لرزد

میرزا صاحب قافیہ مصرع اولی کہ روزگار بود آنجا کہ کوہسار اصلاح دادہ اند و
قافیہ مصرع ثانی کہ کوہسار بود آنجا روزگار بر معنی فہماں کہ از لطف سخن بہرہ دارند
واضح است کہ کار بر روزگار تعلق دارد و استواری کمر بکوہسار ایں نہ فہمیدہ اند۔

ع ہر سخن جای و ہر نکتہ مکانے دارد

ولہ

کو قدر دیریں بندگی کو مژدۂ غم پروردگی | لطفے کہ با ما می کنی باگبر و ترسا کردہ

اصلاح میرزا فاخر صاحب

کو قدر غم پروردگی کو مژده درین بندگی   در حق این اصلاح چه باید گفت و للمجنون
فنون عرض کشیدن و اصلاح نمودن ہمچو مے نادان بر اشعار شیخ محمد علی حزین علیه الرحمة
که بعد از میرزا صائب ہمچو شاعرے زبردست نه در ایران و نه در توران و نه در ہندوستان
بہم رسانیده خالی از خلل دماغ نیست و ماوراے این شیخ مرحوم یک اعتبارے بچشم اساتذه
این فن داشت که آخرا پیدا کردن بسیار مشکل است و سراج الدین علی خان آرزوے مرحوم
که او را شعراے این طبقه کم از ابوالفضل و فیضی نمی داند او چه پیش برد که ایشان تصدیع
بجا کشیده اند و سبحانه تعالی بہر کاریکه شخص را اعتبارے می دہد بے تائید الہی طرف او
گشتن کار جہل است پرا عوض این سخن خود را بنظر فہم ملاحظه نه فرمودند که معترض میرزا
رفیع ریخته گو گشت فی الحقیقت این شعر میرزا مصداق اصلاح میرزا است کمین چو خالتاً
زمانی الضمیر خلق خبر دہم ولی ونیم آگاه از حقیقت خویش چنانچه این چند بیت از دیوان
ایشان درینجا قلمی گردید۔

فصل چہارم در بیان اشعار معترض میرزاے مذکور اعنی فاخر مکیں

وله

راستی من باد داام کج کلاه خویش را   من گدائی خویش کردم پادشاه خویش را
عاصی می گوید لطف از معنی این بیت پیدا نیست فرض کردم که عاشق را راستی
یاد والا کن از یاد دادن راستی شاه گدائی شود و کج کلاہے بر معشوق برآزنده است
اگر مراد از راستی کلاه است لطف ندارد۔ **وله**

زن سیرتان و در جہاں راصلا دہند   ساقی گرفت ساغر مرا آدمای ما
عاصی می گوید دل دعوی مردمی بر زن سیرتان ثابت کنند و بعد ازاں بر ساغر مرا آدم

بدست دارد باید که صلا یا آنها دهد که دعوئ مردی داشته باشند نه بزن سیرتان و
لفظ آزمودن هم همی می خواهد چنانچه این شعر نظیری نیشاپوری ست ؎

دارم مئ آزما خوش باد شیخ و شباب را
کار نظیری و رضا غم خوردن و خوش بودن ست

مدعای نظیری علیه الرحمة ازین بیت اینست که در رضای الهی کار نظیری غم خوردن و خوش
بودن و همی را می مرد آزما قرار داده پس خطاب کند بشیخ و شاب که هر دو را دعوئ این معنی است
قسمی که میرزا گفته اند که ساقی بر ساغر مرد آزما صلا بزن سیرتان دهد زن سیرتان کجا
دعوئ مردی دارند شیخ ابوالفضل فیضی نیز می گوید گرد فنا شدند حریفان بزم عشق بر خاک ریز
جرعهٔ مرد آزمای را حاصل معنی همین است حریفانی که حوصلهٔ کشیدن جرعه مرد آزما داشتند
گرد فنا شدند یعنی در عالم نماند چنانچه بساقی می گوید که آن جرعه بر خاک ریز غرض که نظیری
علیه الرحمة بر می مرد آزما صلا بشیخ و شاب می دهد که هر که طاقت این می داشته باشد بکشند فیضی
علیه الرحمة می فرماید که حریفان بزم عشق گرد فنا شدند کسی نمانده که این مرد آزما بکشد پس
میرزا صاحب بچه سند بر ساغر مرد آزما زن سیرتان را صلا می دهند درین صورت بر اعلم و
اجهل و احمق و اعقل ظاهر و هویدا و واضح و پیداست که علم و فضل و شعر و شاعری میرزا فاخر
با علم و فضل و شعر و شاعری مولانا فیضی و مولانا نظیری علیهما الرحمة نسبت ذره با آفتاب درخشان
و مناسبت قطره با دریای بیکران هم ندارد و اگر زن سیرتان را قبیل کشیدن ساغر مرد آزما
می دانستند آن هر دو شاعر ساحر درین هر دو شعر خود در ذکر سیرتان نمی آوردند از برای
میرزا صاحب چرا می گذاشتند که بر شاعر مرد آزما صلا بزن سیرتان می دادند بر جرعه مرد آزما
زن سیرتان را صلا دادن فقط سیرت میرزا صاحب است زیرا که آنچنان برعایت الفاظ
پردازند که خانمان معانی ویران می سازند چنانچه از برای مرد زن آورده اند گو شعر بی معنی
شود لیکن رعایت لفظ از دست ندهند اعتراض فقیر نزد مرد میدان سخن درست و هر که
از زن سیرتی در پی معنی دانسته شعر میرزا فاخر جهل بکار برد در عقل و شعور او شکست است

ولہ

از مدارا گرچہ کام دل نہ شد حاصل ولے   خاطر یار و دلِ دشمن بدست آید مرا
ارادۂ میرزا ازیں بیت چنیں مفہوم می شود یار چنیں می خواست کہ ترک تمنّا از و بکنم پس منکہ مدارا کردم یعنی قبول ایں معنی نمودم کام دلِ من حاصل نہ شد و دشمن و یار ہر دو از ما راضی شدند لاکن عاصی می گوید ہر گاہ خاطر یار و دل دشمن بدست آمد در حصول کام دل کدام عقدہ باقی ماندہ دریں صورت ہر تمنائے کہ عاشق در دل داشتہ باشد می تواند ؎ برآرد چنانچہ تشبیہے کاشی می گوید   بر رضای یار تشبیہے حصولِ مدعا ست
کام دل حاصل شود خاطر بدست آوردۂ   ولہ   یار و غیر چشم من کردند با من اختلاط
آفتاب و ذرہ در وزن بدست آید مرا   ہر چند آفتاب و ذرّہ در وزن یکجا بدست آوردن خالی از خروق عادت نیست تاہم لطف معنی سوائے لف و نشر مرتب ازیں شعر مفہوم و معلوم نمی شود ولہ   پا بہر جانب نہادم در شہادت گاہ عشق
از تو شمشیر و زخود گردن بدست آید مرا
ارادہ میرزا چیز دیگر خواہد بود کہ بفہم ناقص میرسد و معنی تحت لفظی اینست کہ میرزا در شہادت گاہ عشق کہ بہر جانب کہ پائے نہادن در شہادت گاہ چنیں پیداست کہ چندیں شمشیر و چندیں گردن بدست آمدند و ندانستند کہ اینجا لفظ بدست آمدن موقع نیست محل نظر آمدن است ✢

ولہ

گرفتہ بود دریں بزم چون قدح دلِ من   شگفتہ روی صہبا بشگفتہ کرد مرا
عاصی گوید اگر در اصل قدح صورت گرفتگی می داشت گرفتگی را باو تشبیہ میدادند نزد سخنوراں قدح را با گل تشبیہ است و گل را با قدح و غنچہ را با صراحی و صراحی را با غنچہ و ماورای ایں میرزا صاحب را بر دو آئین استادان عبور بسیار است ظاہر اصل قدح را بگرفتگی بستہ دیدہ باشند و اگر ایں شعر ماذل راسند نوشتہ اند و حجت پنداشتند

ماذل

چه نشاط باده بخشد به من جناب بے تو   به دل گرفته ماند قدح شراب بے تو

مآل این شعر مبالغه است یعنی باوصفیکه قدح بهر صورت شگفته است تاهم بدونِ تو بدل گرفته می ماند احیاناً اگر اراده میرزا چنیں باشد گرفته بود دلِ من دریں بزم و شگفته روی صهبا مانند قدح اورا شگفته ساخت دریں صورت لفظ مرا بیکار است واگر اراده بطرف ذات خود است یعنی شگفته روی صهبا چوں قدح مرا شگفته ساخت پس دل من بیکار است ۔
بندش عجیب دارد و مضمون تازه است   ایں شعر نیست ملا دو پیازه است

وله

دارد شدیم بے تو بهر جا که مامکیں   شد مورد هزار ملامت درود ہا

ازمعنی ایں بیت سوائے رسوائی حصول دیگر نیست چراکه شاعر خطاب به معشوق می کند هر جاکه مابیو دارد شدم مردمان ملامت نمودند و بسیار پیش کشیدند که چرا اورا همراه نیاوردی

وله مکیں

تراکسے چه کند ما مشتاقان او بودیم نه مشتاق تو

زغوغای نے ومطرب به بزم غیر بے رویش   رود برمن عذاب دوزخ و روز جباب امشب

اول اینکه به بزم غیر رفتن چه لازم و دیگر آنکه در بزم غیر معشوق خواستن دوراز غیرتِ عشق است و هرگاه او دراں مجلس بود دیگراں هم نظاره خواهند نمود با او مشغول اختلاطی خواهید شد و گفتار عاشقان غیور این است چنانچه در بیت می فرماید ۔

غیرت از چشم برم روی تو دیدن ندهم   گوش را نیز حدیثِ تو شنیدن ندهم

وله مکین

مکن پنهاں زمن گر در سرت گردم بگو قاصد   که از بهر رقیب آں مور چه پنهائی نوشت امشب

عاصی می گوید

بمشورہ قاصد بنوشتہ باشد کہ او اظہار نماید پرسیدن شاعر کور سواد از قاصد بیجاست اگر پیام زبانی بقاصد می داد پرسیدن آں راہ بدیہی می داشت داز مضمون نامہ قاصد کے اطلاع می دارد کہ ازو بپرسد چنانچہ اوستاد است بیت اوستاد ؎

چوں نامہ براں می روم از شہر بشہرے
یا من خبرے ہست دمرا ہیچ خبر نیست

ولہ ایضاً

طریق اہل خرابات وخانقاہ یکیست
دو جادہ گر بہ بیاباں فتادہ راہ یکیست

عاصی گوید

طریق اہل خرابات را بارسم معتکفان خانقاہ ہیچ ربط نیست مصرع اولی از لفظ طریق مصرع ثانی را ہم ضایع ساختہ اہل خانقاہ نماز می گذارند و ساکنان خرابات شراب می خورند و حلال وحرام شرعی بزعم اہل خانقاہ ونزد ساکنان خرابات تفاوتے ندارد و اگر میرزا صاحب قباحت ایں بیت را از راہ خود سری نہ فہمند اَللّٰھُمَّ زِدْ وَلَا تَنْقُصْ و باعتقاد ایں عاصی اگر بجائے طریق لفظ مآل و بجای راہ منزل می بود راہ بدیہی چنانچہ ماصدق قول ما شعر میرزا مغز فطرت علیہ الرحمۃ است فطرت ؎

تواں دید از چراغاں ہای کثرت وحدت اورا
بود توحید صوری زنگ کفر آئینہ کیشاں را

ولہ ایضاً

مردم خوں می خورم از غیرتِ دشنام را
جاں شیریں رفت وحرف تلخ او از دل نہ رفت

بنائے معنی ایں بیت بر تناسب الفاظ شیریں و تلخ گذاشتہ اصلا بے مزگی پے تبر دند گو نصیب عاشق کہ معشوق بدشنام نوازد و خوں خوردن از غیرت دشنام چہ معنی دارد

ہلالی گوید۔ **ہلالی** ؎

پیش تو دعا گفتم و دشنام شنیدم ہرگز اثرے بہتر ازیں نیست دعا را

فصیحی

بسے کز نازکی با تبسم بر نمی تابد بخوں غلطم کہ امروزش بدشنام آشنا گردد

مکین

کجا روم چہ شوم چوں کنم چساں سازم گذار من بسر کوی قاتل افتاد است

درعالم عشق کوے معشوق را فوقیت بر ہر دو جہاں و باغ جنان است و مراد عاشق بیچارہ ہمین است کہ در آنجا کشتہ شود و درعالم عشق کسے کہ از پا گذاشتن بکوے قاتل ایں ہمہ مضطرب شود باید کہ از راہِ دیگر بخانۂ خود تشریف برود ہمچو عاشقی کم از بوالہوسی نیست و چہ شوم طرفہ از لفظی وعجیب عبارتے است و ازیں لفظ کمال اضطرار پیدا است لازم کہ شاعر خود را بشکل زاغ و زغن قرار دادہ از شل طیور پرواز نماید سابق ایں مضمون را امیر خسرو چہ خوب بستہ اند لیکن بایں صورت ؎

کجا روم بکہ گویم چہ چارۂ بکنم کہ تیر عشق مرا در درونِ جان زدہ

درواقع ہرگاہ تیر عشق درون رسید عاشق کجا رود سخن خسرو درست است مکین

ہمچو صبح و شفق از ذوقِ شہادت دلِ من بر سر کوی بتاں تیغ و کفن را برداشت

تشبیہ کفن با صبح مسلم است و تیغ تشبیہ بشفق ندارد و چوں شاعر را دعویٰ غیور بسیار است ظاہرا تشبیہ تیغ بہ شفق دیدہ باشد و باعتقاد بندہ تیغ خوں آلودہ تشبیہ بہ شفق میتواں داد دریں عبارت خوں آلودگی تیغ ثابت نیست ظاہرا غلاف تیغ از مخمل یا بانات سرخ کردہ باشد

وله مکین

دور از تو عمر من همه ماهِ صیام گشت
در فقر و فاقه می گذرد بی تو زندگی

در ماهِ صیام روزه می دارند روزه را فاقه نمی توان گفت و عاشق را بے خواب و خوری نسبت می دهند بفقر و فاقه جائے دیده نشد و لفظ فقر و فاقه مستعمل بر فقر است عاشق اگر چیزے نمی خورد تاهم خونِ جگر می خورد ماهِ صیام اینجا ربطے ندارد **وله مکین** دست و پای غیر را از گریه رنگین کرده ام گل زدم امروز بر سر خارِ راهِ خویش را مدعا ازیں شعر مفهوم می شود که بسبب ناچاری با دیدهٔ خونبار بدست و پای غیر افتاده رنگین نموده و رقیب را که خارِ راه است گویا گل بر سر زده یعنی خوشامد وا نموده لیکن در عالم عجز بپا افتادن مسلم و بردست افتادن مسموع هیچکس نیست پس چگونه رنگین شده این معنی هم می تواند شد که در راه آمد و شد خود از بسکه خوں گریستم و ازاں راه غیر هم می گذرد دست و پای او رنگین شد دریں صورت هم پاے غیر رنگین شدن درست و رنگین دست اینجا هم ثابت نیست مگر غیر مانند چارپایه را برد و ایں روش جدا است و اگر بر محاوره هندی بسته اند ایجادیست لانسلم۔ **وله مکین** ؎

دل شکستن خاطر آزردن نمیداند که چیست
گرچه دارد لکنت اما حرف می گوید درست

ایں بیت ازاں غزل است که در تمام غزل معشوق را بعالم طفلی قرار داده اند بیک نسق گفته اند بنده در مصرع اولای این بیت اعتراض دارد حرف درست گفتن را تعلق به لکنت نیست هرگاه سخن درست از زبان برآید لکنت کجا ماند و اگر مراد شاعر از لفظ درست این باشد یعنی قول و فعل او درست پس کسے که این همه طفل قرار داده اند و در مصرع ثانی اظهار نادانی او نموده اند که بسبب کمی سن خاطر آزردن و دل شکستن نمی داند که چیست قول و فعل او درست چه قسم خواهد بود و هیچ مضامین را سابق بریں هم اوستاداں بسته اند لاکن بایں صورت

شاپور

طفل است و یا عاشق روشِ زیست نداند — صد جاں اگر از کس طلبد نیست نداند
دلدار ندارد دلِ ما از دلِ اغیار — داند که دل است این و دل کیست نداند
شاپور به محشر چه حساب است او کتاب است — یا ہیچ ندانی که ده از بیست نه داند

ے

دل اگر می گویم از طفلی نمی دانی که چیست — انچه روزِ اوّل از ما بردهٔ آن را بده

مکین فاخر

از کس بخود نیافته ام ہیچ تابِ رُخ — ای بت تو و خدای تو از من متاب رخ

لفظ تو و خدای تو موقع این بندش نبود و این لفظ مصرف گواه گرفتن است یا کسے که بر تہمت کارے بندد و او چنیں بگوید تو و خدای تو که این کار از من بوقوع آمده ٭

مصرع: ہر سخن جائے و ہر نکته مکانے دارد

و ماورای این قباحت است که عاشق در ور سیده می گوید من از کسے در ہیچ باب رو نگردانیده ام تو ہم از من رو مگرداں و شاعر ہرگز بمآل معنی خود پے نه برده ہرچه بخاطر می رسد العیاذ باللہ ۔ فاخر مکین

تقصیر چیست مشت مزن پنجه ام مپیچ — قرباں شوم بزور ازیں ناتواں مرنج

مشت زدن و پنجه پیچیدن کار پہلوان ست کار معشوق ناز و ادا غمزه خود را بآرایش نمودن تا دلِ عاشق بسیار فریفته شود وای بر عاشقی که ناتواں باشد قوی ہیکل اگر شله میگرد د سخت قباحتست ہر چند پیچیدن و مشت زدن سابق شعر ابسته اند ما بایں صورت چنانچه میرزا صائب گفته است ے

دست پیچیدن و دل بردن و پنہاں گشتن
ہرچه می گوئی از آں سوی میاں می آید

مکین وله

شهادت از کفِ او بهتر است بسم الله — کند شروع بر چیزے که بهتری داند

لفظ شروع ثانی بر بیجاست کاریکه طول با نجامد لفظ شروع استعمال است درین مقام محض زائد و بیت پر کن واقع شده و آنهم بسیار بے ربطی و شهادت کاریست که بیک ضرب شمشیر وغیره می انجامد صفت کشتی نیست و نه بایں طور که معشوق عاشق را گرفت و هر روز بیک ضربت و بیک حربه اذیت رساند مثلاً امروز به خنجر و فردا به تیر و پس فردا بشمشیر تا شهید شود و اگر شهادت عاشق بایں طور باشد لفظ شروع مضایقه ندارد به بسم الله

مکین وله

بلبل ز رشک سوخت که از شور ناله ام — هر نیش خار بر سر دیوار روشن است

چوں مجمر و سپند ز شور صفیرِ من — صیاد عاقل و قفسِ دانه روشن است

دریں هر دو شعر لفظ روشن است که به معنی سوختن آورده اند جز شمع و آتش و چراغ اطلاق روشن است که بمعنی سوختن باشد نیامده و سند می خواهد اگر تشبیه شمع می بود ہم مضایقه نداشت مکیں فاخر — نیارد تاب شوخِ من هجوم عشق بازان را

شبے از کثرت خیل و حشم رنجیده را ماند — عاصی گوید کار سلطنت از کثرت خیل و حشم درست می شود و شاهان بفراهم آمدن سپاهی می نازند نه که می رنجند تمثیل با مصرع اولی درست نیست ہ

مکین وله

مگر فریفته آں دو نرگس سیه ام — که چشم داغ دلم سرمه ناک می گردد

چشم سرمه ناک جای دیده نشده و بقیاس همچنیں معلوم می شود که نه خواهد چرا که هر جا که مدعا برنگ باشد آنجا چنیں الفاظ مستعمل سرمه گوں و نیلگوں و گلگوں و میگوں و لفظ ناک در مقام صفت می گویند چنانچه نمناک و نمناک و آتشناک و غضبناک و چشم سرمه آلوده

سرمہ سا مستعمل زبانہاست ؎

وله مکیں می فرماید

پارہ می کرد دل از شوق گریبانے را
دست در دامن یار است چہ میباید کرد

ہرگاہ دامن یار بدست آمد از روے پارہ کردن چہ لازم است و لفظ چہ می باید کرد بیجاست چنانچہ نظیری می فرماید ؎

گریبانم گریبان ست و دامن دامنیست امشب
شمار تا سحر و ستم در ہمی دارد

از معنی ایں شعر پیداست ہرگاہ دامن یا زلف بدست آید پارہ کردن گریبان چہ دخل دارد۔ **وله** ؎

نہ بوسے چوں زمیں بر خاکپاے می توانم زد
نہ طوفے چوں مکیں در کعبہ کوی تواں کردن

زمین پارا می بوسد نہ خاک پارا چراکہ زمین خود خاک است دریں صورت تمثیل درست نیست۔ **وله** ؎

صبح از بیدار بختی روے او در خواب دید
شب دل از آشفتگی گیسوے او در خواب دید

سواے الفاظ تناسب ہیچ معنی ازیں مطلع بفہم ناقص عاصی پیدا نیست نتیجہ بیدار بختی ایں نیست کہ روی او را نیز بخواب بیند بلکہ بایستی کہ روزانہ بظاہر ملاقات گل تمنا بچیند و گرنہ بیدار بختے را بدتر از آشفتگی دل باید دانست لازم کہ سخن سنجان بچشم دل ملاحظہ نمایند و بگوش ہوش بفہمند دیگر آنکہ مضمون ایں بیت علی الرغم و خلاف مضامین اوستادان سابق است ہر یکے عاشق را بہ بیخوابی نسبت دادہ است چنانچہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ گفتہ است ؎

گفتی شبے بخواب تو آیم دلے چہ سود
چوں من بعمر خویش ندانم کہ خواب نیست

و نیز حضرت حافظ شیراز علیہ الرحمۃ می فرماید ؎

قرار و خواب ز حافظ طمع مدار اے دل
قرار چیست صبوری کدام خواب کجاست

و نیز شعر دیگر از مثنوی کسے است ؎

بگفتا وصل من در خواب دریاب   بگفتم راضیم لیکن کجا خواب
نہے نتیجہ بیدار بختی کہ عاشق شام و سحر در خواب باشد **مکین ولہ**
چوں سیہ مستی کہ بیند گوشۂ محراب را   چشم جادو لیش خم ابروی او در خواب دید
شخصے بخواب چیزے را می بیند کہ بظاہر ہم اورا میتواند دید و ابروی خود بچشم خود بنظر نمی آید
مگر در آئینہ پس آئینہ در شعر معائنہ نیست +

مکین ولہ

از غبار رہ کندم آہوی من بعد ازیں   سرمہ خواہد نرگس جادوی او در خواب دید
عجب معنی غریب است شاعر می گوید کہ آہوی من غبار راہ رم می نماید پس سرمہ چہ طور
چیزے ست کہ نرگس جادوے او برہ نگاہ بکند مگر در خواب اول اینکہ از غبار راہ ہمہ کس رم
می نماید تخصیص بر آہوے میرزا صاحب نیست ۔ دوم اینکہ ازیں معنی غبار راہ بر سرمہ ترجیح
یافتہ است چرا کہ شاعر می گوید ہر گاہ از غبار راہ آہوی من رم می نماید پس سرمہ را چہ رتبہ است
سوای ایں لطف دیگر ندارد **مکین ولہ**
از نزاکت مہ بروئیش مینماید چوں کلف   خیرہ چشمی کز رخِ نیکوے او در خواب دید
اینجا لفظ نزاکت نیز بیکار است اگر کسے ثبوت نزاکت بر پا کردہ باشد لفظ نزاکت اینجا
ہم را و بدیہی داشت ماہ را تعلق نبود و ضیا و تجلی است و در مصرع ثانی معلوم نیست کہ
خیرہ چشمی نزدیک خود چہ چیز را قرار دادہ اند در السنۂ عجم خیرہ چشم آنرا گویند کہ در چشم او حیا
نباشد پس دریں صورت ایں مضمون ہجو رخ معشوق ست از خیال باغ خلد و شاخ و
طوبی شیخ خفت کوے او را یا قد دلجوے او در خواب دید چیزے را کہ بذات انسان تعلق داشتہ
باشد یا ہمجنس او باشد او را یاں چیز بخواب میتواند دید اگر کسے بگوید فلانے را بالباس
کلف یا بحال تباہ دیا زاید را یا عمر را بخواب دیدم درست است و ازیں قبیل میتواں گفت
لیکن کوے را یا دروازہ را یا حویلی را یا قد کسے ندیدہ باشد کوے یا قد دیدن مضمون تازہ

سند می خواند ✤

مکین ولہ

از زنخدانش رواں سیلِ عرق از شرم شد　　رود نیل آخر نمود اعجاز یوسف چاه را

عرق شرم را بیشتر بجبین نسبت است یا بر خسار و عرق از زنخدان خوش زدن ظاہرا مسموع ہیچکس نباشد چنانچہ شعر اُستاد است ؎

تا رجبین او عرق شرم جوش کرد　　آئینہ زاد کاں جواہر فروش کرد

و شعر میرزا صاحب میرزا بیدل نیز ؎

بشبنم صبح ایں گلستاں نشاند خوش بہار خود را
عرق چو سیلاب از جبیں رفت و مانہ کردیم خود را

مکین ولہ

تا شود رانم بنز اداں حیلہ و فن می کنم　　انچہ می باید کہ او بامن کند من می کنم

معشوق را با حیلہ و فن کار نیست کار او از ناز و ادا عشوہ است و میرزا صاحب قباحت با فہم می فرمایند ؎

انچہ می باید کہ او بامن کند من می کنم

آورا چہ ضرور است کہ ناز عشوہ را گذاشتہ حیلہ و فن برائے ملاقات ایشاں نماید میرزا کار او را بیجا برخود گرفتہ اند شایانِ شاں ایشاں نبود

مکین ولہ

مرا دل در بدر دارد بلے صحبت اثر دارد　　غم خویش جگر دارد بلے صحبت اثر دارد

اثرِ صحبت با مصرع ثانی ربط ندارد و غم جگر خون کن است و جگر غم خون کن نیست

مکین ولہ

یا فتم عنبرِ عشیرِ دردیہ خود　　محنتِ الیوب کردم امتحاں

بایوب نیست محنت مسموع نیست سندی خواہد اگر نسبت بکرہ کن می دادند مربوط می بود صبر ایوب مشہور است

مکین ولہ

در سینہ غم آلود چرا ماند دلِ من — ناپاک ز آتش کدہ گر پاک بر آید

غم و دل ہردو تعلق بہ ناپاکی ندارند فرض کردم کہ ہر دو حکم زہر قاتل دارند تاہم کسے دل وغم را ناپاک بنوشتہ

مکین ولہ

در محبت بدعا گریہ اثر دارد مرا — زہد خشک انچہ دہد دامنِ تر داد مرا

زہد خشک کجا اثر دارد و چہ می دہد کہ ایشان تمثیل دادہ فقط بہ تناسب لفظا تر زہد خشک را یار فرمودہ اند بلکہ زہد خشک زہر است چنانچہ شعر استاد است ؎

بجاے چوب در بانست زہد خشک عقبیٰ را — مبیں زنہار ایں تقویٰ شعاران ریائی را

؎

حلال است بر لفظ کشتن حلال — نہ چندانکہ معنی شود پائمال

مکین ولہ

زنہار بآں طرۂ جادو ندہی دل — کز دوش تو ہم مار چو ضحاک بر آید

از عبارت ایں شعر پیداست کہ بظاہر ضحاک جادوی کسے دل دادہ بود کہ بعلت اومار از دوش بر آید قطع نظر از شعر و شاعری میرزا نام خدا مورخ بے بدل اند ضحاک کے بطرۂ جادوی مہوشاں دل دادہ بود کہ علت مار بر آمدن باشد و مشہور است کہ شیطان بر کتف او بوسہ داد کہ ایں بلا بر و نازل شد مثل نزد آگاہاں سخن درست نیست و ایں مضمون پیش را ازیں شاہ ملول صاحب سلمہٗ ربہ بہ بخوبی بستہ اند ؎

کرد مشاطہ بزلفِ تو نگہ شوخی ہا — مارش از شانہ چو ضحاک بروں می آید

مکین وله

آنکه کارش بہ غمِ عشق جگر خوار افتد ہر نفس خیزد و از ضعف نگونسار افتد

درغمِ عشق از ضعف افتادن مسلّم لاکن علت نگونسار افتادن بعید از راے ناقص فقیر است و ایں مضمون را ابو القاسم خاں قاسم تخلص بسیار بخوبی بستہ است ؎

کارم اینست بگوئ تو کہ چوں سایہ بہ ضعف گہ بخاک افتم و گہ تکیہ بدیوار کنم

مکین وله

نیست ممکن کہ رود از سرِ کویش بیروں بر سرِ عاشقِ او گر درو دیوار افتد

درو دیوار بر ہر کہ بیفتد حرکت نمی تواند کرد موقوف بر عاشق خدر نہ کند ایں معنی بندش ایں شعر پیدا نیست

مکین وله

آنراکہ با زبان آفریدہ اند گویا چو شمع بہر گداز آفریدہ اند

بہ تناسب شمع لفظ زباں درازی و گدازگی آوردہ اند لاکن بخاطر ایشاں نہ رسید زباں دراز را می گویند کہ کسے سخن زیادہ از دہن خود برآرد و کسے راکہ بہر گداز آفریدہ باشند او رحیم است و با زبان درازی او راچہ نسبت حرفے از دہن او ہیچنیں برنمی آید کہ موجب رنجش دل کسے باشد پس درازیِ زبان را با گدازگی دل چہ نسبت کو ایں ہر دو بشمع تعلق داشتہ باشد و اوستاداں زباں درازی شمع را بایں قسم می بندند ؎

بپای شمع شنیدم ز قیچیِ فولاد زباں دراز سرِ خویش می دہد برباد

مکین وله

نرگس از چشم گل افتاد ز سیم و زرِ خویش طالبِ سیم و زر اے غنچہ دہن تواں شد

افتادن نرگس از چشم گل ثابت نیست و اگر نرگس را بعلت سیم و زر از چشم گل افتاد و می فرمایند گل ہم ازیں علت خالی نیست چنانچہ زرد رو مشہور و معروف است و نرگس در

و در مرتبۂ خود ہیچ کم از گل نیست اگر گل را بر خسار معشوق نسبت است نرگس را بچشم
ہر چند ادعا در فن شعر درست است تاہم اندکے راہ بدیہی داشتہ باشد ارباب سخن قسمی کہ
ادعا در فن شعر قرار دادہ اند از این معنی بیگانہ و جدا است و سخن رس می فہمد۔

مکین وله

شمع را گر آتشِ بیگانہ می سوزد مکیں　　　از گدازِ خویش باشد احتراقِ ما ہنوز

اوّل اینکہ آتشِ بیگانہ مسموع نیست۔ دوّم اینکہ لفظ ہنوز در مصرعہ ثانی بیکار است

مکین وله

خورد سال من نداند رسم ہجوری ہنوز　　　یکدم از طفلی ندارد طاقتِ دوری ہنوز

شاعر این مضمون را ظاہرا زبانی دایہ طفل بستہ است و ماورای این لطف دیگر ازیں عبارت
مفہوم و معلوم نمی شود

مکین وله

لعل جاں بخش بتاں را نفرت از خط لازم است　　　نیست عیسیٰ را ز استغنا بسوزاں اختلاط

شاعر لعل جاں بخش بتاں را عیسیٰ و نمود خط را سوزن قرار دادہ می گوید کہ چنانچہ عیسیٰ را
بسوزنِ اختلاط نیست باید کہ لعل جاں بخش بتاں را ہم نفرت از خط باشد عاصی گوید تمثیل
غلط است عیسیٰ از تمام مال دُنیا بسوزن و رشتہ اختلاط داشت کہ ہمراہ خود برد چنانچہ
تمام شعرا عیسیٰ را بسوزن و رشتہ نسبت کردہ اند

مکین وله

ساماں نے کہ دارد شمع باشد این سخن روشن　　　کہ من از دردِ سر در عالمِ اسباب می گریم

عالمِ اسباب مانع دردِ سر نیست ہر سرے را کہ درد گرفت گو عالمِ اسباب باشد میگریدایں معنی
موقوف بر تمثیل شمع نبود و اگر ارادہ شاعر این ست کہ من از دردِ سر عالم اسباب می گریم پس
لفظ در کہ در مصرعہ ثانی سبب است این معنی مفہوم و معلوم نمی شود۔

مکین وله

امروز بے تو دشمن و بیگانہ دیدہ ام
دے ہر کہ بود با تو و بہ من یار و آشنا

ایں بیت مفہوم می شود کہ یار آشنا مشتاقے او بہ میرزا مربوط بودند و قتیکہ او را ہم صحبتِ میرزا ندیدند ہمہ کس از ایشاں رو گردانیدند ایں شعر چہ لطف دارد کہ شاعر اوقات ضائع نمودہ۔

مکین وله

خاقاں ز چیں ہمیشہ فرستد خراج من
زنجیر زلف یار گر افتد مرا بدست

خراج بزور شمشیر بدست می آید نہ بہ زنجیر زلف معشوق کاش چنیں می گفتند کہ اگر تیغ ابروے یار بدست من می بود خراج از خاقان می گرفتم چوں شاعر بہ زنجیر زلف در مصرع اوّل سر کشیدہ برائے تناسب خاقان چین را در مصرع ثانی تصدیع دادہ و رعایت زنجیر بگردنش افتادہ چرا عوض ایں فیل چین را یاد نہ فرمودہ کہ از حق تناسب ہر دو ادا می شد سخن فہم معنی یاب را باید کہ بعد از استماع ایں بیت زنجیر در نشاط زدہ عمل بریں آیت کلام شریف نماید فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا ط

مکین وله

ایں ہماں بچہٴ زاغ است کہ می بینی تو
ایں سیہ روز رقیب ست کہ می آید باز

دریں بیت بجز تناسب لفظ باز و زاغ معنی دیگر پیدا نیست اگر لفظ میر شکار ہم می بود باعتقاد شاعر شعر ترقی می کرد

مکین وله

نے نے غلطم برابرے تو
از آفت و از بلا فزونی

ایں قسم معنی شعرا ترقی معکوس می گویند در مصرع اوّل معشوق را از آفت و بلا افزوں قرار دادہ اند و در مصرع ثانی برابر گفتہ بعید از گفتگوے شاعرانہ است۔ **مکین وله**

در خواب شدی چوں سخن خانہ شنیدی
تا صبح بر غیر شب افسانہ شنیدی

معنی مصرع ثانی معلوم نہ شد کہ مدعای شاعر از شنبیدنِ خانہ چیست

ولہ

دل افسردگاں از شور محشر کے بدرد آید قیامت را بنا شد کار با موتا ے بے دردے

قیامت را با اہل درد و بے درد ہر دو کار است ایشاں تخصیص کردہ کہ قیامت را با موتا ے بے دردے کار نیست از چہ روست

ولہ

آخر ندانم تا کجا اے طفل خو بازی کناں گہ پا ہنی بر بسملے گاہے سر بر بسملے

پا نہادن قاتل بر بسمل از راہِ شوخی و طنازی مسلم لاکن سر بر بسمل نہادن مسموع نیست و معشوقے کہ ایں ہمہ طفل مزاج باشد کہ پا از سر نہ شناسد قاتل شدن برو اثبات نمی شود۔

مکین ولہ

خوں شد دلم از فکر کہ چوں دوش نشستی از بہر چہ سر بردہ در آغوش نشستی

در عالمِ فکر اندوہ سر بگریبان و سر بجیب و سر بزانو مستعمل السنہ است سر در آغوش مسموع نیست سند می خواہد

مکین ولہ

تا قبا جامۂ رسوائی خود کرد مکیں نے کشد خصم گریباں و نہ دشمن دامن

دشمن گریباں گیر و دامن گیر است و دامن کشے از راہِ دوستی است چنانچہ شعر استاد است

شور مرغانِ چمن دامنِ پرواز کشید ورنہ مارا ہوسِ دیدنِ گلزار نبود

پس باید فہمید کہ شورِ مرغان چمن کہ دامنِ پروازِ ہمجنس خود را کشید از راہ دوستی ست یا دشمنی نیز گواہ بے معنی مطلع ہمیں غزل است

مکین ولہ

گر بود دسترسے می کشمت من دامن گوہرِ اشک بیا ریختہ دامن دامن

پس ازیں مطلع خود اتصالات نمایند که کشیدن دامن دال بر دوستی است یا دشمنی وایں سخن مستعمل بر زبانہاست چنیں آزار بکسے نباید رسانید که روز محشر دامنگیر من شود اگر بجاے دشمن دوست می بود معنی مصرع ثانی با مصرع اولی مربوط می شد و براے مراعات قافیہ شعر بے ربط نباید گفت

وله

صیاد ما به پرده گرفتست کارِ خویش
گستر دو دام و زلف رسا را بہانه ساخت

عاشق را بخوبی زلف کردن لطف است و در دام ہر جانورے را صیاد اسیر می کند و زہے معشوق که صید را بدام گرفتار بکند و بہانه زلف نماید دریں صورت ترجیح دام بر زلف است و لطفِ زلف پائمال است معشوق را باید که بزلف گرفتار سازد و بہانه دام نماید داگر اراده شاعر ازیں شعر ایں است که از زلف صید را گرفته است و دام را بہانه نموده ایں معنی ازیں لفظ بر نمی آید۔

مکین وله

زنداں چو گوش حرف موذن نمی کنند
فریاد کرد و حی علی را بہانه ساخت

موذن بیچاره برنداں چه چیز میگوید که حرف او گوش نمی کنند ایں کار تعلق بناصح یا بواعظ دارد و ازیں عبارت ایں معنی بر می آید که موزوں بشمرد و فریاد در حق رنداں ناسزای گوید ہر گاه آنہا کتک گرفته در پے او می شوند او بہانه حَیَّ عَلَی الصَّلوٰة می کند **وله** ؎

نمی دانم چه نیرنگ و فسوں کرد آں حبیب امشب
که یک سو مدعی می نالد و یکسو رقیب امشب

معلوم نمی شود که در عالم عشق مدعی کیست و رقیب کدام است۔

مکین وله

گرم مے جوشد بغیر افسرده خاطر از غست
ہر نفس نیرنگ او رنگِ دگر سوزد مرا

معشوق را سرِ مہر گفته اند و لفظ افسردگی خاطر بمعشوق نمی زیبد افسرده خاطر عاشق است و آزردگی خاطرِ معشوق مسلم اینجا لفظ افسرده به تناسب گرم جوشیدن آورده اند که معنی ندارد

مکین وله

چہ جای غیر ہر کس عشق آں شیریں پسر دارد   پدر ناشاد ازیں رسوائی مادرزاد خواہد رفت

ارادہ شاعر ازیں بیت این ست قطع نظر از غیر اگر پدر او بر و عاشق شود آنہم ازیں رسوائی مادرزاد از دنیا ناشاد خواہد رفت لاکن معشوق تا کسے رسوائی مادرزاد نگفتہ در سوائی روز تولد بطفل تعلق ندارد مگر حرام زادہ باشد ایں بیت سوای تفضیح معشوق خوبی دیگر ندارد۔

وله مکین

یکبار روے غیر نگاہے کہ دیدہ است   از چشم پاک حور و ملک قابلِ تو نیست

معنی ایں شعر مفہوم نمی شود شرح آں باید نوشت تا بفہم رسار

فصل پنجم دربیان اشعار معترض میرزاے مومی الیہ کہ بندہ موافق فہم خود دراں دخل نمودہ است +

وله مکین

داغم کہ دل از لالہ بیادِ تو ز خود رفت   ہمرنگ بوی تو اگر ہست دگر نیست

ہست و نیست چہ دخل دارد البتہ نیست چگونہ رنگ لالہ مانا بوی معشوق باشد اگر شاعر ماہر می بود ایں مضمون را ایں قسم می بست

اصلاح

ز دیدنِ گل رفت بیادِ تو ز خود دل   ہمرنگ بروے تو اگر ہست دگر نیست

مکین وله

بسکہ بے نام و نشان و بیکسم ترسم مکیں   ہمچناں افتادہ بگذارند روزِ محشرم

عاصی گوید کہ ایں مقام شادی ست کہ کسے بروز حشر نہ پرسد نہ محل تراست چراکہ از برخاستن روز محشر خوف باز پرس است چنانچہ اُستاد می گوید ؎

بروز حشر فغانے ز باز پرس مترس   تو بے کسی و غریبی تراکہ می پرسد

و باعتقاد فقیر چنیں می گفتند شعر درست می شد۔ اصلاح ؎

بسکہ بے نام و نشان و بیکسم ترسم مکین ہمچناں افتادہ بگذارند روزِ محشرم

مکین ولہ

اگر گیرد فلک دستش عجب دارم کہ برخیزد بہر بستر مریضِ نرگسِ بیمار یار افتد

دستگیری فلک بہ مردم بیمار چہ نسبت دارد و در دستگیری مسیحا لطف دیگر است کہ تعلق بہ نبض ہمی دارد و دریں صورت برائے مصرع ثانی اولیٰ چنیں می باید۔ اصلاح ؎

مسیح از دست او گیرد عجب دارم کہ برخیزد بہر بستر مریضِ نرگسِ بیمار یار افتد

مکین

برلب گرہ از بیم تو دل صد گرہ دارد ایں خستہ ندانم چہ قدر حوصلہ دارد

عاصی گوید اگر گرہ و شکوہ برلب از ترس و بیم گرہ شود اورا وسعت حوصلہ دل نمیتواں گفت بلکہ بنا بر خوف جاں خواہد بود حوصلہ آنجا کار می کند شخصے بقوت و قدرت ہمہ چیز قادر باشد واز شخص ضعیف حرف پست و بلند بشنود چیزے بگوید وقتے کہ پای بیم بمیان آمد حوصلہ کجا ماند و باعتقاد بندہ بجای بیم اگر لفظ خوی می بود شعر درست می شد لازم بود کہ ایں قسم می گفتند۔ اصلاح ؎

برلب گرہ از خوی تو دل صد گرہ دارد ایں خستہ ندانم چہ قدر حوصلہ دارد

مکین

بہر آخر شفیعِ خویش کردی قاتل خود را مکیں مریخ را ناہید کردن از تو می آید

عاصی گوید میان قاتل و مقتول شفاعت کنندہ شخصے دیگر باید تا شافع او باشد و شاعر ہماں قاتل را شفیع قرار دادہ ایں خود از آئین سخنوری دور است و ماورائے ایں اُستاد بے نظیر اند کہ حرکت فلک را رقاصیہ ساختہ اند قطع نظر ازیں اگر فلک ناہید شد ضعف رقاصی درو پیدا گردید نہ صفت شفاعت می بایستی کرد ایں مضموں بایں قسم می بستند ؎

اصلاح

به مهر خویشتن سرگرم کردی قاتلِ خود را　　مکیں مریخ را خورشید کردن از تو می آید

مکین

شب بخوابم چو رُخ آں دلبر عیار نمود　　بخت خوابیده و بر شک آمد و بیدار نمود

عاصی گوید در مصرع ثانی لفظ رشک بیجاست بخت خوابیده عاشق او نیست که بر وصل او بر رشک برو کار بخت خوابیده ہمین است که بر خلاف مدعاے عاشق کار کند بر حصول مطلبش رشک برو باعتقاد عاصی ایں مصرع ثانی بہتر ازوست ۔

اصلاح

شب بخوابم چو رُخ آں دلبر عیار نمود　　بخت خوابیده سراپا زد و بیدار نمود

براے بیدار ساختن سرپا زدن مناسب است چنانچه شعر اُستاد است ۔ ؎

درہمه شہر یکے فتنۂ خوابیده نماند　　که سرو پا زده مژگانِ تو بیدار نه کرد

مکین

ایں زماں دم از محبت میزند آں بیوفا　　ظلم چرخِ دوں و جورِ طالع و اژدوں گذشت

ہر دو مصرع محتاج دو مصرع دیگر اند موافق مصرع اولیٰ مصرع ثانی چنیں می باید۔

اصلاح

ایں زماں دم از محبت میزند آں بیوفا　　گشت چوں ریش از خط و آہنم زحد بیروں گذشت

و مطابق مصرع دوم مصرع اولیٰ چنیں می بایست ۔

اصلاح

شکر ایزد را که یار از دوستی دم می زند　　ظلم چرخِ دوں و جورِ طالع و اژدوں گذشت

رُباعی مکیں

درخدمتِ شاه عالم دعالمیاں　　بنشست اگر مکین مزن طعنه بر آں

برخاک فتد زخاکساری سایه　　ناچار به پیش آفتاب تاباں

اُفتادن سایہ پیش آفتاب اختراع تازہ است نہ فہمیدہ اند کہ نور و ظلمت باہم نقیض اند

چنانچہ حافظ می گوید ؎

آفتاب از روے او شد در حجاب　　　سایہ را باشد حجاب از آفتاب

و نیز شعر عرفی است کہ در مدح گفتہ عرفی روے بار وے رود سایہ او با خورشید چشم
با چشم کند پایہ او جنب زحل سخن رس می فہمد چیز محال را در عالم مبالغہ منقبت و مدح
می آرند اگر سایہ را پیش آفتاب جا می بود معنی ایں شعر برائے ممدوح چہ لطف و خوبی
داشت ظاہرا میرزا فاخر مکین ایں شعر را دیدہ سایہ پیش آفتاب انداختہ اند و حرفے
می گوید ؎

سراسر آفتابِ عشق تا پیدا است عالم را　　　تو فکر سایہ کن اول پس آنگہ سایبان پیدا

موافق فہم بندہ برائے مصرع آخر رباعی ایں مصرع مربوط است

اصلاح

ایں خاک نشیں نشست ہیچ پر تو　　　ناچار بہ پیشِ آفتاب تاباں

غرض از نوشتن ایں اشعار خدانخواستہ عداوت بہ مصنف منظور نیست بلکہ مدعا بہ تربیت
خود است اگر حق تعالیٰ توفیق ایں اشعار بہ سخن سنجاں دہد دریں امر راے بندہ بر خطا باشد
ازاں اطلاع بخشند تا متنبہ شوم و اگر بر صواب است باید کہ نو مشقانِ سخن بہ پیروی ایشاں خامہ
دو زبان را آلودہ مرکب نسازند و ایشاں را نیز از خط کشیدن و اصلاح نمودن بر اشعار
استاداں مسلم الثبوت پاے عداوت بکسے نخواہد بود بلکہ مرکوز خاطر ہمیں قدر باشد کہ مردماں
اُستاد اُستاداں مسلم الثبوت نہ دانند و سابق بریں کسانیکہ بدرجہ استادی رسیدہ اند
عمر عزیز را بعیب جوئی خود صرف نمودہ اند بہ نکتہ چینی کہ دیگراں چنانچہ بندہ ہم از چہل
و پنج سال اوقاتِ خود را در فن ریختہ ضایع ساختہ است و ہنوز سخن خود را بعضے جاہا از
پایہ اعتراض بیروں نیافتہ کساں را کہ دریں فن مسلم الثبوت می دانند بامیدِ حصول فائدہ

زانوے ادب تہ کردہ پیش آنہا می نشینند بلکہ نومشق ہم اگر دخل بجا در شعراین عاصی نمودہ است مسلم داشتہ و ماورائے این مرتبہ سخن ہرگز نمی رسد و در فن شعر و سخن عبارات رنگین بوستان بے خزان است و الفاظ مناسب نہالان اند بشرطیکہ بقرائن در کل زمین شعر بنشانند و معنی برجستہ ثمر شیرین آن باغ است و زمزمہ طراز دران حدیقہ بلبل طبیعت است و بنظر خوض ملاحظہ نمودان بدان ماند قسمے کہ باغبان سبزہ بیگانہ را از خیابان کندیدہ بیرون باغ اندازد و بے این سخن موزون گفتن بہ طوطی ماند کہ حق اللہ و پاک ذات اللہ می گوید و نمی داند کہ حق اللہ کدام است و پاک ذات اللہ کرامی گوید چنانچہ شعر میرزا بیدل علیہ الرحمۃ است ؎

جہان آئینہ وہم است و این طوطی نزاد انش　　نفس پرواز تقریر اند می گویند اللہی

و حال این دو شعر یکے از میرزا است و یکے موافق این مقال ہست ✢

مکیں

شادیم ز دیدار بہ پیغام تو گویا　　برخاستی از دیدہ و در گوش نشستی

شعر عاصی

عہد پیام را تو بہ یوسے شکستۂ　　برخاستی ز گوش و بہ بینی نشستۂ

پس باید فہمید کہ بہ تناسب دیدار لفظ دیدہ آوردہ اند و بہ نسبت پیام پیام گوش اگرچہ مراعات نسبت مسلم است لاکن دخل معنی درین بیت و در از فہم سخن سنجان است و شعر بندہ عاصی نیز علیٰ ہذا القیاس شاید بجہت تتبع استاد حسن قبول باید و در محاورہ استادان سلف چنانست کہ معشوق را بسر و چشم و دل جا می دہند و بگوش بینی اختراع تازہ است چنانچہ شعر حضرت سعدی علیہ الرحمۃ است ؎

گر بر سر و چشم من نشینی　　نازت بکشم کہ نازنینی

تمت

دیباچہ (۳)

رفیع ترین کلامے کہ رفعت بخش دیباچۂ سخن تواند شد حمد مبدعیست کہ بآمیزش کات وفون رنگ تکوین گوناگون کلیات و جزئیات و ممکنات را بر صفحۂ ہستی ریختہ ونہ ترجیع بند افلاک نہ گانہ و ثمن ہشت بہشت و سبعہ معلقہ ہفت آسمان و ہفت بند سبعہ سیارہ مسدس جہات ستہ و مخمس حواس خمسہ رباعی ارکان اربعہ و مثلث ارواح ثلثہ و مثنوی روز و شب و فرد بندر رتبہ آفتاب و قصیدہ کہکشاں و قطعہائے ابر و مصراع برجستہ برق بنظم آوردہ و ذات فصاحت آیات سرور انبیا سالار اصفیا مطلع نور خدا مہر سپہر مصفا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را کہ نور العرش فاتحہ مصحف نبوت و پیکر اطہر خاتمہ رسالۂ رسالت است بیت القصیدہ نبوت گردانیدہ و ذات بلا غت سمات افضل اوصیا ابو الائمہ الہدیٰ امیر المومنین علی مرتضیٰ را کہ بسم اللہ قرآن وصایت است مطلع غزل امامت ساختہ و ذوات مقدسہ باقی حضرات معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین را کہ ہر یک از ایشاں از کمال علویست در صفحۂ روزگار خود فرد بیست و شاہ بیت دیوان ایجاد بل بیت اللہ واقع است انتخاب نمودہ صلی اللہ علیہم اجمعین و علیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین بعد صریر کلک فقیر عزلت گزیں اصلح الدین بگوش اہل نیوش می رساند ایں دیوان رفیع بنیان فصاحت بیان ریختۂ خامۂ سحر پرداز از قلم نکتہ طراز ریختۂ آفتاب براعت و رسید حدیقہ بلاغت مجموع کمالات وہبی و مکتسبی مجموعۂ کلام ہندی و فارسی و عربی ذو الریاستین الفاظ و معانی موسس قوانین سخندانی یگانہ کشور الفاظ نقادہ دودمان کمال اورنگ نشین مملکت فصاحت خسرو اقلیم بلاغت

مرا نست طبع رواں بیک نام اوست رفیع　　چگونہ آب رود از نشیب سوے فراز

اعنی دقیقہ سنج نکتہ سرالملک الکلام میرزا محمد رفیع سودا رحمہ اللہ تعالی است کہ از بام ریختہ کار ریختہ گوئی کوس صاحبقرانی بنامش صدا دادہ و تسلیم فرمان کلامش بر گردن جہانیان لازم افتادہ بر سر گلزار کلام رنگینش سحاب تحسین پیوستہ ریزاں واز بر شبیہ عاشقانہ اش دود سوز و گداز متصل حیران جواہر زواہر مضامین و معانی در کان خاطرش معدن و گلہاے گوناگوں الفاظ شگفتہ و رنگین در باغ فکرش چمن چمن زبانہا از شیرینی گفتارش چاشنی گیر دیدہ ہا از مشاعرہ اشعارش سواد پذیر سوداے زلف سنبل آساے سخن وراں را طبعش در سر و سواد کار سیاہ سپاہ قلم سخنش نور افزاے بصر روانی ابروے سلسبیل ریختہ جوہر معانی تابدارش آتش رشک از دل یاقوت انگیختہ ہنگام تعریف کلام شیرینش عجب کہ لب بیان بہم بچسپد و نی خامہ نیشکر نگردد و ہر بیتش شاہ بیت دیوان فصاحت و ہر قطعہ اش بہشت بلاغت غزال غزلش را صحراے دلہا چراگاہ و مردمک مردم آگاہ را بر سر ہر شعرش مانند نقطہ انتخاب جانگاہ رباعیات بلند پایہ اش درگاہ کعبہ معنی چہار آخشیج عالم روحانی ترجیع بندش بند غم از دلہا کشودہ مثنویش از سبع مثانی ثناہا ستودہ ہر مطلعش از مطلع خورشید روشن تر و ہر مخمس از حواس خمسہ گراں بہا تر بحسن مطلعہاے عشق بایدش زیبا و زید و اسیر زنجیر زلفش مصرعہاے رعنایش تواں گردید از میوہ اش نخل قصاید عالی رتبہ اش لذت و پختگی قصاید عرفی پیدا واز رباعیات بلند پایہ اش ریزش باران معانی سحابی ہویدا ہر مطلعش خورشید مثال پر تو حسن آفتاب پرستان سخن انداختہ و ہر مصرعہ اش ہلال آسا گوشہ ابروے ناز خود را انگشت نماے نور نظرہا ساختہ بلبل شیراز قصیدہ گوے عرفی شیرازی اگر گلشن آراے ہندوستان حیات شدی بہزار زبان نغمہ سنج ہزار داستان آفریں گشتی و اگر کلیم طور سخندانی ابوطالب ہمدانی از تجلی زندگانی دوبارہ اقتباس نور کردی ید بیضای او را در سخنوری دیدی بپای تعظیم الیستادہ دست ادب بسینہ گذاشتہ

دست بوسش نموے واگر انوری وخاقانی را روِ آفتاب زندگی شدے از انوری خطاب فلک آفتاب سخنوری یافتے و خاقانی خاقان مملکت بلاغت گستریش خواندے۔

زبزمیکہ خوانِ بیاں می نہند | سخن را سخن وز وہاں می نہند
زنطمش چناں نشیاں کام کار | کہ بر نثرشاں زہرہ گردد نثار
غزلہاے از پختہ و نیم خام | غزالان رم کردہ را کردہ رام
زحرفش لبِ مطرباں بہرہ مند | سرا بندہ ازوے بہ بانگِ بلند
مناجاتیاں ذکر خوانِ دیستد | خراباتیاں خود ازان و بیند

از آنجا کہ تعریفِ حلاوتِ قندِ سخنش کہ قنادِ طبع رفیعش بقالب شعر ریختہ ریختہ در قالب بیان نمی گنجد اولی آنکہ طوطی ناطقہ شکرریز دعا سازم بختم قرآن دعا پردازم الٰہی تا دیباچۂ صبح پدید شعاع خورشید بخاتمہ شام تواند پیوست پیوستہ صبح اوراق ایں دیوان کہ گلدستہ معانی است از ظلمت شام شامت حرف گیران محفوظ باد بہ حرمت النبی وآلہ الامجاد

ے

جمع ایں اوراق باد از پریشانی مصون | ہست تا بر لوح امکان نقشِ ہستی آشکار

قصیدہ در نعت حضرت سید المرسلین خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے زنار تسبیحِ سلیمانی

ہنر پیدا کر اول ترک کیجو تب لباس اپنا
نہ ہو جوں تیغ بے جوہر وگرنہ ننگ عُریانی

فراہم زر کا کرنا باعثِ اندوہ دل ہووے
نہیں کچھ جمع سے غنچہ کو حاصل جز پریشانی

خوشامد کب کریں عالی طبیعت اہل دولت کی
نہ جھاڑی آستینِ کہکشاں شاہوں کی پیشانی

عروجِ دست ہمت کو نہیں ہے قدر بیش و کم
سدا خورشید کی جگ پر مساوی ہے زرافشانی

کرے ہے الفتِ ایام ضایع قدر مردوں کی
ہوئی جب تیغ زنگ آلودہ کم جاتی ہے پہچانی

اکیلا ہو کے رہ دنیا میں گر چاہے بہت جینا
ہوئی ہے فیض تنہائی سے عمرِ خضر طولانی

اذیت وصل میں دوئی جدائی سے ہو عاشق کو
بہت رہتا ہے نالاں فصل گل میں مرغ بستانی

موقر جان اربابِ ہنر کو بے لباسی میں
کہ ہو جو تیغ با جوہر اُسے عزت ہے عریانی

برنگِ کوہ رہ خاموش حرفِ ناسزا سُن کر
کہ تا بدگو صدائے غیب سے کھینچے پشیمانی

یہ روشن ہے برنگِ شمع ربطِ با دو آتش سے
موافق گر نہ ہووے دوست ہے وہ دشمنِ جانی

نہیں غیر از ہوا کوئی ترقی بخش آتش کا
نفس جبتک ہے، داغِ دل سے فرصت کیونکہ ہے پانی

کرے ہے دہر زینت ظالموں پر تیرہ روزی کو
کہ زیبِ ترکِ چشمِ یار سُرمہ ہے صفاہانی

طلوعِ مہر ہو پامال حسرت آسماں اوپر
لکھوں گا پھر غزل گر اس میں میں مطلعِ ثانی

مطلع ثانی

عجب ناداں ہیں جن کو ہے عجب تاجِ سلطانی
فلک بالِ ہما کو پل میں سونپے ہے مگس رانی

نہیں معلوم اُن نے خاک میں کیا کیا ملا دیکھا
کہ چشمِ نقشِ پا سے تا عدم نکلی نہ حیرانی

ہماری آہ دل نیرا نہ نرماوے تو یا قسمت
وگرنہ دیکھ آئینہ کو پتھر ہوگئے پانی

تری زلفوں سے اپنی روسیاہی کہہ نہیں سکتا
کہ ہے جمعیتِ خاطر مجھے اُن کی پریشانی

زمانہ بیں نہیں کھلتا ہے کاربستہ حیراں ہوں
گرہ غنچے کی کھولے ہے صبا کیونکر بآسانی

جنوں کے ہاتھ سے سرتا قدم کابیدہ آشنا ہوں
کہ اعضا دیدۂ زنجیر کی کرتے ہیں مژگانی

نہ رکھا جگ میں رسمِ دوستی اندوہ روزی نے
مگر زانو سے اب باقی رہا ہے ربط پیشانی

سیہ بختی میں اے سودا نہیں طولِ اَمل لازم
نمط خامہ کی سر کٹوا لے گی ایسی زباں دانی

سمجھ اے ناقباحت فہم کب تک یہ بیاں ہوگا
ادائے چین پیشانی و لطف زلف طولانی

خدا کے واسطے باز آ تو اب ملنے سے خوباں کے
نہیں ہے اُن سے ہرگز فائدہ غیر از پشیمانی

نظر رکھنے سے حاصل اُن کے چشم و زلف کے اوپر
مگر بیمار ہووے صعب یا کھینچے پریشانی

نکال اس کفر کو دل سے کہ اب وہ وقت آیا ہے
برہمن کو صنم کرتا ہے تکلیفِ مسلمانی

رہے دینِ محمد پیروی میں اُس کے جو ہووے
رہے خاکِ قدم سے اُسکی چشم عرش نورانی

ملک سجدہ نہ کرتے آدمِ خاکی کو گر اس کے
امانت دار نورِ احمدی ہوتی نہ پیشانی

اُسی کو آدم و حوا کی خلقت سے کیا پیدا
مراد الفاظ سے معنی میں تا آیاتِ قرآنی

خیالِ خلق اُس کا گر شفیع کافراں ہووے
رکھیں بخشش کے سر منت یہودی اور نصرانی

زباں پر اُس کی گذرے حرف جس جا گہ شفاعت کا
کرے واں ناز آمرزش پہ ہر اک فاسق و زانی

رکھا جب سے قدم مسند پر اُن نے شریعت کا
کرے ہے موج بحرِ معدلت تب سے یہ طغیانی

رکھا نقصان پر خس کے شرر کا ٹک ارادہ ہو
گرہ کو آگ کے دو ہیں کرے غرق آن کر پانی

موافق گر نہ کرتا عدل اُس کا آب و آتش کو
تو کوئی سنگ سے بندھتے تھے شکل لعل رمانی

یہ کیا انصاف ہے یارو کہ طیر و وحش یک جگہ میں
اس امن و عیش سے اپنی بسر اوقات لیجانی

پلے ہے آشیاں میں باز کے بچہ کبوتر کا
شباں نے گرگ کو گلہ کی سونپی ہے نگہبانی

ہما آسا ہے پرواز ملخ اوجِ سعادت پر
کرے ہے مور چڑھ کر سینۂ دو پر سلیمانی

کھلے ہے غنچۂ گل باغ میں خاطر سے بلبل کے
جواب اوراق جمعیت کو ہوتی ہے پریشانی

جہاں انصاف سے ہرگاہ اب معمور ہے اتنا
تو اُس کے آگے ہوگی عدل کی کیا کچھ فراوانی

ہزار افسوس اے دل ہم نہ تھے اسوقت دنیا میں
وگرنہ کرتی یہ آنکھیں جمال اُسکے سے نورانی

نہ ہونے سے جُدا سایہ کے اُس قامت کے پیدا ہو
قیامت ہووے گا دلچسپ وہ محبوب سبحانی

جسے یہ صورت و سیرت کرامت حق نے کی ہووے
بجا ہے کہیے ایسے کو اگر اب یوسفِ ثانی

معاذاللہ یہ کیا حرف بے موقع ہوا سرزد
جو اُس کو پھر کہوں کچھ تو ہوں مردودِ مسلمانی

کدھر اب فہم ناقص لے گیا مجھ کو نہ یہ سمجھا
کہ وہ مہر الوہیت ہے یہ ہے ماہ کنعانی

جو صورت اُس کی ہے لاریب وہ ہے صورتِ ایزد
جو معنی اُس میں ہیں بیشک وہ ہیں معنیِ ربانی

حدیثِ مَن رَآنِی دال ہے اس گفتگو اوپر
کہ دیکھا جس نے اُس کو اُنے دیکھی شکل یزدانی

غرض مشکل ہمیں ہوتی کہ پیدا کرکے ایسے کو
خدا اگر یہ نہ فرماتا نہیں کوئی مرا ثانی

بس آگے مت چل اے سوداؔ میں دیکھا فہم کو تیری
گر استغفار اس مُنہ سے اب ایسی کی ثنا خوانی

قصیدہ در نعت منقبت حضرت امیرالمومنین اسداللہ الغالب علیؓ ابن ابی طالب

چہرۂ مہروش ہے ایک سنبل مشکفام دو
حسن بتاں کے دور میں ہے سحر ایک شام دو

ہیں دو تنک شراب اور ساقی کی چشم مست
کیونکہ نہ بگڑے صحبت اب بادہ کش ایک جام دو

میرے تیرے یہ ربط ہے جیسے میان بحر موج
واقعی میں تو ایک ہیں گو کہ ہوے بنامِ دو

خوں جو کیا ہے بے گنہ تو نے میرا دل و جگر
لیویں گے تجھ سے حشر میں اپنے یہ انتقام دو

تجھ سے وفا و مہر کی دیدہ و دل کو ہے طمع
کرتے ہیں اُٹھ ہر ایک دن ملکے خیال خام دو

ابروے یار کا خیال دل میں رہے ہے روز و شب
ہووے جو تیغ آبدار کیوں نہ کرے نیام دو

فکرِ معاد اب کریں یا کہ معاش کا تلاش — زندگی اپنی ایک دم کیجیے کیونکہ کام دو
پھینکے ہے منجنیق چرخ تاک کے سنگ تفرقہ — بیٹھ کر ایک دم کہیں ہوویں جو ہمکلام دو
خورد و بزرگ دہر میں نسبتِ جام و شیشہ جاں — بادہ تو اُن میں ایک ہے گو کہ ہوے بنام دو
دل کو میان خط و زلف بیچ رکھے یہ عدل ہے — ایک یہ مرغ ناتواں جس کے لیے ہیں دام دو
کہتی ہے مجھ سے مغفرت ہووے گی خوب یہ غزل — ہمرہٗ نعت و منقبت کر اسے انصرام دو
اپنی یہ عرض اُس سے ہے کہ تو بھلا یہ کیونکر ہو — ایک زمیں ہے سنگلاخ اُس میں تو ہوویں کام دو
دے ہے جواب مجکو وہ ایک غزل تو کیا ہے یہ — ایسے کہے قصیدہ تو صبح سے لے کے شام دو
مطلع نعت و منقبت کہہ تو پھر کا ہے میری جاں — بس مجھے آ کے مانگ لے کر کے تو اب کلام دو
مثل زبان خامہ ہیں گر بنی و امام دو — معنی تو اُن میں ایک ہیں گو کہ ہوتے بنام دو
ہونے نہ دے غروب ایک پہر نماز مہر کو — ایک کرے اشارے سے قرص مہ تمام دو
جا کے انھوں کے رتبہ تک باندھے ہوئے خیال وہم — وقت مراجعت جو کوچ ایک کریں مقام دو
اُن کے طواف روضہ کو پہونچے کبھو جو جبرئیل — رکھ کے زمیں پہ ایک گام تا نہ کرے سلام دو
موسیٰ و خضر اور مسیح در پہ انھوں کے وقت طوف — ایک بنی جو چوبدار کرتے ہیں اہتمام دو
سجدہ کرے ہیں مہر و مہ در پہ انھوں کے روز و شب — مہر بن اُس سے یوں ہوا داعی ہیں غلام دو
ہوتے حکیم کس سبب معتقدِ قیامِ دہر — دیتے نہ گر زمانہ کو مل کے یہ انتظام دو
وصفِ براق و دلدل اب کہہ تو میں بیاں کروں — شرق سے تا بغرب تک جس کے تئیں ہیں گام دو
مرضی حق نہیں ہے یہ دو ہوں در اور ایک بام — ورنہ پھریں دو عرش پر ایسے ہیں خوشخرام دو
برش انھوں کے تیغ کی مجھ سے بیاں نہ ہو سکے — خامہ کی اب زباں ہوئی لکھنے سے جسکا نام دو
اُس کے خیال میں کوئی دیکھے جو اپنے آپ کو — احولوں کی طرح اُسے آوے نظر تمام دو
یاد میں اُس کے گر عدو دیکھے جو اپنے باپ کو — مائی کہے تجھے حلال ایک ہے اور حرام دو
سودا اب آگے کیا کہوں مجھ سے کہے ہے انکار کر — قطع کلام کر کے تم مدح کو اختتام دو

چاہے کبھی طبع یہ مری طول دے اس کلام کو
کہیں علی نبی سے یوں اس کا صلہ تمام دو

ہے یہ اُمید اس سے یہی یوں علی سے نبی کہیں
اوروں کو دو جو ایک جام دیجیو اسکو جام دو

یہ بھی صلہ نہیں ہے کم عرصۂ حشر میں اگر
یاد کریں جو مجھ سے کو ایسے با حترام دو

قصیدہ در منقبت شیر بیشۂ شجاعت میر میدانِ سخاوت حیدر کرّار صاحب ذو الفقار

بسان دانۂ روئیدہ ایک بار گرہ
کھلے جو کام سے میری پڑے ہزار گرہ

معتقد اتنی ہی خاطر میری کہ جاے نفس
کروں گا میں بدمِ واپسیں شمار گرہ

عجیب نہیں عوضِ اشک چشم سے میرے
چوے برنگ سحابِ تگرگ بار گرہ

نہ لٹ دھوئیں کی ہے یارب نہ زلفِ محبوباں
رکھے ہے کیوں مری خاطر کو روزگار گرہ

کھلے نہ تجھ پہ تمناے دل کی میری بات
رہی زمانہ میں ایک یہ بھی ایک بار گرہ

فلک کو پہونچے سر گرد یار مجھ دل کا
جو ساتھ آہ کے پیچش کے ہو غبار گرہ

طرح ہلال کے ہوتا ہے ناخنِ تدبیر
کشادہ کار ہمارے میں بدر وار گرہ

گیا ہے چھوڑ کے یوں دل میں عقدہ غم تیرا
کہ بند یار میں دی جاے جیسے یار گرہ

جہاں میں جو ہے گرہ اُس کو پائداری ہے
نہیں جو بستگیٔ دل کی پائدار گرہ

کھلے نہ اب جرسِ دل کے نالہ کرنے کو
ہمارے اشک کے ہے قافلہ میں بار گرہ

برنگِ شیشۂ مے وقت اشک ریزی کے
گلے سے پڑتی ہے دل تنگ یہاں ہزار گرہ

سوائے ناخن دستِ فنا مرے دل سے
کھلی نہ بحر جہاں میں حباب وار گرہ

علاجِ قتل ہے واشد کا کہ اب مری کہ نہاں
بہو تختی ہے بدم تیغ استوار گرہ

کہ در مرتبہ فصلِ بہار میں کھولی
صبا نے غنچہ کی جا سوے لالہ زار گرہ

ہزار حیف کہ یہ میری دل کے رشتہ کی
کھلی نہ اے نفسِ سرد ایک بار گرہ

غلط ہے تو جو ز ملنے میں سمجھے یہ سودا
کہ کار بستہ سے یاروں کی کھولیں بار گرہ

بغیر ناخنِ شیرِ خدا جہاں میں کوئی
کسی کے کام کی کھولیں نہ زینہار گرہ

غضب کے پنجہ سے جس کے برنگ دانۂ اشک
نہ آسمان کی ہو جائے تار تار گرہ

ثبات چرخ یہ اُس کے نہیب کے آگے
کہ جو دھوئیں کی نہیں رکھتی اعتبار گرہ

جو ضربِ گُرز کی پشتِ فلک پہ اُس کے آئے
تو کہکشاں دھوئیں ہو جائے شکل مار گرہ

جو اُس کے عدل میں خس منھ پہ موج کی آجائے
تو ہو سمٹ کے وہیں بحرِ بے کنار گرہ

کیا ہے دل میں خیال اُسکے وصف گلگوں کا
ہوئی ہے غنچہ میں اب بادِ نو بہار گرہ

ثنا میں اُس کے و لے کیونکہ اب بندھے مضمون
ہوا کو دے نہ سکے کوئی زینہار گرہ

ہر ایک اپنے موالی کے کیوں نہ خاطر سے
نہ کھولی روزِ نبرد اُس کی ذوالفقار گرہ

رکھے ہے جن کی برش آ کے کوئی چرخ پہ حکم
کہ جیسے ہیبتِ دم تیغ آب دار گرہ

لیا میں فرض کہ اتنا ہے سر عدو کا ترے
کرسکے خوف میں گردوں سے آئیں چار گرہ

پر اُس پہ تیر جو بیٹھے ترا تو یوں پھوٹے
کہ جیسے ہوتی ہے منکی کے وار پار گرہ

وغا کے روز کو جو تو اُٹھا لیوے
بیاں یہ بھالے کے سینے سے کرو جار گرہ

تو نیزہ باز کبوتر کی طرح سے ہر دم
لگی وہ کرنے ہوا پیچ یار بار گرہ

زبس رواج ترے عہد میں ہے بخشش کا
برنگ آبلۂ دل ہے یہ ناگوار گرہ

گدائے در نے ترے مہر کے تئیں زرِ سُرخ
دیا ہے کھول کے دامن سے اپنے بار گرہ

شہا میں کیا کہوں انگشت دست کے اُسکے
جنوں کی گھس گئی گنتے ہوئے شمار گرہ

کبھو نہ کھُل سکے مرضی سوا ترے تقدیر
کسی کے کام سے کھولے اگر ہزار گرہ

خصوص میں کہ مقید ہے یہ میری خاطر
کہ ہر گرہ میں ہزاروں ہیں جوں انار گرہ

بس اب بتا کہ اس اُلجھڑی کی سوا تیرے
کھلاوے کس کنے جاکر وہ خاکسار گرہ

وہ تیری ذات ہے مشکل کشا کہ جو کھولے
جہاں کے کام سے کیا لیل و کیا نہار گرہ

اُمید مجکو بھی ہے تیرے حول و قوت سے
نہ کر سکے میری خاطر میں اب قرار گرہ
کروں ہوں ختم دعائیہ پر سخن کہ ادب
زباں کو دی ہے خموشی سے شعلہ وار گرہ
موالیاں کی دلوں کی شگفتگی کے ساتھ
ہمیشہ گل کی طرح دیوے روزگار گرہ
برائے خاطرِ اعد زمانہ ہر ایک آن
طلب کیا کرے غنچوں سے مستعار گرہ

قصیدہ در منقبت حضرت امیر المومنین اسد اللہ الغالب علیؓ ابن ابی طالب

یارؔ و مہتابؔ و گلؔ و شمعؔ بہم چاروں ایک
ہیں کتاں بلبل و پروانہ یہ ہم چاروں ایک
ہے مجھے ابرو ہوا شیشۂ و جام اب کہ ہوئی
گریہ و نالۂ دل دیدۂ نم چاروں ایک
یار اگر کلبۂ احزاں میں نہ ہووے تو ہیں
خلوتِ شمع دل و داغِ الم چاروں ایک
آہ کس کس سے بچے دل کہ ہوئے ہیں تیرے
غمزۂ ناز و ادا عشوہ صنم چاروں ایک
باد تند و شرر و برق و خس و خار لے یا
جو تیری خلق ہوئی ہو کے بہم چاروں ایک
ناز اُس کو ہے جسے تجھ سے رضا و تسلیم
لطف و اشفاق ترا جور و ستم چاروں ایک
جس کے تو پاس نہ ہووے تو اُسے عالم میں
مجلس و شادی و تنہائی و غم چاروں ایک
سبزہ و ابر و ہوا گل نہ سدا ہوں یک جا
ساقیا جان ہیں یہ کوئی دم چاروں ایک
اُن کے نزدیک جو ہیں خاک نشینِ دربار
مسند و روے زمیں تخت و علم چاروں ایک
زاہد و پیر مغاں برہمن و شیخ اے یار
دل میں رکھتے ہیں ترے ہاتھ سے غم چاروں ایک
کردیا بل میں کرشمہ نے ترے آنکھوں کے
مسجد و میکدۂ و دیر و حرم چاروں ایک
خرد و ہوش دل و دین کریں ہیں پیدا
دیکھ کر یار تجھے صورتِ رم چاروں ایک
کاغذ و خامہ و تحریر و مرکب سودا
ہو کے کہتے ہیں بیک اہلِ کرم چاروں ایک
شاہ مرداں تری خلقت جو نہ ہوتی منظور
ہوتے عنصر نہ کبھو مل کے بہم چاروں ایک

دشمن و دوست بد و نیک زمانے کے بیچ
حکم رکھتے ہیں ترے بیش کرم چاروں ایک

ماہ نو پشت فلک قوس و قزح تیر شہاب
بار احساں سے ترے رکھتے ہیں خم چاروں ایک

خلق سمجھے ہے کہ ہیں نزد ترے بخشش کے
اشرفی روپیہ اور دام و درم چاروں ایک

یہ غلط فہمی ہے ہیں ورنہ تری ہمت پاس
دُرِ مکنون و خذف قطرہ و یم چاروں ایک

طبع انساں میں ترے عدل سے رکھتے ہیں اثر
حنظل و آبِ بقا شربت و سم چاروں ایک

ستم و ظلم و تعدی و جفا عالم سے
ہو کے آپس میں گئے سوے عدم چاروں ایک

آفت و قہر و بلا و غضب آفاق کے بیچ
ہو کے پوجے ہیں ترے تیغ کا دم چاروں ایک

در پئے عدل ہے اتنی جو لگے وہ دو دو پر
ناپیے ان کو تو نے بیش و نہ کم چاروں ایک

حکم رکھتے ہیں بمیدانِ سخن تیرے پاس
نیزہ و تیر قضا سیف و قلم چاروں ایک

شیر و پیل و بُز و روباہ ترے آگے سے
بھاگ جاتے ہیں ہیں دم کر کے علم چاروں ایک

رنگ عشاق ہوا برق زمانے کے بیچ
تیرے توسن کے ہوئے پل کے قدم چاروں ایک

وہم اندیشہ خیال اور وہ معشوق نژاد
رکھتے ہیں قطعہ مسافت میں بدم چاروں ایک

انوری سعدی و خاقانی و مدّاح ترا
رُتبہ شعر و سخن میں ہیں بہم چاروں ایک

ایک ڈنکا ہے اب اقلیم سخن میں ان کا
رکھتے ہیں زیر فلک طبل و علم چاروں ایک

سخن و نطق زباں اور فصاحت ان کی
سُنکے سحبان کہے یہ لا و نعم چاروں ایک

عیب میں ہو کے جو دیکھے کوئی انکے اشعار
آنکھیں اُس شخص کی اور گوش اصم چاروں ایک

جوہری ہووے جو بازار سخن کا سو کہے
قدر و قیمت میں ہیں باہم یہ رقم چاروں ایک

ہجو گر اُن کی ہو منظور کسی شاعر کو
کر جُدا ایک کو ان سے کہے ہم چاروں ایک

کر دعائیہ یہ سودا تو سخن ختم کہیں
اثر و وقت و زباں دست بہم چاروں ایک

یا الٰہی طرب و جشن و نشاط و ممدوح
رہیں آفاق میں تا حشر کے دم چاروں ایک

در منقبت امیرالمومنین اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب صلواۃ اللہ علیہ

زخمی ہیں ترا اور گلستاں ہے برابر
ہر خرمنِ گُل گنجِ شہیداں ہے برابر

کہتے ہیں جسے سروِ سو گلشن کی ہے وہ آہ
نرگس لبِ جو دیدۂ گریاں ہے برابر

فریاد کناں بلبل و دیوار چمن میں
جو رخنہ ہے سو چاک گریباں ہے برابر

ہے سینۂ تفسیدہ ہر اک تختۂ گلزار
جو غنچہ ہے سو وہ دلِ سوزاں ہے برابر

سوزِ دلِ عشاق تماشا جو ہو تجھ کون
یہ سینہ پُر از داغِ چراغاں سے برابر

دریا مری آنکھوں سے یہ بہتا ہے لہو کا
مژگاں سے مرے پنجۂ مژگاں ہے برابر

آنسو نہ ٹپکے تجھ سے کبھو ہیرے کہ تجھ پاس
لختِ دل و گلبرگ بداماں ہے برابر

یکساں ہے وجود و عدم انساں کا ترے پاس
یاں سر بہ تن عاشق و بہتاں ہے برابر

خونریزی میں ترکوں سے ترے چشم میں ہمسر
خنجر سے انکھوں کی صفِ مژگاں ہے برابر

آنکھوں سے مروّت تری اور دل سے ترے رحم
قسمت ہے یہ اپنی کہ گریزاں ہے برابر

پردے میں جو ہے تیرا اجل یار سو اس کے
تیرِ نگہِ دیدنِ پنہاں سے برابر

حیراں ہوں ترے سامنے کس طرح میں ٹھہرا
جانے میں ترے آگے دل و جاں ہے برابر

کیا دردِ بیاں تجھ سے کروں میں کہ ترے پاس
میرا سخن اور کذبِ رقیباں ہے برابر

سنتا ہی نہیں بات مری تو جو سُنے بھی
وہ بات بھر اور طائرِ پرّاں ہے برابر

تونے وہ کہا کیا کہ جسے میں نے نہ مانا
یاں حکمِ قضا اور ترا فرماں ہے برابر

دلداری تجھے کرنے کسو کی نہیں آتی
تو سب کے دل و جان کا خواہاں ہے برابر

ظالم میں نواحی ہیں ترے گھر کے جو دیکھا
ہر سمت صفِ گورِ غریباں ہے برابر

ندا ای ہے جو خواجہ ترے میں کبھی ہو حاضر
یہ زندگی اور روح کا سوہاں ہے برابر

آزاد منش مجھ سے کہ اے یار شب و روز ‏ دل مرغِ گرفتار کے نالاں ہے برابر

لے شام سے اور صبح تلک صبح سے تا شام ‏ اشک آنکھوں سے میرے در غلطاں ہے برابر

رہتی ہے تپِ غم یہ سدا مجکو کہ میری ‏ آہ و سحر و شمع شبستاں ہے برابر

اعضا مرے جس طرح سے جلتے ہیں کہوں کیا ‏ وہ سوزش و آتش یہ نیستاں ہے برابر

عزت کی کہوں اپنی سو کاہے کو کسی کی ‏ عزت ترے در کی سگ و درباں ہے برابر

کیا درد کہے سامنے تیرے کوئی اپنا ‏ یاں زخم دہان و لبِ خنداں ہے برابر

فریاد کروں کس سے کہ روداری کی تیرے ‏ کہنے کے لیے گبر و مسلماں ہے برابر

نالش کروں اب واں کہ جہاں حق بطرف ہیں ‏ مور و ملخ و دیو سلیماں ہے برابر

وہ ختم رسالت نہیں جس کا کوئی ہمتا ‏ اور ہے بھی جو کوئی شہِ مرداں ہے برابر

ہے علم الٰہی سے وہ امی لقب آگہ ‏ واں عقلِ کل و طفل دبستاں ہے برابر

دونوں کا نہیں امر کم از امر الٰہی ‏ دونوں کی حدیث آیۂ قرآں ہے برابر

یک قطرہ جو ہو ابر سے رحمت کے انھوں کے ‏ وہ نار سقر کے لیے طوفاں ہے برابر

ہے وزن مساوی انھوں میں حلم خدا کا ‏ خالق کے وہ دو پلۂ میزاں ہے برابر

اس حرف میں جو شبہہ رکھے ہو کے مسلماں ‏ اُس شخص کا الحاد سے ایماں ہے برابر

سودا بدوئی بول مت آگے کہ نبی سے ‏ اس مرتبہ وہ اشرف الانساں ہے برابر

جس طرح تجلی کو خدا کے نہیں انکار ‏ حیدر بھی محمد سے بدنییاں ہے برابر

اے خامہ چل اب جلد مدینے سے بجف کو ‏ منظور سعادت ہے تو یاں واں ہے برابر

شاہا درِ درگاہ کا تیرے جو ہے قندیل ‏ کب جلوے سے اُس کے مہِ تاباں ہے برابر

جو خاک ہوا در پہ ترے خاک کا اُسکے ‏ جو ذرہ ہے سو مہرِ درخشاں ہے برابر

ناقہ ترے مشتاق زیارت کا بہ رفتار ‏ صرصر یہ سحر کے یہ بیاباں ہے برابر

واں مرتبہ رکھتا ہے جرس خضر کے دل کا ‏ داؤد کے رتبہ سے ہدے خواں ہے برابر

جو صاحب تحقیق ہیں ان سے نہیں مخفی ۔۔۔ چشم اُس کے میں تو ظاہر و پنہاں ہے برابر
یا زہر کی اور زہر کی شاہا نہ نباتات ۔۔۔ جوں پرورشِ موسم باراں ہے برابر
تیرا بھی اسی طرح سے خلقت میں خدا کے ۔۔۔ ہم دشمن و ہم دوست پہ احساں ہے برابر
لنگر جو تیرے حلم کا جاری ہو زمیں پر ۔۔۔ پانی پہ زمیں کشتیِ طوفاں سے ہے برابر
بیشہ میں عدالت کے ترے گرگ سے تاثیر ۔۔۔ گلّہ کی نگہبانی کو چوپاں ہے برابر
ہر خاک میں ذرّہ کے صبا عہد میں تیرے ۔۔۔ گلشن میں ترشّح کے نگہباں ہے برابر
شاہا تو وہ عادل ہے کہ شمشیر سے تیرے ۔۔۔ دو حصّہ عدو ہو تو میزان سے برابر
جوں مہر ترے رخشِ فلک سیر کے آگے ۔۔۔ ہندو عربستان و صفاہاں ہے برابر
تو راز الٰہی ہے کروں کیا تری تقریر ۔۔۔ گو منہ میں تو یاں ابرِ دُرافشاں ہے برابر
شایاں ہے ترے وصف کے قرآں کی فصاحت ۔۔۔ یاں اُس کے سوا طوطیِ سحباں ہے برابر
جس جا چمنِ وصف نے گل تیرے کیا ہے ۔۔۔ سوسن کی زباں سے یہ زباندان ہے برابر
سودا بدعا ختم کرے ہے اسے شاہا ۔۔۔ تجھ مدح میں یہ نظم بہاریاں ہے برابر
یارب یہ سدا گوش زد اپنے ہو کہ باہم ۔۔۔ دل دوستوں کا خرّم و شاداں ہے برابر
کہتے پھریں دشمن کہ تپِ غم سے ہمارا ۔۔۔ آتشکدہ و سینۂ سوزاں ہے برابر

در منقبت امیر المومنین اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب صلواۃ اللہ علیہ

اٹھ گیا بہمن و دے کا چمنستاں سے عمل ۔۔۔ تیغ اُردی نے کیا ملک خزاں مستاصل
سجدۂ شکر میں ہے شاخ ثمردار ہر ایک ۔۔۔ دیکھ کر باغِ جہاں میں کرم عزّ و جل
قوت نامیہ لیتی ہے نباتات کا عرض ۔۔۔ ڈال سے پات تلک پھول سے لے کر تا پھل
واسطے خلعتِ نوروز کے ہر باغ کے بیچ ۔۔۔ آپ جو قطع لگے کرنے روش پر مخمل

بخشتی ہے گلِ نورستہ کی رنگ آمیزی
بو شش چھیٹ قلمکار بہر دشت و جبل

عکس گلبن یہ زمیں پر ہے کہ جس کے آگے
کار نقاشی مانی ہے دم وہ اوّل

تار بارش میں پروتے ہیں گہر ہائے تگرگ
ہار پہنانے کو اشجار کے ہر سو بادل

یار سے آب رواں عکس ہجوم گل کے
لوٹے ہے سبزہ پہ از بسکہ ہوا ہے بیکل

شاخ میں گل کی نزاکت یہ بہم پہونچی ہر
شمع شاں گرمیِ نظارہ سے جاتی ہے پگھل

جوش روئیدگی خاک سے کچھ دور نہیں
شاخ میں گاڑ زمیں کے بھی جو پھوٹے کونپل

دم عیسیٰ سے نزول فیض ہوا ہے یاں تک
دیں میں قسم بادات سے شاید ہو خلل

فکر رہتی ہے مجھے یہ کہ زباں سے اپنے
کہیں دعوائے خدائی نہ کریں لات و ہبل

حد ایام کی بس از مدد نامیہ سے
بچۂ مرغ چمن تخم سے آتا ہے نکل

سبز ہوتا ہے فصیحی کے سبب سے ہر بار
جو زباں سے سخن اب طوطی کے آتا ہے نکل

دست گل خوردہ و شاخ گل و گلزار بہم
بجہاں نشو و نما کرنے میں ہیں ضرب مثل

غنچہ پہ کچھ نہیں موقوف عجب فصل ہے یہ
گل بہم پہونچے ہے عقدہ ہو کسی طرح کا حل

آوے ہے ان کے نظر لاکھ طرح کا وہ پھول
اُن گلوں چھیٹ جو نگہ کے ہیں سدا مستعمل

یاسمن رنگ جو رکھتی ہے سمن سے مانا
چاہتی ہے بسماجت کرے سبزے سے بدل

چشم نرگس کی بصارت کی زبس ہے درپے
غنچۂ لالہ نے سُرمہ سے بھری ہے مکحل

اس قدر محو تماشا ہے کہ نرگس کی طرح
چشم بیمار گلستاں ہیں جھپکتی نہیں پل

آبجو گرد چمن لمعۂ خورشید سے ہے
خطِ گلزار کے صفحہ پہ طلائی جدول

سایۂ برگ ہے اس لطف سے ہر اک گل پر
ساغر لعل میں جوں کیجیے زمرّد کو حل

سنگ نے رتبۂ آئینہ کیا ہے پیدا
تیغ کہسار ہوئی بسکہ ہوا سے صیقل

برگ برگ چمن ایسی ہی صفا رکھتا ہے
گل کو دیکھو تو نگہ جائے ہے بلبل پہ پھسل

لڑکھڑاتی ہوئی پھرتی ہے خیاباں میں نسیم
پانوں رکھتی ہے صبا صحن میں گلشن کے سنبھل

اتنی ہے کثرتِ لغزش بہ زمینِ باغ — جو ثمر شاخ سے اُترا سو گرا سر کے بل
فیض تاثیر ہوا یہ ہے کہ اب حنظل سے — شہد ٹپکے جو لگے نشترِ زنبورِ عسل
دانہ جس شور زمیں سے نہ پھلا دہقاں سے — سبز واں دانۂ شبنم سے ہوا ہے جنگل
گشت کرتے ہیں ہر ایک تخم سے از فیضِ ہوا — گرتے گرتے بزمیں برگ و بر آتا ہے نکل
سبز فام ان دنوں آتا ہے نظر ہر گرو — خواہ ہو شیخ پسر خواہ ہو فرزندِ مغل
جوہری کو چمنستانِ جہاں میں اس فصل — آ گیا لعل و زمرّد کے پرکھنے میں خلل
تا کجا شرح کروں میں کہ بقولِ عرفی — اخگر از فیضِ ہوا سبز شود در منقل
نسبت اس فصل کو پر کیا ہے سخن سے میرے — ہے فضا اُس کے تو دو چار ہی دن میں فیصل
اور میرا سخن آفاق میں تا یومِ قیام — رہے گا سبز بہر مجمع و ہر یک دنگل
تا ابد طرزِ سخن کی ہے مری رنگینی — جلوۂ رنگِ چمن جاویگا اک آن میں ڈھل
نام تلخی نہیں مجھ نطق میں جز شیرینی — یک طرف نار گلستاں میں ہے یکسو حنظل
ہیں برومند سخنور مرے ہر مصرع سے — مصرعہ اسرو سے پایا ہے کسی نے بھی پھل
ہو جہاں کے شعرا کا ۔ مرے آگے سرسبز — نہ قصیدہ نہ مخمس نہ رباعی نہ غزل
ہے مجھے فیضِ سخن اُس کے ہی مدّاحی کا — ذات پر جس کے ہیں مبرہن کنۂ عزّ و جل
مہر سے جس کے منوّر ہے یہ دل جوں خورشید — رو سیہ کینے سے جس کے رہے مانندِ زحل
بغض جس کا کرے ہے مورِ سلیماں کو ضعیف — مور کو حب سے ملے جس کے یلوں کا سا بل
جائے وصلت یہ ہے جسکو کہ نہ دے غیر از عرش — فرش گلزارِ زمیں حق نے سمجھ مستعمل
شیرِ یزداں شہِ مرداں علی عالی قدر — وصیِ ختمِ رسل اور امامِ اوّل
خاکِ نعلین کی جس کی مدد طالع سے — پہونچے اس شخص کو جو شخص ہو اعمائے ازل
وہ نظر آئے اُسے دہر کی بینائی سے — رہ گیا اور رہے گا جو ابد تک اوجھل
مدح غائب سے کھلے اس کے نہ مدّاح کا دل — روبرو مطلعِ ثانی سے یہ ہو عقدہ حل

دید تیرا بدوئی حق سے نگہ کا ہے خلل
ایک شے دو نظر آتی ہے بچشمِ احول

تیری قدرت بجہاں قدرتِ حق کے خاطر
خلق کے وہم غلط کار میں ٹھہرے ہے مثل

مرضیٔ حق تری مرضی سے ہے جوں جوہرِ فرد
اس یقیں میں نہ گماں کر سکے زنہار خلل

علم تیرا نہیں کچھ علمِ خدا سے باہر
ہے عمل بھی وہی تیرا جو خدا کا ہے عمل

راے تیری کے موافق جو نہ لکھے نسخہ
کرے تاثیر نہ عیسیٰ کا مداوا یہ کسل

سر کے پیکان نہ قبضے سے کماں کے سرِ مو
ہو اشارہ جو ترا تیرِ قضا کو کہ نہ چل

ٹک تری مرضی سے باہر جو کرے کام جہاں
ہاتھ سے کام زمانے کے وہیں جائے بچل

یعنی جب علتِ غائی جو نہ ہو تو اُن کا
خانۂ ہر دو جہاں پھر ہوں وہ بیتِ مہمل

سایہ میں دستِ کرم کے ترے ہر صبح و مسا
دولتِ ہر دو جہاں سے ہو غنی عبدِ اقل

دین و دنیا کی ہے اشیا سے کہیں وہ اعلیٰ
ہووے جو شے ترے اشیا میں سبھوں سے اسفل

جو گدا ہے بجہاں تیرے گدا کے در کا
اُس کی درگاہ گدا کہیے جسے اہلِ دول

ایسی بخشش نہ ہوئی تجھ سے کہ جسکی بشمار
حدِ تعداد ہے جتنی نہ ہوئی ہو فیصل

وصف تجھ تیغِ دوسر کا میں کروں کیا شہِ دیں
دل محبّوں کی جو میداں میں کرے ہے صیقل

اُس کے قبضہ پہ جو ہو دستِ مبارک تیرا
نہ رہیں دینِ محمدؐ کے سوا اور ملل

کھینچ اُسے گر تو عدو پر کرے میداں میں نہیب
استقامت کا زمانے کے نکل جائے قدم

عرض میں سے دو طرف ہو کے لگے بہنے طول
پڑے دریا میں جو وہ تفرقہ اندازِ دگل

جمع کب رہ سکیں اعدا کے حواسِ خمسہ
دیکھ کر اُس کو علم ہاتھ میں تیرے یک پل

توام اجزا جو موالید کے ہیں یک دیگر
منجمد رہنے میں اُنکے وہیں آ جائے خلل

نرم اور سخت مساوی ہے کسو پر آوے
خواہ پر روے قزد خواہ وہ بر پشتِ جہل

اُس کو آسیب نہیں صورتِ شمشیرِ قضا
نہ جھڑے وہ نہ مرے وہ نہ پڑے اُس میں بل

زیرِ راں ہے جو ترے رخشِ فلک سیرِ شہا
ہے وہ محبوب جسے کہیے نہایت اچپل

شکل کیا اُس کی بتاؤں کہ جسے شوخی سے
دائرہ بیچ تصور کے نہیں پڑتی کل

اُس کی سر چوٹی کا میں حسن کہوں کیا جسکے
زلف معشوق کا دیکھے سے نکل جاوے بل

نرغہ و کام سے باہر ہے کچھ اس کی رفتار
ہے چھلاوے کی طرح چال میں اُس کے چھل بل

یکہ وہ ہاتھ سے شاطر کے اگر ہو جاوے
پڑ سکے پیچھے نہ اُس کے کوئی جز اُس کے کفل

جست و خیز اُس کی بیاں کیجیے گر پیش حکیم
اعتقاداتِ حکیمانہ میں آجائے خلل

قاش ہے زین کے ذرہ جو اچک جائے عناں
مارے جو روے زمیں پشت فلک کو وہ کھنڈل

میخ سے نعل کے اُسکے ہیں اگر دوں تشبیہ
کرے دوری کو تمام اپنے بیک آن زحل

اُس کی جلدی کا تو کیا ذکر ہے سبحان اللہ
نسبت اُس کی فرس ایسا کہ جسے کہیے اجل

توسنِ وہم کو دوڑائیے ساتھ اُسکے تو ہو
باز گشت اُس کا تمام اُس کے بگام اول

خانۂ زیں کب اُس کا ہے کم از بیت اللہ
تجھ سے معنی کی نشست اُسمیں بجز جیب زر اول

ہیبتِ عدل یہ تیری ہے کہ ہر دشت میں شیر
واسطے دردِ سر آہو کے گھسے ہے صندل

سامنے بز کے یہ کیا دخل کہ نکلے آواز
گرگ کے پوست کو مندھوا کے بجائیں جو دہل

موردِ سنگ ہو شیشہ تو غضب سے کردے
کوہ کو ہرد و کفِ دست میں مل کر خردل

ذکر و اذکار ترے حفظ کا گر آجاوے
کسی محفل میں بہ تقریب زباں پر یکپل

شعلۂ شمع کی گرمی سے یقیں ہے دل پر
شب سے تا صبح قیامت نہ سکے موم پگل

معدلت کیش تری ذات ہے ایسی شاہا
آنچ سے آگ کے تنک خس میں جو آجاوے بل

کرۂ نار بجھ آتش سے غضب کے جل کر
چشم بولی کہ فلک کے لیے ہووے کاجل

مرغ زرّینِ فلک عہد میں تیرے شاید
بوجھ کر دانہ گیا ہے کسی اختر کو نگل

تار تار اُس کے جو یہ بال و پر آتے ہیں نظر
باز قدرت نے ترے پنجہ سے ڈالا ہے مسل

امر سے نہی کے تیرے بجہاں یا شہِ دیں
کام پہونچا ہے منادی کا بھی یاں تک بذل

کہ حیا سے بچمن غنچہ سر اپنا کیا دخل
نسبتِ شکل صراحی سے اٹھا دے یکبل

جب سے گل بولتے بلبل نے قماری کو سنا — عشق گل تب سے دھویا کرتی ہے دل سے ملل

جوش میں آوے یہ کیا معنی بجم لائے شراب — چشمہ سے ہیں یہ ڈروں ہوش سکے آپ ابل

رقص بے دخل کچھ اب روی زمیں پرہی نہیں — پیچھے لولی فلک کے بھی نہ باجے متڈل

کیونکہ آواز مغنی ہو گئے سے باہر — شرم سے ساز کے پردے میں سدا ہے اوجھل

امر حق سے جو ملائک نے یہ چاہا سو نہیں — علم کا یار ترے کوہ و فلک کو بہ ازل

عرض دونوں نے کیا یوں بجناب اقدس — بوجھ اسمیں ہے بہت ہم ہیں گرفتار کسل

آخرش تجھ کو ہے پایا متحمل اس کا — جب یہ دیکھا کہ کسی سے نہیں سکتا ہے سنبھل

دشت ارزاں میں جو غلاں کو ملے تجھ سے نجات — کچھ ترے وصف سے نسبت نہیں رکھتا یہ عمل

گرا سے کرکے بیاں سمجھوں ثنا کی میں نے — خلق سمجھے گی دماغ اس کا ہوا ہے مختل

جبھ سا کوئی بھی در کا اسداللہ کی ہے — کلمۂ شیر کو روبہ کہے نہ سمجھے بشکل

مجرم گنہ جو تیرا ہو کرے تیری مدح — سو تو جز علم خدا علم ہے سب کا مہمل

وصف تیری کی ہے شایان زبان تیری ہے — سمجھے تو آپ کو یا تجھ کو خداوند اجل

مدح اپنی نہ سمجھ یہ جو کیا میں اس سے — رتبہ تجھ مدح کا اعلیٰ ہے سخن سے اسفل

عرض احوال ہے اپنا ہی مجھے اس سے غرض — تا بآخر جو یہ موزوں میں کیا از اول

سو تو وہ کیا ہے رہا ہووے جو تجھ سے مخفی — سادہ لوحی پہ مرے کیجیے یہ نظم حمل

سب کا احوال ترے پیش ضمیر روشن — ایک سے دونوں میں کیا ماضی و کیا مستقبل

پر کروں کیا میں کہ ہے آٹھ پہر دل میرا — گردش چرخ سے جوں شیشۂ ساعت بیکل

نہ تو روزانہ مجھے اس سے خورش کا آرام — نہ میری چشم میں خواب اس سے شبانہ یک پل

کہی جاتی نہیں وہ مجھ سے جو اس ظالم نے — جس طرح کے مری اوقات میں ڈالے ہیں خلل

لا بٹھایا مجھے گھر بار چھڑا لشکر میں — پال بے چوب تلے اپنے تغیر از پرنل

اس ستم گار سے جب زور مرا کچھ نہ چلا — تب میں ناچار کہی شکوہ میں اسکی یہ غزل

داد کو کس کے فلک پہونچے کہ از روزِ ازل　　صبح کو نکلے ہے خورشید تو لے کر مشعل
سامنے اُس کے اُٹھے دستِ تظلم اُس کا　　جوہرِ عقل میں جس شخص کے آجائے خلل
خود یہ ظالم ہے تظلم یہ کرے کس کے نظر　　آسیا کب کرے فریاد پہ دانہ کو بہل
راست کیشوں سے کجی اتنی ہے اس ملعوں کو　　کہہ دیا سرو کو اُن نے نہ کبھو پھول پھل
سات یہ فتنہ ہیں کہتے ہیں جسے ہفت فلک　　ایک سے ایک بڑا ایک کے ایک زیرِ بغل
میں جو دیکھا نہ کہ از نخلِ حیاتِ انساں　　بر لے آوے عمل اُس کا کبھو امید و امل
ہے کہیں مہر کہیں کیں جو اُسے عالم سے　　علم اُس کا ہے عجب عقدۂ لاینحل
اس ستمگر کے تلوّن سے یہ عالم ہرگز　　شادی و غم میں نہ دیکھا ہیں تفاوت اک پل
سینہ کوٹے ہے نکلتی ہے وہ دروازے پر　　گر کسی گھر میں کوئی جائے بجاتا ہے دہل
حلقہ مارے یہ وہ افعی ہے محیطِ عالم　　زہر کا جس کے نہیں ہے کوئی یا زہر بدل
فی الحقیقت میں یہ سب آبلہ اختر نہ سمجھ　　اس کے اندام پہ مہتاب سے لے تا بہ زحل
زہرا اپنے کو جو میت سے ترے یا حیدر　　آپ پیتا ہی گیا ہے بدن اُس کا سب پھل
کر کے دریافت اس احوال کو اب یا مولیٰ　　تجھ سے یوں عرض کرے ہے یہ ترا عبد اقل
یہ نہ کر مجھ پہ گوارا کہ گزند اس کے سے　　ہند کی خاک میں اجزاے بدن جاویں گل
جلد پہونچا بزمینِ نجف اس عاصی کو　　کہ اسے عمر ابد ہے وہ جو واں آے اجل
یاں معاش اپنی نہ سمجھوں ہوں نہ میں اپنی معاد　　اخذ و جر میں ہوں بد و نیک سے یا مکر و دغل
تجھ سے جز راستی کیا عرض کیا جاتا ہے　　علم میرا نہ یہ علم اور عمل ہے یہ عمل
مجھ کو کچھ عذر نہیں اس میں ترا ہوں میں غلام　　خواہ تعزیر کر اب اس پہ مجھے خواہ بہل
مدعا اتنی عرایض کا مرے ہے یہ عرض　　سر فرو ہو نہ مرا یاں بدرِ اہلِ دول
میری قسمت کے موافق تو معین کر دے　　اپنی سرکار سے واں ما یتحلل کا بدل
ہاتھ پھیلائیے جا زیرِ فلک کس کے حضور　　دست ہمت نظر آتا ہے جہاں کا بہ بغل

لیکن اس امر میں ہے حق بطرف خلقت کے
کر کے جب دیدۂ قسمت سے سبھوں کے اوجھل

جوہرِ جود و کرم تھا جو بزورِ تقسیم
لکھ گیا ہو جو ترے نام سے منشیِ ازل

طاقتِ طولِ سخن آگے بھی تک سودا کے
بخش اے قوتِ بازوئے نبیِ مرسل

چاہتا ہے کرے آخر وہ دعائیہ پر
نظم تجھ مدح کی بہتر ز کلامِ اوّل

برگ پیدا کرے تا باغ میں ہر ایک نہال
پھوٹے تا نامیہ سے شاخِ شجر میں کونپل

تا ملے خلعتِ نوروز بہ بستانِ جہاں
پاوے تا تیرِ اعظم شرف از برجِ حمل

خوشۂ روئیدگی خاک سے تا پہونچے بہم
دانہ کو جیب تئیں کھینچا کرے خرمن سے نمل

تا کرے سبزہ بر خسارِ گل اندام نمود
تا پڑے سنبلِ پیچیدۂ محبوب میں بل

تا رہے داغ دلِ سوختۂ عاشق کو
پھولتا لالۂ خودرو رہے جب تک یہ جبل

بحر میں قطرۂ نیساں سے ہو جب تک گوہر
کڑکے تا وقتِ ترشح کے ہوا میں بادل

لبِ معشوق کو تا شہرہ دیں شاعر بہ شفا
چشمِ نرگس کے تئیں تا کریں نسبت بہ کسل

بوئے گل مست کرے باغ میں تا بلبل کو
تا کرے بادِ سحر عقدے کو غنچہ کے حل

موج ہو آب کی تا سرو کے پا میں زنجیر
جب تلک طوق رہے گردنِ قمری کا محل

تا لبِ جو پہ کرے خیمہ کو استادہ حباب
تا بچھاوے بروش سبزۂ فرشِ مخمل

شاخ کے ہاتھ میں تا ہو یہ چمن ساغرِ گل
گل کے جیب تک رہے تا غنچہ کے صراحی بہ بغل

تا بہ میخانہ پئیں بادۂ گلگوں مے خوار
ساتھ مطرب کے بجے تا دف و نے چنگ و دہل

پھرے تا باغ میں ہر ایک روش پہ سرخوش
راہ چلتے میں قدم مست کا تا جاوے پھسل

مہ کے پرتو سے ہو تا چاک گریبانِ کتاں
گل سے خورشید سے تا عشق رکھے دانۂ تل

قدر ہو عود کی تا مجمرِ آتش سے فزوں
لطف بو تا دہے عالم میں بچوبِ صندل

تا مسمّیٰ رہے یہ نظم بباب الجنّت
جب تلک اس سے برآوے مری اُمید و اُمل

نخلِ اُمید سے اپنے ہوں برومند محب
ہو محبت نہ تری جن کو نہ پاوے وہ پھل

در مناقب حضرت امیر المومنین امام المتقین علی ابن ابی طالب صلواۃ اللہ علیہ

سنگ کو اپنے لیے کرتا ہے پانی آسماں
منہ پہ لاوے آرسی تا عیب روئے مردماں

مستعد اتنا ہے یہ افعی گزند خلق پر
پیچ اُس کے چال کا دیکھو تو ہے شکلِ دہاں

خوان پر اس روسیہ کے مت سمجھ تاروں کی نقل
چمکیں ہیں تودے میں خاکستر کے یہ چنگاریاں

ختم اُس پر ہو چکی بدخلقی و بدخصلتی
پھر نہ آیا اُس کے گھر اس کا گیا جو میہماں

کام عالم کا بسانِ جو ہے تصویر اُس کے ہاتھ
بند رہتا ہے بہ معنی گو بصورت ہو رواں

کھولتا ہرگز نہیں ہے کارِ بستہ سے گرہ
تا نہ باندھا چاہے محکم کر اُسے یہ بدگماں

تنگیِ اوقات کرتا ہے نصیبِ حسن و لطف
غنچۂ گل اس سبب سے رنگ و بو کا ہے مکاں

ناتواں کو دے توانائی اگر اُس کی مدد
خار ہو جاویں دو ہیں زنجیر پائے رہرواں

دیکھ ٹک احوال عنقا کا کہ اس ظالم کے ہاتھ
نام پیدا گر کرے کوئی تو مٹتا ہے نشاں

در پئے رنج و تعب رہتا ہے اہل دور کے
دُکھ دہندوں کی ہوا خواہی میں دی ہے اپنی جاں

پا برہنہ دربدر مجکو پھراوے دھوپ میں
خار کے سر پر کرے دامانِ گل کا سائباں

میل کھینچے دیدۂ بینا میں یہ باریک عقل
پُر کرے کحل الجواہر لے کے سرمہ چشم داں

ابر دریا بار کو برساوے دستِ یاس پر
خشک رکھے مزرعِ امید ہر پیر و جواں

ہنس کو موتی چگاتا ہے سدا یہ بے تمیز
پوست کھینچے ہے ہما کا دیکھے مشتِ استخواں

رشتہ کے خاطر کرے سوراخ گوہر کا جگر
بہر سودِ ناکساں اس سے کساں کا ہے زیاں

گر اسے منظور ہوتی کسی کی پرورش
فائدہ اس کو نہیں کچھ بلکہ ہے نقصانِ جاں

چشمِ مطلب ہووے روشن دیکھ کر قصاب کو
فربہی سے بز اگر ہو جاوے مثلِ پہلواں

دور میں اس روسیہ کے اب بجز بخل و حسد
دوستی کا تو نہیں ہرگز کہیں نام و نشاں

نورِ مہ پر شمع کے دیکھے تو جلتا ہے پتنگ
دشمنی معشوق عاشق تک ہے اتنی درمیاں

ہاتھ سے خست سے اسکے جگ میں پیش خاص و عام
حال روشن دل کرے اب مطلعِ ثانی بیاں

ماہ کے خاطر مقرر وقت شب ہے ایک ناں
پھر جو یہ چاہے سدا ساری وہ ہووے سو کہاں

ایک لبِ ناں کے لیے حیران ہوتے شہر شہر
مثلِ ماہِ نو پڑے پھرتے ہیں عالی ہمتاں

کیا کروں اسکی طبیعت کے تلوّن کو میں نقل
کیا کروں نیرنگیِ گردش کا اسکے میں بیاں

اُن کے اوجِ حسب کو پہونچے نہ مجہول النسب
خاکِ ذلّت پر گریں پل میں فلاں بنِ فلاں

چتر ہوتا کاسۂ فقر اکثر آتا ہے نظر
بارہا تختہ پہ دیکھا صاحبِ تختِ رواں

تا کجا کہیے غرض اس سفلہ رو کے مزاج
یک و تیرہ بر نہیں گا ہے چنیں گہے چناں

پس جو ایسا ہو سُن اے دل تو نہ کیجے اُس کا ذکر
آشنا کر اب غزل خوانی سے تو اپنی زباں

گر شمیمِ زلف کا تیرے چمن میں ہو بیاں
نکہتِ گل سے پریشاں ہو دماغِ بلبلاں

طوطیِ تصویر اُس کی روبرو کرتی ہے نطق
محوِ دیدار کا تیرے ہوا آئینہ ساں

مشربِ عشاق پر تنہا نہیں ہے دست برد
ناز نے تیرے کیا پامال زہدِ زاہداں

عشوہ کرتا ہے ترا جو کچھ جہاں کے سر پہ آب
چاہیے ہو تربیت اُس سے جفائے آسماں

جس سے پوچھوں ہوں تو کیوں لاتا ہے سو کہتا ہے تو
ہاتھ سے ان کافروں کے جنکا ہے نام بتاں

دل مرا دُکھیا رہا ہے کاسۂ چینی کی طرح
سو برابر ٹھیس لگتی ہے تو کرتا ہوں فغاں

نازِ معشوقاں جو دیکھو جور گردوں سے ہے زیاد
ہے عجب احوال دنیا میں کوئی جاوے کہاں

منہ کرو جیدھر کو تو ہوتی ہے آفت روبرو
جس طرف جاؤں تو ہے درپے بلائے ناگہاں

اب کہیں عالم میں اے سوداؔ نظر آتا نہیں
جُز پناہ اُس آستاں کے موضعِ امن و اماں

جس کا پایہ قدر ایسا ہے کہ دیکھے ہیں جیسے
تھام کر دستار اپنی عرش کے باشندگاں

کرسی اُس گھر کی جو کچھ رکھے ہے قدر و منزلت
دیدۂ تحقیق میں یہ عرش کا پایہ کہاں

سطح پر اُسکے ملک پھرتے ہیں با ذوقِ تمام
صحن میں کرتا ہے روح القدس مجرا جاکے داں

اُس کے قندیل و چراغ آگے یہ خورشیدِ فلک — جوں چراغِ مضطرب یک قمقمہ کے درمیاں

شعلہ کوہِ طور سے کیا کم ہے اس دودمنہ کی شمع — دونوں آپس میں ہیں گویا خلقتِ یک دودماں

عالمِ لاہوت ہو اس کی نگہ کا سیرگاہ — دیویں جس اعمیٰ کو گردِ اُسکے سے کر یک سرمہ داں

ہے عنایات وکرم کا مبدعِ عالم میں وہ — دستِ فیضِ جودِ اُسکے سقف کا ہے نردباں

ملتجی اُس در پہ ہر یک صبح محتاج و غنی — ملتمس ہر شام درباں سے گدا و خسرواں

کیا بتاؤں ہے جو کچھ اس کی کتابہ کو شرف — جس کو سمجھے وہم رشکِ سرنوشتِ مرسلاں

کھولے یکساں ناخن سے وہ کارِ دو عالم کی گرہ — معجزہ محراب سے اس در سے ہوتا ہے عیاں

ایک دن پوچھا مرے دل نے یہ پیرِ عقل سے — کس مکیں سے یہ شرف رکھتا ہے کہہ تو وہ مکاں

یہ کہا سُن کر معاذ اللہ اے ناداں خموش — کیوں کٹایا چاہتا ہے خلق سے میری زباں

مطلق اس معانی سے آگاہی نہیں میرے تئیں — مجھ پہ اس تحقیق پر مت رکھ یقیں بلکہ گماں

واقفِ اسرار اُس کا کون چھٹ اسرارِ حق — راز کا اُس کے نہیں جز رازِ حق کے رازداں

لیکن اتنا تجھ سے کہتا ہوں اگر ہے تجکو ہوش — سُن کے یہ کرلے اسی سے اپنی تو خاطر نشاں

کعبہ کو بت خانہ سے ہرگز نہ کرنا کوئی فرق — گر نہ ہوتا اُس کا واں پائے تولّد درمیاں

یہ سخن نکلا زباں سے جوہیں پیرِ عقل کے — سُنتے ہی اس حرف کے دل نے کہا اس سے کہاں

پس یداللہ بیشک ولاریب بازوے نبیؐ — قوتِ ہر یک ضعیف و طاقتِ ہر ناتواں

گوہرِ بحرِ حقیقت لعلِ کانِ معرفت — نورِ مہرِ لامکاں چشم و چراغِ قدسیاں

اُس کے شمعِ رائے سے روشن ہو جس جاگہ چراغ — عقلِ کل گرد اُس کے بال افشاں پھرے پروانہ ساں

اُس کے چشمِ فہم کے آگے سدا اپنے تئیں — ہے دو عالم میں جو کچھ مخفی سو رکھتا ہے عیاں

گر حقیقت کے چلے پردے کی سمت اُسکی نگاہ — نکلے ہے اودھر سے استقبال کو رازِ نہاں

بار جب کرتے ہیں بخشش اُس کے سائل کے لیے — اس قدر رہتا ہے تب طولِ قطارِ بختیاں

قصد جانے کا کیا چاہے اگر اُس طول کے — اس سرے سے اُس سرے تک پیکِ ہم مردماں

اس قدر ماندہ ہو پہونچے اُس کے گر عشرِ عشیر
تا ابد چاہیے کہ اودھر سے پھرے طاقت کہاں

لا چکی ہووے عمل میں وہ منہیاتِ خلق
حکم اُس کا بازگشت اُسکے پہ گر ہووے رواں

کان کے پردے تلک پہونچی ہوئی صورت غنا
پھر کے اُودھر سے چلی سوے دہانِ مطرباں

کھینچ کر اپنی شرائیں سے شرابِ خورد کو
دانۂ انگور کے شیشہ میں گردیں میکشاں

اس کے حفظِ عدل میں ہے کس توانا کی مجال
دیکھ سکتا ہو حقارت سے جو سوئے ناتواں

بند و بست ایسا ہے عالم میں کہ تارِ عنکبوت
کر گدن کے واسطے رکھتا ہے حکمِ ریسماں

اس قدر رکھتی ہے صولت اُس کی شمشیر دو سر
گر صفِ اعدا میں جا کر کیجیے اُس کا بیاں

ڈال دیں رو ہین تن اُس ہنگام میداں میں سپر
مو سے باریک اپنی گردن کو بتاویں سرکشاں

کب ہو جلادِ فلک میں اُس گھڑی یارائے نطق
اس کو لاگے چاٹنے لکنت کرے منھ میں زباں

انگلیاں اُڑ جاویں دم پر اُس کے دستِ قسم کی
آبداری اُس کی گر کیجیے قیاساً امتحاں

کس میں یہ قدرت جو کوئی منہ میں اُسکے آسکے
آشنا ہووے گر اُس کے عکس سے آبِ رواں

دھار پانی کی وہ ہیں لپٹے زمیں کے قعر کو
کاٹ کر اودھر کو نکلے پردۂ نہ آسماں

صورِ اسرافیل سے کچھ کم نہیں اُس کا نیام
نکلے وہ اُسمیں سے تو شورِ قیامت ہو عیاں

جتنی ہے جمعیتِ افلاک ہووے منتشر
تاب کیا باہم رہیں اجزاے ارضی تو اماں

کیا بتاؤں جسقدر اس کی برش کا ہے صفا
کیا کروں میں زور بازو اپنے مولا کا بیاں

روزِ میداں سامنے آوے گر اُس تن کا عدو
گوئے نہ گردوں سا جسکے سر کا ہووے استخواں

جب کمر سے کھینچ کر مارے وہ اُس کے فرق پر
مو سے سر سے تا ناخنِ پا تک نہ ٹھہرے درمیاں

ہے غرض جوہر تو یہ اُس کا جو کچھ تم نے سنا
شکل و نام اُس کا بتاؤں کیا تھکیں اے دوستاں

ہے دو انگشتِ قضائی مبرم اعدا کے لیے
ذوالفقار اُس کے تئیں کہتے ہیں لیکن مردماں

اس کے توسن کا جو پوچھا خامے سے وصفِ جمال
بڑھ کے یہ مطلع کہا معذور ہوں اے مہرباں

حسن و لطف آشفتگی کا جسکے کالوت کا بیاں
باغ میں سوسن نہیں کر سکتی با چندیں زباں

دیں خراج آنکھوں کو جس کے چشم خوبانِ عرب　　باج دیویں بال دوم کو زلف و جعدِ مہوشاں
اُس کے پٹھے کو سمجھ کر قہقہہ کہتی ہے خلق　　کیا یہ چرتا ہے بجائے کاہ کشتِ زعفراں
خوش کمر اتنا کہ جوں پیوستہ ابرو میں ہے خال　　جائے زیں ہے یہ گریبان وکفل کے درمیاں
خوش بدن از بسکہ ہو جوں اخترِ چرخِ کبود　　جلد کے نیچے سے ہر قطرہ لہو کا ہے عیاں
نقش سُم جس دشت پر اُسکے ہو جست و خیز کا　　دیں غزالانِ حرم تک نعل بندی آکے واں
گرم ہووے وہ پری پیکر تو اُس کا حسن و لُطف　　دیکھیے سو جانے سُنے سے کس کے ہو خاطر نشاں
ہر گلِ رنگِ حنا پر یوں عرق دے ہے بہار　　لالہ زار اوپر ہو شبنم جس طرح گوہر فشاں
ہے چلادے ہیں یہ اُس گلگوں کے دم داری کا لطف　　جون پون بہنے سے لہراتا ہو سروِ بوستاں
جب قدم رکھتا ہے وہ محبوب تب ہر گام پر　　صدقے کرنے ہیں خرامِ ناز اپنا دلبراں
ٹک وچک جاوے عناں اسمیں جو قاش زین سے　　اس طرح اُڑ جائے جوں چہرے سے رنگِ عاشقاں
گر صفِ اعدا پہ سیدھا ہو تو جوں تیرِ تفنگ　　ڈانٹیے اُس کو تو پہونچے پیش از آوازِ واں
پر غلط ہے یہ کوئی اُس کو ڈھٹاوے کس جگہ　　صفحۂ روئے زمیں کا اس قدر عرصہ کہاں
ہو اگر یہ شرق میں اور سامنے ہو اُسکے غرب　　ٹک اُسے راکب کہے اتنا ہی منھ سے بسکہ ہاں
پہونچنے پاوے ہوا ہے ہاں جو منھ سے تا بلب　　پہونچے ہے یہ بادِ پیمایاں سے واں اور وانسے یاں
پس جو ایسا ہو تو کر سکتا ہے کوئی اُسکا وصف　　جز درود اُس کی ثنا میں کیا کہے میری زباں
سُن چکا سودا زباں سے میرے اُس مرکب کا وصف　　اُس کے راکب کے ثنا و مدح اور تیسرا دہاں
ہے کروڑوں کو بس شعر و شاعری سے اُسکی مدح　　دیکھیو کرتا ہے اب زورِ طبیعت امتحاں
مرتبہ ہے جس جگہ اُس کا خیالِ عقلِ کُل　　پہونچنے کا قصد واں رکھے تو ڈھونڈھے نردباں
وہ جنابِ عالی ایسا ہے کہ جس کی مدح میں　　ہو سکے آدم کی خلقت سے کوئی رطب اللساں
اِنَّمَا کی آیہ نازل ہونے سے پیدا ہے یہ　　مدح میں اُس کے ہے خلاقِ زمین و آسماں
یہ سخن سُن کر کہا میں نے کہ یاں تک اے قلم　　دور عقل و ہوش سے ہے یہ تیرے مت کر گماں

ہے یہ میرا ہی خیال ایدھر کہ میں کرتا ہوں مدح — مور سے ہیہات کب وصفِ سلیماں ہو بیاں
ہے غرض اس نظم سے اتنی کہ تا کچھ کیجیے — عرض اپنے حال کا نزدِ شہِ ہر دو جہاں
یا ولی اللہ ہے مجھ پر تیقّن گرچہ یہ — ہے وہ کیا مخفی جہاں میں جو نہیں تجھ پر عیاں
لیکن از بس جورِ گردوں نے کیا ہے مجکو تنگ — مضطرب ہو کر میں اپنا حال کرتا ہوں بیاں
آفتِ نو گر بہم پہونچے کسی کے ہاتھ سے — بھیجتا ہے اُس کو یہ مجھ پر برائے امتحاں
خانۂ چشمِ خلائق سے اُٹھا کر خواب کو — میں جہاں طالع میرے اُس گھر میں دیتا ہے مکاں
ہر کسی کے بھیجے ہے اوجِ سعادت کے لیے — مژدہ دینے کہہ ہما کو میرے مشتِ استخواں
گلشنِ امید سے لے کر نسیمِ صبح دم — دے چراغ بخت کو میرے ہمیشہ ارمغاں
گوش زد میرے نہ کی اُن نے کبھو آوازِ خوش — جب سے میں نے آکے دیکھا ہے جہاں کا گلستاں
بانگ جغد دہشت کر دیتا ہے اُس کا انقلاب — شمع تک پہونچے اگر میری نوائے بلبلاں
کب تلک بے امتیازی کیجے اس ملعوں کا ذکر — تا کجا اُس کے جفا و جور سے کیجے بیاں
ڈالتا ہوں جس طرف بنیاد اپنے گھر کی میں — اُس طرف کرتا ہے یہ سیلِ خرابی کو رواں
گرچہ ہوں بے خانماں اُس کی عداوت سے ولے — خوش ہوں میں دو رنج در کا ہے نہ فکرِ پاسباں
پر مجھے ہے دغدغہ اتنا کہ یہ ظالم کہیں — سرزمینِ ہند کو سونپے نہ میرے استخواں
اے شہِ دنیا و دیں تجھ سے ہے میرا اک سوال — مطلعِ پنجم سے ہے اس نظم میں جس کا بیاں
تجھ ہمم سے نفع کو پہونچے زمین و آسماں — مہر و مہ لیں سیم و زر اور لعل و گوہر بحر و کاں
کچھ عنایات و کرم سے اپنے مجکو بھی دلا — لیکن اس داد و ستد کی شرط ہے یہ درمیاں
خواہشِ دل کے موافق اپنے جو چاہوں سو دل — ورنہ جو ہمّت ہے تیری کیا کروں اسکا بیاں
مانگے جو زیرے کا دانہ پا دے وہ کرماں کا ملک — چاہیے جو طوطی کا پر اُس کو ملے ہندوستاں
ایسی بخشش کی کہیں عہدے سے برآتا ہوں میں — تیری ہمّت کے موافق لاؤں تو میں رکھوں کہاں
ہاں مگر یوں ہو کہ تیرا پنجۂ معجز طراز — ایک مٹھی ہیچ کر دیوے مجھے دونوں جہاں

اور بعد از مرگ ہو یا شاہِ دیں مشتِ عبیر — واسطے جیب و کفن کی تیرے خاکِ آستاں
پر مرا مطلب تو یہ کچھ ہے کہ تیرے در سوا — سر فرو لاؤں نہ میں پیشِ در نواب وخاں
اس سوا اور کیا تمنا ہے کروں میں جسکو عرض — چیز کیا ہے مایۂ دنیا یہ پیشِ عاقلاں
کر تو سوداؔ اب قصیدہ کو دعائیہ پہ ختم — گو خطاب اس کو دیا ہے تونے بحرِ بیکراں
تاکہ ہیئت کو زمانے کی ہے یا مولا قرار — منجمد جب تک ہے اجزائے زمین و آسماں

دوستوں کو تیرے نت اوجِ سعادت ہو نصیب
خاکِ ذلت میں رہیں یکساں ہمیشہ دشمناں

قصیدہ در منقبت گل گلزار نما نور دیدۂ رسولِ خدا سرور سینۂ علی مرتضیٰ ابا عبداللہ الحسین صلواۃ اللہ علیہ

سوائے خاک نہ کھینچوں گا منتِ دستار — کہ سر نوشت لکھی ہے مری بخطِ غبار
چمن زمانہ کا شبنم سے بھی رہے محروم — اگر نہ روئے مرے روزگار پر شبِ تار
کروں ہوں تیز میں دندانِ اشتہا ہر صبح — زمانہ سنگِ ملامت سے توڑتا ہے نہار
عجب نہیں ہے کہ جاتے رہے بوئے دنیا سے — زبس خوشی نے مرے دل سے اب کیا ہی کنار
شراب خون جگر ہے مجھے گزک دل خویش — صدائے نالۂ دل ہے مجھے ترانۂ یار
رہے نہ شیشۂ صحبت کے بیچ کیفیت — نت اٹھ کہ سنگ سے اس سر کا توڑتا ہی خمار
زمانہ دل کو مرے اور عہد یار کو اب — شکست سے نہیں دیتا ہے ایک آن قرار
زبسکہ دل ہے مکدر مرا زمانہ سے — بجائے اشک میں آنکھوں سے پونچھتا ہوں غبار
کہاں تنک وہ کرے روزگار کا شکوہ — کہ جس کے بخت کی سوگند کھائیے ہے ادبار
دلا تو اپنے غمِ دل کو اب غنیمت جان — بدل خوشی سے اسے دور میں نہ کر زنہار
کسو ہی سے غمِ دل یوں نہ لے گیا دوراں — کہ شادی؟ مرگ کیا ہو نہ اس کو آخر کار

جو گوش ہوش تو رکھتا ہے تو برابر ہے
صدائے نغمۂ داؤد نالۂ دلِ زار

تو سادہ لوحی سے اے دل جہان کے کج فہم
کرے ہے راستی اپنی سے بر زباں گفتار

میں حرف حق کو سنا ہے زبانیٔ منصور
کہ راست گو کو زمانہ میں کھینچتے ہیں دار

عجیب نہیں ہے کہ ابلیس اس سبب مخفی
کہ ہو جیے گا عبث مردمِ جہاں سے دوچار

شبِ گزشتہ نپٹ درد سے میں تھا بیتاب
گذر گیا چمنِ فکر کی طرف ناچار

سُنی میں ایک غزل بلبلِ طبیعت سے
کہ لخت دل گرے آنکھوں سے اب ہزار ہزار

نہ پوچھ مجھ سے کدھر ہے خزاں کہاں ہے بہار
کہ بلبلِ قفسی کو ہے گُل سے کیا سروکار

عجب نہیں ہے کہ بادِ سموم ہو جاوے
نسیم گر کرے یکدم مرے چمن سے گذار

نہیں ہے شادیِ بےغم چمن میں دنیا کے
کہ گُل ہنسے ہے گریبان پیرہن کو پھاڑ

کہاں بہار کہاں ساقی اور کہاں ہے شراب
کہاں مغنّی و مطرب کدھر ہے ناخن و تار

فلک کے ہاتھ سے اتنی بھی دار ہے رہیے
کہ خوب روئیے دل کھول کر پکار پکار

شکستگی سے مجھے دل کے یوں ہوا معلوم
فلک نے گوشۂ خاطر کو بھی کیا مسمار

پڑا پھرے ہے اسی فکر میں سدا ظالم
کسو طرح سے کسو دل کو دیجیے آزار

رکھے ہے مجھ سے خصوصاً عداوتِ قلبی
خیال خام کو یوں دے کے اپنے دل میں قرار

کہ خاک کر کے اسے ہند میں بناؤں گا
چراغ بتکدۂ وحشت خانۂ خمار

کدھر خیال کو اب لے گیا ہے یہ بے مغز
زبس بھرا ہے سر اُس کا ہوائے کج رفتار

دکھاؤں گا اسے اب مرد یوں کریں ہیں عزم
مشیتِ ازلی بھی جو ہو وے ہم سے برار

تو روسیاہ کر اس ہند کا کوئی دن میں
اُسی دیار کے گلیوں کا ہو جیے گا غبار

جہاں کی خاک کو ہے یہ شرف عجب کیا ہے
کہ فخر عرش ہے گر ہووے اُسکے قربِ جوار

جہاں کے مرگ کو کہتا ہے خضر عمرِ ابد
خدا نصیب کرے مجکو زندگی یکبار

جو کچھ کہ مجھ سے سُنے صدق سے تو باور کر
محمدی ہے سے فرنگی ہو جو کرے انکار

خدا نخواستہ اگر آسماں کی گردش سے | قضا طبیب ہوئی گر مسیح ہو بیمار
فلک سے اس کو ملائک کے آگے واں ہوویں | جیب اُس دیار کے جاروب کش سے منت دار
اگر وہ خاک دے اُس کی شفا کی تربت سے | قضا قضا ہی کرے ٹک اگر کرے تکرار
ہے اس قدر وہ زمیں نور سے ہے مالامال | کہ جس کی رات کے آگے نہیں ہے دن کو قرار
اسی ہی غم سے جہاں میں ظہور کرتی صبح | ہمیشہ پنجۂ خورشید سے گریباں تار

ہوا کے وصف میں اُس جا کے گر لکھوں میں غزل
مرا سخن رہے سرسبز تا بروزِ شمار

زبس ہوا کو تراوت نے واں کیا ہے نثار | شرار سنگ میں ہے رشک دانہ ہائے انار
گر اُس طرف کبھی ہو جاوے صبا چمن کی طرف | نہ ہو سوائے زمرد و عقیق واں زنہار
جو نخل خشک کی تصویر کھینچے واں نقاش | ہر ایک شاخ دو ہیں سبز ہو کے لاوے بار
عجب نہیں ہے کہ ہوں اس ہوا سے دانۂ سبز | اگر زمیں پہ گرے ٹوٹ سبحۂ و زنّار
غرض میں کیا کہوں یارو چمن میں قدرت کے | عجیب ہے لطف کی اُس قطعۂ زمیں پہ بہار
یقین دل کو اگر ساکنانِ جنّت سے | جو کوئی سیر کرے اُس دیار کا گلزار
زبس تماشے سے آنکھوں کو واں ہو سیری | پلک کو موندنا نرگس کی طرح ہو دشوار
انھوں کی نظروں میں ہوگی بہشت کی کیا قدر | جنھیں ہے مسکن و ماوا کے واسطے وہ دیار
بہشت عرض کریں یہ جناب اقدس میں | عجب نہیں کہ اسی شرم سے بروزِ شمار
جو کربلا کے ہیں ساکن انھوں کو یہ امر | سوائے عرش نہ کھینچیے کسی طرف کو گذار
تری تو ذات پہ روشن ہے جزو کل کا خیال | بھلا ہے پردے ہی میں رکھیے جنّتوں کا وقار
غرض کہ دیکھ کر اس جا کے مرتبہ کے تئیں | لگا زمین سے کرنے فلک یہ استفسار
خبر دے اس کی مجھے اے زمیں کہ تجھ میں سے | ہوا ہے کس لیے اُس خاک کو یہ عزّ و وقار
دیا جواب زمیں نے کہ اے فلک ہیہات | نہ دیجو مجھ سے تناسب اسے تو دیگر بار

نہیں ہے خاک وہ ہے آبروے آبحیات
نہیں وہ خاک ہے کحل الجواہر الابصار

اگر نہ چشمِ کواکب کو پہونچے اُس میں سے
نہ کر سکے شبِ تاریک بیچ تو رفتار

مجھے ہے نسبت اب اُس خاک سے کہاں جسمیں
ابوتراب کے فرزند نے کیا ہو قرار

امام مشرق و مغرب شہِ زمین و زمن
رموز دان خداوند لجۂ اسرار

زہے امام کہ جز خاک در سے یہ جس کے
قبول ہو نہ کبھو سجدۂ نماز گذار

اگر نہ ہو قلمِ صنع ہاتھ میں اُس کے
تو لوح دفترِ قدرت میں فرد ہو بیکار

مہندسانِ قضا اپنے ہندسوں سے اگر
سوائے مشورت اُسکے جسے لکھیں یکبار

عجب نہیں ہے کہ نکلے نہ تا دمِ محشر
زبان خامہ سے کچھ لفظ غیر استفسار

خدانخواستہ دیوے چہار عنصر میں
گر اُس کی رائے بدلنا طبیعتوں کا قرار

ابھی فنا کرے منفذ ہوا کا ذرۂ خاک
نہ چھوڑے پانی کا قطرہ جہاں میں ایک شرار

گر اُس کا حکم اُٹھاوے جہاں سے رشتۂ کفر
مجال کیا جو سلیمانی میں رہے زنّار

یقین تو جان کہ میزانِ عدل میں اُسکے
ہوا ہے دانۂ خردل برابرِ کہسار

اُسی کے عدل میں ہے یہ کہ چیونٹے کے حضور
مجال کیا ہے کہ دم مارے اژدرِ خونخوار

شکوہ خیمہ کا اُس کے بیاں کروں لیکن
کہاں خیال کو ہے پہونچنے کا واں تک بار

کہ جس کی دیکھ کے رفعت فلک ہے چکر میں
اُسی کے بوجھ سے ہے صفحۂ زمیں کو قرار

نہیں ستارہ ہیں یہ بلکہ لوٹتا ہے گا
اسی حسد سے انگاروں پہ چرخ لیل و نہار

کرے ہے عرش اُسے اپنی جبہہ پر صندل
گر اُس کے فرش کا جاروب سے اُٹھے ہے غبار

کمیت خامہ نے اب اُس کے وصف گلگوں میں
کیا ہے صفحۂ کاغذ کو تختۂ گلزار

چمن میں صنع کے جس کے سبک روی آگے
کبھو نہ ایک قدم چل سکی نسیم بہار

غرض وہ گرم عناں ہو کے جب چمکتا ہے
نہیں پہونچتی ہے برق اُسکے گرد کو زنہار

بیان جلدی کا اُس کے کہاں تلک میں کروں
ملک کو جس کے سواری کا عزم ہو دشوار

چڑھا بُراق کے راکب نے دوش پر اپنے
سکھائی جس کو سواری وہی ہوا سپہ سوار

اُمیدوار ہوں غیبت سے اب بلا مجکو
حضور یا خلف الصدق حیدرِ کرار

رکھے ہے اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
عدم میں کفر سدا یاد کر تری تلوار

مقابلہ سے کماں کے ترے عدو تیرا
کبھو نہ بندھ سکے روزِ نبرد کرکے قرار

جہاں نہ پہونچے ہے تیرے خیال کا پیکاں
کرے ہے واں سے گذر تیرے تیر کا سوفار

ترے دیار کے چیونٹے کے زور سے شاہا
کہاں زباں کو ہے طاقت جو کیجیے گفتار

امورِ سلطنت اُس کے بغیر مرضی کے
جو ہوویں لاکھ سلیماں نہ کر سکیں زنہار

نمط حباب کے قالب تہی کریں دریا
گریں جو آن پہ ترے آتشِ غضب سے شرار

بیان حلم کا تیرے میں کیا کروں ہیہات
تو ہے گواہ جو کچھ تجھ پہ ہو چکا ہموار

کریں ہیں تہ ورقِ آسمان کو تاہی
شہا اگر تری بخشش کا کیجیے طومار

بھرا زبس شکمِ حرص جود نے تیرے
نہیں اب اُس کے تئیں دردِ امتلا سے قرار

گہر نہ ہوں جو ترے ابرِ فیض کے آگے
کرے نہ گر عرقِ انفعال ابرِ بہار

نگاہِ فیض تری کیمیا اثر اتنی
اگر وہ ہو کرۂ خاک کی طرف یک بار

نہ نکلے کان سے فولاد تا ابد ہرگز
عجب نہیں ہے بغیر از طلائے دشت افشار

شہا ہمیشہ ترے بندگانِ عالی کے
جناب میں یہی سودا رکھے ہے عرض چہار

چہار عرض سے اب عرض اولیں یہ ہے
کہ ہند بیچ پریشاں نہ ہو یہ مشتِ غبار

صفِ نعال میں اپنے بلاکے دے جاگہ
کہ نورِ معرفت اُس کے تئیں ہو شمع قرار

سوائے خاک درِ اپنے سے اُس کو یا مولا
دُوُم ہے یہ تو کسی در سے اب نہ دے سروکار

سِوُم اگرچہ سراپا ہے جو ہر ذاتی
ولے ہمیشہ تہی دست ہے برنگِ چنار

چہارم آنکہ ہمہ دوستاں بہر دو جہاں
قبول ہو دیں بحقِ ائمۂ اطہار

رہے فلک پہ مہ و مہر جب تلک قائم
ہمیشہ دیکھے اسی طرح چشم لیل و نہار

موالیاں کے قدم سے لگا رہے اقبال
جُدا نہ ہو سرِ اعدا سے چنگلِ ادبار

قصیدہ در منقبت قرۃ العیون الحسنین اعنی حضرت امام کاظمین صلوات اللہ علیہ

ہے پرورش سخن کی مجھے اپنی جاں تلک — جوں شمع زندگانی ہے مجھے اپنی جاں تلک
خاموشی آئینہ کی کہے حال روے خلق — روشن دلوں کا کام نہ پہونچے زباں تلک
ہے ظالموں کو سختیِ دوراں مدد کہ تیغ — کاٹے دو چند پہونچے جو سنگ فساں تلک
بے ماتم اس چمن میں نہیں خندۂ طرب — ہے کسوتِ کبود گلِ زعفراں تلک
افتادگاں نہ لیں مددِ غیر بہر اوج — سایہ کو احتیاج نہیں نردباں تلک
گرداب تک پہونچ کے شناور ہوئے ہیں غرق — ٹک رہ ادب سے آن کے سرگشتگاں تلک
سیدھوں سے منحرف ہو سو اپنا ہے وہ عدو — بہکا جو راستے سے گیا رہزناں تلک
کیا اُس کی قدر ہو جو سپاہی نہ ہو نجیب — شمشیر نا اصیل کی قیمت کہاں تلک
لافِ سپہ گری نہ کہے مردِ راست باز — پاوے نہ راہ حرف زبانِ سناں تلک
پابوس پر کسو کے نہ پیدا کریں غرور — پہونچاوے یہ سخن کوئی گردنشاں تلک
رکھیں وہ ایک شب تو سرِ شمع پر نگاہ — پہونچے ہے تا سحر دہنِ شمع داں تلک
بارِ گراں تلے ہے سبک روح روز و شب — تن کا اُٹھانے بھرنا ہے موقوف جاں تلک
رہتی ہے پاک طبع بزرگوں کی زنگ سے — کیا کام کوہ تیغ کو صیقل گراں تلک
راحت اُنھیں کہاں ہے جنھیں شوکت و شکوہ — بھرتے ہی دیکھتا ہوں سدا آسماں تلک
گر بن کجی ہو راستی دنیا میں پیش رفت — وابستہ ہو نہ تیر کا چلنا کماں تلک
سختی سے گذری اہل سعادت کی بابِ معاش — ہے منحصر غذاے ہماں آسماں تلک

ہرچند گریہ عشق میں نقصان چشم ہے
لیکن یہ سمجھے ناصح ناداں یہاں تلک

آتش بلند ہووے تو غیر از تلاش آب
ہووے غرض کسو کو نہ سود و زیاں تلک

تنہا نہ سبز ہو یہ قصیدہ ہے جوں چمن
ایسی غزل کہوں کہ پڑھیں بلبلاں تلک

کیفیتِ بہار ہے گلشن یہاں تلک
بلبل سے مست ہوگئے اب باغباں تلک

صحنِ چمن میں پھرتے ہیں مستی سے لوٹتے
لیکر ہوا کی موج سے آبِ رواں تلک

نشو و نمائے سبزۂ و ریحان و یاسمن
ہے طعنہ زن نمود خطِ گل رُخاں تلک

سوسن پہ اس نمک سے ہے شبنم کہ جوں عرق
آتا ہے عارضِ بُتِ ہندوستاں تلک

ساقی اُٹھا لے شیشہ و ساغر کو لا بیاض
ٹک اس غزل کو پڑھتے چلیں گلستاں تلک

آیا نہ ایک گُل کبھو اس بوستاں تلک
جس کی بہار پہونچی نہ ہووے خزاں تلک

وہ مرغ ناتواں ہوں کہ صحنِ چمن سے میں
بے نرد باں پہونچ نہ سکوں آشیاں تلک

کیفیت اپنی سے میں لگوں ہوں پتا نکے ہاتھ
ورنہ پہونچے ساغرِ مے لباں تلک

روشن ہو اک چراغ سے جوں نخل شمع داں
پہونچا ہے داغ دل کا مرے استخواں تلک

میٹھا لگے ہے منھ کو مرے زہر دشمنی
پہونچے ہے شہد دوستیِ امتحاں تلک

مشکل بہت ہے امر قناعت جہاں کے بیچ
لیکر زمیں سے چرخ کے باشندگاں تلک

ہم نے زیادہ تا شبِ ہفتم سے ماہ کو
قانع نہ رہتے دیکھا کبھو نیم جاں تلک

تھا محو رات کنج قناعت میں فکر شعر
ناگہ طمع کے حرص نے جنبش دی یاں تلک

گذرا وہیں یہ دل میں کہ اس فن کی راہ سے
جا پہنچوں میں اگر کسی نواب خاں تلک

تو چند بیت مدح میں اُس کے قصیدہ طور
ایسی ہی کہہ لاؤں قلم کی زباں تلک

تا ہو یقیں کہ صفحۂ ہستی سے اُسکا نام
اُٹھے کسو ہی طرح نہ دورِ جہاں تلک

چھوڑوں نہ اس کنے کچھ اس ابیات کا صلا
لی کھود کر زمیں کو کنجِ نہاں تلک

القصہ گذر رہی تھی مجھے شب اس خیال میں
ناگاہ پیر عقل نے آ اُس مکاں تلک

ایسا ہی مارا ایک تمانچا کہ تا ہنوز
پہونچی ہے رنگ چہرۂ گل ارغواں تلک

کہنے لگا وہ مجھ سے کہ سودا ہزار حیف
آگاہ میں نے تجھ کو نہ سمجھا تھا یاں تلک

یہ قصد ہو ترا کہ میں لے کر بیاض ہاتھ
پہونچا کروں گا ہر در و ہر درباں تلک

بہر فلاح دامنِ ہمت نہ چھوڑیے
تنگی سے گر ہو چاک گریبان جاں تلک

عزت کی گر ہو گوشۂ دامن پہ نیم ناں
دستار خوان گو نہ بچھے یاں سے واں تلک

روزی کو مضطرب نہ ہو ٹک آئینہ کو دیکھ
نان آبرو سے پہونچے ہے روشنداں تلک

پس فرض کیا کیا ہے کہ اشعار مرتبہ دار
لے جا کے تو پڑھا کرے اُن ناکساں تلک

جو نخوت و غرور سے تحسین کے محل
ابرو سوا سخن کو نہ لاویں زباں تلک

نزدیک جن کے ہے وہ بڑا صاحبِ کمال
منصب کی جس کے رتبہ ہو فیل و نشاں تلک

گر بو علی سلام کرے آن کر اُنھیں
سینہ ہی پر وہ ہاتھ رکھیں ہیں جہاں تلک

چاہیں کہ ہمکلام ہوں اُس سے تو یہ کہیں
پہونچے ہے تیرا سلسلہ کس خانداں تلک

آدم تک اُن کے پاس غرض آدمی نہیں
پہونچا دے تا نسب کو نہ شایستہ خاں تلک

سودا تو ان کی مدح کرے گا کہ جز دروغ
یک حرف راست دل سے نہ پہونچے زباں تلک

حیراں ہوں میں کہ شل نگیں بہر نامِ غیر
اپنا تو رو سیاہ کرے گا کہاں تلک

دیکھے قلم کو مدح میں ایسوں کو سرنگوں
سجدہ کریں ہیں جن کو زمین و زماں تلک

کرتے ہیں جن کے امر سے عالم میں زندگی
لے کر کے جن و انس سے کرّوبیاں تلک

گر ہو نہ اُن کے پرتوئے حفظ کے تلے
پہونچے نہ خضر زندگیِ جاوداں تلک

روضہ میں جن کے حلقۂ چشمِ ملک سوا
پہونچا نہ پائے شمع کبھو شمعداں تلک

خاکِ مزار ان کی سدا بہر توتیا
پہونچی ہے روم و شام سے لے اصفہاں تلک

لیکن انھوں کے دیدۂ اعدا کے واسطے
آتش سوا نہ میل گئی سرمہ داں تلک

ہنگام طوف بسکہ ملائک تمنّاً
لیتے ہیں خاک آن کے اس آستاں تلک

خادم کہیں ہیں وانکے منھ آپس میں دیکھ یہ — پہونچے ہے کوئی دن کو زمیں آسماں تلک

از بس اب ان کے عدل سے معمور ہے جہاں — پہونچا ہے کار خلق اس امن و اماں تلک

بچّہ جو گوسپند کا گم ہو تو گرگ و شیر — پہونچیں نہ ہم مباد کسی کے گماں تلک

رہنے کو جگ میں صورتِ افسوس کے تئیں — احکام خرّمی نے کیا منع یاں تلک

انگشت چوسنے کے تئیں طفل شیر خوار — ممکن نہیں کہ لا سکے اپنے دہاں تلک

جب سے ہوئی ہے گلشنِ دنیا میں یہ بہار — کچھ کام بلبلوں کو نہیں ہے فغاں تلک

گلچیں کی کیا مجال جو توڑے چمن میں پھول — صورت سے گل کے لرزے ہے بادِ خزاں تلک

ہرگز نہیں اس عہد مبارک میں یہ مجال — پہونچے کسی کا زور کسی ناتواں تلک

قوت سے ان کے عدل کے اب زیر آسماں — ناطاقتی ہے آفتِ ارضی کو یاں تلک

مارِ سیہ سے لیتے ہیں وہ کام ان دنوں — وابستہ جانتے ہیں جسے ریسماں تلک

کب ان کے ابلقوں کی ثنا مجھ سے ہو سکے ق — میں کیا کہوں کہ جلدی ہے اُنمیں کہاں تلک

باندھے انھوں کے پانوٗں سے گر مہر و ماہ کو — تو روز و شب کے پھرنے میں سرعت ہو یاں تلک

پھر نوبتِ شمار مہ و سال زیرِ چرخ — آوے نہ اُن کو ہیں یہ مجسم جہاں تلک

ہیبت کی ان کی تیغ کا میں کیا کروں بیاں — کاٹا ہے کوہ کفر کو اب جن نے یاں تلک

ہذیان خواب میں جو پڑھے پوتھی برہمن — کلمہ جگا کے اُس کو پڑھا دیں یہاں تلک

پس جو کوئی کہ ایسے ہوں ان کا حضور چھوڑ — ہذیان بکنے جائے تو نواب و خاں تلک

جس وقت یہ سخن دہنِ پیر عقل کے — پہونچا گہر کی طرح مرے گوش جاں تلک

آیا یہ دل میں جاؤں میں کیا لے کے بہر نذر — کب دسترس مجھے ہے کسی ارمغاں تلک

ناگہ انھیں کے ذرّۂ خورشید فضل نے — پہونچا دیا یہ مطلع انور زباں تلک

موقوف تھا ظہور خدا تم پہ یاں تلک — جوں بن حروف معنی نہ آویں زباں تلک

جاگہ جو کفش کن کے لیے حق نے دی تمھیں — رخصت خیال عرش نے پایا وہاں تلک

جس جا کہ مرغ قدر تمھارا ہے بال زن — جبریل کا نہ وہم گیا اُس مکاں تلک
محراب نقش پا کے تمھاری ہے جس جگہ — وہ سرزمین پہونچی ہے اس عرش شاں تلک
سجدہ گر اُس طرف کرے ابلیس ایک بار — بخشش کو پھر نہ کام رہے این و آں تلک
بے مرضیِ شریف قضا گر کرے کچھ امر — جاری کسو طرح نہ ہو اُس کی زباں تلک
ذرّہ ہو گر رسائی کا مانع تمھارا امر — پہونچے نہ نور مہر کبھو خاکداں تلک
شوکت کا بارگاہ تمھاری کا اب بیاں — کیا ہو سکے ہے مجھ سے کروں میں کہاں تلک
انجم تگرگ وار زمیں پر ٹپک پڑیں — صدمہ جو پہونچے اُس سے یہ ہفت آسماں تلک
لکھے ثنائے جود تمھاری تو جز گہر — نقطہ نہ پاوے راہ قلم کے زباں تلک
اُس کی غرض ستایشِ ہمت نہ ہو سکی — جس کا کہ ایک رتبۂ بخشش ہو یاں تلک
تب لرزہ بیچ مہر کو رکھتا ہے یہ خیال — قوت ہو جس کی بازوئے ہمت میں یاں تلک
پل مارنے میں جائے تو ذرّہ کو بخش دے — ایسے کا ہاتھ پہونچے کبھو آسماں تلک
بس جس کے تم سے آقا ہوں وہ بہر احتیاج — جائے کہو تو کس در و کس درباں تلک
یا کاظمین چرخ ستمگر کے ہاتھ سے — پہونچی ہے کارد آگے مرے استخواں تلک
سدِّ رمق مجھے ہو تمھاری جناب سے — محتاج تا نہ جاؤں کسی ناکساں تلک
اس چرخ دوں پرست تلے بہر مشت جو — مانند آسیا کے پھروں اب کہاں تلک
لیکن جو یہ قصیدہ کوہ دو بیکر آب — چاہے صلے میں ہند سے لے اصفہاں تلک
ہرگز نہ لینے دوں اُسے جز ایک مشت خاک — سوداؔ کو دو بلا کے گر اس آستاں تلک
تا ہے فراخ دامنیِ چرخ منحصر — جوں مہر دست اوج رہے دوستاں تلک
تا شکل کہکشاں رہے اژدر سے یہ شبیر — پہونچا کرے گزند و حسار دشمناں تلک

قصیدہ در مدح قرۃ العین رسول زماں حضرت امام ضامن علی موسیٰ رضا شاہ خراسان

اگر عدم سے نہ ہو ساتھ فکر روزی کا
تو آب و دانہ کو لے کر گہر نہ ہو پیدا

نہیں میں طالبِ رزق آسمان سے کہ مجھے
یقیں ہے کاسۂ واژوں میں کچھ نہیں ہوتا

نکل وطن سے ہے غربت میں دور کیفیت
کہ آب بخت ہے جب تک ہے تاک میں صہبا

ہنر کو مفلسی ہرگز ضرر نہیں کہ نہیں
چنار کو تہی دستی سے نقص جوہر کا

بلند ہمت اگر ہوں نہ زیر چرخ ضعیف
ہلال عید ہو عالم کا کیونکہ روزہ کشا

فتادگی میں یہ عزت ہے دیکھ اے سرکش
کہ نیک و بد نے کیا نقشِ پا کو راہ نما

نہ ہو سکیں مرے اشکوں کی سدِّرہ مژگاں
پکڑ نہ رکھ سکے خاشاک دامنِ دریا

ہوا ہوں بزم جہاں میں ہلاک غیرتِ شمع
کہ زیر تیغ سر تیغ اُن نے خم نہ کیا

نکوئی جو کرے دنیا میں ہووے وہ پامال
بسانِ جادہ کسی کو تو راہ راست بتا

بنے گی زینتِ دُنیائے نحس شکل تری
لباسِ زر کو پہن کر نہ ہو تو بوم طلا

کلام شیریں پہ مت جا تو اہلِ دُنیا کے
بنام زہر ہلاہل بھی ہووے ہے میٹھا

کشندہ تر ہے مرض سے مجھے عیادت غیر
بھلی ہے اُن سے تو بالیں پہ صورتِ دیبا

خفا کرے ہے دل اپنا میں بیٹھنا مل کر
دلے میں کیا کروں ہے تنگ عرصۂ دنیا

جہاں کے باغ میں جوں شاخ بے ثمر میں نے
کسی کی دوستی سے نفع جز ضرر نہ لیا

کیا عزیز بہت جن نے دیکھ کر مجھ کو
اُٹھا کے تیغِ ستم کے تلے اُسی نے دیا

جنوں میں کب بر امید نخل دہر تلے
نہ خوش کیا مری ہمت نے قد کم خم نہ کیا

بٹھائے دہر کہے سنگدل کو نازک دل
بنے ہے شیشہ جہاں میں گداز ہو خارا

رہے سخن کی مرے بعد زیادہ ہووے قدر
گہر یتیم جو ہووے تو ہو فزود بہا

نہیں ہے کام مجھے شعر و شاعری سے ولے ‌ ‌ خرد نے مجھ کو نصائح سے بارہا یہ کہا
زباں پہ لا سخنِ خوب تو نہ رکھ دل میں ‌ ‌ کہ اُس گہر کی نہیں قدر جو صدف میں رہا
برنگ عکس سبکسار بحر دنیا میں ‌ ‌ تو رہ کہ موج حوادث نہ دیوے تجکو بہا
کسی کی دل شکنی سے جو خوش کرے دل کو ‌ ‌ وہ کون لوگ ہیں کیسے ہیں کیا ہیں مجکو بتا
یقین تو جان گیا ٹوٹ دل مرا دو ہیں ‌ ‌ جو خار چُبھ کے مرے پانوں میں ذرا ٹوٹا
ولے شکست یہی اس فقیر کو بھاوے ‌ ‌ قدح طمع کا اگر توڑے سنگ استغنا
ضرر کی اپنے مکافات توقع گردوں سے ‌ ‌ طلب نہ کر کہ نہ ہو ایک بام پر دو ہوا
چمن میں دہر کے خوش ہو کے جو ہنسا وہیں ‌ ‌ برنگ گل اسے گردوں نے شادی مرگ کہا
رکھی فلک نے مرے سر پہ شادیِ دستار ‌ ‌ جو زخم سنگ بلا کے سبب یہ سر باندھا
غرض میں دیکھ کے یہ تنگ چشمی گردوں ‌ ‌ شبِ گذشتہ اسی فکر پیچ مرتا تھا
کدھر کو جاؤں میں تا دل کرے مراد اشد ‌ ‌ د وہیں خیال میں قدسی کا یہ سخن گذرا
دمے بہ بزم حریفاں شگفتہ شو چوں قد ‌ ‌ کہ جاں برائے تو دارد در آستیں مینا
یہ سُن کے مژدۂ جاں بخش میکدہ کی طرف ‌ ‌ چلا میں گھر سے نپٹ خوش ہو یہ غزل پڑھتا

مطلع

نہ سنگ پا ہے یہ دل اے خدا نہیں پرچا ‌ ‌ بتاں کریں ہیں اسے پائمال کیوں اتنا
شکست وعدۂ ساقی سے دل ہے اتنا چور ‌ ‌ کہ جائے اشک نکلتے ہیں ریزۂ مینا
جو درد دل کے مزے سے ہو آشنا بیدرد ‌ ‌ عجب کہ ہر بُن مو پر نہ دل کرے پیدا
بجائے سرمہ کروں میل گرم میں اس میں ‌ ‌ نمک سے اشک کے جس چشم نے مزا چکھا
گرہ میں غنچہ صفت زر کرے دنی گو جمع ‌ ‌ دلے سخی ہے اُڑا دیں گے اسکو مثل صبا
کرے نہ چاک گریبان صبح پنجہ مہر ‌ ‌ جو شور عشق نہ ہووے بعالم بالا
تصور اب کسی زلفوں کا چشم داں تک مرے ‌ ‌ عجب ہے لطف کہ جوں موج کشتی دریا

ہے سخت تنگ زمانے سے دل میں حیراں ہوں
کہ مہر سنگدلاں کیونکہ یاں گئی ہے سما

گداز عشق ہوں اتنا کہ چند قطرۂ اشک
نمط ہے شمع کے ہر بند استخواں میرا

غرض کہ میکدہ آیا شعف سے اتنے میں
بتاں کی چشم میں جوں آئے نشۂ صہبا

دلے نگاہ جو کرتا ہوں میکدہ کی طرف
گئے جو اس مہرے مجھ سے دیکھتا ہوں کیا

کہ مست چاک گریبان و چشم جام آب
ہے آہ و نالہ میں نے گریہ در گلو مینا

یہ حال دیکھ کے واں کا خرد سے پوچھا میں
جگہ طرب کی میں آیا ہوں یا کہ جائے عزا

دیا جواب خرد نے مجھے کہ اے ناداں
خوشی ہے دہر میں یہ غم سے پوچھتا ہے کیا

نہیں ہے امن کہیں زیرِ آسماں ہرگز
بجز زمین خراساں کہ ہے وہ عرش آسا

زہے زمین کہ شاداب اس قدر جس میں
ہمیشہ سبز ہے کشتیِ امید شاہ و گدا

شرف یہ کیوں نہ دے اُس سرزمیں کو رب کریم
تو غور کر کہ قدم درمیان ہے کس کا

رضائے جس کی وہ ہی ہے جو کچھ رضائے حق
رضائے حق بھی وہ ہی ہے جو کچھ ہے اُسکی رضا

جدا ہو موج بھی پانی سے جوہر آئینہ سے
اگر خلاف ہو معمول کے جو حکم اُس کا

عجب نہ کر تو اسی دو طبیب سرو علن
کرے ہے جب مرض الموت کی کسی کے دوا

شفا کو برطرف اس طرح سے کرے نہ اجل
اجل کو برطرف اس طرح سے کرے ہے شفا

جو طشت شمع نہ ہو اُس کے روضہ میں جا کر
تو آفتاب نہ ہر شب نظر سے کم ہوتا

زہے وہ گنبدِ زریں کہ جس کا ہے یہ شکوہ
فلک نے دیکھ جسے دل میں پیچ کھائے کیا

کہ کہنہ جان کے مجکو جناب اقدس نے
بنا کیا ہے سرِ نو سے آسمانِ طلا

شعاعِ نور سے خورشید جس کے قبے کی
پلک جھپکنے سے یک ذرہ بھی نہیں رہتا

زبس کیا ہے مرصع اسے جواہر سے
ہے کان لعل سے خالی گہر سے ہے دریا

اگر نہ ہووے یہ کم یاب واں کے مصرف سے
نہ پاوے لعل یہ قیمت نہ دُر کو ہو یہ بہا

جبین آئینۂ مہر و مہ نہ ہو روشن
غبار دُر سے یہ اُس کے اگر نہ پاوے جلا

ہر ایک حلقۂ زنجیر سقف میں اُس کے
عجب ہی لطف سے ہر قمقمے کو نصب کیا

بیاں میں کیا کروں اس لطف کے تئیں جس کے
پھنسا ہو زلف میں محبوب کے دل عاشق کا

بسان دیدۂ پُر آب عاشقاں جاری
ہے اُس کے صحن میں ایک حوض فخر کوثر کا

دکھاؤں کس کو میں اس گنبد طلا کا عکس
کہ جس طریق ہے پانی میں اُس کے جلوہ نما

ہوا ہے دل کو یقیں یہ کہ حوض کوثر میں
کرے ہے آن کے گردوں سے آفتاب شنا

زہے وہ حوض کہ خجلت سے جس کے چشمۂ خضر
ہمیشہ پردۂ ظلمات میں رہے ہے چھپا

دلا طویل نہ کر مدح عنا ئبانہ کو
نیاز لے کے یہ مطلع حضور میں تو آ

مطلع

ثنا کروں میں تری ہر وجہ قلم آسا
جو سر کٹے تو گریباں سے کر زباں پیدا

نہ ہو ثنا میں جو تیری زمیں کے آسودے
تو سبزہ شکل زباں ہو نہ خاک سے اُٹھا

کہاں زباں کو ہے طاقت اگر بیاں کیجے
ترے دیار کے چیونٹی کا حد استغنا

وہ اپنے مردمکِ چشم کے برابر کب
خیال ملک سلیماں کو گر کرے شاہا

جو کچھ لکھا نہ ہو تقدیر میں اگر اُسکے
جو کوئی در پہ ترے آکے مانگتا ہی دُعا

نہ دل سے حرف زباں تک پہنچنے پاتا ہے
کہ ہو چکے ہے وہ مطلب قبول یامولا

تجھ ابر فیض سے قطرہ اگر زمیں پہ گرے
بجائے دانہ زراعت سے ہو گُہر پیدا

گدائے در کا ترے نقش پا ہی جس جاگہ
کرے ہے اوج سعادت کو واسے فرض سما

چراغ راہ خضر میں اگرچہ یا شہ دیں
نہ ہووے نور کبھو تیرے شمع بینش کا

کہاں ہے پردۂ ظلمات بیچ جا کر خضر
شراب عمر ابد سے یہ زندگی پاتا

گئی بنائے تعدّی جہاں سے اب اسکے
بتاں کے ناز و ادا میں رہا نہ ظلم و جفا

سوائے عشق ترے عہد میں تعدی سے
کٹا وہ ہاتھ کسی جیب تک اگر پہونچا

شہا سحر کا گریبان چاک کرتے وقت
اسی ہی خوف سے کانپے ہے دست مہر سدا

ہے جس جگہ میں ترا حفظ ناتوانوں پر
ہٹے ہے دیکھ کے خاشاک اس جگہ دریا

زبسکہ عہد میں تیرے ہے رسم دادرسی
جرس کی بھی کوئی فریاد سُن نہیں سکتا

بہشت ہے ترے بستان مہر کا یک گُل
سقر شرار ہے تیرے غضب کے آتش کا

سموم قہر ترے بر و بحر پر جو چلے
پگھل کے آپ ہوں کہسار خشک ہو دریا

زبسکہ خوف ہے اسباب منع کے دل میں
شہا اس عہد میں تیرے غضب کے صولت کا

شراب پنبۂ مینا سے چاہتی ہے نمک
صدائے رفتہ سے کہتی ہے نے کہ آ چھپ جا

تری کمان کے آگے حریف روز نبرد
کہاں سے لائے یہ طاقت جو ہو سکے سیدھا

کہ جس کے تیر کی ہیبت سے آسماں نے کبھو
بغیر خم کیے پشت اپنی سر اُٹھا نہ چلا

ق

کہ آسماں کو اُٹھا کر سپر کرے منھ پر
ترے عدو میں یہ قوت ہے میں نے فرض کیا

جو روز رزم مقابل ترے کمان کے ہو
صفائے شست ترا اُس کو دیجیے دکھلا

کہ جس صفا سے نگہ پار نکلے شیشہ سے
اُسی صفا سے نکل جائے تیر بھی تیرا

شہا عجب ہے وہ شمشیر جس کی صولت سے
ترے عدو کو ہزیمت ہے شوق سے اتنا

گر اُس کے بعد مصوّر جو کھینچے اُسکی شبیہ
تو روح اُس کی پکارے کہ پہلے پانوں بنا

ترے سمند کے میداں میں نقشِ پا جو پڑے
کرے وہ خون میں اعدا کے روز رزم شنا

شرار قطرۂ خوں ہوں ٹپک پڑیں وہیں
ملے جو کوہ کو گر پنجۂ غضب تیرا

ہے عرض حال غرض مجکو ورنہ مدح تری
بجائے ہر بُنِ مو ہو زباں نہ ہووے ادا

نہیں ہوں گو کسی لایق دلے ہے شرم مجھے
کہ دو جہان میں حامی رکھوں ہوں میں تجھسا

کیا ہے دہر نے عرصہ کو مجھ پر اتنا تنگ
کہ جاں بلب ہوں دلے جی نہیں نکل سکتا

نہ اتنی کی رگ و پے نے کسو کی تن میں جگہ
جو گھر کرے ہے مرے تن کے بیچ تیر بلا

ہیں آنکھیں رخنۂ دیوار سیل اشکوں سے
غبار غم مرے چہرے پہ اس قدر چھایا

یہ عرض حال ہے سودا کا جو بنا تو نے
تری رضا ہو جو کچھ آگئے یا امام رضا

در مدح حضرت امام ثامن ضامن علی موسیٰ رضا شاہ خراسان صلوات اللہ علیہ
و کنایہ وطعن بر شاعر فاخر مکین و اکسیر اُستاد او

مستغنی ذاتی نہ مہوس کی ہو تسخیر
معدن ہے جہاں سونے کا واں خاک ہے اکسیر

لبریز ہے کیسہ دُرِ مکنون سے جن کا
کب شبہہ فروشوں کو حضور ان کے ہے توقیر

ہے لعل سے نسبت نگہِ چشم کو جن کے
جاتی ہے دو پلکی پہ نظر اُن کی بہ تقصیر

ہیں وہ دُرِ یکتا بجہاں جن کے زباں کی
لڑتی ہے سدا ابرِ گہربار سے تقریر

یوں صفحہ پہ بولے ہے صریر اُن کے قلم کی
تعلیم ہے منشیِ فلک کو مری تحریر

ہوتا جو سخن فہم تو بہزاد سمجھتا
پرواز کو میمو کے جو کھینچی ہے وہ تصویر

تیر اُن کے کرے فہم رسا کا اُسے غربال
رہموں جو چھپے کوہ میں بصورتِ نخچیر

معنی کے جو ہو نام سے مشہور موکل
اُس کو کبھی نہ چھوڑیں وہ کبھو بن کیے تسخیر

اُن سا کبھو کوئی نہ ہو آفاق کے اندر
تا فیض سخن اُس کی نہ طینت میں ہو تخمیر

رد کش ہو وہ ایسوں کے جنھیں حق نے دیا فہم
نادانی سے کب کرتے ہیں اپنے تئیں تشہیر

یہ بات جُدا ہے کہ وہ مہر آپ کو سمجھے
دُم کرمکِ شب تاب کی چمکے جو شبِ قیر

پکڑی جو لٹیرے نے کہیں کھیتی سے چڑیا
سمجھا کہ نہیں باز کوئی مجھ سا کلاں گیر

یا شب کو بیا گھونسلے میں جگنو کو لاکر
جانے یہ دل اپنے میں کیا ماہ کو تسخیر

صاحب سخن اس طبقۂ شعرا میں کئی ہیں
ہم بزم سخنداں کو نہ اُن سے کرے تقریر

مصرعہ میں اگر پشۂ معنی ہو قلم بند
زعم اپنے میں سمجھے ہیں کیا پیل کو زنجیر

نقارہ کا مضموں بدرستی جو یہ باندھیں
کوسِ لمن الملک کے ٹھونکیں جو ہم وزیر

سمجھیں ہیں کلام اپنا بہ از سورۂ یوسفؑ
معنی جو ہیں سو خوابِ فراموش کی تعبیر

کرتے ہیں مجالس میں بھر اُسکو بہ بدی یاد
سامع کرے تحسین میں اُنکے کبھو دیر

اس خبط کے عہدے سے دلے وہ نہ بر آدیں | جو ملک سخن کے ہیں مہنتوں میں مشاہیر
اُستاد کی اُن کے ہے انھوں کو یہ نصیحت | لفظی نہ تناسب ہو تو کچھ مت کرو تحریر
اتنا تو ملازم رکھو الفاظ کا ملحوظ | بے پنجۂ و ناخن نہ لکھو دودھ کو تم شیر
جب تک کہ نہ منظوم ہو پاسنگ ترازو | باندھو نہ کبھو شعر میں تم لفظ شکم سیر
تم شعر و سخن اپنے کی بندش میں کماں بن | بو لو نگہِ یار کو یارو نہ کبھو تیر
چہرہ کو نہ معشوق کے دو شمع سے تشبیہ | تا زلفوں کو باندھو نہ کسو شکل سے گلگیر
مضموں جو قد و زلف کا معشوق کے باندھو | لکھو الف و لام کے سیپارہ کی تفسیر
ملحوظ قرائن رکھو ہر آن نظر میں | مرجع ہو مؤنث تو ضمیر اُس کی ہو تذکیر
اُستاد کی اس پند پہ کی اور ترقی | شیوہ وہ لیا غیر کی جس میں کہ ہو تحقیر
مضمون جو ہو ریختہ کا تازہ کسی کے | کرتے ہیں اُسے فارسی میں باندھ کے تشہیر
پھر کہتے ہیں یوں ہے کسی اُستاد کا یہ شعر | سرقہ یہ کیا جن نے بُرا ہے کوئی بے پیر
اور اُن کا کوئی فضل و کمال آکے جو دیکھے | ہیں طرفہ وہ معجون جو ہوں خبط سے تخمیر
سرقہ کو نہ سمجھیں نہ توارد کو گراں سے | پوچھے جو کوئی کیا ہیں یہ دونوں کرو تقریر
پھر بعد تأمل یہ جواب اس کے یہ ذی ہوش | روبہ کہیں سرقہ کو توارد کو کہیں شیر
محسود نشانہ ہے تخیل میں انھوں کے | ہووے نہ کمانِ حسد ان کی سے جدا تیر
اتنا یہ سمجھتے نہیں ناداں کہ جہاں میں | حاصل نہیں ہوتی ہے کچھ ان باتوں سے توقیر
سر رشتہ ہے عزت کا فقط ہاتھ خدا کے | افزایش قدر اپنی میں چلتی نہیں تدبیر
قطرہ وہی پاوے کا ہے قسمت کی ہے تفریق | ہو ایک تگرگ ایک گہر ہو کے گرہ گیر
ان کا ہوا گر بو علی سینا بھی معلّم | تعلیم کرے کس روش اس کی نہیں تاثیر
نسبت سے خلزات کے مس ہووے ہے سونا | پتھر کی جو ہو جنس تو واں کیا کرے اکسیر
ہے تنبیہ اُستادی و شاگردی میں لازم | بہ ہو نہ تو دونوں میں کسو کی نہیں تقصیر

بلبل کو جو بھر عمر سُنی پرورش اُس کے
ہرگز نہ کرے زمزمۂ کستوری شمشیر

صحبت سے نہ ہو فائدہ ناجنس کو ہرگز
یہ بات ہے بر صفحۂ دل قابل تحریر

شمشیر میں کیسی ہی اصالت ہو یقیں جان
پیدا نہ غلاف اُس کا کرے جوہر شمشیر

شیریں نہ کبھو دے وہ ثمر باغ جہاں میں
حنظل جو کرے نشو و نما پہلوے انجیر

سودا تجھے کیا سود جو ابنائے زماں کے
نافہمی و بے ربط سے کرتا ہے تو تقریر

کر اُسکے عوض مدح شہ ہر دو جہاں کی
تا عفو جرائم ترے طالع میں ہوں تحریر

وہ شاہ خراساں نگہ فیض سے جس کے
ہوتے ہوئے اکسیر نہ ماٹی کو لگے دیر

جس کے در مسجود کا معمار ازل نے
پارس کے عوض سنگ کیا مصرف تعمیر

مانگا کرے ہے ہاتھ کو پھیلا کے فلک پر
مہر اُس کے سدا قبۂ درگاہ سے تنویر

کیا تاب جو صیاد اجل منھ کرے اُس سمت
لے جائے پناہ اگر اُس کے سایہ میں نخچیر

سجدے کو دو عالم کے وہ محراب ہے اُس کی
زائر کا جہاں نقش قدم ہووے زمیں گیر

مومن یہ تصور نہ ہو جو مقتدی اُس کا
مقبول نہ اُس کے ہو صلوٰۃ اور نہ تکبیر

عدل اُس کے سے لرزے ہے خس و خار سے شعلہ
عہد اُس کے میں سم رکھے ہے تریاق کی تاثیر

جس دشت میں باجے دہل چرم یہ یکبار
ہیبت سے اُدھر آن کے جھانکے نہ کبھو شیر

مفقود عداوت یہ عدالت سے ہوئی ہے
ضدین کو ہے ربط بہم جوں شکر و شیر

شاہا تو وہ ہے عالم آگاہ کہ جس کے
تدبیر کے ایما سے نہ باہر ہوئی تقدیر

جس جا ترے ایما سے خداوند جہاں نے
بخشی ہے اگر ایک گنہگار کی تقصیر

وہ چاہے بلا شبہہ و شک عفو گر اُسکی
جو خلق ہے نزدیک خدا واجب تعزیر

وہ جزو کہ کہتے ہیں جسے لایتجزیٰ
تو اور خدا ہے جو نمانوں تو ہے تکفیر

راندہ جو ہو درگاہ کا تیرے تو وہ یاں تک
آنکھوں میں خلایق کے نظر آوے بہ تحقیر

سایہ تلک اُس کی نہ کرے ہمرہی اُس کی
ہمراہ اُسے لینے میں کرے کیسی ہی تدبیر

اشجع تو نہیں آپ ہے پشتین سے تیرے
ہوتے ہی سب آئے ہیں شجاعت میں مشاہیر

اثبات ہوا جوہرِ فرد اُس سے بہ تقسیم
سیفِ دو زباں ہے جو ترے حد کی وہ شمشیر

دو ٹکڑے پلک مارتے ہو دے کمرِ کوہ
تجھ تیغ غضب کے جو ہو سایہ کے سرا زیر

جوں مردمکِ چشم میں چیونٹے کے پرے گُل
چھپا رہے ہے ترا نقطۂ موہوم کو یوں تیر

تو بار نہ حلم اپنے کا گر آپ اُٹھا دے
ہو چرخ کے جھولے میں زمیں خاک کا اک ڈھیر

خوبی کا تو مذکور ترے رخش کا یکسو
کیا منھ جو کروں گرد کو اُسکے میں گلوگیر

وہ گرد ہے آنکھوں کو محبّوں کو تو سُرمہ
ہو جس کو محبّت نہ تری اُس میں گلو گیر

شاہا وہ تری ذات منزّہ ہے کہ گویا
مخصوص تری شان میں ہے آیۂ تطہیر

شہباز ترے رتبہ کا مارے ہے جہاں پر
اوہام ملائک کو ہے واں حکمِ عصافیر

جس قصر میں شوکت ہے تری پہونچے تو پہونچے
با صد تگ و دو عرش کا وہم اُس کے سرا زیر

تیرا ہے جو کچھ مرتبہ سو عقلِ کُل اُس کے
ہر مو ہو زباں تن پہ تو کب کر سکے تقریر

جو کچھ یہ لکھا میں نہ سمجھ اپنی اسے مدح
کیا میں ہوں مری کیا ہے قلم کیا مری تحریر

تجھ سے کی کرے مدح جو مجھ سا کوئی ناداں
ہوتا ہے وہ نزدیک خدا واجبِ تعزیر

کرتا ہوں سخن کو میں دعائیہ پہ اب ختم
امید کرم سے ہے کہ ہو عفو یہ تقصیر

یارب جو ترے دوست ہیں از قلزمِ اُمید
ہوتے ہوئے پار اُن کی نہ کشتی کو لگے دیر

اور اس میں جو بدخواہ ترا ہونے لگے غرق
موج اُس کو نکلنے نہ دے ہو پاؤں میں زنجیر

قصیدہ در منقبت فخر دودمان نبوی خلاصۂ خاندان مرتضوی
امام عسکری صلوات اللہ علیہ

عیب پوشی ہو لباس چرک سے کیا ننگ ہے
مان اے آئینہ بہتر اس صفا سے زنگ ہے

وضع سے کم مایہ اپنی کیا ترقی کر سکے
چاہیے دریا ہو یہ کب اب گھر میں ڈھنگ ہے

عنش بہم پہونچانہ محرومِ تجلی دل کو رکھ
صیقل اس آئینہ کے گردِ شکستِ رنگ ہے

مرد وہ اپنی ہنر پوشی سے جو مارے ہے دم
فی الحقیقت تیغ کو جوہر سے بہتر زنگ ہے

اپنے بھی مرہونِ منت ہوں نہ عالی ہمتاں
کوہ کی شمشیر کو کب احتیاجِ سنگ ہے

ٹک پرے رکھنا قدم اس آستاں کے گردباد
خاکساری کو ہمارے سرکشی سے ننگ ہے

ابرواں کے کھینچے ہی شمشیرِ مژگاں نے چھری
حُسن کی خوبی میں تیرے تجھ سے باہم جنگ ہے

آہ کس منھ سے کہوں تجکو کہ ٹک ایدھر تو دیکھ
شکل سے میرے سدا بیزار میرا رنگ ہے

محوِ حیرت کے تئیں ہے دوست اور دشمن سے کیا
آئینۂ تصویر کا دور از غبار و سنگ ہے

صبحدم سوداؔ چمن میں مجکو آیا تھا نظر
ان دنوں شاید وہ کچھ شورِ جنوں سے تنگ ہے

پائے گلبن بے دماغانہ سا کچھ بیٹھا ہوا
اک غزل پڑھتا تھا یہ مطلع کا جسکے ڈھنگ ہے

مطلع

شمع کا میرے صدائے خندۂ گل ننگ ہے
ٹک پرے جا بول بلبل کو تو میرا آہنگ ہے

ہو سکیں نازک دلاں کب روکشِ حرفِ درشت
عکس بالِ طوطی اپنے آئینہ پر سنگ ہے

یاں سمومِ عشق سے کس کو ہے جوشش کا دماغ
شعلۂ آتش مرے کانٹے پہ گل کا زنگ ہے

گرد ہوں پر تو نہیں خاطر نشینی کا دماغ
آئینہ ہوں تو صفائی میری مجھ پر زنگ ہے

ٹک مرے گلشن سے میرے شور کر ابرِ بہار
یاں صدائے رعد آوازِ شکستِ سنگ ہے

اس میں جرأت سے میں اُس کا قطع کر طولِ کلام
یہ کہا چرخِ منقّش کیا زمرد رنگ ہے

گوشۂ خاطر سے کرتا ہے عوض اس قصر کو
سر اُٹھا دیکھا تو ٹک اتنا ہی بولا تنگ ہے

ناگہ اس اثنا میں اک منعم نے یہ اُس سے کہا
بندہ خانہ کیا تمھیں تشریف لانا ننگ ہے

ہر مکاں میں مسند و ہر ایک جا فرشِ سمور
ہر طرف مطرب پسر ہر سو رباب و چنگ ہے

نوش کرنے کو کباب اور پینے کی خاطر شراب
دیکھنے کو رقص محبوبان خوش آہنگ ہے

یہ کہا سن کر جو ترغیب آپ کرتے ہیں مجھے
اس کو باور کیجیے گا یہ خیالِ تنگ ہے

ناز پروردہ جو استغنا کے ہیں ان کے تئیں
یک قدم راہِ طلب طے کر لے سو فرسنگ ہے

دیکھنا راہِ اجل اُن کو تماشا رقص کا
دردِ دل سننا کسی کا ان کو عود و چنگ ہے

غم کسی دل سوختہ پر ان کو کھایا ہے کباب
نِت انھیں خونِ جگر پینا مے گلرنگ ہے

خاک در ایک ایسے کیا ہیں وہ تیری مسند سے کیا
عرش کے دامن پہ گر بیٹھیں تو ان کا ننگ ہے

قبلۂ دنیا و دیں یعنی امامِ عسکری
جس کی میزانِ عدالت اتنی بے پاسنگ ہے

ایک پلّہ میں ہو کاہ اور دوسرے پلّے میں کوہ
کاہ کو باور تو کرنا کوہ سے ہم سنگ ہے

پشت خارا آہوی صحرا ہو پنجۂ شیر کا
باز کا چڑیا کی خاطر آشیانہ چنگ ہے

ہے حباب اور آبِ شیریں ربط فانوس و چراغ
گلشنِ انصاف پر اُس کے یہ آب و رنگ ہے

روے کارِ حشر سے پردہ کا اُٹھنا ہے محال
پردہ پوشی پر جو اس کے حلم کا آہنگ ہے

ہے سمومِ قہر کا جس بر و بحر اوپر خیال
خشک واں دریا ہیں پانی کوہ سے پاسنگ ہے

نہی سے تجھ امر کے اب یا امامَ المتّقیں
بسکہ منہیات پر عرصہ جہاں کا تنگ ہے

چشمِ خوباں میں شراب آتی ہے لینے کو پناہ
گُل رخاں کے خط نہیں آتش کے اوپر بنگ ہے

مطرب اپنی آخرت کر یاد نالاں ہے سدا
روز و شب ہر ایک ڈھولک کے تئیں سر چنگ ہے

استخوان و پوست سے کھینچے ہے رکھتا ہے رباب
زیرِ چوب و سنگ تٹ اُٹھڑ ہے سیہ مردنگ ہے

میں گداؤں کا ترے در کے کہوں ہمت سو کیا
اُس کی ہے یہ گفتگو جو ان میں لنج دلنگ ہے

کہہ سلیماں سے نگیں اپنے پہ تو نازاں نہ ہو
پیش اربابِ ہمم یہ دشت زیرِ سنگ ہے

اُس زمیں کو جس پہ اُس کا دست ہو سایہ فگن
کچھ سوا گل اشرفی کے سبز کرنا ننگ ہے

مُنھ پہ تیغِ برق دم الماس پیکر کے ترے
یک قدم آنا عدو کو راہ سو فرسنگ ہے

گر سرِ دشمن پہ ہو میداں میں وہ سایہ فگن
خود و قاشِ زیں دو حصہ تا بجلو تنگ ہے

پر نہیں یہ وصف اُس کے جو بیاں میں نے کیے
بلکہ یہ تعریف تو اُس کی برش کا ننگ ہے

آسماں سے تا زمیں اور گاؤ سے ماہی تلک
امتحاں گر کیجیے اُس کو تو اک چو رنگ ہے

لیتی ہے تعلیم واں ہر روز آ کر گرد باد
جس جگہ سرگرم کاوی پر ترا شبرنگ ہے

گرد جولانگاہ کو اُس کے کہوں میں کیا دماغ
عارضِ خوباں کے خط ہونے سے جسکو ننگ ہے

جھانکی ہے ہفت آسماں کو جلدی اُسکے ہر قدم
بسکہ عرصہ شش جہت کا اُسکے اوپر تنگ ہے

بگڑا ہی جاتا ہے باتوں میں جلو لینے کے وقت
نکلا ہی پڑتا ہے رانوں سے یہ اُس کا رنگ ہے

اس میں بھی ٹک گرم ہو آیا تو بس پھر اُڑ گیا
ہے تو گھوڑا ہی یہ کچھ سیماب کا سا ڈھنگ ہے

ہمتِ پرواز تیرے بازکی میں کیا کہوں
اس میں گر سیمرغ بندہ اُترے تو اُسکا ننگ ہے

طرۂ محبوب میں ہو جس طرح عاشق کا دل
مرغِ دور از وہم یوں اُسکے میانِ چنگ ہے

کر قصیدہ کے تئیں سودا دعائیہ پہ ختم
قافیہ کو وسعت اب آگے نہایت تنگ ہے

مانگ لے جو مانگتا ہے تو صلہ اُس کا یہاں
نہ خراجِ روم مالیت نہ باجِ زنگ ہے

سر گلی اُمید سے محروم تیرے دوست کا
ہو نہ جب تک گلشنِ دنیا میں آئے ننگ ہے

لالہ ساں ہو غرق آتش میں عدو سر تا قدم
پُر شرر جس وقت تک داماں کوہ و سنگ ہے

قصیدہ در منقبت خلیفۃ الرحمٰن امام مہدی الہادی آخر الزماں صلوات اللہ علیہ

جوں غنچہ آسماں نے مجھے بہر عرض حال / دی سو زباں دہن میں ولیکن سبھی ہیں لال
ہرگز کسی گرہ کے لیے جز خراشِ دل / ماوا نہ آسماں نے کبھو ناخنِ ہلال
اجزائے کاربند ہے عالم کا اُس کے ہاتھ / جز چشم عاشقاں کے ہیں جاری باتصال
روشن ہے شمع کشتہ کی پھر کر جلانے سے / یعنے کہ بعد مرگ بھی آرام ہے محال
روشن طبیعتوں سے بُرا ہے یہ تیرہ عقل / کرتا ہے نورِ مہر کو سایہ کے پائمال
رکھتا ہے پُر غرور کو جو نیزہ سربلند / جو جادہ خاکسار کو دے ہے زمیں پہ ڈال
یک تن نوالہ خوار نہ ہو اس سے تا ابد / ہے سرنگوں ازل سے یہ اب کاسۂ سفال
ہر روز نعمتوں سے کرے سفلہ کو غنی / محتاج نانِ شب ہو سدا صاحبِ کمال
پارے کو دے ہے رتبہ اکسیر بعد مرگ / دولت کبھی کسو کو نہ دی ان نے بے زوال
گم پائے سوختن نہ رہے ان کے درمیاں / ہرگز کرے نہ شمع سے پروانہ کا وصال
سو پردے میں رکھے بوئے گل کو یہ بے تمیز / پھاڑے نقاب روئے حیا کے یہ بدخصال
ڈھانپے ہے جانماز تلے زاہدوں کا عیب / دیتا ہے رازِ عشق کو پردہ سے یہ نکال
ہم پر سدا رکھے مے گلرنگ کو حرام / خونِ بہار تیغ خزاں پر کرے حلال
ہر روز اُٹھ کے غنچۂ گل کو کرے ہے تنگ / ہر شب رکھے ہے خاطر بلبل کو پُرملال
بوجھ اُس کے ہاتھ سے دل ہر دشت خارخار / گر لخت لخت ہے جگرِ کوہ کو خیال
اے دل غرض کسی کو نہ دے چین آسماں / شکوہ نہ کر تو اس سے کہ ناحق ہے یہ جدال
حاصل نہ ہو سوائے مشقت کے اور کچھ / آہن کو سرو کوٹے گرتا ہزار سال
ہم پست فطرتوں پہ چلی کب نہ تیغ چرخ / دوڑی ادھر ہی آب جدھر ہو زمیں پہ ڈھال

گر ہو شعور اس سے نہ چاہیں کشادِ کار
اس مطلعِ دوئم کو پڑھیں جسکے حسب حال

گردوں سے کار بستہ کھلے کیونکہ ہے محال
ہرگز نہیں ہے عقدہ کشا ناخنِ ہلال

بس کیا ضرور تھا جو کیا شکوۂ سپہر
اے دل تو ہرزہ گوئی سے اپنی زباں سنبھال

خواہش ہے دو جہاں کی اگر تو زباں سے
جز مدح شاہ سرورِ علی مت سخن نکال

مہدی ہادی وہ کہ گر اُس کا نہ ہووے حفظ
مرکز کو خاک کے تو قوی ہے یہ احتمال

کُھل جائے شب زمیں کی گرہ آب میں ابھی
لے شرق تا بغرب جنوب اور تا شمال

جس کے قدم سے گلشنِ دنیا نے یہ شرف
پایا کہ وہ سما نہ سکے عرش کا خیال

شبنم نہیں کہ چہرۂ گل پر ہر ایک رات
کرتا ہے عرش سے عرقِ شرمِ انفعال

یمن قدم سے اُسکے جہاں میں خوشی کے ہاتھ
زائل ہوئی ہے اس قدر اب صورتِ ملال

ممکن نہیں کہ رات کو شاخِ درخت پر
رکھتا ہو مرغ سر کے تئیں اپنے زیر بال

اُس کا قدم نہ ہووے جہاں کے جو درمیاں
کب چار عنصروں میں رہے حدِ اعتدال

اس خاکدان اوپر جو نہ ہو اُس کا بارِ حکم
اہلِ جہاں کے آئے سر اوپر عجیب وبال

ہووے زمین زیر و زبر آسماں کے ساتھ
مانند ریگ شیشۂ ساعت باتصال

کھینچے خدا نہ کر وہ طرف آسماں کے سر
اُس کا اگرچہ ایک شررِ آتشِ جلال

کردے فتیلہ کاہکشاں کا وہ مشتعل
گردوں کفِ ہوا سے یہ اُڑ جائے مثل رال

ہم نسبتی سے مے کے جو انگور کی طرف
کر ٹک وہ اعتراض کو کرتا ہے احتمال

یک آن بیچ خوشۂ پرویں کے واسطے
تاکِ فلک پہ آئے خدا جانے کیا زوال

جس دن سے اُس کے عہد نے جگ کو دیا شرف
ہر خم کے بیچ تب سے تو مے پر ہے یہ وبال

اُس آب کے نمط کہ جو کائی کے ہو تلے
چھپتا ہے بیچ دُرد کے دہشت سے یہ زُلال

بعد از بہار روئے خزاں پر طپانچہ زن
گلشن میں اُس کے عدل سے ہر برگ ہے نہال

کر اُس کو تو یقیں کہ درندہ گزندہ کے
یہ خوف اُس کے عدل نے دل میں دیا ہے ڈال

آہو کی دشت میں جو سنی ہے صدائے پا
چھپنے کو ببر ڈھونڈتے ہیں خانۂ شغال

اژدر ہوئے ہیں سہم کے یاں تک ضعیف و خشک
کرتے ہیں اُن سے منہ میں سدا مورچہ خیال

جو کچھ لکھوں میں اُس کی سخاوت میں ہے بجا
یہ مطلعِ حضور مری بات پر ہے دال

چاہے اگر کوئی دو جہاں کا متاع و مال
تیرے گدائے در سے کرے آکے دو سوال

برسے ترا جو ابرِ کرامت زمین پر
پیدا بجائے دانہ گہر ہوں ہر ایک سال

مرضی میں گر چلے نہ ترے ایکدم سپہر
دستِ قضا بٹھا دے اُسے دے کے گوشمال

جوں موم تفتۂ آن میں ہو جائے مضمحل
گر تجھ فشار پنجہ سے آگاہ ہوں جبال

شمشیر گر علم ہو ترے جن و انس کا
ہیبت سے آب ہو جگر و زہرہ و طحال

ہر پُر غرور کے رگِ گردن میں خوف سے
ہو جائے خشک خوں رگِ یاقوت کی مثال

مارے اگر تو بر کمر آسماں اُسے
گاؤ زمیں کے تن سے نہ لاگا رہے دوال

شاہا ترے جو نشترِ خنجر سے ایک دم
دشمن کے دل میں سہو سے گذرے اگر خیال

ہے کیا عجب کہ خوف سے ہر عضو کی رگیں
جا مغزِ استخواں میں چھپیں شمع کے مثال

تیرے سمند کی میں ستائش نہ کر سکوں
تعریفِ نقشِ سُم کی ہے اُس کے بہت محال

آئینۂ سپہر میں پڑتا ہے اُس کا عکس
نادان جانتے ہیں کہ نکلا ہے یہ ہلال

سرعت میں اُس کے راہ سے یہ کر کے ہمسری
ساتھ اُس کے دوڑے گر نگہِ دیدۂ غزال

جب تک وہ مردمک سے نہ پہونچے مژہ کے پاس
پہونچے وہ اس جگہ کہ نہ پہونچے جہاں خیال

یک پایہ اس کو تختِ سلیماں سے کم نہ جان
ہووے جو تو سوار عدو کے پئے قتال

سب جن و انس و دیو پری اور وحش و طیر
حاضر نہ ہوں رکاب سعادت میں کیا مجال

شاہا ترا بیان شجاعت میں کیا کروں
ہیہات اس زباں کے تئیں کب ہے یہ مجال

دعوائے بندگی ہو جسے اُس جناب میں
اُس کے تئیں ہے فن شجاعت میں یہ کمال

مستگی میں فیل مست کے مارے اگر وہ تیر
گردن میں استخواں سے کبھو بند ہوئے بھال

سوفار اس طرح سے نمودار ہو رہی — جوں اژدہا پہاڑ سے جھانکے ہے سر نکال
بس جس کے ہر غلام میں قدرت ہو اس قدر — خالق چھٹ اس کی مدح ہے مخلوق کو محال
تیری ثنا و مدح کوئی مجھ سے ہو سکے — ہے کیا لب و دہن مجھے کیا قفل ہے کیا کمال
دریائے طبع سے یہ تری گوہر سخن — تیرے نیاز کے لیے پہونچے مجھے رسال
اے شاہ دیں پناہ شتابی سے کر ظہور — تا دوست ہو ویں شاد تو دشمن ہوں پائمال
اکثر جو اختلاف ہیں دینِ نبی کے بیچ — اس منچلے کا تجھ پہ ہے موقوف انفعال
سودا کو آرزو ہے کہ جب تو کرے ظہور — اس کی یہ مشتِ خاک ہو تیری صفتِ فعال
تیرے ہر ایک دوست کا مانند صبحِ عید — صفحے میں روزگار کے روشن رہے جمال

جوں شام سلخ آہ محرم تمام عمر
ظلمت ہی میں بسر کریں اعدائے بد خصال

در منقبت خلیفۃ الرحمٰن امام مہدی الہادی آخر الزمان صلوات اللہ علیہ السلام وطعن بر شاعر کہ ایراد بر شعر میرزا گرفتہ بود

منکر خلاصی کیوں نہ حکیموں کی ہو زباں — جب شہرہ سے مرے ہو ملا اس قدر جہاں
ممکن نہیں کہ اب سخن غیر کو ملے — راہ اس قدر جو پہونچے وہ تا گوشِ سامعاں
نام آوری کے واسطے حاسد نہ کر تلاش — جا گہ کسی کے نام کو اس عہد میں کہاں
گویا کہے تو ریختہ ایراں میں فارسی — جا ہے جگہ جو شہرہ کو ہو تو نہ یاں نہ واں
عالم کی السنہ پہ مرا اس قدر ہے شعر — گویا ورق بیاض کا ہر منہ میں ہے زباں
میں نے سنا کہ تجکو مرے ایک شعر پر — خوردی کا اپنے معنی کے ہے وہم مہرباں
شاید باتفاق توارد ہو پر مجھے — لفظوں کا اپنے غم کہ ہوئے کس پہ رائیگاں
گوزشت کو پنہاؤ کسی رنگ کا لباس — خوبوں میں اس کے جا نہیں جز پہلوئے بداں

از راہِ دوستی میں کہوں تجھ سے ایک بات | طبعِ شریف پر جو نہ آوے تجھے گراں
زنہار ہمسری کا مرے تو نہ کر خیال | ہوگا غریب مضحکہ نزدیک شاعراں
ایسی نہیں بندھی ہے سخن کی مرے ہوا | کھلنے کا جس کے زیرِ فلک دل کو ہو گماں
اس کو یقیں تو جان کہ حیراں ہے اب تلک | عیسیٰ پئے معالجۂ نفخِ آسماں
منشیِ نہ فلک مری تحریر دیکھ کر | سمجھے بغیر گر غلطی کا کرے بیاں
پاوے مرے قلم سے وہ فی الفور یہ جواب | چپ رہ کہ دوں تجھے غلطی سے تری نشاں
حک کردہ سطر ہے وہ ترے ہاتھ کی لکھی | کہتے ہیں جس کو اہلِ زمیں نام کہکشاں
دفتر سے فنِ شعر کے تجھ کو ہے کیا خبر | تو جلدِ آسماں کا محررِ حساب داں
روشن جہاں ہے نظمِ طبیعی کی میری شمع | پروانہ داں ہے طائرِ روحِ سخنوراں
مضمونِ تازہ یوں چمنِ فکر سے مجھے | پہونچا دے ہے ہمیشہ طبیعت کا باغباں
جو گل سیرِ بہار کوئی جا کے سوے باغ | لاتا ہے بہرِ گوشۂ دستارِ دوستاں
رنگینیِ سخن ہے مری اس قدر کہ گل | عاشق ہے میرے نظمِ سخن کا بہ گلستاں
موجِ نسیمِ گل کی جو زنجیرِ پا نہ ہو | شوقِ سخن مرا اُسے لاوے کشاں کشاں
سعدی کی روحِ پاک کی خاطر ہے سیرگاہ | دیواں کا ہر ورق یہ مرے بہ ز بوستاں
ہر سطر اُس کی معنیِ رنگیں سے شاخِ گل | سمجھا کرے ہے بلبلِ طبعِ سخنوراں
نام اپنے سے جو شعر و سخن کو مرے پڑھے | بولے فصاحت اُس کا نہیں یہ لب و دہاں
اُس کا یہ شعر ہے کہ قلم جس کا روز و شب | ایسے جناب کی ہے ثنا میں گہر فشاں
جس کو جنابِ حق سے یہ نسبت کہ جس طرح | نظمِ سخن میں لفظ و معنی ہیں توأماں
حاضر حرم میں دل کے وہ مانندِ ذاتِ حق | غائب ز چشمِ خلق و لے ہے جہاں تہاں

مطلع کہہ اور اے قلم اب لائقِ حضور
تا دو جہاں صلہ دے مجھے شاہِ خسرواں

مطلع

اے وہ کہ کارِ جن و بشر تجھ سے ہے رواں
تیری وہ ذات جس سے دو عالم ہے کامراں

تجھ خاکپا سے فیض جو اکسیر کو نہ ہو
مس کو طلا نہ کر سکیں اُس سے مہوساں

شاہا علو مرتبہ تیرا جو کچھ کہ ہے
جز عالم الغیوب بشر پر ہے وہ نہاں

اپنی نگاہ شرم کو قاصد جو کر کے وہم
بھجوائے طول راہ کی کرنے کو امتحاں

پائے نگہ میں اول منزل ہو آبلہ
پہونچے نہ واں تلک ہے تری منزلت جہاں

قرباں ہیں خانداں کے ترے شاہ دیں پناہ
جس عزت و شرف سے کہ تیرا ہے خانداں

جبریلؑ کی جگہ وہ نہیں جس مقام میں
پشتین سے دیا ہے تجھے حق نے عز و شاں

جو امر کارخانۂ ایزد میں ہو ترا
کیا تاب عقل کل کرے کچھ اُس میں این و آں

ناقوں کے واسطے ہو جرس مرسلوں کا دل
نکلے جو تجھ قدم کی زیارت کو کارواں

اس مرتبہ کا سُرمہ ہے اُس کارواں کے گرد
جس کے لیے ہو چشم ملائک کی سرمہ داں

پہونچے فلک کو موج گہر ابر فیض سے
تیرے گرے جو قطرے بدریائے بیکراں

ہیبت سے تیرے عدل کے شاہا بہ زیر چرخ
خلقت کو اب زمانہ ہے اس امن کا اماں

آتا ہے جس گھڑی کہ تمازت پہ آفتاب
بالِ عقاب ہے سرِ کنجشک سایہ باں

نشو و نما بکوہ کرے جس طرح سے کاہ
سرکوب یوں قوی پہ جہاں میں ہے ناتواں

آتش کو آب سے یہ ترے عہد میں ہے قدر
جوں لعل آبداری سے قیمت میں ہو گراں

سوزن ہو چاک دامن شعلہ کے واسطے
وہ خار جس کو حفظ ترا ہوگا سائباں

اس دہر سک کی ہے خلائق میں گر ترا
ہووے نہ بار حلم تو اے شاہِ انس و جاں

دل پر مرے یقیں ہے کہ بحرِ محیط کا
لطمہ اُلٹ دے موج کا کشتیِ خاکداں

خوگر تو خلق و علم و حیا سے اگر نہ ہو
اور ہو تری نگاہ پر اعمال عاصیاں

تجھ آتشِ غضب کے شرارے کے سامنے
باروت کا ہے تو وہ زمیں اور آسماں

کھینچا قضا نے تسمۂ سنگِ فساں کہ جب
شمشیر تیری چرخ چڑھی بہرِ دشمناں

اس کی برش کرے ملک الموت جب خیال
بے اختیار ہو کے پکارے کہ الاماں

شمشیر تو یہ کچھ ہے کہ جس کو کیا میں عرض
گلگون تیرا سو ہے بحالِ پری وشاں

رکھتا ہے یہ قدم کہ نہ پہنچے رکاب تک
بادِ بہار بوسہ کو تا آمدِ خزاں

بطلان شے ہو آگے سے حق کے فنا کہ جب
وہ تیغ ہو یہ اسپ ہو اور تجھ سا ہو جواں

چن چن کے سنگ ریزہ ترے جلوہ گاہ سے
طائر ہیں جتنے سدرہ نشیں عرش آشیاں

واں کر کے فرش آنکھوں کو اپنے وہ منتظر
تیرے قدم کے رہتے ہیں یہ حسب الزّماں

سودا بجز دعا کے تری کیا ثنا کرے
الکن ہے اس مقام پہ جبریل کی زباں

یارب ترا ظہور شتابی ہو تا بدہر
روشن ترے جمال سے ہوں چشمِ مومناں

در ستائش مدح ابو العدل عزیز الدین محمد عالمگیر ثانی بادشاہ غازی

رکھے ہمیشہ تری تیغ کارِ کفر تباہ
بحق اشہد ان لا الٰہ الا اللہ

فلک پہ سبعہ سیارہ تا قیام جہاں
پھرا کریں تری مرضی شریف کے ہمراہ

ترا چراغ رہے تجھ سے اس طرح روشن
کہ جیسے پرتوِ خورشید سے ہو مشعلِ ماہ

سجود در سے ترے بہرہ ور ہوں اہلِ زمیں
رہے رکوع میں تا قامتِ سپہر دوتا

بسان رشتہ کہ دانوں میں سبحہ کی ہووے
ترے ولا کو رہے اس طرح دلوں میں راہ

یہ نام پاک کہ کہتے ہیں جس کو عالمگیر
خدا ہمیشہ رکھے زیب و زینتِ افواہ

مجا ہے تجھ کو سلیماں جلال گر کہیے
کہ ہم وزیر کا تیرے خطاب آصف جاہ

علو مرتبہ تیرا نظر کرے جو کوئی
رہے فلک ہی کو اس کے برنگ شمع نگاہ

شہا جو نسب ترا آفتاب کو پہنچا
ہر آسمان نے پھینکی ہے آسماں پہ کلاہ

نہیں کلف یہ فلک سیر کا ترے لے کر
بغل میں غاشیہ اپنے چلے ہے ہر شب ماہ

کرے جب آنے کا تو عزم پشت پر اُس کے
رکاب داب کے اقبال بولے بسم اللہ

جدھر کو ہو تو چلو زیر پھر ترے آگے
ظفر جو طرقوا بولے تو فتح پیش نگاہ

جہاں پناہ ترے درگہِ عدالت میں
کسی کو دیوے اذیت کوئی معاذ اللہ

جلے جو شام کو پروانہ بزم میں تیرے
تو صبح شمع کے آتا ہے سر پہ روزِ سیاہ

شرار سنگ سے خاشاک کو جو پہونچے ضرر
لے آوے کھینچ کے دیوان کوہ کو پر کاہ

کرم بھی اتنا ہی تیرا ہے خلق کے اوپر
کہ اب وفور سے خالق ہی جس کے ہے آگاہ

اُمید عفو ترا گر نہ بیچ ضامن ہو
کوئی نہ کر سکے ہرگز کسی طرح کا گناہ

جو مشت فیض تو کھولے کسی پہ مثل صدف
تو موج آب گہر سے وہ نکلے کر کے شناہ

کرے ہے عرض یہ سودا جناب اقدس میں
زمانہ چاہے تھا مجھکو رکھے بحال تباہ

تجھ آستاں پہ ولے اب مدد سے طالع کے
ہوا ہے آن کے حاضر یہ بندۂ درگاہ

بس اب جہاں میں کوئی خوش نصیب ہے مجھ سا
امید جس کی بر آئی ہو اتنی خاطر خواہ

کیا میں عرض کہ آنے سے زیر بالِ ہما
جنھیں حصول ہو جمشید کی سی دولت و جاہ

پر اُن کو اوجِ سعادت سے میرے کیا نسبت
وہ پہونچے ظلِ ہما تک میں تا بظلِ اللہ

عرض کروں ہوں دعائیہ پر میں ختم سخن
ادب کی مرضی سے ہے طولِ کلام ہو کوتاہ

الٰہی تا ہو جہاں تو ہو اور دُنیا ہو
جہان خوبی ہے تو اے جہانیوں کے پناہ

قصیدہ در ثنائے شاہ جم جاہ خسرو فلک بارگاہ عالی گوہر محمد شاہ عالم بہادر بادشاہ غازی

ہے [illegible] فلک جناب
رخشندگیٔ ذرّہ ہے از فیض آفتاب

[illegible] زمین شور
نشو و نما دے نخل کو کرم کا ترے سحاب

ہے یہ جہاں میں وہ درِ دولت سرا کہ یاں
ناکام مجھ سا آن کے ہوتا ہے کامیاب

قطرہ تجھ ابرِ فیض سے پہونچے جو سوئے بحر
جاوے رگڑنے چرخ کو موجِ دُرِ خوش آب

دریا کو سیرِ کشتی سے تیرے ہو یہ شرف
لاوے عجب نہیں جو نُما بیضۂ حُباب

روشن دلوں کو گر نہ ہو مسجود در ترا
رکھے نشان سجدہ جبیں پر نہ ماہتاب

معراج [illegible] کی جو ہو عرش کے پرے
معراج اُمت اس میں جو اس جا ہو باریاب

یہ عدل [illegible] ترا کہ قوی کو ضعیف پر
کرنے سے اب قدی کے اتا ہے اجتناب

گنجشک کے چلے نہ وہ تیر آشیاں تلک
پر گیری میں لگائیے جس کے پرِ عقاب

پہونچا نہ تیرے عہد مبارک میں ایک روز
از دست محتسب کوئی تا پا ی احتساب

ہیبت سے کانپتی ہے منا ہی اب اسقدر
ہو جائے کیا عجب عرقِ بید گر شراب

سامان تیرہ روزی ہے بہرِ سرِ عدو
تیری وہ تیغ قبضہ ہو جس کا سیاہ تاب

کیا تاب ہے عدو کی جو ٹھہرے ترے حضور
سُن کر نہیب قہر کو تیرے گہِ عتاب

ہر پرت پرت کوہ کا یوں اُڑ چلے کہ جوں
کھُل جاوے بادِ تند سے شیرازۂ کتاب

جز ماہِ نو قرینہ نہیں تجھ کمان کا
ترکش کا چھٹ خطوط شعاعی نہیں جواب

اُس رخشِ برق [illegible] کی ترے وصف میں تنہا
میں نے کیا ہے مطلع روشن یہ انتخاب

مطلع

[illegible] میں اُسکو صورتِ سیماب اضطراب
چالاک تر خیال سے اور وہم سے شتاب

گلگوں بھی اُس کو کہیے تو ہے یہ سخن بجا　　آتی ہے پاس جس کے عرق سے یہ از گلاب

ٹک رہ عناں کشیدہ تو اُس پر گہ خرام　　ہے آرزو صبا کو کہ بوسہ دے بر رکاب

بخشی جو تجکو حق نے جوانی میں سلطنت　　شیبِ زمانہ کو یہ ہوئی خواہشِ شباب

نزدیک شام کچھ یہ شفق پھولتی نہیں　　کرتا ہے چرخ پیر حنا باندھ کر خضاب

اس بارگہ کو کیوں نہ فلک مرتبت کہوں　　جس کی بلند کا کہکشاں سے بھی ہو طناب

اُستاد ہونے میں ہے یہ کچھ اس کی عظم و شان　　اُٹھتا ہے جس طرح شفقی رنگ ہو سحاب

رفعت ہر ایک چوب کی برتر خیال سے　　کولے میں قطرہ وہم کے آوے یہ کیا حساب

خوبی میں بادریسونکی اُس کے کہیں سو کیا　　جوں معجزہ نبیؐ سے ہو دو حصّہ ماہتاب

اس اس روش کی قالین گلگوں ہے اسمیں فرش　　دیکھی نہ ہو گی موسم گل نے جسے بخواب

برجِ حمل کی طرح سے ہے اُسکے بیچ تخت　　تو اُس میں یوں شرف کے ہو جوں گھر میں آفتاب

سودا کرے ہے ختم دعائیہ پر سخن　　اس جا نہیں ہے طولِ سخن مقتضائے داب

اُس تخت پر بمسندِ اقبال بیٹھ کر　　کرتا رہے تو شادیِ نوروز اے جناب

قصیدہ در مدح نواب وزیر الممالک عماد الملک مدار المہام آصف جاہ نظام الملک بہادر غازی الدین خاں

فجر ہوتے جو گئی آج مری آنکھ جھپک　　دی دو ہیں آکے خوشی نے درِ دل پر دستک

پوچھا میں کون ہے بولی کہ وہ میں مجھ غافل　　نہ لگے شوق میں جس کے کبھو شائق کی پلک

ہے خوشی نام مرا ہوں میں عزیز دلہا　　زندگانی کی حلاوت ہے جہاں میں مجھ تک

کھول آغوش دل اور لے مجھے جلدی ناداں　　پھر خدا جانے یہ دن کب تجھے دکھلائے فلک

سُن کے یہ مژدۂ جاں بخش جو میں کھولی آنکھ　　اشعۂ نور کی سی مجھ کو نظر آئی جھلک

آنکھیں مل کر کے جو دیکھوں ہوں تو اک بادلہ پوش — سر سے لے غرق جواہر میں وہ ہے پانوں تلک
حُسن ایسا کہ جیسے ماہِ شبِ چاردہم — یک بیک دیکھے تو یک چند ہے رہجائے بھچک
چہرے میں ایسی ہی گرمی کہ شب و روز جیسے — باؤ کرتی رہتی ہے دامنِ مژگاں کی جھپک
زلفیں یوں چہرے پہ بکھری ہوئی مانگیں تھیں دل — جس طرح ایک کھلونے پہ ہٹیں دو بالک
جعد وہ قہر کی بہنے میں ہو جس کے ہر لہر — گھر ڈبا دینے کو عشاق کے دریائے اٹک
ناگنی بیچ میں آ اُن کے نہ مانگے پانی — کھیل جاوے وہیں کالا جو دے اُسکی لٹک
جبیں ایسی کہ جگر ماہ کا ہو جاوے داغ — اُس کی تشبیہ سے جب اُس کو تجاوز دے فلک
قتل کرنے کا یہ جوہر نہ ہو شمشیر کے بیچ — اُس کے ابرو سے مشابہ نہ بتا دین جب تک
ڈھیٹ وہ تیر کہ عالم میں نہیں جس کی پناہ — چشم وہ ترک کہ ہو قوم جھفوں کا ازبک
قند اُس چشم کا ایسا کہ مژہ سے خونخوار — متّصل چونکتے پا کر دیا کرتے ہیں تھپک
حُسن سے کان کے آویزی میں یہ لطف کہ جوں — مستعد قطرۂ شبنم کہ پڑے گل سے ٹپک
بحر خوبی کی گویا مچھلی ہے قلاب کے بیچ — نتھ کے حلقے میں جو دیکھے کوئی نتھنے کی پھڑک
نظر آیا نہ دہن بینی کو تنگی کے سبب — منخریں اپنی سے گو اُن نے تراشی عینک
مسی آلودہ لب اخگر کی تہِ خاکستر — کہ ہوا سے وہ سخن کہتے تو جاتی تھی دہک
سلک گوہر کی صفا دام لے اُن دانتوں سے — برق دریوزہ کرے موج تبسم کی چمک
دونوں عارض گویا شیشے ہیں مےِ گلگوں کے — زنخ اُن دونوں میں یوں جیسے نمکداں میں گزک
وصف میں اُس کی ملاحت کے پڑھوں اک مطلع — جس کے آگے نہ رکھے مطلعِ خورشید نمک

مطلع

رنگ رخسار سے شرمندہ ہوں کندن کی دمک — آ گئے غبغب کے تجانت زدہ ہونے کی ڈلک
ڈھیلے بیچ اُس کے نے گردن کا بڑھایا یہ حُسن — جلوہ گر شمع ہو جیسے تہِ دامانِ شبک
ساعد و دست حنا بستہ کی ایسی حرکات — شاخ میں گل کے [illegible] بہنے سے جوں آئی لچک

دیکھے جو اُس کے کچوں کو یہ تیقن ہو اُسے — تنبو یہ تان کے یاں کام کا اُترا ہے کنک
یا وہ معجون مبہی کی ہیں ڈبیاں ایسی — آوے ہیجان میں چھیڑ سے جنھیں روح ملک
پیاری پیاری وہ نگیں نظروں میں ایسی کہ نگاہ — یہی چاہے کہ کبھو پاس سے اُس کے نہ سرک
لیتے یہ قصد رکھے ڈال دے تو ہاتھ اُن پر — لنگ کے دل میں بھی آجائے کہ لے بھاگ اُچک
ناف کے حُسن کو اُس کے جو کیا میں نے قیاس — دلنشیں یوں ہوا میرے کہ بلا شبہہ و شک
نرگسی چشم کوئی ہوگا کہ جس کی یہ آنکھ — لگ کے چھاتی سے صفا کے سبب آئی ہے ڈھلک
کمر اُس کی میں نہ دیکھی کہ کروں اُسکا وصف — تھی وہ اک آہوئے دل کے لیے چیتے کی لپک
آگے تو کہہ نہیں سکتا میں کچھ اُسکی تعریف — یوں حیا کہتی ہے مجھ سے کہ بس اب زیادہ نہ بک
پس میں زانوں کو کہوں کیا کہ وہ ہیں آئینہ — اُس سے بھی چھوٹے نہ آنکھ اُن سے اگر جائے اٹک
آوے جب بزم میں اُس ساق بلوریں کا ذکر — جلوۂ شمع کا پامال حسد ہو وے نمک
پشت پا چھینے روے لیلی سے مجنوں کا دل — خون فرہاد سدا شیریں سے چاہے وہ کنفک
وقت نظارہ مری جب نگہ دیدۂ حور — سر سے لے اس قدر رعنا کی گئی پانوں تلک
فندقِ پا لگی کہنے کہ نہ دیکھا ہوگا — سرو کی بیخ سے پھولا گل اورنگ اب تک
قامت ایسا ہے کہ ہنگام خرام اُس کے اگر — آگے آجائے قیامت تو یہ بولے کہ سرک
قدم اس دھج سے رکھے ہے کہ سر عالم کا — موجب شور ہو خلخال کی پانوں کی چھنک
کج وا کج چلے جس طرح وہ اٹکھیلی سے — موج دریا بھی اُسے دیکھے تو رہ جائے ٹھٹک
زرق برق ایسی ہے پوشاک میں اُسکے کہ جسے — کوند بجلی کی کہوں یا کہوں شعلے کی چمک
جیسی سج سے تھی گلے بیچ حمائل گل کی — ویسی ہی عطر کی بو ویسی ہی سوندھی کی مہک
کیفی یاں تک یہ انداز سخن میں اُس کے — کسی کو بہشت کہہ اُٹھتا کسی کو ددت دبک
بات اس لطف سے بہکی تھی دہن سے اُسکے — بادہ جوں ساغر لبریز سے جاتا ہے چھلک
غرض اس شکل سے آئی۔ جو نظر وہ کافر — کہا میں دل کی [illegible] دیکھ کے اللہ معک

ناگہ اُس شوخ نے مجھ سے یہ کہا اے سودا! — اب تو شیشۂ اندوہ کا پتھر سے پٹک
یہ بھی کوئی طرز ہے رہنے کا زمیں پر ناداں — یہ کوئی طور ہے جینے کا ترے زیرِ فلک
نہ ترے گھر میں کبھو ناچ میں ہوتے دیکھا — نہ ترے در پہ سُنی آکے پکھاوج کی گمک
آدمی کے تئیں کچھ گرمیِ صحبت ہے شرط — وہ بھی انسان ہے دُنیا میں جو اتنا ہو خنک
گر ترا وضع زمانہ سے ہے دل افسردہ — بہر ہم آئے ہیں ترے گھر میں ادھر دیکھ تنک
ایسے مہماں کی تو لازم ہے کہ خاطر ہو عزیز — بادہ بھر شیشے میں رکھ لا کے نمکدانِ گزک
بزم آراستہ بلوا کے کر ارباب نشاط — پاس لے بیٹھ ہمیں سب کو چھکا آپ بھی چھک
آج وہ دن ہے کہ جس گھر میں تو دیکھے اُسمیں — کہیں ہوتی ہے بھگت اور کہیں ہے اد لک
یا شکل شیخ و برہمن ہیں طرب کے مصروف — دیر میں بجتی ہے مردنگ حرم میں ڈھولک
تارِ تنبور نہیں رشتۂ زنار فقط — لگے سر ساخ میں تسبیح کے بھی دانتوں تک
بادہ کو ہاتھ سے زاہد کے نہ ہیوے ملّا — پھر یہ راضی ہے کہ کپڑوں پہ جو چھڑکے تو چھڑک
محتسب سے چلے ہے مست رگڑ کر کاندھا — مغبچہ آیا چلا قاضی کے آگے ندھڑک
سُن کے میں نے یہ کہا اُس سے کہ اے مایۂ ناز — خیر ہے بات سمجھ کر تو کہہ اتنا نہ بہک
بے سبب کیونکہ میں اندوہ کی الفت چھوڑوں — کس طرح دوستیِ غم کروں دل سے منفک
وجہ کچھ ہووے تو کر مجھ سے تو اُس کا اظہار — کچھ جہت ہو تو بیاں کر کہ سنوں میں بھی تنک
کرکے دریافت یہ مجھ سے کہا اُس نے کہ مگر — شمع میں تیرے یہ مژدہ نہیں پہونچا اب تک
آج اُس شخص کی ہے سالگرہ کی شادی - — کہ بصورت ہے وہ انساں و بسیرت ہے ملک
یعنی نواب سلیماں فرو نام آصف جاہ — عہد میں جس کے یہ غیور بزرگ و کوچک
کسی کے آگے کوئی ہاتھ پسارے کیا دخل — مٹھی باندھے ہوئے پاتا ہے تولّد کودک
عدل یہ عصر میں اُس کی ہے کہ ہر ایک طبیب — شعلۂ تپ کو بھی تبرید لکھی خار خسک
کرنے دیوے نہ رفو چاک کتاں کو انصاف — تا نہ رشتہ کے لیے ماہ کی کھولے یہ پیچک

راجؑ اتنی ہے مروّت کہ غزالوں کو پلنگ — اس طرح سمجھے ہے فرزند گویا لے پالک
دور میں اُس کی ہے یاں تک تو مہیات ذلیل — کشمکش مے پہ نٹ اُٹھ بنگ سدا زیر کتک
ہمت اُس کی پہ نظر کیجیے تو اک آن کے بیچ — ویسی پہونچے ہے دو صد یار یہ مطلع لب تک

مطلع

تجھ سے ممنون فقط روے زمیں پر ہر یک — بارِ احساں سے ترے ہے دو تا پشت فلک
ہو گہر بار تجھ آگے جو سحابِ نیساں — برق ہو گر متبسم اُسے مارے چشمک
آگے تجھ بحر کرم کے صدفِ پُر گوہر — مٹھی اُس کی ہے جیسے نکلے بشدّت پہ چیچک
چل سکے ہے نہ کسی امر میں تدبیرِ حکیم — مہر سے راے کے تیرے وہ نہ لے تا دستک
حلم تیرے کے جو ہموزن فلک سے کچھ شے — ڈال دیوے زرہ سہو و خطا کوئی ملک
بار تجھ حلم میں ہے یہ کہ ترے وقت خرام — ہووے ذرّہ بھی اگر مرکز خاکی کو دھک
صدمہ ایسا کمر گاو زمیں کو پہونچے — شاخیں ہر چند وہ کھجوائے تو نکلے نہ کسک
دست دوراں سے موالید کا سررشتۂ کار — نعرۂ قہر کی ہیبت سے ترے جائے ٹھٹک
پیل دنیا نہیں کچھ پیل کا پشہ کو کام — حول قوت سے ترے چاہیے ٹک اُس کو کمک
تجکو للکار کے میداں میں صفِ مرداں کے — سامنے آئے ترے کون ہے ایسا مردک
وہ جواں تو ہے کہ آگے سے ترے رستم بھی — گاؤ سر مار بغل جائے وہ بے پاتوں کھسک
اور ٹھہرے بھی کوئی آن تو حق نے دی ہے — دست و بازو میں ترے قوت و قدرت یاں تک
اُس کے مرکب سے ملا کر دو ہیں مرکب اپنا — ہاتھ چکے میں دے اور زین کے خانہ سے اُچک
مارے جب زور سے دے چرخ زمیں پر تو اُسے — کمر دائرۂ خاک میں آدے یہ لچک
کوہ ہر ایک اُچھل کر جو زمیں پر بیٹھے — توڑ کر روے سما چور کرے پشت سمک
کیوں نہ کوسِ لمن الملک تو مارے ہر دم — جب تری تیغ میں ہو جوہر برش یاں تک
کھینچ کر اپنی کمر سے جو تو مارے اک ہاتھ — شکل نقارہ کی جوڑے کے دو حصّہ ہو فلک

نہ چلے خامہ اب آگے نہ سیاہی ہو رواں
باد پا کا ترے کچھ وصف نہ کیجے جب تک

چڑھ کے اُس پر جو ترے طبع میں گذرے یہ خیال
قاش سے زین کے ٹک لیجے اگر باگ اُچک

گاہ آجائے نظر گاہ نظر سے غائب
پھر ہوا بیچ وہ شبرنگ ہے جگنو کی دمک

روبرو سے اگر آئینہ کے اُس گلگوں کو
پھینک دے چڑھ کے جو تو شرق سے تا غرب تلک

اتنے عرصے میں پھر آوے کہ اسے باور کر
عکس بھی آئینہ سے ہونے نہ پاوے منفک

شوکت و شان کہوں کیا میں ترے ہاتھی کی
چرخ پر جوں مہ نو ماتھے پہ یوں اُسکے گجگ

وصف میں اُسکی بزرگی کے پڑھوں اک مطلع
گوش دل سے جو سخن رس متوجہ ہو تنک

مطلع

اُس کے گجگاہ کی اللہ رے چہرے پہ لٹک
کہکشاں جوں شب یلدا میں نمایاں بہ فلک

بیٹھنے میں ہے وہ کوہ اُٹھنے میں ہے ابر سیاہ
عرش رفعت میں وہ اور چلنے میں جوں چرخ اٹک

شجر طور کا چہرہ پہ ہو اُس کے جلوہ
رنگیں تزئیں کے لیے جس گھڑی اُس کی مستک

جھول پر اُس کے ستاروں کا کہوں میں کیا حسن
تارے جس طرح رہیں رات اندھیری میں چھٹک

لے کے خرطوم میں زنجیر پھر آوے وہ اگر
اُس کے دانتوں کو یہ سمجھے جو کوئی ہو زیرک

لیلی نے ہاتھ نکالے ہیں سیہ خیمہ سے
ملنے کو مجنوں سے سُن سلسلۂ پا کی جھنک

روز میداں اُسے دیکھو تو دلاور اتنا
سر کے واں سے نہ جہاں سے کہ زمیں جائے سرک

سامنے اُس کے وہ چھوٹے ہے پٹاخوں کی لڑی
داغیں اک مرتبہ سو توپ جو ہم سنگ اٹک

چرخی کیا چیز ہے لاوے وہ جیسے خاطر میں
بان بجلی کی کڑک کا کبھو پہونچے واں تک

چلابے وہ توڑ کے جوں نیشکر اُس کے چھڑ کو
پانوئں کھجلانے لگے سوز میں لے کر پولک

بے تکاں اس قدر اُس کا ہے چلاوا جیسے
مہر میں ابر کے آنے سے ہو سایہ کی ڈھلک

اس قدر ہے وہ سبک رو کہ کبھو چلتے وقت
پانوؤں کی اُس کے دلِ مور کو پہونچے نہ دمک

اُس کے ہودج پہ تجھے دیکھ کے سمجھے ہے یہ خلق
کرسی پر عرش کہ ہے صورت انساں کا ملک

خیمۂ جاہ کا تیرے سو کروں کیا مذکور
ہووے اُستاد جہاں تیرے جلو کی اسپک

آسماں کو نہ کریں اُس کے تلے سے بے چوبہ
کہ نپٹ کہنہ ہے یہ اور نہایت کو چک

اللہ اللہ ترے مطبخ کا تجمل جس کا
طبق روئے زمیں سے ہے پُرا خوان چشنگ

کافی وہاں لیوے کو محصول نہ ہو کرماں کا
حاصل ہند سے پورا نہ پڑے اُسمیں نمک

چرخ و کہسار کو مصرف سے ہے دہشت دانگے
آپ کو پا کے مشابہ بہ پیاز و ادرک

اُس کے مصرف کے جو دیہات ہیں بُرا نمیں سے
اپنے مدّاح کو بھی کر دی مقرر رصنک

تو ہی اب دل میں کر آپ عرض مری کا انصاف
جائے کس در پہ کہو پہونچ کے ایسے در تک

جبہہ سائی ہی پر رکھ یاں فدا انساں کے لیے
آستاں کا ہے ترے سنگ یہ از سنگ محک

ختم کر اب تو دعائیہ پہ سوداؔ یہ کلام
آمیں کہنے کو گئے باب اجابت پہ ملک

یا الٰہی جو یہ تیرا ہے چراغِ دولت
تا ابد اُس سے منوّر رہے قندیل فلک

تا قیامت رہے مسجود خلایق دو جگ
مسندِ جاہ کی تیرے بچھے جس پر تو شک

جو ترا دوست ہو اب آئینہ گیتی پر
اُس کی تمثال کبھی ہونے نہ پاوے منفک

کاتبِ دست قضا شکل عدو کی تیرے
صفحۂ ہستی سے جوں حرف غلط کر دے حک

ایضاً قصیدہ در مدح نواب وزیر الممالک عماد الدولہ مدار المہام آصف جاہ نظام الملک بہادر

کہے ہے کاتب دوراں سے منشیِ تقدیر
سمجھ کے دفترِ قسمت کیا کر اب تحریر

یہ روز و شب تو بنائے گا تا کجا اِسطرح
کہ جامِ مہر میں آتش دے مہ کو کاسۂ شیر

گمان و عہد نہ کر اب تو بحرِ دُنیا سے
گہر نکالے تو عریاں حباب پہنے حریر

رہائی اس میں ہے تیری کہ کاغذِ سابق
درست کر لے عطارد کو کر کے اپنا مشیر

وہ سلطنت کہ نمونہ جسے خدائی کا
کہیں ہیں شرق سے تا غرب ہر صغیر و کبیر

سُنا نہیں ہے کہ غازی دیں عماد الملک
جو میر بخشی تھا ان کا سواب ہوا ہے وزیر

اگر طلب کرے کاغذ وہ تجھ سے اے ناداں
تو کر سکے گا پھر اُس وقت اُسکی کچھ تدبیر

دیا جواب یہ اُن نے کہ میرے کاغذ میں
حضور اس کی کسی وجہ کی جو ہو تقریر

یقیں ہے خامۂ دستِ کرم سے اُسکے مجھے
سوائے عفو مرے حق میں کچھ نہ ہو تحریر

مری خطا بھی ہے کچھ چیز اُس کے ہمت پاس
ہر ایک لحظہ جو بخشا کرے ہے گنجِ خطیر

گہر فشاں ہے سدا دستِ فیض کا اُس کے
تگرگ بار نہ ہو جس کے ابر عشر عشیر

غنی ہوا ہے یہ اُس کے کرم سے ہر محتاج
کہ فرق ہو نہیں سکتا بہم امیر و فقیر

تمیز کیا کہوں اجرائے کار کی اُس کے
کہ جس کے رمز کو پہونچے نہ آسماں کا دبیر

دو دام زلف بتاں سے کرے اُسے تنخواہ
جو مانگے فرقۂ عشاق سے کوئی جاگیر

بیاں میں کیا کروں اُس کی شجاعت اب جس کو
یہ کہتے ہیں صفِ مرداں میں کیا جواں کیا پیر

عجب نہیں ہے کہ قالب کرے تہی مریخ
اگر وہ چرخ پہ چڑھتے سُنے تری شمشیر

برش کی اُس کے جو دہشت نہ ہو زمانے کو
تو ہو وے رنگ نہ اُس کا ہر ایک دم تغییر

جہاں کے باغ میں نقاش تیرے گلگوں کے
جو چاہیں شکل بنا دیں تو کیا کریں تدبیر

کہا مصورِ بادِ بہار نے جس کو
اگر قیاس میں ٹھہرے تو کھینچیے تصویر

نہ دوں گا اُس کو میں تشبیہ برق دانش سے
ترے حضور کروں جست و خیز کی تقریر

نہیں ہے مرکزِ خاکی پہ اُس کے جلدی کا
بجز طبیعت معشوق کچھ عدیل و خطیر

رکھا کرے ہے سدا اُس کے گرد جولانگہ
دماغ آہوے تاتار پر ز بوئے عبیر

ترے رکاب کے بوسے کی آرزو تھی ولے
نہ آیا اپنے تئیں ماہِ نو سمجھ کے حقیر

ثنا میں صفحۂ کاغذ پہ تیرے ہاتھی کی
قلم کو ہاتھ میں لے کیا بیاں کروں تحریر

صفِ عدو کے لیے رزم میں ہے روزِ سیاہ
ہے شمعِ بزمِ محبتاں کے واسطے شبِ قیر

بجا ہے گر کہوں اُس کو اندھیری ساون کی
چوے ہے مستی سے اس طرح جوں سحابِ مطیر

یکان پا کی صدا اُس کی جو سُنے سو کہے
سیاہ خیمۂ لیلیٰ میں قیس بے زنجیر

برہمن اُس کو تو گنیش دیوتا بولے
کہیں ہیں شیخ ہوا کعبۂ رواں تعمیر

غرض ہے بات علیٰ قدر فہم انساں کے
چنانچہ مجھ سے جو پوچھو تو یوں کروں تقریر

زمیں کی چھاتی کو داباہے آسیا ہی نے
زبان خلق اُسے کچھ کیا کرے تعبیر

مآل پہ یہی اس گفتگو سے ہے سب کا
جہاں تک اُس کے یہ مدّاح ہیں صغیر و کبیر

کہ جس دن اُس پہ عماری تو باندھ کر ہو سوار
تو گویا برج حمل میں ہے آفتاب منیر

بیاں نیں کیا کروں سامان تیرے لشکر کا
کرے ہے کوچ کسی سمت جب وہ جمع کثیر

گماں میں خلق کے آتا ہے دیکھ کر یہ نگاہ
زمیں پہ ابر یہ چھایا ہے یا چلی ہے بہیر

ستم جہاں سے ترا عدل یوں کرے معدوم
کہ جیسے خاصۂ تریاق زہر کی تاثیر

یہ پرورش ہے جہاں کی تری عدالت سے
کہ شیر کا بچہ دگوسپند ہے ہمشیر

جو کھینچے یاد میں تجھ خلق کے چمن نقّاش
تو بو مشام میں عالم کے دے گل تصویر

نہیب قہر ترا ہو جو بحر و بر او پر
جگر نہنگ کا نیرے ہو آب زہرۂ شیر

وہ کنہ کون سی ہے پردۂ عدم کے بیچ
کہ تیرا مدرکہ اُس کا ہوا نہ ہووے مشیر

مدبری کی تری کیا ثنا کرے کوئی
کہ جس کے حق میں یہ مطلع ہے مثل مہر منیر

مطلع

نہیں ہے معجزہ عیسیٰ سے کم تری تدبیر
کیا ہے زندہ سر نو سے جن نے عالمگیر

رواج دینِ نبیؐ کا یہ عہد میں تیرے
کہ شکل انس پہ عائد نہ ہووے اب تکفیر

شکست دے ہے بتوں کو جو سومنات کے بیچ
صدا نکلتی جرس سے ہے کیا ہے وہ تکبیر

اگرچہ فتح دکن بیچ جا کے اکبر نے
لیا ہے بھاگ نگر اور قلعۂ آسیر

عزیمت اسم کو تیرے اگر پڑھے کوئی
کرے وہ ہند میں بیٹھا ستاروں کو تسخیر

جو تیری ذات سے ہر نیک و بد نے اپنا کام
کیا درست سو اُس کو میں کیا کروں تقریر

که جیسے اہل مذاہب نے جلد قرآں سے — لکھی ہر ایک نے اپنے طریق پہ تفسیر
غرض نہ خلق ہو دنیا میں آدمی تجھ سا — کریں جو خاک کو آدم کے لاکھ بار خمیر
پس اس طرح کے بشر کی کوئی ثنا مجھ سا — اگر کرے تو وہ ہوتا ہے واجب التعزیر
اگرچہ میں یہ قصیدہ کہا تو ہے لیکن — تری ثنا کی صفت ہو یہ زباں تقصیر
کرے ہے عرض یہ سودا ہمیشہ عالم کا — رہے تو کار کشا اے امیر ابن امیر
گرہ جو کام میں اعدا کے تیری ہے اُسمیں — پڑے ہزار گرہ مثل دانۂ انجیر

قصیدہ در مدح نواب وزیر الممالک اشجع دوراں

میں نے ذرِ سخن کو دیا سنگ رنگ ڈھنگ — تھا ورنہ اس رقم میں کب اس رنگ رنگ ڈھنگ
میزاں جہاں ہو فہم کی واں کس کے وزن کا — پہونچے مرے سخن کے بہا سنگ رنگ ڈھنگ
ٹک دیکھوں اپنے مصرعِ موزوں کو میں بغور — تیغِ سخن بھی رکھتی ہے کیا انگ رنگ ڈھنگ
کس کو ہے فن شعر میں مجھ ساتھ ہمسری — قطرہ بنا دے پیش لب گنگ رنگ ڈھنگ
بلبل کے زمزمے کا چمن بیچ کیا مجال — پیدا کرے کلاغ بد آہنگ رنگ ڈھنگ
سمجھے ہے مرغ معنی عرش آشیاں اُسے — رکھتا ہے باز کا جو مرے چنگ رنگ ڈھنگ
نقاش میں تو وہ ہوں سخن کا کہ سیکھتا — شاعر ہے مجھ سے مانی ارژنگ رنگ ڈھنگ
میرا وہ مرتبہ ہے کہ خلقت کے شعر کا — رکھتا ہے شاعری کا مرے ننگ رنگ ڈھنگ
جس گل زمیں پہ ہوں میں تو اشعار کا مرے — پہونچے ہے واں سے لاکھوں ہی فرسنگ رنگ ڈھنگ
اصلاح ہو نہ میری تو اوروں کے شعر کا — نادان سے نہ نکلے کسی ڈھنگ رنگ ڈھنگ
کردوں میں اُس زباں کو رواں جس زبان کا — مارا ہوا ازل سے ہو ادھر رنگ رنگ ڈھنگ
جس جا کہ میں بلاغت فراہم کروں تو واں — ذرہ رکھے نہ صاحبِ فرہنگ رنگ ڈھنگ
آئینۂ سخن پہ معانی کے شکل کا — رکھتے ہیں جن کے لفظ تہِ زنگ رنگ ڈھنگ

زنہار اُس سے یہ نہ پھریں ان سے جس طرح — کہتے سخن کا وسوسہ تنگ رنگ ڈھنگ
صنعت میں شعر کی غزل تیغ بیت کا — کرتا ہے ان یہ قافیہ کو تنگ رنگ ڈھنگ
مجکو نہنگ بحر معانی سے کام ہے — سمجھے سخن کو کیا کوئی خرچنگ رنگ ڈھنگ
یعنی شجاع الدولہ بہادر کے فیض کا — پہونچا ہے جس کے لاکھوں ہی فرسنگ رنگ ڈھنگ
کر اُس غزل کو دور کہ تیری جناب میں — داد اُس کا چاہتا ہے بہر رنگ رنگ ڈھنگ

غزل

دیکھا جو دیر کعبہ وہمسنگ رنگ ڈھنگ — کچھ ایک سا رکھیں ہیں ہم سنگ رنگ ڈھنگ
کرتا پرستش اُن کی جو پاتا انھوں کے بیچ — یاروفادل کے ہیں ہمسنگ رنگ ڈھنگ
کیا تجھ لبوں سے لعل کو نسبت کہ انکی طرح — پہونچا سکے ہے کوئی ہم سنگ رنگ ڈھنگ
سودا میں کیا کہوں درو دیوار باغ کا — رکھتا ہے یار بن غم وہم سنگ رنگ ڈھنگ
بس مجکو مغتنم ہے کہ میرے سخن کے بیچ — اتنا بھی دہر کا جو رکھے ڈھنگ رنگ ڈھنگ
تیری تو وہ زباں ہے کہ جس پر ہر آن نطق — جوں گلستاں رکھے ہے بہر رنگ رنگ ڈھنگ
مریخ تنگ ہے لے کے عطارد سے چرخ پر — سیف و قلم کا دیکھ ترے دنگ رنگ ڈھنگ
لے کر قلم جو نقش کرے کوہ پر نگاہ — یاقوت کو تو بخشے بہر سنگ رنگ ڈھنگ
جیتا کبھو عدو کے تئیں تیرے سیف کا — جانے نہ دے ز دائرہ جنگ رنگ ڈھنگ
اک پیل و اک نہنگ ہو اور دوہوں کر گدن — دیکھ اُس کی بحر برش کی بچہ نہنگ رنگ ڈھنگ
چنچل یہ بادپا ہے کہ جس کا طویلے بیچ — سیماب سا نہ کھینچنے میں تنگ رنگ ڈھنگ
جوں حلقہ مہوشاں کے ہو عارض پہ زلف کا — کاوے میں یہ رکھے ہے وہ شبرنگ رنگ ڈھنگ
عاشق کا رنگ تو یوں کہ معشوق کے مزاج — جلدی کا اُس کے دیکھ کے ہوں دنگ رنگ ڈھنگ
اُس کے کماں کا وصف کروں کیا میں اب کہ ہے — مشہور جس کا روم سے تا زنگ رنگ ڈھنگ
تیر اُس سے یوں چلے ہے کہ ارجن سے کتنوں کو — کر دے ہے جس کے توڑ کا بے تنگ رنگ ڈھنگ

مطلع یہ جا حضور پڑھوں گر وقار کا | پیدا کروں میں کوہ کے ہمسنگ رنگ ڈھنگ

مطلع

دریائے فیض کا ہے ترے ننگ رنگ ڈھنگ | پادیں کہاں ترا جمن دگنگ رنگ ڈھنگ
دامن کشادا بر گہر بار جیب کرے | بخشش کا تیرے آئے اسے تنگ رنگ ڈھنگ

قصیدہ در مدح نواب وزیر الممالک اشجع زماں شجاع الدولہ جلال الدین حیدر بہادر ہزبر جنگ

مرغ معنی کے اگر صید پر اپنا ہو خیال | عرش پرواز ہو تو کھل نہ سکیں اُسکے بال
نہ بچے طائر مضموں نظر انداز مرا | فکر عالی کی ہے شاہین مری راہ نوال
آوے ہے شعر و سخن پر جو طبیعت میری | معنی پردے سے عدم کے کرے ہیں استقبال
کچھ مجھے تازہ مضامیں کی نہیں سعی و تلاش | پھرتے ہیں ناطقہ میرے کے سدا وہ دُنبال
شست و شو دینے میں الفاظ کو جس پلنے سے | دُر دہے آب گہر سامنے اُس کے وہ زلال
نور خورشید ہو شب گھر سے فلک کے زائل | نور معنی سے مری بیت کے ہے دور زوال
جس زمیں پر میں کروں بیٹھ کے مصرع موزوں | واں بجز سرو ہے روئیدگیِ نخل محال
جو زباں داں متّبع ہو زباں کا میری | جہرہ ہونے کی فصیحی کو نہیں اُس سے مجال
خامہ کہتا ہے مرا ہے جو فصاحت اک چیز | سو زباں کی ہے مری خادمہ بے زر و مال
یہ زباں مجھ سے کی خامہ کو عطا کرنے سے | میں سمجھتا ہوں جو منشی ازل کا ہے مآل
کہہ رہے مدح میں ایسے کی سجے تا بہ ابد | پرورش کرنے میں گذرے ہے کہ دمہ کی مہ و سال
یعنی نواب فلک رتبہ شجاع الدولہ | قائم اُس کا رہے تا حشر یونہی جاہ و جلال

مطلع تازہ کرائے خامہ رقم اب ایسا
کہ یہ از مطلعِ انوار کیا جائے خیال

مطلع

بہ تمنائے جبیں بدر بھی ہوتا ہے ہلال — بسکہ یاں سجدے کے مشتاق ہیں ارباب کمال
یہ وہ در ہے کہ جہاں آکے بہم پہونچاوے — رتبۂ بال ہما ہر مگس بابے پر و بال
آستاں ہے یہ وہ عالم میں کہ جس کے در پر — جتنے ہیں خاک نشیں باغ کرم کے ہیں نہال
کرم انسان پہ جوہر ہے طبیعی تیرا — خواہ ہو نیک کوئی خواہ کوئی بد اعمال
کام کرنے کا اگر یہ یہ تغافل فرمائے — سایہ تیرا اگر اُٹھے عرض یہ تجھ سے کہ سنبھال
جس جگہ تیری مروّت کا زباں پر ہو ذکر — شعلہ داں جس کی اذیت کو سمجھتا ہے وبال
پدری کی ہے انھوں کی جو ترے دامن تک — مادر گیتی کی بے مہری سے پہنچے اطفال
مفلسی سے نہ مکدّر کوئی خاطر پائی — آب زر سے جو دھوئی تو نے زبس گرد ملال
تول پر ان کے نہ ہوتی تری ہمت جو دلیل — پوچھتا ہیں حکما سے ہے خلا کیونکہ محال
ہاتھ تیرے کا اگر عکس پڑے دریا پر — دُر مکنوں سے ہو مشت صدف مالامال
چاہیے ابر گہربار پسارنے دامن — پونچھ چہرے سے عرق جھٹکے تو اپنا رومال
جس گھڑی دہر میں تیرا ہو کفِ جود بلند — اور اس وقت کوئی تجھ سے کرے آکے سوال
ہو یہ انبار طلا دست تلے سائل کے — کہ جسے پنجۂ خورشید کا پہونچے نہ خیال
نطق نے تیس حرفوں سے ترے عہد کے بیچ — سین واو و الف و لام کو ہے ڈالا نکال
تو وہ عادل ہے جہاں میں کہ قلمرو میں ترے — چیونٹی دست تعدّی سے نہووے پامال
اس قدر سنگ نہ بوجھل ہو زمانے میں اگر — ارمغاں حلم ترا بار نہ پہونچے بہ خیال
صولت و قہر کے آگے ترے یوں دیو سیاہ — آنچ سے آگ کی جوں تاب ہیں آجاوے اُبال
روز میداں قدم اپنا تو جہاں گاڑے ہے — کوہ کا سینہ پھٹے دیکھ ترا استقلال
شرق سے غرب تلک رعب ترے نیزے کا — دھاک ہے تیغ جنوبی کی تری تا بشمال

اُسکی خونریزی سے یوں فوج عدو گھونگھٹ کھائے	جوں مہِ نَو سے محرم کے پلٹتا ہے سال
کافر حربی و موذی و منافق ملحد	ایک چورنگ ہے چاروں کا اُسے استیصال
کیا بیاں تجھ سے کروں وصف سپر کا تیرے	سایۂ مہر نبوت ہے تری پیٹھ پہ ڈھال
شست انداز سے تیرے ہو عدو کب جانبر	دائم انگشت تقفا تیر کے تیرے ہے بحال
تیرے شبرنگ کے جلوے کے تئیں جو دیکھے	کہے وہ اس کو کنھیا زرہ حسن و جمال
پہونچے کب اُس کے چلاوے کے تئیں وہم و گماں	سالہا گر وہ کریں دوڑنے کا استعمال
دیکھے اُس پر جو تجھے وقتِ کمانداری کے	رہے حیران نشانے کی طرح چشم غزال
ترے پیکر میں جو دیکھا ہے میں اُسکا ہتھیار	برق کے ابر و ہوا میں نظر آئی تمثال
روزِ میداں وہ اگر فوج عدو پر کڑکے	بدتر از صاعقہ لادے صفِ اعدا پہ زوال
تیرے ہاتھی کا بیاں، تجھ سے کروں میں لیکن	چھوٹا منھ اور بڑی بات نہیں اُس کا قال
رفعت و شان و بزرگی میں کہوں کیا اُسکی	مرتفع جس کے مہ و مہر سے ہووے گھنٹال
اس طرح مستک رنگیں پہ ہے اُس کی گجیاگ	جوں فلک پر شفقِ شام میں نکلے ہے ہلال
جلوہ گر ہیں شبِ دیجور میں گویا وہ شمع	حسن کو دانتوں کے اُسکے جو کیا میں نے خیال
پائل آنسادہ چلے ہے کہ اُسے باور کر	بخشے دشمن کے تئیں عمر ابد جس کی چال
باندھ دیں پانوں سے اُس کے جو عدو کو تیرے	پھر اجل چاہے کہ پہونچے اُسے ہے امر محال
اُس کی خوبی کا تو کیا ذکر ہے سبحان اللہ	وصف میں اُس کے رذائل کی زباں میری ہے لال
کوئی کہتا ہے سمیٹے کھڑی ہے آپ کو رات	کوئی بولے ہے نہیں چہرے پہ دن کے ہے خال
فی الحقیقت وہ جو ہے ایک یون نام نسار	ایکھٹی کہ اس نے گرہ دے رکھے ہیں اپنے بال
نالکی حق نے عطا کی تجھے ایسی جیسی	ہند کے تخت کو تا حشر رہے استقلال
تو ہے خورشید جہاں تاب کی صورت اور وہ	بے تصنّع بہ نظر برج حمل کی ہے مثال
خلق کو شادی نوروز سدا ہوتی ہے	دیکھ مسند پہ تجھے اُس میں بدوش اقبال

غرض انساں نہ کبھو پہونچے بہم تجھ جیسا — آسماں گر کرے خلقت کو جہاں کے غربال
کون ایسا ہے ہیں تشبیہ تجھے دوں جس سے — تو ہی آئینہ دہستی میں ہے اپنی تمثال
تو ہے جوں مہر جہانتاب بذرات جہاں — مہر کو ذرہ سے تشبیہ ہے تحمیق پہ دال
ختم کرتا ہے دعائیہ پہ سودا یہ کلام — دوست ہوں شاد ترے اور ہوں دشمن پامال

قصیدہ در مدح نواب وزیر الممالک شجاع الدولہ جلال الدین حیدر ہزبر جنگ

اشجار کا بستان جہاں کا ہے عجب ڈھنگ — جلتا ہے چنار اُس سے رُخ گل پہ جو ہو رنگ
بے مہری میں سیار گلستاں کے کہوں کیا — پھل دے انھیں جو نخل اُسے مارے ہیں یہ سنگ
جلتا ہے انھیں نخل حسد اُس سے ہے افزود — چشم اُن کی ہے جوں غنچہ دل اُن سے بھی کچھ تنگ
جو جام طبع کو قدحِ چشم سے اُن کے — بادے کی مروّت کے طلب دسوسہ بنگ
اظہار کریں کو رسے دیں چشم میں سُرمہ — واں اُٹھ کے لگے دوڑنے بیٹھا ہو جہاں ننگ
آ پھرتے ہوئے اُن کے دل و دیدہ کے اطراف — نت مہر و وفا عار کریں شرم و حیا ننگ
مہماں سے گرفت اتنی ہو یہ ماحضر اوپر — دل مرغ کے سینے پہ گویا باز کا ہے چنگ
ہے اُن سے غلط چاہیے صہبائے ترحم — شیشے کا انھوں کے ہے ٹھکانا جگر سنگ
دنیا میں توقع نہیں انساں کو کسو سے — چھٹ اسکے وزیر اب ہے جسے ہند کا اورنگ
کیا منھ مرا اور کیا لب و لہجہ ہے کہ اُس کا — لوں نام مفصل نہیں آداب کا یہ ڈھنگ
اس بحر میں وہ نام بزرگ آوے سو کیونکر — چلو میں سمندر نہیں آتا ہے کسی رنگ
ان بیتوں کے ہر حرف سر مصرع نظر کر — جو اسم شریف اس کے سمجھنے کا ہے آہنگ
شمہ جو بیاں کیجیے الطاف کا اُس کے — جو خوبی ہے دنیا میں لگے اُس کے دپاسنگ
الطاف و کرم کا جو شمار اُس کے کروں میں — عاری رہیں امواج کو گنتکر بہ لب گنگ

انصاف یہ اب عہد میں اُس کے ہے فریاد
لاتا نہ لبوں تک کوئی غیر از جرسِ زنگ

دیکھا نہ یہ حوصلہ جز اُس کے بشر کا
وسعت بھی زمانے کی حضور اسکے ہے کچھ تنگ

لعل اس کے تئیں بخشش میں کنکر سے ہیں کمتر
ہمت کا جہاں بیچ بھلا کس کا ہے یہ ڈھنگ

بازو کا اُسے زورِ شہِ ہند کا کہیے
ہیبت یہ جہاں اُس کے ہے ہر صاحبِ اورنگ

آمد کی خبر اُس کی جو ہو دے طرفِ روم
دہشت سے لرزتی ہی رہے مملکتِ زنگ

رو جب کرے میداں میں تو کیا تاب کہ اعدا
دکھلائیں نہ پیشت اپنی وہ در معرکۂ جنگ

لکھ وصفِ شجاعت میں قلم مطلعِ ثانی
دل مدح سے غائب کہ مرا اب ہے بہت تنگ

مطلعِ ثانی

رستم کو خبر ہو کہ ترا اُس سے ہے آہنگ
پیوے بھی جو یہ سُن کے تو کھایا نہ لگے انگ

بل چیونٹی کا پاوے تو کرے چھپنے کا واں قصد
بہمن پہ تجھے دیکھ کے عرصہ ہو نپٹ تنگ

طائر کے جو تو صید پہ لے تیر و کماں ہاتھ
ارجن کی وہیں چہرے سے پرواز کرے رنگ

حربے سے یہ دہشت پڑے ساونت کے دل میں
بچ جائے اگر جان سے کھا کر ترا سر چنگ

ہاتھ اُس کے ہیں دیکھ کبھو شمشیر برہنہ
اک آئینہ دکھلاؤ تو بھاگے وہ دو فرسنگ

چار آئنہ گردوں ہو اگر تن پہ عدو کے
آگے تری شمشیر کے ہے بھفڑ کا چورنگ

عرصہ ترے گھوڑے کے جو سرپٹ کا ہے اُس میں
پائے فرس بادِ سحر کرنے لگے لنگ

کچھ برق سی تڑپے ہے سدا ابرِ سیہ میں
تھا جو کہوں سو نہیں رکھتا ہے وہ شبرنگ

جس وقت کہ تیر زیں کو رکھ پٹکے ہیں اپنے
اُس رخشِ فلک سیر کا توان کے لیے تنگ

آہن کا کہیں گڑھ ہو تو دروازہ نہ اسکے
قالب تہی سنتے ہی کریں جتنے ہو سرہنگ

ہموزن ترے علم کا ہے وقر ہے تیرا
کہسار تو دونوں میں نہیں ایک کے ہمسنگ

خاطر یہ خلائق کی ہے تجھکو کہ سوئے باغ
بے رخصتِ بلبل نہ کرے سیر کا آہنگ

دل تجھ سے ہو میلا کسی طوطی کا یہ کیا دخل
آئینۂ فلک عہد میں تیرے نہ لگے زنگ

کھینچا ہے زبس سر بفلک عدل نے تیرے ‏ ‏ میزاں کی طرف دیکھ کے ذرہ نہیں پا سنگ
آتش رہے یوں آب میں انصاف سے تیرے ‏ ‏ آئینے میں جس شکل ہو عکسِ رخِ گلرنگ
تجھ چشم کا ہے نرگس شہلا چمنستان ‏ ‏ پاتا ہوں مروّت کے تئیں اُن میں بصد رنگ
دل بھر نہ گیا شیوۂ احسان سے تیرے ‏ ‏ خالی ہو کوئی دُرِ عدن سے جمن و گنگ
پس جو کوئی تجھ سا ہو ثنا اُس کی ہو مجھ سے ‏ ‏ ہرگز نہ اُسے مانیو کب مجھ میں ہیں یہ ڈھنگ
جس مرتبہ میں تجھ کو سمجھتا ہوں میں ممدوح ‏ ‏ یہ مع تو واں عار ہے مدّاح سو ہے ننگ
کتنے سخنِ واقعی میں عرض کیے ہیں ‏ ‏ خواہ اُن کو گہر سمجھے تو اب خواہ انھیں سنگ
سودا نہ چل اب آگے کہ یہ جائے ادب ہے ‏ ‏ کر قطع سخن کا تو دعائیہ پہ آہنگ
قبضے میں ترے قوتِ شمشیر سے تیرے ‏ ‏ لے شام سے تا روم رہے روم سے تا زنگ
پرواز ہما جب ہو سوے اوجِ سعادت ‏ ‏ شہباز کا طالع کی ترے اُس پہ رہے چنگ

در مدح نواب وزیر الممالک شجاع الدولہ بہادر ہزبر جنگ

خوں مرے دل میں نہیں تشنہ ہے گویا ترا ناز ‏ ‏ شرم سے خو کی تری پہونچی ہے آتش بگداز
گردشِ دہران آنکھوں کی بلا گرداں ہے ‏ ‏ بخت برگشتہ کا مژگاں کے تصدق انداز
جنبشِ لب بسخن آبروے چشمۂ خضر ‏ ‏ دمِ عیسیٰ کے لیے موجِ تبسم دم ساز
ہے سر دہر میں تجھ زلف سے سودا کہ ہوا ‏ ‏ پا بہ زنجیر اُسے سلسلۂ عمر دراز
نذر ہنگامِ ادا ایک جہاں کا دل و دیں ‏ ‏ ناز کے وقت گریبانِ دو عالم ہے نیاز
تیوری کی گانٹھ کا کب ہم پہ کھلے ہے عقدہ ‏ ‏ ہووے گی کوئی گرہ زہر کی یاں محرم راز
رخصتِ آفت نہ ہو تقدیر سے جب تک تیری ‏ ‏ گر نہ لے گوشۂ ابرو کے اشارے سے ساز
گاہ نرگس نظر آویں گہے آہو گہے ترک ‏ ‏ انکھڑیاں ہیں تری ظالم کہ کوئی شعبدہ باز
کینہ جوئی کا لقب کیا ذکر ہے سبحان اللہ ‏ ‏ مہربانی کا ترے جور فلک پا انداز

جو تو کہتا ہے نہیں دل کو ترے صبر و شکیب
اس محن سے تو ہے انصاف ہو دور و دراز

عہد میں حسن کے تیرے جو پیمبر ہو کوئی
معجزات اُس کے میں سے ہے صبر بڑا ہے اعجاز

کون وہ دن تھے کہ جب تک مرے نظارے کو
ترے آئینے میں پریشاں نظری کا تھا جواز

سو وہ صحبت ہے یہ بالعکس کہ پیش آئی ہے تو
مجھ سے ہر روز نیاز اور سے ہر شب بہ نیاز

نالہ و آہ سے میرے بجہاں رات کو خواب
بسی ہے چشم خلائق سے رہِ دور و دراز

ایک طالع کی تو اپنے نہ کہوں میں ورنہ
اُٹھ کے جب دیکھیے تا دیدۂ مہتاب ہے باز

امتحاں میری وفا تا بہ کجا کیجیے گا
صفِ عشاق میں سب جانتے ہیں اے طناز

یوں خم تیغِ جفا سے ہوں ترے سر بسجود
آگے محراب کے جس طرح سے ہو پیش نماز

کوئی سنتا نہیں فریاد کو میری ورنہ
آہ کی طرح میں ہو جاؤں سراپا آواز

دل کی گو کہہ نہیں سکتا ہے درا ہذا اندوں سے
کس لیے میں کہوں کچھ تجھ سے کہے کچھ غماز

مال و زر تھا سو دیا عشق میں تیرے برباد
نقد جاں پر نہیں راضی جو کروں اُسکو نیاز

کس طرح یہ ستم چاہے گا انصاف اُس کا
استخواں کو ہو مرے جور ترا تو تیا ساز

دہر میں دادرسِ خلق ہے اب جس کی جناب
اور ابنائے جہاں میں ہے سبھوں سے ممتاز

یعنی موسوم یہ نواب شجاع الدولہ
ذات سے جس کے زمانے کو ہے فخر و ناز

کیا بیاں اُس کی عدالت کا زباں پر لاؤں
سحر ہے صولتِ عدل اُس کے تئیں کر اعجاز

باز و کنجشک کی کھینچے جو مصوّر تصویر
رعب کنجشک سے پرواز کرے صورتِ باز

پیش خس تاب نہ آتش تو بجز خاموشی
نہ یہ طاقت کہ زباں اپنی کرے شعلہ دراز

عدل جس کا یہ ہو لازم ہے کہ اب اس کے حضور
جاؤں اس مطلع ثانی کے میں کرنے کو نیاز

مطلع ثانی

ذرہ نہ ہو قطرے سے اے بحرِ سخا کے ممتاز — گر ترا دستِ کرم ابر سے ہووے ناساز
ہمتِ عام نے تیری یہ جہاں اپنا کو — ہاتھ پھیلانے سے باہم کے رکھا یا شک باز
سیر چشمی ہے اب اتنی کہ کسی باغ کے بیچ — شاخ مانا نہ پڑے نخل کے باد ست دراز
یہ مسلم ہے کہ مہر و مہ پر کہ آفاق کے بیچ — زندگی بخش مسیحا کا ہے لاشک اعجاز
لیکن انجام کو پہونچاوے ہے تو کارِ شفا — مفلسی کی جو مرض کا ہو کسی کو آغاز
عہد میں اپنے شجاعوں کے وہ اشجع ہے تو — کہ تہوّر کو ہے تجھ دل کے شجاعت پر ناز
نعرۂ قہر کو تیرے جو سُنے رو دیں تن — استخواں اُنکی طرح شمع کی ہو جاویں گداز
شعلہ پرادہ تری تیغ ہے جس کی ہیبت — کوہ کی تیغ ملک رکھتے ہیں چلنے سے باز
لاکھ پانی سے بجھائے ہے وہ آتش لیکن — شعلۂ برق سے اب تک ہے زباں اُسکی دراز
اطلسِ ہفت فلک ہو جو عدو کی چلتہ — کٹی اس طرح وہ اس سے کہ جہرے سے جوں پیاز
کام صحت سے نہیں اُسکے جراحت کو مگر — عیسیٰ کا روبہ بہی لاوے تو لاوے اعجاز
ورنہ جرّاح کی کب بخیہ و مرہم کے ساتھ — ناخنِ شیرِ اجل کی ہو ٹہٹی کو ساز
حکم انداز ہے وہ تو کہ کماں کا قبضہ — ہاتھ اپنے میں کیا جس گھڑی جوں چنگل باز
چشم نے دہر کے دیکھا نہ ہوا ایں ہرگز — طائرِ روح سوا مرغ کو کرتے پرواز
زیرِ راں ہے وہ تری رخشِ صراحی گردن — شورِ قلقل سے بہ از صیحہ کے جس کی آواز
جلد پر اُس کی صفا سے ہے یہ کچھ کیفیت — دیکھ کر اُس کے تئیں جھکے ہے صد آئینہ ساز
بلوہی خوش بادِ سحر یال سے اُسکے تحفہ — لے کے جاتی ہے سوے زلفِ بتاں بہر نیاز
گوش سے تا بدم اُس کے ہیں گل خوبی سے — صد حسین جس کے طویلے کا نہ ہو پا انداز
اُچپلاہٹ سے تو پڑتی ہیں یہ اُگلی آنکھیں — رشک سے دل ہو جسے دیکھ چکاری کا گداز

پوزیہ اُس کی یہ از غنچۂ سوسن کہ جیسے — کسی گُرد کا گُلے کیب دہنِ خندہ طراز
مولد اُس کا ہے مگر نجد کہ رکھتا وہ ہے — نیچے میں غمزۂ خوبانِ عرب کا انداز
اُس سُبک رو کو جو پھینکے تو دے دریا پر — ٹوٹے ہرگز نہ حباب اُس کے بزیرِ تگ و تاز
خندق و قلعہ نہ ہو اُس کے ڈپٹ پر حائل — جوں ہوا اُس کو مساوی ہے نشیب و فراز
کڑک اُس کی میں کہوں کیا ہے جو کچھ سرٹے میں — باج دہ جس کے تئیں صاعقہ کی ہے آواز
اُس کے رہ جائے جہاں اُس کے تگاپو کی گرہ — طائرِ وہم کو پہونچائیے نہ واں تک پرواز
کیا کروں وصف ترے فیلِ فلک پیکر کا — تا بلند اپنی زباں سے نہ سخن ہو آغاز
یوں مہاوت کی ہے اُس مستکِ رنگیں پہ گجک — ماہ نو جوں شفقِ شام میں ہو جلوہ طراز
حُسن میں سیاہ قلم کی ہے وہ تصویر اُس سے — خانۂ صنعتِ حق کی نظر آوے پرداز
اس طرح دانتوں میں ہے خرطوم ہے اُسکے جیسے — موسم دے کے ہوں کو تاہ دن اور رات دراز
پائل ایسا کہ عجب کیا ہے بقوتِ رفتار — سایہ اپنے کو رکھے ہمرہی اپنے سے باز
بے تکاں پیرسے ہے دریا میں وہ اس صورت سے — رشک کھاتے ہیں جسے دیکھ سوارانِ حجاز
اس قدر ہے وہ دلاور کہ بروزِ ہیجا — استقامت کرے اُس کی جگرِ کوہ گداز
لاکھ گر توپ دغے اُس کے محاذی تو وہ — سمجھے پشہ کی تنیں اُن کی دغا میں آواز
غرض اس نظم سے تو یہ نہ سمجھیو ممدوح — کہ طمع پر ترے مدّاح کی ہو عرض نیاز
خلعت و اسپ و گہر تیرے نہ آگے کچھ چیز — نہ وہ میں اس لیے تجھ پاس کروں دست دراز
ہے تقدق جو مقرر مری خاطر اُس میں — نمکیں شیریں کو ہے ذائقہ سے میرے ساز
بہر پوشش مجھے ملتا ہے وہ جامہ جس کا — دامن آلودہ کی گو حرص سے رہتا ہے باز
مجھ کو کچھ کام نہیں تو مجھے جو چاہے رکھ — میں ہوں بندہ ترا اور تو ہے مرا بندہ نواز
مطلب اس سے یہ جو سوداؔ ہے ترا پیر غلام — اور کیا ہو سکے جز یہ کہ دعا بعد نماز
ترے اعدا ہیں نظروں میں زمانے کے ذلیل — حق دو عالم میں رکھے تجھکو با اعزاز

ایضاً قصیدہ در تعریف تیر و کمان و صفائی شست
و اصابہ تیر بہدف نواب وزیر الممالک

احکام پر ترے نہ کرے کیونکہ کام تیر
ہے یاں کمان حلقہ بگوش و غلام تیر

اُتنا ہی چست بیٹھے ہے جتنی کماں ہو شست
خوبی کا حق کرے ہے ادایاں تمام تیر

قربان چاہیے لبِ معشوق اُس پہ ہو
اس دھج سے تجھ کماں کا پڑے ہے دوام تیر

تو دے پہ تیرے ہاتھ سے بولے تبھی کہ جب
پہونچے ترے عدو کو اجل کا پیام تیر

پہونچا وے کس کے ہاتھ سے جز ہاتھ کی ترے
کارِ صفائی شست بایں انصرام تیر

جوں میل کھینچتا چلے سُرمہ بچشم مور
ہے تیر کے سوا ترے ایسا کدام تیر

پلہ کرے کمان تری تیر جس جگہ
پہونچے نہ واں قیاس کا باصد مقام تیر

چشمِ قضا کا حلقہ ہے لاشک تری کماں
اُس چشم کی نگہ کو کہے ہے عوام تیر

پھولے ہے تجھ سے یہ کہ نکل کی کماں سے
جس جا زمیں کے تودے میں پاوے قیام تیر

کھودا کرے جو واہمہ خلق جس جگہ
نکلے تو نکلے صبح سے لے تا بہ شام تیر

ہمسر ہے کس کا تیر ترے تیر سے کہ یہ
انگشت ہے قضا کی کہیں ہیں بنام تیر

جا تیری تیر خوردہ کی ہے اس لیے مقر
حربے ہیں تیرے جتنے ہیں ان میں امام تیر

تجھ سے بچھڑ کے صید چھپے گر پہاڑ میں
تو چھان کر پہاڑ کو کر دے تو دام تیر

لے کر کماں کرے جو تو عزمِ شکارِ مرغ
ہرگز رکھے ہوا میں نہ طائر کا نام تیر

اُڑتے کہیں نہ دیکھ سکے ملک ہند سے
جز اپنے اک پرند کو تا ردم و شام تیر

سوداؔ کی یہ دعا ہے کہ تیرے مراد کا
بیٹھا کرے نشانے چہ یارب مدام تیر

در مدح نواب وزیرالممالک جلال الدین حیدر شجاع الدولہ بہادر ہژبر جنگ و در فتح کردن بحافظ رحمت خاں

آیا عمل میں تیغ سے تیرے وہ کارزار
دیکھا جسے نہ ترک فلک نے بروزگار

بے سر ہوئے ہیں آج یہ سرکش کہ کر مہال
خاک اُن کی پر پڑو تو نہ قمرلادے ثنا خسار

سر چنگ اسطرح کی نہ کھائے کہ تا بہ حشر
مدفوں ہوں جس زمیں پہ تو واں اُٹھ سکے غبار

آتش غضب کی تونے یہ ان کی فسردہ نے
تن میں نہیں ہے قطرۂ خوں صورتِ شرار

نام اُس کا تیری تیغ نے معدوم یہ کیا
نہ عف کرے ہے سگ ہے نہ خاں زاغ کو بہار

اک خم تھا دل انھوں کا پُر از بادۂ غرور
مے اُس میں کردیا نمکِ تیغ آبدار

تھا عزم یہ ہر ایک کا گاڑیں گے بیٹھ ہم
تانوں کو کھینچ کھینچ کے قلقاری مار مار

آئے تھے وہ چنانچہ اسی طرح روزِ جنگ
پایا تھا جوں دلوں میں خیال انکے نے قرار

گاتے بجاتے ناچتے اور کودتے ہوئے
سائے میں جھنڈیوں کی صفیں باندھ بیشمار

وہ جھنڈیاں نظر پڑیں اکدم میں اس طرح
گاذر بچھادیں پارچہ جوں نہر کے کنار

پر حق بجانب اُن کے ہی تھا کچھ اس امر میں
تیرے دلاوروں کا نہ دیکھا تھا کارزار

جو غول تیرے سامنے آیا تو سمجھے یہ
اک کھیت روبرو ہے ہمارے پُر از خیار

جیسی ہی اُس گروہ نے پی تھی شرابِ کبر
کھینچا ہے اُس کے نشہ نے ویسا ہی کچھ خمار

اسباب پر حریف کے آپس میں گنتے داؤں
لشکر میں اپنے بیٹھ کے جب کھیلتے قمار

ناحق شناس قوم یہ تھی غسترہ اس قدر
غلت پہ بر نبرد کے لیتے تھے سب اُدھار

لیکن خدا کے فضل کے یاں ناگرفتہ قرض
جو لائے تھے سو دے گئے رکھا نہ ایک تار

شمشیر و دست و بازو کے ہیں یہ بہت بلی
اپنا تو حرف حق سے گذر نہیں شعار

پروردہ جو ہیں غلام غلام آنجناب کے
آگے قدم انھوں کے نہیں ان کہ استوار

جرأت میں ان کے حرف نہیں پر یہ کیا کریں
صحبت د اُن کی دل سے تھی ہونے کی برار

اُن میں سے اس غلام کے تھے اکثر آشنا
میں کہا انھوں سے کہ تم جیسے جانگداز

یک قوم و یک برادری و یک گروہ کے
ہو سامنے حریف کے بےحد و بےشمار

حافظ کی لاش ڈال گئے معرکہ میں تم
فتح و شکست مردوں کو ہے پر یہ اضطرار

اُن میں سے ایک نے بدم سرد یہ کہا
خواہش خدا کی یوں ہے نہ تھا اپنا اختیار

لیکن جو کچھ کہ واقعی دیکھا سو ہم کہیں
آوے تجھے سخن کا ہمارے گر اعتبار

تھی سامنے ہمارے جو فوجِ ہراولی
ہوں گے وہ دس ہزار تلک پیادہ و سوار

سنتے ہیں اب ہر ایک سے اُس فوج کی یہی
سرکردہ تھے ممیت فرنگی کے پانچ چار

محبوب اور رسنت و لطافت تھے یک طرف
یکسو تھا میر سید علی مستعد کار

لیکن انھوں کو آدمی کہیے کہ دیو دو
ان کا قدم دغا میں یہ پایا ہم استوار

ایدھر سے بان و رہکلہ و توپ متصل
پڑتی تھی پر وہ بڑھتی ہی آتی تھی سرگذار

بڑھ بڑھ کے آخرش وہ لگے توپیں داغنے
اُس پلّے پر جہاں سے جزائر کے ہووے مار

لیکن میں تجھ سے کیا کہوں اے یار اس گھڑی
دکھلائی تھی اجل نے عجب طرح کی بہار

تھی کرنیاں تلنگوں کی مانند لالہ زار
تھا دود توپ ابر سیاہ تگرگ باز

توپیں جو داغتے تھے فتیلوں سے آن آن
رنجک مثال برق چمکتی تھی بار بار

کجنال مثل رعد کے کڑکے تھی دمبدم
آواز شتر نال تھی طاؤس کی جھنکار

بارود و گولہ توپ میں تھا یا وہ باد تھی
جن نے کہ قوم عاد اُڑائے تھے جوں غبار

فرصت کسو نے اتنی نپائی کہ وہ کرے
بندوق و تیر و تیغ سے جا اُن میں کارزار

ہر ایک جا یہی نظر آیا ہر ایک کو
گھوڑا ادھر جو تڑپے ہے اُودھر پڑا سوار

اُڑتے تھے یوں پیادہ کہ تو دیکھو روئی کے
ندّاف کا کمانچہ جوں دے ہے انتشار

تھے ہاتھیوں پہ بیٹھے جو حافظ کے ہم نشیں
ساتھ اُس کے ہم پیالہ و با ہم نوالہ خوار

وہ بھاگے اس طرح کہ یہ کہتی تھی ان کو خلق — بھاگا وہ دیکھو جائے ہے میدان سے کوہسار
نے لڑنے کے حواس تھے نہ بھاگنے کا ہوش — نے سوچ مرنے کا ہے نہ جینے کا کچھ بچار
باور ہی کیجو اس کو تو اے یار اُس گھڑی — آیا جو کچھ عمل میں نہ تھا اُس میں اختیار
جیدھر کو اُس کا مُنھ اُٹھا اُدھر کو وہ چلا — سوجھی بغیر یہ کہ فلاں جا کروں قرار
ہو یہ غضب تو لاش کی حافظ کے ذکر کیا — بیٹا سسکتے چھوڑ گیا باپ نے فرار
حافظ کی لاش ہم سے نہ اُٹھی تو نزدِ فہم — جاگہ نہیں ہے طعن و تعرض کی ہم پہ بار
لازم نہ تھا اُسے کہ ہو ایسے کے سامنے — ہمت میں اور کرم میں ہے جو طاقِ روزگار
لے زر سے تا جواہر و از اسپ تا بہ فیل — جس کے ہم کے آگے نہ رکھے کچھ اعتبار
نہ رتبہ زر کو ہے نہ جواہر کو منزلت — نے قدر اسپ کی ہے نہ کچھ فیل کا وقار
خلعت کسی کو اسپ کسی کو کسی کو فیل — بخشے کسی کو لاکھ کسی کو دیے ہزار
حافظ یہ چاہے عہدہ سے اُسکے برآؤں میں — پیادے کو دے کے تین روپے نو روپے سوار
کیا کیا کروں میں اُس کی شجاعت کا اب بیاں — ہمت کا اس کے کیا کروں اظہار بار بار
حافظ نے سر دیا نہ دیا زر ہوئی ہے یہ — تاریخ اُس کے فوت کی کر کے عدد شمار

تاریخ فتح عرض کی سوداؔ نے یوں کہ ہو
یہ فتح نو مبارک نواب نامدار

قصیدہ در مدح نواب وزیر الممالک آصف الدولہ یحییٰ خاں بہادر رستم جنگ

گر فلک اب یہ مہرباں ہووے — جوں تگرگ ابر دُرفشاں ہووے
داخل کیا ہے کہ اُس کے جینے کا — کسی انسان پر گماں ہووے
خلق کو اس قدر ہے استغنا — نہیں ممکن کہ وہ بیاں ہووے

رہرو آگے اگر پڑا ہو گہر — دور ٹھوکر سے گر رواں ہووے
کبھو دیکھا نہ یوں کہ زر بے قدر — اس قدر زیر آسماں ہووے
رہ نوردوں کی نظروں میں اکسیر — بدتر از گرد کارواں ہووے
درِ گنجینہ پر نہیں اب رسم — کنجی اور قفل پاسباں ہووے
متموّل یہ خلق ہے جس کی — قاصر اب کہنے میں زباں ہووے
جو گدا روز و شب کہ سائل تھا — چاہیے رشک خسرواں ہووے
در و دروازہ یوں ہے اب کس کا — کہ نہ واں پیل و پیلباں ہووے
کون ہے جس کے تازی و بچھی — نہ بھڑکتا بزیر راں ہووے
نہیں بر میں کسی کے اب وہ لباس — کہ نہ قیمت میں جو گراں ہووے
نہ کوئی باندھے جب تلک ہتیار — نہ طلایا نہ تہ نشاں ہووے
خوانِ نعمت نہیں ہے ایک کا یوں — جس پہ تا سو نہ میہماں ہووے
عیش و عشرت سے ہے سدا دمساز — پیر ہو کوئی یا جواں ہووے
ہے جو کچھ جس کنے ہے اُس کی عطا — آصف الدّولہ اور جہاں ہووے
دیکھ کر جس کو خلق بولے ہے — تو ہو اور عمر جاوداں ہووے
پرورش کس کو یوں ضعیفوں کی — تجھ سوا زیر آسماں ہووے
درِ دولت سرا تلک تیرے — پہونچے پشہ تو پہلواں ہووے
کم بغل جو نظر پڑی تیری — وہ بذیلِ تو نگراں ہووے
ہے خلا تو محال ہے یہ سخن — حکما کا غلط کہاں ہووے
سب جگہ ہے ملا مگر خالی — تیری بخشش سے بحر و کاں ہووے
کیس سے گردوں کے عمر بھر ہے دور — جس پہ یک دم تو مہرباں ہووے
چیز بے قدر کو جو دے تو قدر — قدر دانوں میں ارمغاں ہووے

کیا عجب ہے تری مروّت کا
جس جگہ ذکر اور بیاں ہووے

لعل و یاقوت کی طرح اُس جا
آب و آتش کے تن میں جاں ہووے

دہر میں حسنِ خلق سے تیرے
خلق رطب اللساں جہاں ہووے

بو سے مذکور خلق کے فی الفور
دہنِ خلق عطرداں ہووے

جا ہے بے جا ترے قلم رو میں
کب توانا سے ناتواں ہووے

ذرّۂ خاک کی حفاظت کو
بادِ تند آ کے پاسباں ہووے

سنگ اس عہد میں ہو واں پانی
شیشہ گر کی جہاں دکاں ہووے

آگے تجھ تیغ کے عدو کا اگر
دل پہاڑ آہن استخواں ہووے

کاٹ اُس کا سپہ گری اُس کی
روزِ میداں سب امتحاں ہووے

کوئی اُس کا نہیں جو رونے کو
دیدۂ زخم خونچکاں ہووے

تیر تیرا نگاہ چشمِ قضا
اُس کو دیدارِ دشمناں ہووے

بادِ پیما ترا تعالے اللہ
جلوہ گر آ کے وہ جہاں ہووے

زیرِ راں دیکھ کر تڑپ اُس کی
خلق کا اُس پہ یوں گماں ہووے

کیا عجب ہے کہ برق کا شعلہ
اس کے تیہے کے درمیاں ہووے

صرصر اُس کے قدم کو پھر نہ لگے
ٹک کشاد اُس کی گر عناں ہووے

جہد کرنے کا دل میں ہو جو خیال
مجھ سے آگے تو کیا بیاں ہووے

اُس جگہ تک جہاں میں جس کا بعد
دور از وہمِ انس و جاں ہووے

لاکھ بار ایک پل کے عرصے میں
پہونچے جس جا سے پھر یہ واں ہووے

فوج کا تیرے کر سکے نہ شمار
گو عطارد حساب داں ہووے

کثرت اُس کی ہے جب تو ہووے سوار
بسکہ پُر گرد آسماں ہووے

آنکھیں مل مل یہ مہر ہو بے نور
جیسے شیشۂ بتابداں ہووے

دود ہو یہ بلند توپوں کا — آتش انگیز جب وہاں ہووے
سقف حمام جس طرح ٹپکے — قطرہ زن چشم اختراں ہووے
اُن کی آواز سے بدشت و کوہ — زلزلہ یہ جہاں تہاں ہووے
بکفِ دست جس طرح سیماب — حالتِ کوہ یوں عیاں ہووے
دی ہے جو حق نے تجکو حشمت و جاہ — فہم واں تک رسا کہاں ہووے
تیرے خیمے کی ایک ہو جو طناب — نصف اُس کی نہ کہکشاں ہووے
بچھی اُس بارگہ میں جب مسند — رشک صد تخت خسرواں ہووے
قالین اُس کے ہر ایک پا انداز — بہتر از باغ و بوستاں ہووے
دیکھیے تب تجھے کہ تو جس دم — بیٹھ کر اُس پہ حکمراں ہووے
اور سرکردہ جتنے ہیں اُن میں — کوئی نواب کوئی خاں ہووے
دست بستہ مطیع فرماں کا — روبرو زیر سائباں ہووے
تجھ سا آفاق میں ہو جب ممدوح — اور سوداؔ سا مدح خواں ہووے
نہیں شایاں کہ عرض مطلب کی — اُس کی ہر بات برزباں ہووے
اب دعا وہ کروں ہوں جس کے جیسے — آمیں آمیں بحاضراں ہووے
شادی و عیش و خرمی ہر روز — آکے تجھ دل سے تواماں ہووے

قصیدہ در مدح وزیر الممالک نواب آصف الدولہ بہادر رستم جنگ

کیا قلم کو رقم سے ہے منظور — کہ صریر اُس کے سے ہے دل کو سرور
نور صبح بہار کاغذ پر — خط خطِ گلعذار کا دستور
زلف خوبان چیں سے خوبی میں — کھینچے ہر سطر جس کے آپ کو دور
ہے تبسم قلم کے منھ پر مشتق — قلم اتنی رقم سے ہے مسرور

خامہ بیش از گیاہ کیا ہے جسے — ہو رقم سے یہ خوش دلی کا وفور

مگر اس امر پیچ کرتا ہے — اُس طرف انتقال ذہن شعور

کہ لکھا چاہتا ہے اُس کی مدح — خلق میں جس کے خلق ہے مشہور

یعنی نواب آصِفُ الدَّولہ — ہو سلیماں بہر تنخ کے جس تک مور

ہے تواں بخش ناتواں کا وہ — شاہد اس کا ہے متفق جمہور

لے گیا پیل پیل کو پشہ — اُس کے آگے کیا جو باہم زور

شعلہ پیدا ہو جس دم اُس کی تیغ — ہو وے خاکِ سیہ عدم میں فتور

اُس کی برش کا وصف کیا میں کروں — سخت اور نرم پر یایں دستور

سخت پر جیسے تار صابن میں — نرم پر چوں ہوا میں بال طیور

یاد میں اُس کے باندھیے جو کمر — رن سے پھر ہے مظفر و منصور

مدح غائب سے دل ہے اپنا تنگ — ہو ٹک اے خامہ باریاب حضور

وہ جو تیری کماں کی سیسر ہے — کس کو اُس کے اٹھانے کا مقدور

وصف شوخی میں باد پا کی ترے — کرتی ہے اب زبان برق قصور

ہے فرس کس کے زیر ران انیبا — جس کے جلوے کا ہووے یہ مذکور

کر دے پل میں تمام روئے زمیں — سینۂ باز نقش نعل ستور

اگر ایسی ہی تیرے ہاتھی کے — جس کا پروردۂ نمک ہے غرور

دیکھ اُس پر تجھے یہ بولی خلق — ہے تجلّیِ حق بکوہِ طور

فتنۂ دہر میں سنق سے ترے — کون ہووے ممدّ کیا مقدور

خس و آتش ہو جس جگہ واں سے — راہ چپ کردہ جائے بادِ سحور

مانگ دے عدل دیدۂ شاہیں — بھر نظر دیکھے گر سوئے عصفور

گر ہو آتش پہ تجھ غضب کی نگاہ — ہو حرارت کا اُس میں بھی یہ وفور

زندگی کے لیے سمندر بھی چاہے مسکن پہ معدنِ کافور
تیری فیضِ نگاہ کو پرِ کاہ پہونچ کر چاہیے نہ ہو مغرور
کوہ ہو جاوے شکل شیشہ کے گر کے نظروں سے تیرے چکنا چور
تو وہ دریائے فیض ہے جس سے واہمہ کر سکے کبھو نہ عبور
تیری بخشش ہے یہ کہ گوہر سے جوں صدف مشت خلق ہے معمور
مطلب اس نظم سے ترے آگے کچھ خوشامد مجھے نہیں منظور
بسکہ ہے لائقِ ثنا یہ جناب مدح کرنی ہوئی مجھے بھی ضرور
میری ہی اعتقاد ہے یہ مدح ورنہ رُتبہ ترا ہے اتنا دور
کہ جو چاہے خیال واں جلئے پہونچنے کا اُسے کہاں مقدور
کہکشاں خامہ آسماں کاغذ ہو مرکب اگر شبِ دیجور
اتنے ساماں پہ تیرے سب اِنصاف آدیں تحریر میں یہ کیا مقدور
ختم سودا کرے سخن بدعا آمیں سب بولیں بندگانِ حضور
فضل سے حق کے تو بہ حشمت و جاہ رہے تا حشر خرم و مسرور

قصیدہ درمدح نواب وزیرالممالک آصف الدولہ بہادر رستم جنگ

سودا پہ جب جنوں نے کیا خواب و خور حرام لائے گھر اُس طبیب کے ہے عقل جس کا نام
احوال اُس کا دیکھ کے کہنے لگا طبیب اب فصد و مسہل اُس کے لیے ہے مفیدِ تام
کہنے لگا سُن اُس کو وہ دیوانہ در جواب مجھ میں لہو کہاں یہ ترا ہے خیال خام
جو کچھ کہ میرے تن میں لہو تھا سب اُس کی ماں عامل نے خیر آباد کے پی کر کیا تمام
مسہل طلب کرے ہے غذا کی زیادتی مجکو تو ماہِ عید بھی گذرا بہ صیام

کیا سود اس علاج سے کہہ اسکے ماسوا ۔۔۔ تا اپنی میں دوا کروں اب کرکے قرض دام
تب اُن نے یوں کہا کہ بتاؤں میں وہ علاج ۔۔۔ اس درد سے تو پاکے شفا ہو جو شاد کام
اُس کے حضور عرض یہ کر جس کے سایہ میں ۔۔۔ مورِ ضعیف پیل سے لے اپنا انتقام

سُنتے ہی یہ نوید قصیدہ برائے نذر
لے کر اب اس جناب میں حاضر ہوا غلام

اے وہ کہ تیرے عدل کی نسبت بخاص و عام ۔۔۔ نوشیرواں پہ عدل کا گویا ہے اتہام
دنیا ہے تیرے عدل میں اے عادلِ زماں ۔۔۔ زخمِ جگر کو سودۂ الماس التیام
کیا کیا ہی خوبیوں سے کیا حق نے تجکو خلق ۔۔۔ ابنائے روزگار کے اے فخر و احترام
مذکور حلم کا میں کروں یا بیانِ خلق ۔۔۔ یا میں تری شجاعت و ہمت سے اب کلام
تیرا ہی بارِ حلم ہے اے صاحبِ وقار ۔۔۔ کشتیِ خاکداں کا جو پانی پہ ہے قیام
آوے نسیم اگر چمنِ خلق سے تری ۔۔۔ خوشبو جہانیوں کا ابد تک رہے مشام
تجھ نعرۂ غضب کی یہ صولت ہے گر سُنیں ۔۔۔ فیصل ہو بر و بحر کے باشندگاں تمام
زہرہ ہو آب سینہ میں ہیبت سے شیر کا ۔۔۔ تڑپے نہنگ، پیاس سے ماہی ہو جوں مدام
اشجع تو اس قدر ہے کہ میداں میں روزِ جنگ ۔۔۔ کیا تاب روبرو ہو ترے رستم اور سام
قالب تہی کریں وہ قلم رو سے دیکھ کر ۔۔۔ تصویر تیری تیغ کی کھینچی ہے جو بے نیام
تیغِ سخا بھی ایسی ہے جس سے بملک دل ۔۔۔ پاتے ہیں گڑھ غموں کی بیک ساعت انہدام
سائل کے گھر میں گر تری بخشش سما سکے ۔۔۔ تا اُس کے گھر کا تا بفلک ہو نہ پشتِ بام
باغِ جہاں میں آج تو وہ نخل سبز ہے ۔۔۔ پہونچی ہے چار فصل ثمر تجھ سے روم و شام
تیرا ہی اب بروئے زمیں اے فلک جناب ۔۔۔ بے قفل و بے کلید درِ فیض ہے مدام
پیدا خواص سایہ میں اُس کے ہما کو ہو ۔۔۔ تجھ مزرعِ کرم سے چنے دانہ گر حمام
میں رخشِ بادپا کی ترے شکل کیا کہوں ۔۔۔ بچا تو حور کا ہے ولیکن فرس بنام

اُڑتے غبار سُم سے نہ دیکھا کہ جب عناں   اُچکے جو قاش زیں سے زمیں پر لگا نہ گام
پہونچا نہ اُس کا سایہ بھی اُس کے قدم تلک   تا اُس کے تو نے رد میں عناں کو لیا نہ تھام
اعدائے بدخصال کی تنبیہ کے لیے   اُس برق وش کی پشت پہ تیرا ہو جب قیام
ہو طرقو کناں ترا اقبال پیش پیش   نصرت کرے جلو تری اور فتح اہتمام
کچھ کم نہیں جہاں ہیں سلیماں سے تیرا جاہ   گو السنہ پہ آصف دولہ ہے تیرا نام
تو وہ وزیر ہند کہ حیران ہو رہیں   شاہانِ عصر دیکھ کے تیرا یہ احتشام
مطبخ کا ایک چرخ ترے گر بیاں کروں   اُس ذکر کفاف دہ ہو صد زباں لگام
فیض اُس کا اسقدر ہے جو اسکے ہیں ریزہ چیں   خوانِ کرم پہ اپنے وہ دے ہیں صلائے عام
رُتبہ ترا ہے وہ جو کرے قصداً دہر کو وہم   پہونچے نہ ماندگی سے بیک کوچ دو مقام
ذرّہ کرے ہے خاک کا اُس کے فلک پہ ناز   جس گل زمیں سیر میں کرتا ہے تو خرام
تجھ سے کی کوئی مدح و ثنا مجھ سے ہو سکے   میں کیا ہوں کیا زباں مری اور کیا مرا کلام
اس نظم سے غرض ہے عرضِ مدعا   مقصد مرا قلیل ہے پہونچے بانعام
اپنی تری جناب میں اتنی ہی عرض ہے   کس کس کا ملتجی ہوں کہا کر ترا غلام
انصاف ہے کہ ہو وہ عطا اس جناب کی   اور اُن کی میں سماجت و منت کروں مدام
دیہات جو ہیں مصرف مطبخ کے اُس میں سے   اِس نقدی کے عوض ہو مجھے صحنکِ تمام
اے گنج بخشش خلق مرا ہے جو مدعا   کرنا روا حضور ترے کس قدر ہے کام
سودا بس اب خموش کہ جائے ادب ہے یہ   اس نظم کو تو کر بدعائیہ اختتام
تابندہ جب تک بفلک ہو ویں مہر و ماہ   تا جلوہ گر رہیں بجہاں صبح اور شام

دنیا ہو اور تو ہو الٰہی بجور می
تیرے نصیب جام مے عیش ہو مدام

در مدح وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر رستم جنگ

تیرے سائے تلے ہے تو وہ مہنت — پشہ کر جائے دیو دو سے لڑنت
نام سن ہبیل کوہ پیکر کے — نہ چلیں جوئے شیر ہو گردنت
سحر صولت کے سامنے تیرے — سامری بھول جائے اپنی پڑھنت
تیری ہیبت سے نہ فلک کے ترے — کانپتی ہے زمیں کے بیچ گڑنت
نکلے گی طرح بل نکل جاوے — تیرے آگے جو دوکڑے اکڑنت
دیکھ میداں میں تجکو روز نبرد — منھ پہ اُن کے پھول جائے بسنت
تکتک پا اگر سنتے تیری — دام کردم کھسک چلے ہنونت
آوے بالفرض سامنے تیرے — روز ہیجا کے سوریا ساونت
تن کا اُن کے زرہ میں ہو یوں حال — مرغ کے دام میں ہو جوں پھڑکنت
شعلہ پیرا اگر ہو تیری تیغ — کاہ سے کوہ تک ہو سب بھسمنت
فرق پر جب عدو کے وہ بیٹھے — زہ فلک بولے اور ملک احسنت
گرے تجھ تیر کا جہاں پیکاں — قوتِ بازو سے ترے سرکنت
ہاتھ سوفار تک نہ پہونچے کبھو — کرے بھر عمر وہاں کوئی جو کھدنت
زہرۂ برق آب ہو جاوے — تیرے سوسن کی گر سنے کڑکنت
وہم آسا ہے اُس پری وش کی — شرق سے تا بہ غرب یک ڈبنت
بیشۂ عدل میں ترے ہر موش — سامنے ببر کے رہے چودنت
کوئی کیسا ہی ہو قوی اُس سے — نہیں دل کو ضعیف کے دبکنت
وہ بھی روباہ جس کو ہو خارشت — سمجھے ہے شیر کو ہے کیا پشمنت
حلم کا بار گر نہ ہو تیرا — ارض شکل سما رہے نہ تھمنت

دست زر بخش کا ترے خورشید ڈھونڈھے بھر عمر تو نہ پاوے انت
آگے سائل کے تو کرے بز میں اشرفی اور روپے کی یوں بکھرنت
جلوہ نظروں میں اس طرح دیوے جوں فلک پر ہو تاروں کی چھٹکنت
ختم سودا دعا پہ کرتا ہے وصف کا تیرے کون پاوے ادنت
رہے نواب آصف الدولہ دل سے تیرے خوشی کو نت لپٹنت
حال یوں رو سیہ عدو کا ہو جاہ و دولت کی تیرے دیکھ بڑھنت

مہر کے جوں حمل میں آنے سے
شب کو آفاق میں لگے ہے گھٹنت

در مدح نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر رستم جنگ

کیا تجھکو سجی مسندِ دیوانِ وزارت ہیں شوکت شاہی کہوں یا شانِ وزارت
اس مرتبہ کے چار قب ان کو ہی پھبھی ہے پشتیں سے جو ہوتے ہیں شایانِ وزارت
دادی سے ترے تجھ تئیں تقدیر نے زتہا توڑا نہیں مابین میں فرمانِ وزارت
یہ جاہ ہے تیری کہ سدا خسروِ خاور ہے دنگ ترا دیکھ کے سامانِ وزارت
ہمچشم عطارد کو نہ سمجھے کبھو اپنا تیرا جو اُٹھاتا ہو قلمدانِ وزارت
آصف ہے ترا نام سلیماں سے بڑی جا بخشیں ہیں کروڑوں ترے ارکانِ وزارت
دیکھیں جو ترا چرخ سلاطین جہاں کے لکھیں وزرا میں تجھے سلطانِ وزارت
سودا کی ترے حق میں دعا ہے یہ شب روز اے باعثِ سرسبزی بستانِ وزارت

سر سے نہ خلائق کے جدا ہووے الٰہی
تا حشر ترا سایۂ دامانِ وزارت

در مبارکباد عید رمضان نواب وزیر الممالک آصف الدولہ

صباح عید ہے دل ہے خوشی سے مالامال ۔۔۔ مے طرب سے ہیں سب مست اپنے اپنے حال
جو کوئی خلقتِ انساں سے ہے بزیرِ فلک ۔۔۔ مصمم آج کے دن دل میں اُس کے ہے یہ خیال
کہ پہونچے اس درِ دولت سراپہ لیکر نذر ۔۔۔ جو تجھ جناب میں مقبول ہو خوشا احوال
کوئی تو سیم کوئی زر کوئی گہر کوئی لعل ۔۔۔ ہر ایک ہے شرف اندوزیاں بدیں منوال
ہوا ہے بندہ بھی حاضر دُرِ سخن لیکر ۔۔۔ پئے حصولِ سعادت بدرگہِ اقبال
اگرچہ تو ہے مسمّیٰ بہ آصف الدّولہ ۔۔۔ ترا فزود سلیماں سے بھی ہے جاہ و جلال
تری تجلّی طالع ہے چرخ کے اوپر ۔۔۔ غلام داغی ہے اختر کا تیرے بدر کمال
علو جاہ کی آگے ترے نہیں کچھ قدر ۔۔۔ کسو طرح کا کوئی نذریاں کرے زر و مال
مگر یہ نذر ہے شایاں اس آستانے کے ۔۔۔ نشاط عید جو لایا ہے غرّۂ شوال
یہی جناب میں حق کے دعا ہے سوداؔ کی ۔۔۔ جہاں ہو جب تئیں اے میرے قبلۂ اعمال
رہے محبّوں پہ سایہ ترا سپہر کی طرح ۔۔۔ سدا بخون عدو تیغ جوں شفق میں ہلال

قصیدہ در مدح حکیم میر محمد کاظم

علم ظنّی ہے طبابت تو یہ سُن رکھ ہمدم ۔۔۔ متفق اس پہ اطبّا ہیں جہاں میں باہم
قاعدہ فن طباعت کا بیاں تجھ سے کروں ۔۔۔ فہم کی گوش جو اپنی تو نہ رکھتا ہو اصم
کام اس فن میں رکھے سب سے ہے تشخیص مرض ۔۔۔ یہ نہ ہو اس میں تو پھر سیف سمجھ اُسکی قلم
فی الحقیقت ہے اطبا میں وہی شخص طبیب ۔۔۔ جو کَمَا یَنْبَغِی ان چیزوں کا ہووے عالم
جنبشِ لب سے اور لون سے قارورہ کے ۔۔۔ ہوئی فی الفور جسے اصل مرض مستفہم
ادویہ میں کرے تنقیح خواصِ مفرد ۔۔۔ ہووے ترکیب مرکب کے وزن سے محرم

سن بیمار یہ کر غور مداوا وہ کرے
اور ملحوظ رکھے آب و ہوا اور موسم

چار چیزوں سے مرکب بدن انسان کا ہے
دم و سودائے ہراک جسم میں صفرا بلغم

حد سیں اُن چاروں میں ہووے متجاوز جو چیز
حکما کرتے ہیں انساں کا مزاج اُس سے ضم

ہے یہ لازم کہ کسل کا سبب اُن میں ڈھونڈھیں
ٹھہرے جو خلط کریں اُس کا تدارک بہم

بعد تشخیص دوا کیجیے مرض کی بالضد
حفظ صحت کے لیے نسخہ ہو بالمثل رقم

غور اخلاط و کیفیت و کمیت پر
ہو نہ منظور جسے اُس کی دوا ہوتی ہے سم

زیادتی چاروں میں جسکی ہو مرض کا موجب
عقل کی رو سے یہ تدبیر ہے اُسکی اس دم

رکھ کے منظور طبیعت کی مرض پر قوت
تنقیہ کرکے مناسب کریں اس خلط کو کم

قاعدہ یوں ہے پھر آگے ہے شفا اُسکے ہاتھ
جس کے ہے قبضۂ قدرت میں علاجِ عالم

سو نواں باتوں میں ہے خوض طبیبوں میں کسے
اس زمانے میں بجز میر محمد کاظم

خالق اُن کے تئیں دنیا میں سلامت رکھے
ایسے انسان خلائق میں بہت ہوتے ہیں کم

شرف اُس کو ہے سیادت سے نہ اس فن کا فخر
اُس کا اس گوشہ نشینی میں ہے یہ فیض قلم

حق تعالیٰ نے دیا اپنے کرم سے اُس کے
دست تدبیر میں دامانِ شفا مستحکم

دفترِ عمر طبیعی میں بحالی کی سند
ہے وہ نسخہ قلم اُس کی جسے کرتی ہے رقم

وصف اُس کی طبابت کی کسی شاعر کی
فکر عالی سے ہوا مطلع تازہ یہ رقم

مطلع

نسخۂ میر نہیں نقش سے عالم کے کم
گر مرض جن ہو تو اُس کا نہ کہیں ٹھہرے قدم

یہ عجب کیا ہے جو احیا کرے وہ موتی کو
نامے میں اُس کے قلم کے ہے مسیحا کا دم

چلتی ہے عہد میں اُس کے رہ ہر شہر و دیار
ہے جو مسدود جہاں میں تو رہ شہر عدم

گھر تک آتے کرے پیدا وہ خواصِ تریاق
اُس کے کوچے سے مرے باندھ جو لے آئے سم

بولیں ہیں جسکو کہ تشخیص و کہیں ہیں تدبیر
دو کنیزیں ہیں مگر اُسکے ہیں یہ بیدام و درم

ہوش اس فن میں تو یہ ہے پہ حواسِ خمسہ
ہیں نصیبوں کی علاج اپنے میں درہم برہم

عہد میں اُس کے ہے وہ خوانِ کرم پر جس کے
ریزہ چیں ہند میں ہے لاکھ طرح کا عالم

اسم پاک اُس کا ہے نواب شجاع الدولہ
منبعِ جود و سخا یعنی وزیرِ اعظم

قصیدہ در مدح نواب سرفراز الدولہ حسن رضا خاں بہادر

صباح عید ہے اور یہ سخن ہے شہرۂ عام
حلال دخترِ رز بے نکاح روزہ حرام

پھرا ہے آج بمقصود بادہ خواراں چرخ
ہے اب بروئے زمیں دور دورِ ساقی و جام

بعیش گاہ جہاں خوش ہو خرمی نے آج
گئے بدل بمباحت مناہی کے احکام

معانقہ بجہاں آج مے پرستوں کی
کرے ہے محتسب آکر بانبساط تمام

نشہ نے مے کے یہ سرخوش کیا کہ کاغذ باد
خیال بادہ کشاں میں ہے قاضی کا اعلام

سرور ہے یہ جہاں میں کہ شیخ و زاہد و رند
بہ طربات و ظرافت بہم کریں ہیں کلام

ہ اُس کے غنچۂ گل سمجھے ہے جو زاہد کی
دھرا ہو سامنے مینائے بادۂ گلفام

دں آج ہیں بہم اطفال دیکھے ہے ملا
کر جیوں رعایا پہ عامل تغیر کا احکام

دل میں یاد سبق ہے نہ خطرۂ اخوند
بہم ہر ایک ہے مشغول لعبتِ اقسام

ہر ایک گھر میں صدا ہے مغنی و مطرب
زشام تا بہ سحر اور سحر سے لے تا شام

لوں میں سب کے خوشی نے جگہ کی اتنی کہ آج
عدم سوا کہیں اندوہ کو رہا نہ مقام

یں عطر مال بنا کر لباس رنگا رنگ
زبس خواص سے لے کر جہاں میں تا بعوام

ظر میں گل کی طرح یکدگر ہیں اہل زمیں
زمیں تمام چمن زیر چرخ نیلی فام

ز ایک دست نگاریں میں یوں ہے دست حنا
شفق میں پنجۂ خورشید جوں قریب بشام

کچھ آج اور ہی بو ہے دماغ خلقت میں
زعطر خرمی از بسکہ پُر ہوئے ہیں مشام

فقط نہ شہ کی ہے سر ہی ملا سوئے دیہیم
رکھی گدا نے گلہ تاج رکھ کے اس کا نام

ہر ایک چلنے کا ہے عیدگاہ کے معروف　　پہن لباس تو آقا لباس شستہ غلام
جدھر کو سینے ہے آواز شادیانۂ عید　　جدھر کو دیکھیے طبل دہل بہر در و بام
خوشی نے جوش یہ مارا کہ ہر ایک دل میں اب　　نہیں قبا میں سماتا ہے خلق کا اندام
عجب نہیں ہے کہ بالیدہ وہ بھی ہو جاوے　　کریں جو کندہ نگیں پر کسو بشر کا نام
نہ دیکھی ہوگی خوشی ایسی خلق نے جب سے　　ہلالِ عید کو دیکھے ہے بعد ماہِ صیام
اُسی کی عید مبارک کا ہے مگر یہ سبب　　جس افتخار زماں کا حسن رضا خاں نام
رہے وہ خان رفیع المکان عالی قدر　　رہے وہ خان فلک مرتبت ذی الاکرام
کہ جس کی ذات فیوضات سے کہانی ہے　　جہاں میں صاحبِ فرزند مادرِ ایام
پہونچ کے ہو درِ دولت سرا تک اُسکے　　وہ کامیاب جو ہو سرنوشت کا ناکام
جو وہ کیا نہ کرے دستگیریِ نجبا　　قدم کا ایک کے اُس سرزمیں پہ ہو نہ قیام
ہم چشم کان مروّت دل اُسکا معدن مہر　　ذخائرِ کرم و جود دست فیض مدام
ہے خلق واسطے خلعت کے گویا اُس کے خلق　　حیا و شرم ہوئی ختم اُس پہ حلم تمام
وہ اُس کا خوان نعم ہے کہ جسکے مطبخ میں　　صدا کھڑکنے کی ہے دیگ کی صدائے عوام
یہ قصد خامہ ہے اب اُس کی مدح غائب سے　　کرے یہ مطلع انور حضور میں ارقام

مطلع

ترا وہ عدل ہے اے ملجاً تمام انام　　کہ باز بچہ نکالے ہے سب کے تخم حمام
کرے نظر جو سوئے صید عہد میں تیرے　　جو کور دیدۂ صیاد شکل دیدۂ دام
بروز جمعہ سدا ہاتھ لے کے ناخن گیر　　پھرے ہے شیر کو بیشے میں ڈھونڈھتا حجام
اسی اُمید پہ تا قصر کر کے ناخن شیر　　برائے ہیکل اطفال دیکے کے لے انعام
بیاں ہو کب تلک انصاف و عدل کا تیرے　　یہ معدلت کا تری جز رسی سے پہونچا کام
کہ تار و پود سے اُس کے ہے دیو بھی لٹکا　　بجرم خون مگس عنکبوت ایام

سخا میں حاتم طائی کو تجھ سے نسبت کیا
مرے سخن کو یقیں کر وہ ہے زباں زد عام

بزیر سقف فلک شہرۂ سخا اُس کا
طنین پشہ صدا فیل کی ہے در حمام

تری وہ تیغ کہ فتنہ کا رد ہو سوئے عدم
سنے جو جو کہتے اُس کو بخوابگاہِ نیام

اگر وہ ہووے علم اُس کے سایہ کے آگے
عجب نہیں سپر افگن ہوں آکے رستم نام

جو تیر کے ہوتا وہ توڑ سے آگر
کماں کے گوشے سے آتا ترے کھنچا بہرام

کروں میں [illegible] سپر کیا کہ تیری پشت پناہ
علی بہر صفِ میداں ہے جنکا ہے تو غلام

ترا سمند سبکرو ہے اس قدر کہ نہیں
بغیر خانۂ زیں اُس کے خانۂ آرام

نہ پہونچے موج ہوا اُس کے لطف و خوبی کو
سوار ہو کے جو ہانکے تو ایبیا یا گام

حضور اُس کے کڑک برق کی بھرے پانی
عناں اُچک کے اُسے جب کرے تو گرم خرام

سنا میں ہاتھی کے تیرے کہا تو ہے یہ سخن
کہ مارتا ہے وہ پہلو بہ چرخ نیلی فام

پر اپنی بات کی کرتا ہوں آپ ہی تکذیب
خدا نہ کردہ جو یوں ہو نپٹ ہے کہنہ یہ بام

ہے عکس اُس کے کلاوہ کا کہکشاں یہ فلک
نظر جو آوے ہے اہل جہاں کو بعد از شام

رگڑ یہ رکھتی ہے زنجیر پا کہ چلتے وقت
ذرا پہاڑ میں ہو مور ہو نہ بے آرام

کرہ زمیں کا طرح آسماں کے پھرتا ہے
پر اُس کی عظمت بھوتا س نے رکھا ہے نام

زمانے کی ہے زبس دوستی تجھے منظور
یہ فکر قبل میں دشمن کے تیری ہے وہ مدام

کہ لیوے پچۂ چوبی سے کار کفچۂ مار
اگر تو خلق سے شربت کا دے عدو کو جام

نہ عدل و عمل کا تیرے صفت ہو کچھ مجھ سے
کہ رفعت و شان تری پر دے ہے خوش فرجام

سوائے وصف کا تیرے مجھے نہ بھاوے کچھ
خدا ہمیشہ رکھے اس کو با عز و اکرام

مرا ہمیشہ یہ مقصد بدل نہفتہ ہے
رہیں بہ حلقۂ طاعت یہ بندگانِ غلام

ترے مخالف مذہب ہوں کیسے ہی جلدی
یہ سمجھیو کہ انھوں کا بخیر ہو انجام

خدا کو ان کی عبادت سے ہے یہی منظور
ثواب روزِ جزا آوے ان کا تیرے کام

ہے اس قدر ترا آلودگی سے دامن پاک
کریں طوافِ حرم اُس کو باندھ کر احرام

یقین ہے کہ وہ مہ کے تئیں کہ نزدِ خدا
نہیں جو دوست ترا ہے وہ دشمنِ اسلام

بس اب جہاں میں کوئی ہو جو تجھ سے کا بدخواہ
ہے زہرِ مرگ حلال اُس پہ شہدِ زیست حرام

ہمیشہ حق کی طرف سے وہ موردِ لعنت
زبانِ خلق سے دائم ہے موردِ دشنام

عروسِ دولتِ دنیا نے کارِ خیر اپنا
کیا ہے تجھ پہ ہو عاشق باشتیاق تمام

اگر ہزار طلاق اُس کو دیوے تو لیکن
نہ جاوے گی ترے در سے یہ تا بروزِ قیام

غرض کہ اس لیے تیری یہ میں نہیں کی مدح
کہ چاہوں تجھ سے میں اسکے صلے میں درہم و دام

عوض میں اُسکے صلے کے کروں میں تجھ سے غرض
قبول ہو جو مرا حرف اے ذوی الاکرام

مجھے تو گوشۂ خاطر میں اپنے دے جاگہ
کہ تا بسر کروں لیل و نہار با آرام

کرے ہے ختم دعائیہ پر سخن سودا
ادب سے دور ہے خدمت میں تیرے طولِ کلام

الٰہی باغِ جہاں میں ہو جب تلک مانا
شبیہ غنچہ صراحی سے شکلِ گل لے جام

مے سرور تجھے دے ہر ایک عید کے دن
طرف سے ساقیٔ کوثر کے ساغرِ گلفام

قصیدہ در مدح سرفراز الدولہ حسن رضا خاں بہادر

عزیز عقل کو سودا کی تھی جُدائی شاق
سو اُس کنے وہ پھر آیا ہے بسکہ تھا مشتاق

وہ پوچھتا ہے کیا تو نے کہہ تو کیا حاصل
با تفاق جنوں کر کے یار مجھ سے نفاق

یہی نہ تجکو ملا نفع اُس کی صحبت سے
کہیں ہیں سب تجھے دیوانہ زیرِ کہنہ رواق

مگر ثنا میں جنھوں کی وہ شعر لکھ لکھ کر
برنگ نامہ کے اپنے کیے سیہ اوراق

ملی نہ دولتِ دیں اس سے تجکو نہ دُنیا
ہو آبروئے زمیں کو تو شہرۂ آفاق

اسی ہی وضع سے پیدا جو تو نے کی شاید
کیا ہے مادرِ گیتی نے سب میں تجکو طاق

جواب دے ہے یہ سودا کہ وضع پر میری
سخن ترے کا نہیں ہے کسو طرح مصداق

... کچھ کہ دولتِ دُنیا تھی میرے حصہ کی　　ازل سے منشیِ دہر اُس پہ لکھ گیا ہے طلاق
میں از قبیل جواہر ہوں باز زیر فلک　　ولیک سختیِ طالع ہے میری سنگِ سماق
کروں ہوں کشت جو بس کل زمیں میں تخم امید　　تو چرخ نیلوفری کو بھی سبز کرنا شاق
کہا یہ سُن کے اُسی پیر عقل نے اے یار　　اگر زمانے کو اس طرح سے ہے تجھ سے نفاق
... لوں کہ درد کا ساحسن رضا خاں ہے　　جہاں میں اہل جہاں جس کے موردِ اشفاق
چنانچہ کرتا ہے تسلیم پیر عقل یہ عرض　　زبان پر ہے مرے سخن یگانۂ آفاق
دیا ہے قوتِ اعضا نے دل کو میرے جواب　　سبب ضعیفی کی طاقت ہوئی ہے میری طاق
سپہ گری میں تو گذرا شمار کا عام　　نہیں وہ عمر کہ اب آوے میں بکار سیاق
جو باندھوں اسلحہ پہ کمر اب تو بندھے اس طرح　　کہ جو کمان کا قبضہ بندھے مقابل فاق
جو دست و پا میں نہ اُس کے رہی ذرا طاقت　　لیا میں فن سخن کھول کر کمر سے یراق
سو اب میں تیغ زباں سے لڑوں ہوں بجت کیساتھ　　ہوں فتحیاب مدد کی جو ہووے تیری وفاق
سلامتی میں تو اپنے روانہ رکھ مجھ پر　　ذلیل و خوار ہوں میں بچشم اہل نفاق
بسرا کروں میں لیے مشت استخواں اپنے　　میانہ میں لیے عمّال زیر کہنہ رواق
سو اب تو اس سے بھی نوبت گذر گئی ہے مگر　　گلے میں کرتہ بپا کفش ہاتھ میں ہو چاق
سپرد تجکو ہے سر رشتہ سب کی حرمت کا　　کیا ہے اتنی وہ مخلوق کا ہے جو خلّاق
سو طالب اتنے میں حرمت کا اب نہیں جس سے　　کروں معاش بسر اپنا میں بہ طمطراق
عوض میں دے مجھے اس نقدی کے تو ایسا گانوں　　بسر ہو عمر مری جس سے زیر کہنہ رواق
نہ ایسا گانوں کہ جس سے بروے دسترخوان　　ہزار طرح کی نعمت ہو نان و مشک و دوقاق
نہ مشغل نور علی خاں ہوں کھا کے میں فربہ　　نہ سوکھ کر ہوں طرح میرزا رفیع کے قاق
بتاں دزدال میں سازش کر ایک گوشے میں　　مدام مدح میں تیری لکھا کروں اوراق
دعا پہ ختم کرے ہے یہ عرضیِ منظوم　　ہے اس زمانے میں سودا جو فن شعر میں طاق

ترا قیامِ حکومت رہے قیامت تک | مطیع خلق کو تیرا سدار کھے خلاق
کروڑ عید کی شادی نصیب ہو تیری | ہمیشہ نذر تری دیویں ساکنانِ آفاق
بسر کرے جو ترا دوست ہو بعشرت و عیش | عدو ترا ہو زمانے کا موردِ شلاق

قصیدہ در مدح نواب سیف الدولہ احمد علی خاں بہادر پسر سید صلابت خاں

برجِ حمل کے بیٹھ کے خاور کا تاجدار | کھینچے ہے اب خزاں پہ صفِ لشکرِ بہار
کہتے ہیں یوں زبانیِ پیکِ صبا یہ حکم | پہونچے حضور سے طرفِ باغِ روزگار
مرکب جو شاخسار کے ہیں اُن پہ اب شتاب | پہونچے سوار ہو کے جوانانِ برگ و بار
ہیں بخشی و وزیر جو مریخ و ماہتاب | اُن کو یہ امر ہے کہ امیرانِ نامدار
منہ کھول دو خزانِ گل اشرفی کے تم | پکڑو قلم کو ہاتھ رکھو پیادہ و سوار
چہرہ لکھا کے سُرخ نگہداشت اب کرو | تعداد پوچھتے ہو تو بے حد و بے شمار
کردو یہ حکم پیر فلک کو کہ اے دبیر | ہووے محرّروں کا تغافل اگر شعار
اہلِ قلم جو دفترِ بخشی گری کے ہیں | اُن سے کہیں برائے تقید یہ بار بار
گلگون لالہ گر کہیں بے داغ رہ گیا | چیریں گے پیٹ ہر متصدی کا غنچہ وار
لینا ہے کام مجکو جوانانِ باغ سے | بھر بھر سپر گلوں کے تئیں دو زرِ عیار
ابلاغ خانساماں کو دے تو اس امر کا | تا یہ کہے بُلا کے وہ اپنے بھی پیشکار
معمول سے زیادہ مقید ہوں اب کی سال | جس طرح چاہیے کریں اس فوج کا سنگار
پس اہلِ کار لالہ خود رو سے یہ کہیں | رنگیں شتاب مستکِ فیلانِ کوہسار
دگلے ہزار رنگ کے پہنا دیں ابر کو | موجِ ہوا تلک ہو زرہ پوش ابکی بار
تقسیم کر دیں فرقۂ غنچوں میں جل نہیں | دینِ دو پنے سالۂ گل ہو امیدوار

کہدیں کہ چار نہر سے گلشن کے صحن باغ / چار آئینہ کو سج کے رہیں مستعدِ کار
بارود گولی پیر مغاں میکدہ کے بیچ / رکھیں نہ اب سوائے کمر کیسہ زینہار
بندوقیں بدلے شیشوں کے بھر بھر کے مینچے / آکر شتاب صحن چمن میں کریں نہار
جتنے ہیں نے نواز جہاں بیچ اب کریں / پیشہ وہ کرنا ے بجانے کا اختیار

باور اگر نہیں تو اُسے آن دیکھ لو
پایا ہے امر مطلع ترے نئے اشتہار

ترکش لگا کے دینے کو تقصیرِ بہار / گلگوں پہ اپنے ترک ہزارا ہوا سوار
لازم ہے تجکو پی کے شراب طرب کا جام / گر مرد ہے تو سیر گلستاں کر ایکی بار
یک گل زمیں نہیں کہ جہاں آب تسپرے / کرتا نہ ہووے کھینچ کے شمشیر آبدار
غصے سے گر کٹے مرتے ہیں یہ کہ موج / گرداب ڈھال روکے ہے ملے ہے جیب کٹار
بن خود ایک دم نہیں رہتا سرِ حباب / ڈالے رہے مُنھ پہ جھلم سنگ آبشار
اندام جوئبار پر اب عکس تاک سے / بکتر سجا ہے دیکھوں ہوں کیا لیل کیا نہار
جاتا ہے نیستاں کے جو روئیدگی پہ وہم / ہوتا ہے اس یقین کا دل میں وہیں گذار
نکلے ہیں باندھ باندھ کمر ہو کے مستعد / لے کر پھریرے باتوں کے سر پر سے نامدار
زنجک ہے بہر مشق اُڑایا کرے ہے فرق / گولے ہی ڈھالتا ہے سحابِ تگرگ بار
آواز توپ و رہکلہ و رعد روز و شب / کرتے ہیں یہ سپہر سے جا اُس طرف گذار
گر پارچہ بھی ابر سیہ کا ہوا میں ہے / کجنال کی طرح سے چنگھاڑے ہے بار بار
تھا جس قدر کہ سبزۂ خوابیدہ یہ سدا / سُن کر زمیں سے چونک اُٹھا ہو کے بیقرار
آسودگان خوابِ عدم بھی ہے عنقریب / اُٹھ کر کے خاکداں سے کریں حشر آشکار
کرتے ہیں طائرانِ چمن اب یہ زمزمہ / یارب یہ اب کی سال قیامت ہے یا بہار
طاؤس نام وہ جو ہیں اس فوج کے نقیب / کرتے ہیں یہ صدا کہ جوانان لالہ زار

باہم سے دستہ جُدا ہو کھڑے رہو
جلدی سے باندھ کر کمر کینہ استوار

میدان صاف کرتی ہے جاروب بادِ تند
تا وقت کارزار دامنِ گل سے نہ اُلجھے خار

صد برگ جعفری و گل اشرفی نے اب
کیسری باتی کر کے یہ باہم کیا قرار

سنمکھ صفِ فشون خزاں آوے جس گھڑی
ہو کر اتارے کیجیے میداں میں کارزار

استاد ہے جہان علت سبز خاک پر
پانی کی جس طرف کو زمیں پر چلے ہے دھار

بھالا ہے اور برچھی ہے بلم ہے اور سیل
خنجر ہے اور تیغ ہے دستہ ہے اور کٹار

ہر آن میں ترانۂ بلبل کے واسطے
ہے اِن دنوں یہ شعر تجلی کا روبکار

از سایہ ہائے بید مولہ بہر طرف
دارد زمیں کماں سیہ توز در کنار

ترکِ صبا کہے ہے مرا تیر بازگشت
ہو پشت پر حریف تو نکلے جگر سے پار

خالی سمجھ کے ہاتھ کو اپنے ہر ایک دم
مانگے ہے برگ بید سے خنجر کو ہر چنار

دامن کو باندھ باندھ ہوئے مستعد سرد
قمری ہر ایک کہتی ہے یوں نعرہ مار مار

ایسا نہ ہو کہ طعن کریں ہم کو بلبلاں
لڑیو قدم کو گاڑ کے یارانِ طرحدار

نرگس کو باوجود ہے بیماری شدید
بستر چمن میں آن کے وہ ناتوان زار

للکارتی ہے یہ کہ دو بہنیاں ہو جو کوئی
ٹالی تو باری آن کے میرے عصا کا وار

کمر کھر کے ہر درخت سے یوں سنگترہ کا نخل
کہتا ہے گرچہ ہاتھ میں شیشہ ترے یار

لیکن تو دیکھیو کہ خدا وہ گھڑی کرے
کتنوں کا سر میں توڑوں گا پتھری مار مار

گولوں کے ہر درخت کو غصہ نے ان دنوں
کچھ آگ سی لگا دے ہے کیجے تم اعتبار

دل میں غرض ہر ایک کے میں کیا بیاں کروں
پایا ہے آتش و غضب و کیں نے یہ قرار

نکلیں بجائے دانہ شرر کچھ عجب نہیں
دیجے اگر انار کو پنجہ میں لے فشار

القصہ آج پیکِ صبا سے میں صبحدم
پوچھا کہ سُن تو کس لیے خاور کا تاجدار

قتلِ خزاں پہ مستعد اتنا کہ جس لیے
کی جمع فوج قاہرہ اتنی کہ بے شمار

ایسا تو اس سے آج تلک کچھ نہیں ہوا — ہاں امر سلطنت کا نرالا ہے اختیار

یہ سُن کے دیکھ دیکھ مرے منہ کو یوں کہا — سُنتا ہے اے عزیز تو کافر یا دیندار

دینِ نبیؐ میں ہے تو ابھی باندھ کر کمر — گلدستہ کی طرح ہے تو ہو جا شریک کار

اب جُرم کو خزاں کی تو پوچھے تو پیش خلق — بعد از یزید کے ہے خزاں ہی گناہگار

ٹک چشم منصفی سے تو اعمال اُس کے دیکھ — کس کے لیے وہ گلشنِ دولت ہے اب دوچار

ناناکو جس کے پوچھو تو راکب براق کا — واہ واہ جو دیکھو مشرق و مغرب کا شہسوار

بدخواہ دولت ایسی کا ہووے جو کوئی شخص — اُس پر نہ صفت کشتی کرے خاور کا تاجدار

آخر وہ اس گھرانے کا بندہ ہے زر خرید — پس کیوں نہ وہ کرے جسے اتنا ہو اقتدار

ایسا یہ خانداں ہے کہ نہ پشت سے فلک — کرتا ہے جس جگہ کی غلامی کا افتخار

رکھے جہاں کے داغ غلامی جبین ماہ — ماہی کے دل میں جس کی اطاعت کا خارخار

اثبات تجھ پہ جرم نہیں اُس کا اب تلک — اپنی تو اعتقاد ہے اتنی گناہگار

یکبار لعن گر کرے طوطی یزید پر — بے اختیار ہو کے کرے اُس پہ صد ہزار

لیکن یہ دیکھیو کوئی دن کو بضرب کفش — گلشن سے اُس کے کھینچ نکالے ہیں کرکے خوار

سُن کر غرض یہ پیک صبا سے میں یوں کہا — ہے کون ٹک بتا تو مجھے وہ بزرگوار

کہنے لگا کہ تجھ سے تعجب ہے یہ سخن — اتنا تو ہو کے عاقل و دانا و ہوشیار

یہ رمز اب تلک نہیں سمجھا ہزار حیف — ہے یہ وہ جس کے خوانِ کرم کا تو ریزہ خوار

یعنی وہ سیف دولہا بہادر کہ جس کی تیغ — کرتی رہی سدا سرِ اعدا پہ کارزار

جب میں سُنا زبانِ صبا سے یہ نام پاک — دو ہیں پڑھا یہ مطلع رنگین و آبدار

دیوے نہ تیرے نام سے گلشن میں گر بہار — پھولوں کو آب و رنگ کا لینا ہو ناگوار

تیری سخا کے باد سوا خاک پر نہال — بتلا دے باغباں تو ثمر دے نہ شاخسار

ناخن بغیر غنچوں کے گانٹھیں نہ کھل سکیں — تیری سخا جو بادِ سحر کی نہ ہووے یار

میخانۂ جہاں میں کرم سے ترے نہیں — کوئی شکستہ حال بجز تو بہ و خمار
برساترا سحاب کرم یاں تئیں کہ اب — ہوتا ہے رنگ آتشِ یاقوت آبدار
جو کچھ کہا میں اُس کو خوشامد نہ بوجھیو — یاں ارث ہے شجاع و سخی ہونے کا شعار
دادا ترے کا دستِ کرم کیا بیاں کروں — سائل کو نان و حلوے کی اونٹوں کی دی قطار
رکھیو اب آگے مطلع تازہ پہ گوشِ جاں — خورشید کی ثنا کوئی کرتا ہے ذرہ دار

مطلع

موجِ گہر سپہر سے اودھر کرے گذار — گر اپنے ابر فیض سے اتنا کہے بیسار
اور اُس کے پوچھتے ہو شجاعت یہ سُن رکھو — اژدر کے چیرے جبڑے کہ جب تھا یہ شیر خوار
یکدم جو اس کی تیغ کی برش ز راہ سہو — دل میں اگر خیال کرے اپنے کو ہسار
اجزا منجمد ہیں جمادات کے یہ سب — پاجاویں جوں حواس جہاں پل میں انتشار
جس تو دے پر کہ تیر قضا کارگر نہ ہو — خاکی کو اپنے اُس میں سے پھوڑے ہے وہ دوسار
تیری ہی تیغ و تیر کی دہشت ہو یاں تلک — تا وحش و طیر نے کی سلح پوشی اختیار
دراج کون سا ہے کہ پہنے نہیں زرہ — ہر ایک کرگدن کے بدن پر سپر ہیں چار
ارجن کہے کماں ترے دیکھ بھیم سے — اپنے تئیں تو کھینچتا ہے اُس کا سخت کار
جس سمت رُخ کریں گے تو میدان ہے وسیع — گر زندگی عزیز ہے بھبا کو تو فرار
روئیں تن اُس کے آگے بس و پیش ہو کھڑا — لے شرق تا بغرب اگر باندھ کر قطار
سوفار تیر بولی کہ سینہ پر اگلی سے — پیکاں کو لے کے جاؤں میں پچھلے کی پشت پار
دل میں مرے یقیں ہے کہ میداں میں جس گھڑی — للکارے تو یلوں کے تئیں کھینچ کر کٹار
گوبر کرے اس آن میں رستم کو گاؤسر — بیت الخلا کو یاد کرے سام بار بار
مرٹنے کا جو بہمن و برزو وغا کے روز — ہو جائیں تیرے سامنے آپس میں کر قرار
پتلا زیادہ پانے سے ہو کر ترے حضور — ڈالے ہر ایک اپنی سپر کو حباب دار

ہو جسم سے علحدہ پاوے سر عدو — نیزے پہ تیرے کر چمنِ رزم میں قرار
قمری ہر ایک بول اُٹھی یوں کہ ایکی سال — لایا ہے کس کے یمن قدم سے یہ سرد بار
یوں ہر عدو کے سینے میں اسکو پرودے تو — جوں سیخ میں کباب کے تکون کو بادہ خوار
وصف سپر ترِ کیا کروں اُسکا ہر ایک پھول — ہو جاوے رزم رزم عدو کے گلے کا ہار
گلگوں ترے کی وصف میں کیا کیا بیاں کروں — گرد اُس کے کھینچے جب گل رنگِ حنا حصار
اس حصر میں کرے ہے وہ اس طرح شوخیاں — تڑپے ہے جوں نسیم چمن میں ہو بے قرار
راتوں میں یہ سبک جو بھرے سطح آب پر — ٹوٹے حباب سُم تلے آ کر نہ زینہار
مشرق کی سرزمیں سے مغرب کی سمت کو — اُس برق وش کو پھینک دے گرم ہو کے تو سوار
اس عرصے میں پھر آوے کہ شاید نہ بجھنے پائے — گر بھینکنے میں نعل سے اُسکے جھڑے شرار
پر ہوں میں نیزوں کا عدو کے ترے غلام — میداں کے روز تجھ سے جو ہو جائے وہ دوچار
ڈپٹے اُسے تو اس پہ تو جاتا وہ یوں رہے — اُڑ جائے باد تند کے آگے سے جوں غبار
رتبہ کی تیرے جاہ کی میں کیا بیاں کروں — جس کے تئیں نہ وہم فلک کر سکے حصار
ہونا نہ رنگ اطلس گردوں جو ماتمی — خیمہ کے استروں کا ترے تھا یہ جامہ دار
شہتیر کہکشاں کے تئیں بھی برائے چوب — دو کرتے چیر کر تو نہ بنتی وہ استوار
تھے مہر و مہ بھی خوب ہی کچھ بادریسہ کو — پر مندرس ہیں برسوں کے اتنے کہ بے شمار
لے کر مگر خطوط شعاعی کو اس میں سے — بٹوائیے طنابیں سو کتنا یہ پود و تار
سرکار عالمِ فلکی میں تو کچھ نہیں — میخوں کے واسطے ہیں زمیں پر یہ کوہسار
قالی کا اُس کے فرش کا اتنا ہے عرض و طول — صد فصل گل نہ ہو سکیں جس کے نمونہ دار
جتنا ہے سطح روئے زمیں اُس پہ گر اُسے — جس فصل میں بچھاؤ تو ہے موسم بہار
جس آن تو قدم رکھے اُسپر برائے جشن — کھل جائے دیکھتے ہی تجھے چشم روزگار
اور ہووے گا کبھی یوں ہی تو خاطر کو جمع رکھ — صدقہ سے پنجتن کے بتائید روزگار

سودا کرے ہے عرض کہ تیرے خزانہ سے | بھر بھر سپر ہی لیتا ہے مجکو زر بہ عیار

بالفعل اس قصیدے کا مانگے ہے یہ صلہ | اُس کے تئیں خطاب ہو رزمیۂ بہار

کیسے ہیں دوستوں کے ترے شکل ماہ جہر | ہو سیم و زر ہر آن میں کیا لیل کیا نہار

ہاتھی کے ساتھ ساتھ یہ کہتا چلے عدو | مفلس ہوں کچھ دلا مجھے نواب نامدار

ایضاً در مدح سیف الدولہ احمد علی خاں بہادر

ہنجوش کا ہو دل تو رہے دہر سے بتنگ | باور نہیں تو دیکھ کہ نالاں سدا ہے زنگ

فرزند کی رکھے نہ یہ دل میں پدر کی مہر | ہے در پئے شکست سدا آئینہ کے سنگ

کردے بسان شیشۂ ساعت عجب نہیں | اک پل میں تل کے مائی کو اوپر جو کو دہنگ

آمادہ مہر کیں پہ سدا اُس کے دل کی لہر | ہے مستعد لطف و غضب اُس کی ہر ترنگ

قطرے سے کرنے دانۂ گوہر اسے ہے دیر | یا برق کو ہی پہونچے ہے خرمن پہ کچھ درنگ

ٹک دیکھ چشم دل سے تو اُس کے یہ کروٹیں | ہر اک میں شکل بوقلموں ہے ہزار رنگ

شاکی تو ہوں سستی ہر چند پر مجھے | اہلِ جہاں کے بخل و حسد نے کیا ہے تنگ

سمجھیں اسے نگین سلیماں یہ تنگ چشم | دیکھے کسی کا ہاتھ گر آبسمیں زیرِ سنگ

اتنا حسد ہے عاشق و معشوق میں کہ نور | مُنھ پر جو ہو چراغ کے تو جل مرے پتنگ

سرد وفا ہی دل کو ہے ان کے ہمیشہ عار | شت خشم سے انکھوں کے مروت رکھے ہے ننگ

احساں کوئی کسی کا جہاں میں تمام عُمر | دیکھا کبھو نہ خواب میں جز مخملِ فرنگ

مندوم دستگیری کا شیوہ ہے اس قدر | نزدیک ہے نہ ہاتھ کو پکڑے حنا کا رنگ

ہوتا نہ اتنے ناخلفوں میں جو اک خلف | کھا جاتی زہر مادرِ ایام آکے تنگ

یعنی وہ سیف دولہا بہادر کہ جس سوا | پاوے کوئی نہ لطف و کرم کا کسی میں ڈھنگ

ہمت کی عظم و شان کو جس کے دُرِ یتیم | [illegible]

نواب مدح حاضر و غائب اگر تری
بولے نہ جو زباں ہی وہ گویا دہن ہیں سنگ

بیضے سے اُس کے نسل کے نکلا کرے ہما
بجھ مزرعِ کرم سے چُنے دانہ گر کلنگ

جس دشت کی طرف ہو تری یک نگاہِ مہر
اے بوستان چشم مروّت کے آب و رنگ

پائے غزالہ دام میں واں بند ہو اگر
ناخن سے اپنے کھول دے جا کر گرہ پلنگ

حکم صلاح سے ترے اے صالحِ زماں
عرصہ اب اس قدر وہ منہیات پر ہے تنگ

ہے کشمکش شراب کو جب کیجیے نظر
جس وقت دیکھیے تو ہے ختو کے نیچے بنگ

سیدہیں، کیا بیاں کروں تیرے کماں کا زور
سینہ عدو کا توڑ کے نکلے ہے جب خدنگ

بیٹھے زمیں پر تو اُسے پھر نپائیے
گر سو کروڑ کوس تلک کھود یے سُرنگ

خلقت کا بحر و بر کے ہیبت سے ہو یہ حال
شمشیر گر علم کرے اپنی تو روز جنگ

مانگے پناہ بیشہ سے اُس آن فیل مست
بہ جائے آب دہو کے دہیں زہرۂ نہنگ

رہنے نہ دی صفائے برش اُس کے تیغ کی
باقی کسو ہی طرح سے ضارب کے دل میں زنگ

گر پشت آسماں پہ وہ آئے تو بہرِ حکم
ہو خرق و التیام فلک دیکھ کر کے دنگ

ہے دل کو یہ یقین کہ ہنگامِ کارزار
روئیں تنوں کے صف پہ اگر ڈانٹ کر ترنگ

مارے تو جس کے خود پر اُس کو تو کیا عجب
ٹھہرے نہ قاش زیں میں اور کاٹ کر تنگ

لیتے ہوئے زمیں کو تحت الثریٰ تلک
چھوڑے نہ کچھ جو منہ پہ چڑھے کوہ خواہ سنگ

تصویر کھینچنے کی تئیں رخش کے ترے
دل میں ہو آدے گر کسی نقاش کی اُمنگ

گذری تمام عمر اسی سوچ میں اُسے
سبزہ سمند یوز بناؤں میں یا سُرنگ

آخر قلم کو ہاتھ سے رکھ دیکے یہ کہے
کس سے بجز خدا بندھے صورت ہوا کا رنگ

افواج قاہرہ کا ترے کیا بیاں کروں
لرزے صدائے پاشنہ سے جسکے رُدم و زنگ

شادی کی نقل سمجھے ہیں جن سے دلاوری
ہنگام کارزار سدا گونہ د تفنگ

اتنے وہ جاں نثار ہیں تیرے کہ تجھ طرف
آسیب کیا مجال کرے منہ جو روز جنگ

غنچہ کی بھی گرہ میں بند کیا — اُس کی بخشش نے مشتِ زر کے تئیں
ہو تلک اے خامہ باریاب حضور — مدح غالب سے کس کو ہو تسکیں
اس چمن میں غرض ترا محتاج — ہے تونگر سے لے کے تا مسکیں
لالہ ساں گر پیالہ ہے مرے ہاتھ — کفِ نرگس پہ کاسۂ زریں
دست و پا اپنے گم کرے ہے عدو — یاد کر تیرے تیغ و خنجر و کیں
پوچھتا ہے ہر ایک سے سچ کہہ — سر مرا ٹنگریوں میں ہے کہ نہیں
فکر میں قہر کے ترے ہر شب — حالتِ نزع سے زبس ہے قریں
نیند اُس کو نہ آویں تا نہ پڑھیں — جائے افسانہ سورۂ یٰسیں
تیرے شبرنگ کا کروں کیا وصف — تو ہے جس کا چراغِ خانۂ زیں
جوں پتنگ اُس پہ تجھکو دیکھ سوار — جل کے بھسمنت ہو عدوے لعیں
غرض اس گفتگو سے اے نواب — نہیں ہے اسپ و خلعتِ ننگیں
کیا کروں گا میں تو سلامت رہ — تیرے دروازہ کا ہوں خاک نشیں
خوانِ نعمت سے تیرے مجکو سدا — صبح شیریں ملی ہے شب تمکیں
سنگ تجھ آستاں کا بعد از بوس — خواب کرنے کو ہے مجھے بالیں
جامہ پہنے ہوں جس کے دامن کو — ذرّہ آلودگی کہیں سے نہیں
تو ہی اب دل میں اپنے کر انصاف — کمی کس چیز کی ہے میرے تئیں
یا کچھ اظہار شاعری تجھ پاس — سو تو لازم کسی ہی طرح نہیں ؎
متصل تجھ زباں پہ ہے جاری — خوبیِ لفظ و معنیِ رنگیں ؎
اس سوا کچھ نہیں مجھے منظور — ذکر تیرے سے ہو زباں شیریں
جز دُعائیہ اس قصیدے سے — نہیں کچھ مطلب اور اپنے تئیں
ہر زبردست زیردست تیرا — رہے جب تک ہے آسمان و زمیں

تا قبولِ دعا ہو سوداؔ کی
تو بھی اپنی زباں سے کہہ آمیں

قصیدہ در مدح نواب نسبت علی خاں خواجہ سرا محمد شاہی

کل حرص نام شخصے سوداؔ پہ مہرباں ہو
بولا نصیب تیری سب دولتِ جہاں ہو
گو اشرفی روپے کی خواہش ہو تیرے دل میں
ظاہر ترے پہ ہر جا گنجینۂ نہاں ہو
لعل و گہر کی ہووے تجھکو اگر تمنّا
مصرف کے بیچ تیری اشیاے بحر و کاں ہو
عمدہ تو اس قدر ہو سرکار بیچ تیرے
مور و ملخ سے زیادہ خیلِ ملازماں ہو
جاہ و جلال یاں تک دیوے تجھے زمانہ
جب ہو تری سواری صد فیل پر نشاں ہو
گر ملک چاہتا ہو تو تخت بیچ تیرے
ہندوستاں سے لے کر اور تا باصفہاں ہو
آگے تو کیا کہوں میں دل چاہتا ہے تیرے
قبضے میں لے زمیں سے اور تا بآسماں ہو
سُن کر یہ حرف بولا سوداؔ کہ قدر در بہ
کب اشرفی روپے کی نزدیک عاقلاں ہو
یہ تو پڑے ہیں اتنے آفاق میں کہ جن کو
کیسہ سے دور کیجے کام اپنا تب رواں ہو
لعل و گہر جو پوچھو پتھر ہیں اور پانی
رتبہ نہ اُن کو پیشِ اربابِ ہمتاں ہو
عمدہ تو وہ کوئی ہے نزدیک فہم جس کے
اہلِ کمال آگے دنیا میں عزّ و شاں ہو
نامِ نکو سے بہتر دُنیا میں کیا نشاں ہے
وہ بھی کوئی نشاں ہے جو فیل پر رواں ہو
ملکوں کے سرزمیں سے حاصل یہی ہو آخر
وہ مشت خاک جسمیں ایکمشت استخواں ہو
ارض و سما کا ہونا قبضے کے بیچ اپنے
بے دعوئی خدائی کیونکر مجھے گماں ہو
جو کچھ کہا ہے تونے یہ تجکو سب مبارک
میں اور میرے سر پر میرا بسنت خاں ہو
دیکھے ہے جس کے جلوہ پاکیزہ طینتوں کی
آنکھوں کو امن ہووے جن کے تئیں اماں ہو

ہو جاوے کوٹ گرد ترے گروہ بیٹھ جائے
صف باندھ کر کھڑے ہوں تو ہیں قلعہ کے النگ

اتنا ہر ایک میں ہے ترے پرورش کا زور
لپکے کسی پر اُن میں اگر ببر یا پلنگ

ہو جاوے ایک مشت سے اُس کے زمیں پہ فرش
جوں شیر قالی پھر نہ رہے طاقتِ شلنگ

پس جو کوئی کہ تجھ سا ہو اُس کی ثنا و مدح
چاہوں کہ میں تمام کروں مجھ میں ہے یہ ڈھنگ

اوراق آسماں پہ کبھو لکھتے تیرے وصف
ہے دل کو یہ یقیں کہ ہو لفظوں کی جائے تنگ

لیکن قسم ہے خاک قدم کی ترے اگر
اس گفتگو سے دل میں ہے **سودا** کی یہ اُمنگ

دینار سُرخ دیجیے یا درہم سفید
یا خلعت و جواہر و یا فیل و یا ترنگ

شایستہ ہے تو اتنا ہے اُس کا کہ کام میں
کہیے نہ یوں تجھے تو ہو شہد زباں شرنگ

شہباز بخت کے ترے اپنے تئیں سدا
دیکھے ہمائے اوج سعادت میانِ جنگ

قصیدہ در مدح نواب احمد علی خاں سیف الدولہ پسر سید صلابت خاں بہادر

ہے سخن سنج اک جوان متیں
مخبرِ صائب جو وہ کرے تحسیں

رات جا کر میں اُس کی خدمت میں
اُسے دیکھا تو تھا نپٹ غمگیں

میں جو پوچھا سبب کہا مت پوچھ
خبث کرنا کسی کا خوب نہیں

نہ کچھ اس سے حصول دُنیا کا
نہ کچھ اس سے بر آوے مطلب دیں

لیکن اے یار تجھ سے کہتا ہوں
مل کے گو تجھ پہ سب کریں نفریں

داغ اُن سے ہوں اب زمانے میں
بزم شعرا کے ہیں جو صدر نشیں

یعنے سودا و میر و قائم و درد
لے ہدایت سے تا کلیم و حزیں

کیا غرور و دماغ کیا نخوت
کون سا کبر ہے جو اُن میں نہیں

مثل شیرازۂ کتاب اللہ
سمجھے ہر ایک اپنی چین جبیں

تنگ جانیں جو بزم کا اُن کے　　بوعلی ہو صفتِ نعال نشیں
بعد صد منّت و سماجت کے　　جا دیں گر یہ مشاعرے میں کہیں
میرِ مجلس کی تاب و طاقت کیا　　کرے تکلیف شعر اُن کے تئیں
شعر اپنا پڑھیں جو ان کے حضور　　کر کے سرگوشی یک دگر دو ہیں
ایک کہتا ہے یہ توارد ہے　　دوسرا بولے اُف رے یہ تمکیں
خلق کو انتظار کش کر کے　　یک دو مصرع پڑھیں جو آپ کہیں
درد کس کس طرح ملاتے ہیں　　کر کے آواز منحنی و حزیں
اور جو احمق اُن کے سامع ہیں　　دمبدم ان کو یوں کرے تحسیں
جیسے سبحان من یرانی پر　　لڑکے مکتب کے کہتے ہیں آمیں
کوئی جو پوچھتا ہے عالم میں　　فخر کس چیز کا ہے اُن کے تئیں
شعر و تقطیع ان کے دیواں کی　　جمع ہووے تو جیسے نقش نگیں
اس میں بھی دیکھیے تو آخر کار　　یا توارد ہوا ہے یا تضمیں
اتنی کچھ شاعری پہ کرتے ہیں　　میخ در کون آسمان و زمیں
غرض اس خبث کے تئیں سُن کر　　ہو کے بے اختیار بولے وہیں
کہا سوداؔ کو اِن بزرگوں نے　　مت گنوں اُس کا ہے یہ کب آئیں
اور جو ہووے بھی تو لائق ہے　　فخر کرنا پھبے ہے اُس کے تئیں
ہے وہ مدّاح. ایک ایسے کا　　مسند جاہ جس کے عرش قریں
یعنے نواب سیف دولہ سدا　　جس کی شمشیر و فرق دشمنِ دیں
رفعت جو دوست سے جس کے　　دامنِ خلق کا ہے یہ آئیں
پنجۂ آفتاب سے جس طرح　　بہرہ ور ہو ہمیشہ روئے زمیں
گلشنِ دہر میں چہار طرف　　ایک مفلس جو ڈھونڈیے تو نہیں

ادنیٰ جو مرتبہ ہے ہمت ترے کا اُس کو
پہونچے نہ وہم حاتم جب تک نہ نردباں ہو

آبِ ہمم سے تیرے گر بخششِ گہر پر
یک قطرہ جوش مارے تو بحر بیکراں ہو

خورشید دست سائل ہو جاوے آسماں پر
تیری علوِ ہمت جس وقت زر فشاں ہو

لیکن نہ سمجھیو یہ اس گفتگو سے ہرگز
منظور مجکو تیری ہمت کا امتحاں ہو

کس واسطے کہ مجکو اتنا ہی چاہیے ہے
جا بر ہو ایک بریں کھانے کو نیم ناں ہو

سو تو زیادہ اس سے تیرا کرم ہے مجھ پر
کفران نعمت اوپر قادر نہ یہ زباں ہو

اتنی ہی آرزو ہے کچھ عمر ہو جو باقی
مصرف جہاں میں اُسکا تیرے قدم کے یاں ہو

کب جا سکے ہے کوئی دروازے تیرے آکر
بیٹھے جو تیرے در پردہ سنگ آستاں ہو

تا مہر و مہ فلک پر یارب رہے درخشاں
یہ آستان دولت مسجود دو جہاں ہو

قصیدہ در مدح بسنت خاں محمد شاہی

تاثیر گردشِ اوج کواکب کی صبح کو
کہتے تھے دو جہاں کی خوبی کی روبرو

دل چاہتا ہے یوں کہ بنائیے ایک باغ
وہ گل زمین زیر فلک کر کے جستجو

فیض دم مسیح کا جس کے ہوا ہو فخر
آب اُس جگہ کا آب خضر کی ہو آبرو

لاوے نہ اُس زمیں کی درختوں کی ایک شاخ
غیر از برِ امید خلائق ثمر کبھو

ہووے ازل سے تا بہ ابد ہر چمن کے بیچ
سر سبز واں کی خاک سے صد تخم آرزو

مانا فراغ خاطر آسودہ سے ہو کل
جمعیتِ دلی سے پڑے غنچہ ہو بہو

بینائی و مشام کو عیسیٰ کی تقویت
دیوے ہمیشہ واں کی گلستاں کا رنگ و بو

مرغ اس چمن کے بیچ ہو ایسے غزلسرا
مطلع یہ جن کے حق میں سخن کی ہے آبرو

مطلع

بلبل ہو واں کی بلبل آملی سے دوبدو
طوطی کرے ہمیشہ فصیحی سے گفتگو

یوں منعکس صفائے عمارت سے ہو چمن
جو ایک رو مکاں ہو سو معلوم ہو دو رو

آئینہ خانہ اُس میں ہو ایسا کہ ایک سب
موزوں نہ اس صفائے گلستاں میں ہو کبھو

ایسا ہو سطح کرسی پہ اُس گھر کے ایک حوض
کوثر ہو آب شرم سے واں جس کے روبرو

چیادر تلے ہو آب کے یوں سنگ آبشار
چیں بر جبیں نقاب تلے جوں رُخ نکو

پاکیزگی سے جاری ہو ایسی ہی ایک نہر
خوبی کا جس کے ذکر نہ کر سکیے بے وضو

جو جی کو ہر چمن کے رواں یوں ہو اُسکا آب
جوں روح دوڑتی ہو رگ جاں کی سمت کو

کنکر ہر ایک جو ہیں جھکولوں سے آب کے
شفاف یاں تلک رہیں کھا کھا کے شست و شو

جلوہ انکھوں میں ہو جو رگِ گل کے عکس کا
آوے نظر وہ جوں رگِ یاقوت ہو بہو

یوں جلوہ گر ہو سرو کا سایہ کہ جس طرح
کوئی سیاہ مست پڑا ہو کنار جو

موسم بہار فصل کا اتنا بھرا رکھے
کیفیت بہار سے نرگس کے غنچہ کو

یوں ہو کٹوری اُس میں کہ جوں مغ کے ہاتھ سے
مستی میں چھٹ کے جا رہے ساغر تہِ سبو

پی پی شراب سرخ جوانان سبز فام
واں موسمِ بہار میں آویں جو سیر کو

باہم گلے میں ڈال کے باہیں برنگ تاک
مستی میں وہ چلیں کج واکج ہر ایک سو

القصہ سُن کے خوبی نے تاثیر سے کہا
جو مدعا ہو باغ سے کر اُس کی گفتگو

بولے کہ مدعا تو یہی ہے کہ تا ابد
اُسمیں لبنت خان بہادر ہو اور تو

اس میکدہ میں فیض سے جس کے شکستہ حال
غیر از خمار و توبہ نہ دیکھا کوئی کبھو

مطلب کو اس طرح سے وہ پہونچے ہے خلق کے
تاثیر جوں دوا کی پہونچتی ہو درد کو

کیسے سے گر نکالے نہا حاتم گہر تو کیا
عالم کے دل کی اُس سے نکلتی ہے آرزو

دل مدح غائبانہ سے کیونکر کھلے مرا
تا اس غزل کو پڑھیے نہ جا اُس کے روبرو

جو مرتبہ جہاں میں ہے بے نیازیوں کا — سمجھے ہے وہ کوئی جو اُس کا مزاجداں ہو
یہ وضع لاابالی رکھتا ہے وہ کہ جس کا — اشعار میں غزل کے، ممکن نہیں بیاں ہو

مطلع

بلبل کو گاہ سُن کر انعام بوستاں ہو — پھولوں کی بو سے گاہے گلشن میں سرگراں ہو
لاکھوں دے جس جگہ میں وہ گرگ کو خریدے — بکتا ہو یک نگہ کو یوسف تو واں گراں ہو
جس قدر مرتبہ میں ہو بے دماغی اُس کی — پرواز انتہا کی قدرت کہاں کہ واں ہو
رخصت نہ دیوے خاطریاں گوشۂ نگہ کو — عالم کا گو کہ اُس میں برباد خانماں ہو
گر معدلت پہ آوے وہ گلشنِ جہاں میں — آنکھوں میں باغباں کے بلبل کا آشیاں ہو
مشت حباب جو سے مرغِ ہوا نہ چھوٹے — شبنم کے دانوں میں سے دانہ کا گر زیاں ہو
جب ناتواں کی اُس کو منظور پرورش ہو — مور اُس کے سایہ نیچے آوے تو پہلواں ہو
خورشید اُس کے خو کا ذرہ جو ہو معاتب — ہیبت سے دل بدن وہ جوں بدرِ ناتواں ہو
میداں میں جب کھڑا ہو اُستاد سے وہ اپنے — حلقہ بگوش اُس کے ہر چند واں کماں ہو
بندہ ہوں لیک اُس کے میں تیر کے دعا کا — بیٹھے ہے خاک و خوں میں اُس سے جدا جہاں ہو
جوہر کا کیا بتاؤں شمشیر کا میں اُس کے — جس کی برش سے لیکن دانا کا امتحاں ہو
کرتا ہوں ذکر جس سے اُسکا وہ یوں کہے، ہے — چپ رہ کسی کے جیکو یونہیں کہیں ماں ہو
سُن کر وہ شخص بولا ہم بھی ملیں گے اُس سے — یا سود دل ہو اُس میں یا جان کا زیاں ہو
یہ حرف اُسکے مُنہ سے نکلا تو سُن کے سوداؔ — کہنے لگا غلط ہے اے یار یہ کہاں ہو
گہ دل میں گاہ جی میں گہ چشم میں بسی ہے — ملنا ہر تب معین اُس کا اگر گماں ہو
ہووے بھی گر معین اُس کا مکاں تو کس کے — واں چھوٹنے کا ناداں کس کے تئیں گماں ہو
مجلس کے داب سے واں یہ دور ہے کہ دارو — پروانہ بے اجازت نزدیک شمعداں ہو
طاقت ہے یہ کہ باہم حضار ہوں مخاطب — جوں غنچہ گو دہن میں ہر اک کے سو زباں ہو

ایسا ہو ایک میں ہی جا کر حضور اُس کے مطلع اگر پڑھوں یہ دل اُسکا شادماں ہو

مطلع

صحنِ چمن میں گلگوں گر تیرے زیر راں ہو ہر گل پیادہ ہو کر واں طرقو کناں ہو
ٹک چھیڑیے روش پر اُسکو تو اب جو ٹک ایک جس جس طرف یہ پلٹے اسطرف یہ رواں ہو
انداز چھیڑنے کا یہ کچھ ہے جو کہا میں ٹک وہم ڈانٹنے کا دل کے جو درمیاں ہو
اس سرعتوں سے تڑپے ہے تنگی سے اُس کے اوپر عرصہ بہ شش جہت کا دامِ کبوتراں ہو
کہتا ہے وہ جو دیکھے اُس پر سوار تجھ کو یارب ہمیشہ جگ میں یہ اسپ و یہ جواں ہو
شان و شکوہ تیرے ہاتھی کا کیا کہوں میں چرخی بجا ہے اُس کے گر چرخ آسماں ہو
ہے سر بلند اتنا یہ بھی عجب نہیں ہے آنکس پہ ماہِ نو کے گردستِ پیلباں ہو
مستک پہ رنگ اُس کے جس طرح جلوہ گر ہے گو سانجھ لاکھ پھولے یہ لطف پر کہاں ہو
دانتوں کے بیچ اُس کے ہے جسقدر پھسونڈا وصفِ زخامت اُسکا کیجے تو کیا بیاں ہو
اس دانت سے تو ہم اُس دانت تک جو گذرے پہونچے نہ ایک دن میں تا شب نہ درمیاں ہو
ابرِ سیہ ٹپکتا آوے ہے جس طرح سے مستی میں حُسن اُسکے چلنے کا یوں عیاں ہو
اس قد و قامت اوپر یہ حُسن ہے کہ اُسکے زنجیرِ پا بجا ہے گر زلفِ مہوشاں ہو
پائل نہ جھول سا یہ کیا کیا کہوں میں اُسکی اصلا کہیں جو اُسمیں سو جی کا کچھ تکاں ہو
گجباگ تک مہاوت چھیڑے تو یوں چلے ہے عاشق کے وصل کی شب جس طرح سے رواں ہو
ہاتھی ہیں یہ چلا دا کب ہے سوائے اُسکے تشبیہ یاب جس سے رفتارِ خوش قداں ہو
رکھے خدا جہاں میں اُس کو بہت وگرنہ تشبیہ یہ مسلّم نزدیک شاعراں ہو
جس وقت نقصان بر سے کھولے اُسے مہاوت ہمت سی تیرے اُس کو خطرہ یہ ہر زماں ہو
دیویاں گے بخشش مجکو ناحق کہیں چلے ہیں یارب حضور جاؤں تو واں نہ مدح خواں ہو
اور دیکھیے تو بیچ ہے خطرہ یہ اُس کے دل کا کس طرح سے کہو تو اُس کو نہ یہ گماں ہو

غزل

ہر رہ کی تیرے نکہت سنبل میں دے کے بو　　پہونچے تھی ہم کو بادِ شمالی کبھو کبھو
پانی بہت چمن میں دے اپنی تشنگی　　چاہے کہ آب رفتہ ہے آوے بسوے جو
اپنا جنوں نہ بادِ بہاری سے ہو برار　　ہم آتشی مزاج وہ بسیار تند خو

جس دشت میں ہے ان دنوں سودا کی بود و باش
دیکھا جو میں تو ہے وہ عجیب اک مقام ہو

اور اُس جگہ وہ یوں نظر آیا کہ کیا کہوں　　نے طاقتِ شنود ہے نے تابِ گفتگو
گذرا ہے سر سے پانوں کے اُس کے ہر ایک خار　　اور پانوں سے گذر گیا اُس کا ہر ایک مو
ہم صحبتانِ بزم سے اُس کے اگر کوئی　　واں جا کے پوچھتا ہے کبھو اُس کے حال کو
مانند شیشۂ مے گلگوں دہن کو کھول　　چاہے کہ کچھ کہے تو ہلو کی ہے وہ لہو
احوال تو یہ کچھ ہے جو میں نے کیا بیاں　　اُس میں حواس اُس کو جو آ جائے ہیں کبھو
ڈرتا ہے جو پھیرد تو کہتا ہے اُس سے یہ　　جاوے بسنت خان بہادر کنے جو تو
بعد از سلام شوق یہ کہیو ہمارے دوست　　اے بوستانِ دل کی تمنا کی رنگ و بو
پر تو نہیں کہ پہونچیے دو پانوں ہیں مگر　　کوڑی رگڑنے کی ہے سدا جن کو آرزو
جیسے ترے قدم سے جُدا ہو کے رہ گئے　　نے دیں کی ہے تلاش نہ دُنیا کی آرزو
مانند برگ خشک کہ ہو نخل سے جُدا　　کرتے پھرے ہیں دشت میں نالے ہر ایک سو
اب آرزو یہی ہے کہ آوے جو باد تند　　جو شعلہ آگ اپنے تئیں دیں زپشت در رو
تقصیر عفو کی ہے ترے یا گناہ کی　　انصاف یہ نہیں مجھے مجرم جو سمجھے تو
تیرے کرم نے مجھکو بد آموز کر دیا　　تھی ورنہ معصیت کی کب اُس رو سیہ کو خو
تیری ہی ذات سے متعلق ہے جرم و عفو　　آنکھوں میں دل میں چشم میں ہر جا ہے تو ہی تو

لیکن غلط یہ حرف کیا بندگی میں عرض
کس طرح سے محیط سمندر میں ہو سبو

مولا یہ سچ کہوں میں ہوئی مجھ سے کیوں خطا
مدت سے دل میں تھی مرے بخشش کی آرزو

اے دل تو بعد ختم غزل کر حضور میں
پاکیزگی سے اُس کی طبیعت کی گفتگو

مطلع

ابرِ بہار باغ کو تا دے یہ شست و شو
مقبول تجھ مشام کو ہووے نہ گل کی بو

پاکیزہ طینت اس قدر انساں ہووے خلق
دھو دھو کریں خمیر جو آدم کی خاک کو

شبرنگ کی ترے کوئی کیا کیا ثنا کرے
جس کا چراغ خانۂ زیں تا ابد ہو تو

اُس بادپا کے وصف میں مطلع پڑھیں ہم ایک
گر سرسری نہ سمجھے ہماری تو گفتگو

مطلع

شرمندہ ہو جمال میں حور اس کے روبرو
جلدی میں وہ طبیعتِ محبوب تندخو

جوہر میں تیرے تیغ کے کیا کیا بیاں کروں
کہتے ہیں جس کو ہے وہ تہوّر کی آبرو

اکثر ہوا ہے یوں سرِ اعدا کو کاٹ کر
میداں میں کارزار سے میں نے لیا ہے گو

القصہ جس کسی کا سر عافیت کھجائے
آوے ہے روز رزم وہی تیرے روبرو

دریا دل اس قدر ہے کہ جگ میں تمام خلق
بحرِ سخا کی سمجھے ہے تجکو ہے آبرو

حرفِ سوال پہونچنے پاوے نہ لب تلک
موجِ گہر پہونچتی ہیں سایل کے تا گلو

یاں شعر و شاعری سے ادا ہو نہ حقِ مدح
تن پر اگر زباں ہو بجائے ہر ایک مو

اس نظم سے غرض نہیں مدح و ثنا ہمیں
ہے تیرے ذکرِ خیر کی اپنی زباں کو خو

سودا کرے ہے ختم دعائیہ پر سخن
لایق تری ثنا کے نہیں ہے یہ گفتگو

تا زیرِ آسماں ہو زمانے میں صبح و شام
اپنی ہے یہ جناب الٰہی سے آرزو

روشن ہو تیرے دوست کا ہر شب چراغِ عیش
بدخواہ کے نصیب نہ ہو روز خوش کبھو

قصیدہ در نصائح فن شعر و طعن بر شاعری و در مدح مہربان خاں

جب کہے مورد تحسین میں اکثر اشعار
کہا اُستاد نے مجھ سے مرے سُن کر اشعار

اے پسر چار نصائح میں کروں ہوں اُن کو
کرکے تحویل دل اپنے کو کہا کر اشعار

ہیں جو خاقانی و فردوسی و سعدی مشہور
کیا عجب ہے کہے اُن کے جو برابر اشعار

اوّلاً یہ کہ مجالس میں زباندانوں کے
تیرے آگے جو پڑھے کوئی سخنور اشعار

سخن ایسا نہ ہو سرزد کہ ہو دل اُس کا دونیم
گو ہوا تیغ زباں کا ترا جوہر اشعار

دومی یہ جو تو چاہے کہ نہ مجھ سا ہو کوئی
شعر سے میرے کسی کے نہ ہوں برتر اشعار

شعر تحسیں پہ بھی ناداں کے نہ پڑھیو یکبار
پڑھیو دانا کی تو نفریں پہ مکرر اشعار

سومی گر کہے تجھ سے کوئی ناداں کہ ہیں
تیرے دیواں میں دو تین کے افسر اشعار

شعرا میں تو نہ پڑھیو جز اُمید اصلاح
ہوئیں بالفرض ترے اُن سے بھی بہتر اشعار

چار میں بال زن اُن کو نہ سمجھیو بہ فلک
مرغ معنی سے ترے پا دیں جو شہپر اشعار

بوجھ کر اپنی ترقی کو تنزل تیری
عرش پر ہوں تو سمجھ فرش کے اوپر اشعار

اس نصائح کی سند پھر ز کلام عرفی
لاکے دو میرے لیے یہ ز جواہر اشعار

لگے فرمانے کہ اُستاد انھوں کا سُن کر
دیسے شعروں کو کہے تھا نہ کہا کر اشعار

مرتبہ شعر کا زنہار نہ سمجھے گا تو
فائدہ کیا جو کرے داخل دفتر اشعار

اس طرح کی جو سُنے طعن و تعرض اُن نے
اور کے نام سے اپنے پڑھے اکثر اشعار

آفریں آفریں ہر شعر پہ دے کر اُستاد
بولا یہ خوب پڑھے تو نے سراسر اشعار

سُن کے تحسین یہ عرفی نے کی اُستاد سے عرض
میرے ہی گذرے تھے یہ میری زباں پر اشعار

پڑھ کے نام اپنے سے تھا مورد نفریں ورنہ
کسی دیواں میں نہیں اُن سے تو بہتر اشعار

یہ سخن سُن کے تأمل سے دیا اسکو جواب
یوں جو سمجھے تو کہاں شاعری کیدھر اشعار

ہم تو چاہا تھا کہ ہو دیں ترے آفاق کے بیچ
نور معنی میں بہ از خسروِ خاور اشعار

پر ہوئی جتنی کہ ہونی تھی ترقی نہ کریں
اب جو چاہو تو سرِ مو کے برابر اشعار

غرض اس نقل و نصائح سے مرا ہے یہ مآل
نیک تو سب میں ہو اور تجھ سے نکوتر اشعار

بزم ارباب سخن میں جو کبھو حاضر ہو
پڑھیو واں بیٹھ کے تو سب سے فروتر اشعار

یہ نہ ہووے کہ مسلح کئی اشجع لے ساتھ
پھرے پڑھتا ہوا اس وضع سے گھر گھر اشعار

آتے ہی چشم تو لے موند دہن کر دے کھول
باد چوں چلتی ہو پڑھتے چلے فرفر اشعار

اور بشرے سے یہ پیدا جو کرے حرف کوئی
تو پڑھیں یار بشمشیر بہ خنجر اشعار

دل میں لاحول ہے سامع کی زباں پر تحسیں
جس میں یوں جلد اُٹھے یا نسے یہ پڑھ کر اشعار

اہلِ مجلس تو دعا کرتے ہوں جب رہنے کی
صاحب خانہ جو ہو سن کے مکدر اشعار

بولے کیا آپ میں صنعت ہے کہ سبحان اللہ
لب چپکتے نہیں اسپر کہ ہیں شکرِ اشعار

یہ کنایہ نہ سمجھ کر جو پڑھا سب دیواں
آئے دو چار ہی فہمید میں مرمر اشعار

مطلب اس وضع سے پاتا نہیں شاعر شہرت
بلکہ اس سے تو ہوں رسوائی پہ مظہر اشعار

نطق کے باغ کا پھل نام نکلتا ہے سو یہ
خاکساروں کو ہیں دیں ہیں ثمر دیر اشعار

عجز ہو تو بجہاں پائے سخن حسن قبول
یوں نہ ہوں نقش دل کہتر و مہتر اشعار

خزفِ دل کو کہا گو کہ صدف کا موتی
کب مصنف کے کہے سے ہوئے گوہر اشعار

نہیں آفاق میں دلکش سخنِ بے تاثیر
گر اثر ہو تو کریں دل کو مسخر اشعار

بے اثر جس کے سخن ہوئیں وہ شہری کر لیے
پڑھے گو ملک بہ ملک اپنے مکرر اشعار

آوے جو منھ میں نکالے وہ کسی کے حق میں
پر نہ نکلیں کبھو جزدان کے باہر اشعار

حق کی امداد ہے مقبول سخن کا ہونا
یوں تو کہتے ہیں سبھی بہتر و بدتر اشعار

آدمیت ہے بڑی شے نہ کہا شعر تو کیا
کس پہ واجب ہے ز ارشادِ پیمبر اشعار

شاعری سے نہ طلب کیجیے یہ فوقیت
خلق کی نظروں میں کر دیں ہیں جو احقر اشعار

مہربان خان بہادر میں ہے، کیا خوبی خلق — جس کے ہیں بحرِ معانی کے شناور اشعار
اس کمال اپنے پہ آگے وہ سخن سنجوں کے — ڈرتے ڈرتے بزباں لائے ہے اکثر اشعار
یوں بنے فہم کا غوّاص کہ دل میں اپنے — رکھے موتی کی جگہ اُس کے صدف بھر اشعار
کس زباں داں سے کہوں اُسکی میں تاثیرِ کلام — عاشقوں کے ہیں رگِ جان کو نشتر اشعار
شیوۂ جور کرے ترک دو ہیں گر اُس کے — سُنے عشّاق سے معشوق ستمگر اشعار
اُس کے دیوان کی خوبی میں کہوں کیا جن میں — دلکش اک خلق کی ہیں صورتِ دلبر اشعار
کون خوش قد ہے نہیں جس کی زبان ودانگ — اُس کے پہونچے ہیں تا سرو صنوبر اشعار
کیا تعجب ہے زباں سے جو سُنے طوطی کی — پڑھے ہے اُس کے تو بلبل چمن اندر اشعار
ہو کے مصروفِ دل و جاں سے کہے ہیں اُن نے — بسکہ در منقبتِ حیدرِ صفدر اشعار
نظم اُس کا رکھے ہے حکم دعای جوشن — بہر حرز اُس کے پڑھیں عازمِ لشکر اشعار
اُس کی ہمت نے کیا ایک جہاں کو شاعر — کہتے ہیں اب سب ہی لینے کے لئے زر اشعار
سیم و زر ہی یہ فقط کچھ نہیں موقوف صلہ — لینے کو لعل و گہر کہتے ہیں گہر گہر اشعار
وصفِ شمشیر کیا چاہیے تو صورت نہ بندھی — ہو کے دو ٹوک کہے تا نہ سخن در اشعار
جمع ہو وے نہ کبھو یاد میں اُس کے دیوان — رہیں تا حشر خیال اُس کے میں ابتر اشعار
اُس کے توسن کا چلاوا ہے یہ موزوں جیسے — طبع شاعر کی بچے کہنے کو پھر پھر اشعار
شرق سے غرب تلک آن میں پہونچیں یہ خاں — وصف میں اُسکے اگر پھینک دوں کہکر اشعار

قصیدہ در ہجو شخصے کہ متعصّب بود

کروں چمن میں اگر جا کے میں غزل خوانی — تو بلبلیں ہوں مرے چہچہے کی دیوانی
نہال میرے سخن کا اگر یہ کھینچے قد — برنگ سایہ پڑے پانوں سروِ بستانی
کرے طلوع اگر مہر فکر کا میری — نہ آفتاب میں ذرّہ رہے درخشانی

ہوا نہیں وہ مرے صیت شعر کو سُن کر — زمیں میں شرم سے اب گڑ گیا ہے خاقانی
بتیں تو جان کہ شب شاطروں کو اِس فن میں — کرے ہے شہ ترے آگے عبید زاکانی
جو ہودے کسی سے یہ پوچھوں میں فن شعر میں بات — بجا کے تانت کہے دھن تلا بک تادانی
مری یہ فکرِ سخن صفحۂ زمانہ پر — کرے ہے مدح و مذمت میں جوہر ارزانی
ضیائے مہر پہ کھینچی ہے نقشِ تاریکی — کرے ہے ظلمتِ حیواں کو پل میں نورانی
نہ ہووے کیونکہ مرا رتبہ شعر میں یاں تک — میں کس کے پیر کی کرتا ہوں اب ثناخوانی
کہ جس کی دم گئی مشرق سے لے کے مغرب تک — انھوں کی اب کوئی دم داری کا نہیں ثانی
فرشتے داڑھی کو ان کے لگاتے ہیں صندل — کرے ہے طائفہ حوروں کا آ گُل افشانی
جو کوئی وصف کرے ان کی دینداری کی — کریں ہیں لعن اُسے مل کے اُنسی و جانی
اُنھوں کی ذات مبارک میں یہ تعصب ہے — کریں ہیں چشم میں سرمہ ہو گر صفاہانی
کوئی جو اُس کا سبب جا کے پوچھے ہے اُن سے — تو کہتے ہیں کہ ہے یہ بھی کوئی مسلمانی
لگانا سرمہ کو واں کے جہاں رہیں شیعہ — بھلی ہیں اُس سے تو یہ آنکھیں کور ہو جانی
علیؓ کا لے کوئی جو آکے نام مجلس میں — کہیں ہیں قتل کرو اُس کو ہے یہ ایرانی
معاویہؓ کو سمجھ کر خلیفۂ پنجم — کریں ہیں مو بمو اپنے کو اُس پہ قربانی
اُنھوں کی اپنے مریدوں کو یہ وصیت ہے — جو چھوڑ جائے مری روح عالمِ فانی
مُنڈا کے ریش کو اُس شخص کے بنا چوری — کرے معاویہؓ کی گور پر مگس رانی
اگر جو پوچھے کوئی اصل و نسل کو اُن کی — کہوں میں یوں نہ یہودی ہے یہ نہ نصرانی
جو باپ شمر کا تھا سو اُنھوں کا دادا تھا — جو ماں یزید کی تھی سو اُنھوں کی تھی نانی
اُنھوں کی بہن ہے ابنِ زیاد سے منسوب — ہنوز جس سے ہے دُنیا میں آلِ مروانی
جگر کے ٹکڑے ہیں خولی کے نورِ دیدہ شمر — نین ہوں شیشیں کے دیکھے سے اُنکے نورانی
غرضکہ اُن میں اور اُن میں گرہ ہے ریشم کی — یہ گانٹھ ہم کو تو مشکل ہے سخت سلجھانی

نہ پوچھو تم یہ کہ ذاتِ شریف سے اپنی
ہوئے ہیں آلِ محمدؐ کے دشمنِ جانی

انھوں کے دادی کا لے نام باندھے ہیں تلوار
ہنوز قتل پہ سیّد کے آلِ مردانی

جو کور موصلی سنتے ہو سو عصا لے کر
کرے تھا ان کے بزرگوں کے گھر کی دربانی

کہے ہے اپنی یہ فخریہ شیخ وہ میں ہوں
یہ رافضی نہ کریں گر مری قدردانی

کہ جس کے دادے نے جا کر بلا میں روزِ وغا
کیا فرات پہ بند اہل بیت پر پانی

وہ ایسے باپ کا بیٹا ہے جو کہ مشکوں پر
چلا کے گھوڑوں کو کرتا تھا تیر بارانی

نہیں حسین وگرنہ کرے ابھی یہ قتل
غرض جہاں میں یہ ناداں یزید کا ثانی

نہ کر تو ایسے کی تعریف جسکے تئیں سوداؔ
کریں ہیں لعن چہ ایرانی و چہ تورانی

محبت دین پر اُن کے الٰہی تا محشر
مدام نعمتِ خلدِ برین رضوانی

قصیدہ در ہجو مولوی ساجد درمیان آنکہ یزید را اولی الامر گفتہ بود

سُنا ہے میں یہ کسی نے بہ مدعائے فساد
کہا یہ مولوی ساجد سے جا کے شاہا باد

میں تم سے پوچھنے آیا ہوں مولوی صاحب
کسی کتاب میں ہووے تو کیجیے ارشاد

کہ دیکھ ماہِ محرم نبیؐ کی امت میں
درست ہے کہ یہ دیں یک دگر مبارکباد

پہن لباس مکلف بروز عاشورہ
کریں معانقہ آپس میں ہو کے خرم و شاد

دیا جواب کہ ہم سنیوں کے مذہب میں
عمل یہ ان دنوں کرنے نہیں ہیں کچھ ایجاد

یہ بات ہوتی ہے آتی ہے عہد حضرت سے
ہزار جا ہے کتب بیچ اس کا استشہاد

حنا کو ہاتھوں سے ملنا لگانا سُرمے کا
لباس پہن کے پڑھنا وظیفۂ و اوراد

بڑا ثواب ہے اس کا کہ ہے یہ روزِ عید
کریں نہ گو یہ عمل شیعان زراہِ عناد

یہ سن کے کہنے لگا پھر وہ مولوی جیسے
غمِ حسینؓ کا پاس اسمیں ہے مگر الحاد

دیا جواب یہ پھر مولوی نے اُس کے تئیں
غمِ حسینؓ سے جاوے نہ یہ خوشی برباد

حسین دے گیا ناحق عزا اپنا شیعوں کو — ملا کے پنجہ کو اپنے بہ پنجۂ فولاد
مگر نہ سمجھے تھا وہ آیۂ اطیعوا اللہ — بنی پر اُس کے کلامِ خدا سے ہے اسناد
خلافِ امر اولی الامر کا ہے ایسا کچھ — کہ جوں چراغ رکھے کوئی بر دریچۂ باد
اگر یزید کی جاتا حسین بیعت کو — نبی کے آل کی برباد ہوتی کیوں بنیاد
علی نے صلح کی تھی کیوں معاویہؓ سے — حسنؓ بھی کر گیا بیعت برائے دفع فساد
خلاف اپنے بزرگوں کا جو کرے اُسکا — اگر کٹا تو کٹا سر ز خنجرِ فولاد
غرض کہ مولوی سادہ نے اُسکو سُنّی جان — عقیدہ اپنے کی باتیں سب اُس سے کیں ارشاد
نجانا اُس کو ہے بدبخت رافضی عالم — جواب دے گا مری بات کا بصد اسناد
یہ سُن کے کہنے لگا وہ کہ حرف حق یہ نہیں — جو مجتہد ہیں ترے دیں کے اُنکا ہے ایجاد
ترے موافقِ مذہب کے تجھ سے پوچھوں ہوں — جواب دے تو مجھے راست نہ زرہِ عناد
نبیؐ کے بعد مقرر ہوئے خلیفۂ چار — کہ جن سے اب تیئں قائم ہے دین کی بنیاد
علیؓ خلیفہ تھا عثمانؓ بعد یا کوئی اور — جو کوئی اور تھا تو لا کتب سے تو اسناد
علیؓ خلیفۂ چارم درست ہے کہ نہیں — محمدؐ اور وہ آپس میں تھے برادر زاد
بتا کہ خطبے میں بعد از نماز جمعہ کے — کسے خلیفۂ چارم کیا خطیب نے یاد
معاویہؓ کو خلافت اگر بجائے علیؓ — پہونچتی تو اولی الامر تھی اُسکی اولاد
حدیثِ فاطمہؓ کے حق میں بضعۃ منی — ہوئی زبان محمدؐ سے بارہا ارشاد
مرا سخن نہیں باور جو تجکو جا کر دیکھ — صحاح ستہ میں اے مولوی کور سواد
جو اس حدیث کے معنی کو تو نہیں سمجھا — سمجھ لے مجھ سے سمجھنے کی ہو جو استعداد
حدیث یہ جو مکرر نبیؐ نے فرمائی — سو اس حدیث کے فرمانے سے یہی ہے مراد
جگر کا لخت مرے فاطمہؓ ہے دل اُسکا — وہی دکھاوے گا ہو دیگا جسکو مجھ سے عناد
عدو مرا جو ہوا دشمن خدا ہے وہ — خدا کی دشمنی کرنا تو عین ہے الحاد

پس اب تو کہہ دل خیر النساؑ ہے اس سے خوش — حسین کے جو کرے قتل سے دل اپنا شاد

یزید کو تو مسلماں گنے ہے اے نسناس — پھر اُسکو کہہ کے اولی الامر میں کرے ہے یاد

جسے کہ تیسے ذولی الامر ہے حسین شہید — امام برحق و معصوم پاک از اجداد

کہ جو نبیؐ کا نواسا علیؓ کا تھا فرزند — امام ہر دو جہاں آپ اور امام نژاد

یزید کیونکہ اولی الامر ہے بتا ملعون — کیا یہ فرض ہوئی جاہ اُسکو جوں شداد

یزید کو تو اولی الامر سمجھے ہے مردود — تف اس عقیدے پہ اے خارجی مادرزاد

خدا رسول کی لے بیچیا اطاعت سے — نہ فرد دفتر دیں میں رہی ہے نہ افراد

یہ وہ اطاعتیں ظاہر میں تھیں محمدؐ تک — مگر مطیع بدل تھی ہو آلہ الامجاد

خبر حدیث سے قرطاس کی بھی رکھتا ہے — کہ ہے وہ بہر اطیعوا الرسول استشہاد

علیؓ کے ساتھ جو پوچھی نبیؐ نے کیوں ڈالی — بتا بجنگ حدیبیہ صلح کی بنیاد

حسنؑ کی صلح نہ باعث تھا یہ معاویہ سے — کہ اُس کے ساتھ ہوئے جمع تجھ سے زشت نہاد

حسینؓ تھنے پہ تجھ جیسے مسلمینوں کے — گیا مدینہ سے کربل کو لے کے آل اولاد

حدیث ہے کہ اگر مومنین ہو کر جمع — جہاں میں صاحبِ حق کی طرف کریں امداد

نہ باندھے صاحبِ حق گر کہے پہ اُن کی کمر — ثبوت حجتِ ایزد ہے اُس پہ روز معاد

بھلا حسینؓ نہ جاتا تو اُس پہ کیا کرتا — خدا کے نزد کی حجت ہے قتل سے بھی زیاد

خدا ان اہل دغا سے تمام کر حجت — رکھا سر اپنے کو جا زیر خنجرِ بیداد

سرِ جسکہ رافضی بے ادب نے از رہِ جہل — خموش مولوی صاحب کو کر کے حد سے زیاد

یہ کہہ کے [illegible] — خسر یزید کا تو ہے وہ ہے ترا داماد

جب اُس [illegible] — ہوئی یہ مولوی صاحب پہ خسرے میں روداد

ہر ایک تعزیہ خانے میں کہتے تھے رفضا

پڑھے یہ مقطع [illegible] جو ہے نیک نہاد

مطلع

مکن تو لعن بہ شمر و یزید و ابنِ زیاد — بگو بمولوی ساجد مدام لعنت باد

قصیدہ شہر آشوب

اب سامنے میرے جو کوئی پیر و جواں ہے — دعویٰ نہ کرے یہ کہ مرے منہ میں زباں ہے
میں حضرت سوداؔ کو سنا بولتے یارو — اللہ رے اللہ ہے کیا نظم بیاں ہے
اتنا میں کیا عرض کہ فرمائیے حضرت — آرام سے کٹنے کی طرح کوئی بھی یاں ہے
سُن کر یہ لگے کہنے کہ خاموش ہی رہ جا — اس امر میں قاصر تو فرشتہ کی زباں ہے
کیا کیا میں بتاؤں کہ زمانے کی کئی شکل — ہے وجہ معاش اپنی سو جس کا بتیاں ہے
گھوڑا لے اگر نوکری کرتے ہیں کسو کی — تنخواہ کا پھر عالم بالا پہ نشاں ہے
گذرے ہے سدا یوں علف و دانہ کی خاطر — شمشیر جو گھر میں تو سپر بنئے کے یاں ہے
ثابت ہو جو دگلا تو نہیں موزوں میں کچھ حال — تیروں میں ہے پر گیری تو بے چلہ کماں ہے
کہتا ہے نفر عزہ کو اصراف سے جا کر — بی بی نے تو کچھ کھایا ہے فاقہ سے میاں ہے
یہ سُن کے دیا کچھ تو ہوئی عید وگرنہ — شوال بھی پھر ماہ مبارک رمضاں ہے
اس رنج سے جب بڑھ گئے چھتیس مہینے — تنخواہ کا پیٹنا اس شکل سے یاں ہے
لیتے ہیں بایں رو سپہی دہ تو دو ماہہ — ٹک دھونس دھڑکے کی جنھیں تاب و تواں ہے
قاضی کی جو مسجد ہے گدھا باندھ کے اسمیں — بیٹھا ہوا اُس شکل سے ہر پیر و جواں ہے
ملّا جو اذاں دیوے تو منھ موند کے اُس کا — کہتے ہیں کہ خاموش مسمانی کہاں ہے
بولا جو خطیب اُس ہیں تو مارے اُسے اک دھول — ہاتھ آ گیا واعظ تو تھپیڑا و دہاں ہے
رینگے ہے گدھا آٹھ پہر گھر میں خدا کے — نے ذکر نہ صلوٰۃ نہ سجدہ نہ اذاں ہے
اور وہ جو ہیں کمزور وہاں آن کے بیٹھیں — رتبے سب کے جو آگے کی یہ ہر ایک دکاں ہے

اُٹھ لو ٹھگے دکھلاتے ہیں انھیں حال وہ اپنا
دربار اور اُس عہد میں جو خورد و کلاں ہے

یوں بھی نہ ملا کچھ تو ہر ایک پالکی آگے
اس سج سے رسالہ کا رسالہ ہی رواں ہے

کوئی سر پہ کیے خاک گریباں کسی کا چاک
کوئی رو دے ہے منھ پیٹ کوئی نعرہ زناں ہے

ہندو و مسلمان کو پھر اُس پالکی اوپر
ارتھی کا توہّم ہے جنازہ کا گماں ہے

یہ مسخرگی دیکھ کے جو صاحب ارتھی
کرتے ہیں جو واں عرض تو نے پھر یہ نیا ہے

گر ہو جیے جا کر کسی عمدہ کے مصاحب
اُس کی تو اذیت سے بڑی آفتِ جاں ہے

وہ جا کے جو راتوں کو تو بیٹھے ہیں دو زانو
کیسا ہی اگر اپنے تئیں خواب گراں ہے

بیوقت خورش اُسکی ہو جو اپنے تئیں بھوکھ
سو کیا کہوں تجھ سے کہ مصیبت کا بیاں ہے

گھڑیال کی جب بیٹھے ہوئے گنتے ہیں گھڑیاں
اور ریح خلا رودوں میں جو اسپ دواں ہے

خمیازہ یہ خمیازہ ہے اور چرت اوپر چرت
منھ صورت سوفار مگر شکل دہاں ہے

صینے یہ طبابت کے بھلا آدمی نوکر
سو دو سو روپے کا جو کسی عمدہ کے یاں ہے

صحبت ہے یہ اس سے اگر آقا کے تئیں چھینک
آدمی تو وہ اُس کو بخشونت نگراں ہے

دیتے ہیں منگا تیر و کماں ہاتھ میں اُس کے
ٹھنڈی ہوا آنے کا گر اُسو حت گماں ہے

اور ماحضر اوپر جو وہ نواب کو دیکھے
کھانا تو یہ کھاتے ہیں پر اُسکو خفقاں ہے

مطبوخ میں ہے خربزہ اور خربزہ پر دودھ
ہے دودھ پہ مچھلی تس اوپر گاوزباں ہے

یہ بھی تو نہیں ہے کہ اُسی سے ہو تسلی
اس سب پہ تفنّن کے لیے بینی ناں ہے

اس میں جو کہیں درد اٹھا پیٹ میں اُنکے
پھر بو علی سینا ہے تو وہ ہیچداں ہے

رکھتے ہیں غرض مرگ سے لڑنے کو سپاہی
گر نوکری سمجھو یہ طبابت کی کہاں ہے

سوداگری کیجے تو ہے اس میں یہ مشقت
دکھن میں وہ بکے جو خریدِ صفہاں ہے

ہر صبح یہ خطرہ ہے کہ طے کیجے منزل
ہر شام یہ دل وسوسۂ سود و زیاں ہے

لے جا جو کسی عمدہ کی سرکار میں دے جنس
یہ درد جو سینے تو عجب طرفہ بیاں ہے

قیمت جو چکاتے ہیں سو اس طرح کہ ثالث
سمجھے ہے فروشندہ یہ دزدی کا گماں ہے

جب مول مشخّص ہوا مرضی کے موافق
پھر پیسوں کی جاگیر کی عامل پہ نشاں ہے

پروانہ لکھا کر گئے عامل کنے جس وقت
کہتا ہے وہ پیسا ابھی مجھ پاس کہاں ہے

اودھر سے پھر آئے تو کہا جنس ہی لے جا
دیوان بیوتات یہ کہتے ہیں گراں ہے

آخر کو جو دیکھو تو نہ پیسے ہیں نہ وہ جنس
ہر اک متصدی سے میاں اور تیاں ہے

ناچار ہو پھر جمع ہوئے قلعہ کے آگے
جو پالکی نکلے ہے تو فریاد و فغاں ہے

دو بیل کی جا کر جو کہیں کیجئے کھیتی
اور مینھ بھی موافق ہے پڑے تو تو سماں ہے

ہیں خشکی و قزاقی کے تفکر میں شب و روز
نہ امن ہے دل کے تئیں نے جی کو اماں ہے

گر خان و خوانین کے لیے کوئی وکالت
اُس کا تو بیاں کیا کروں تجھ سے کہ عیاں ہے

ہر عمدہ کے دروازے پہ زیں پوش پہ بیٹھا
پوچھے ہے اجی مرد ہے جی نواب کہاں ہے

ہر گھر میں وہ چاہے کہ میں فوارہ سا چھوٹوں
ہر کوچہ میں جوں آب چکا بو وہ دواں ہے

دیوان کے بخشی کے بیوتات کے حاضر
مانند کنھیا کے یہاں دیکھو نہاں ہے

ہر بات پلٹتا ہی رہے صبح سے تا شام
پیپل کے پتوے کی طرح منہ میں زباں ہے

لاوے جو کچہری سے وہ داموں کا سیاہا
للچاوے موکل کو یہ کیا خوب مکاں ہے

سو ماہی پہ بیٹھی ہے دلے پانسو ہے خرچ
اور زر کے اجارے کی بھی اُردو میں دُکاں ہے

بتادے غرض پیسے اُڑا کر ہوا رو پوش
گھر جا کے پکارے جو کوئی لالہ کہاں ہے

جس وقت سنا یہ وہیں آواز بدل کر
آپ ہی کہا گھر میں نہیں کشن چند کے یاں ہے

پھر ہو جو موکل سے کہیں راہ میں بیٹھا
اسناد کا جاگیر کے یہ اُس سے بیاں ہے

عرضی پہ ہوا میم سیاہے پہ ہوا جیم
پروانہ میں تم پر ہوں تصدق مری جاں ہے

کا ہے کی غرض عرضی اور کس کا سیاہا
کیدھر کا وہ پروانہ وہ جاگیر کہاں ہے

انصاف جو کیجے تو نہیں اُس کی بھی تقصیر
سب ماحصل ان باتوں کا ایک پارچہ ناں ہے

شاعر جو سُنے جاتے ہیں مستغنی الاحوال — دیکھے جو کوئی فکر و تردّد کو تو یاں ہے
مشتاق ملاقات انھوں کا کس و ناکس — ملتا اُنھیں اُن سے جو فلاں ابن فلاں ہے
گر عید کا مسجد میں پڑھے جا کے دوگانہ — نیت قطعۂ تہنیتِ خانِ زماں ہے
تاریخ تولّد کی رہی آٹھ پہر فکر — گر رحم میں بیگم کے سُنے نطفۂ خاں ہے
اسقاطِ حمل ہو تو کہیں مرثیہ ایسا — پھر کوئی نہ پوچھے میاں مسکین کہاں ہے
ملّائی اگر کیجیے ملّا کی ہے یہ قدر — ہوں دو دو پیسے اُسکے جو کوئی مثنوی خواں ہے
اور ماحضر اخوند کا اب میں کیا بتاؤں — یک کاسہ دال عدس و جو کی دو ناں ہے
دن کو تو بچارا وہ پڑھایا کرے لڑکے — سب خرچ لکھے گھر کا اگر ہندسہ داں ہے
تسپر یہ ستم ہے کہ نہالی تلے اُس کے — لڑکوں کی شرارت سے سدا خار نہاں ہے
بھاگے یہ عمل کر جو وہ شیطان کا لشکر — دیوالی کو لے ہاتھ تعاقب میں دواں ہے
اب کیجیے انصاف کہ جس کی ہو یہ اوقات — آرام جو چاہے وہ کرے وقت کہاں ہے
جس روز سے کاتب کا لکھا حال میں تب سے — ہر صفحۂ کاغذ پہ قلم اشک فشاں ہے
وہ بیت ٹکے سیکڑے لکھنے کو ہے محتاج — خوبی میں خط اب جس کا بہ از خطِ بتاں ہے
یہ بھی میں تکلف ہی سے کہتا ہوں وگرنہ — آفاق میں ان چیزوں کی اب قدر کہاں ہے
احیا جو ہو موتی کا زمانے میں نئے سر — خطّاط کی اُتنی ہی رہی قدر کہاں ہے
ہدیہ ہو سوا پانچ ٹکے گدڑی میں آکر — یاقوت پکارے جو بکاؤ یہ قرآں ہے
دمڑی کو کتابت لکھیں دھیلے کو قبالہ — بیٹھے ہوئے واں میر علی چوک جہاں ہے
چاہے جو کوئی شیخ بنے بہر فراغت — چھٹتی ہے وہ شعرا کی تو مطعون زباں ہے
دیتا ہے دم خر سے کوئی شملے کو نسبت — گنبد سے کوئی پگڑی کو تشبیہ کناں ہے
اور اُس کو جو دیکھے کوئی وہ بہر معیشت — اس فکر و تردّد ہی میں ہر ایک زباں ہے
پوچھے ہے مریدوں سے یہ ہر صبح کو اٹھ کر — ہے آج کدھر عرس کی شب روز کہاں ہے

تحقیق ہوا عرس تو کر داڑھی کو کنگھی
لے خیل مریداں گئے وہ بزم جہاں ہے

ڈھولک جو لگی بجنے تو واں سب کو ہوا وجد
کوئی کو دے کوئی رو دے کوئی نعرہ زناں ہے

بے تال ہوئے شیخ جو ٹک وجد میں آ کر
سرگوشیوں میں پھر بد اسلوبی کا بیاں ہے

گر تال سے پڑتا ہے قدم تو سبھی ہنس ہنس
کہتے ہیں کوئی حال ہے یہ رقص کناں ہے

اور ماحصل اس رنج و مشقت کا جو پوچھو
ڈالا ہوا واں دال نخود قلیہ و ناں ہے

سب پیشہ یہ تج کر جو کوئی ہو متوکل
جورو تو سمجھتی ہے نکھٹو یہ میاں ہے

اور بیٹی کے دل کو ہے حرافت کا تیقن
بیٹے کو جنوں ہونے کا بابا کے گماں ہے

پھر جوم کے جب لڑکے لگے بھوک سے مرنے
ہر خان و خوانین کے ہمراہ دواں ہے

جب راہِ خدا پیسے نکالے کوئی نواب
تب اُن کی سفارش میں اُسے رقعہ خاں ہے

مضموں یہی رقعہ کا کہ کچھ دیجیے اس کو
مدّاح اماموں کا ہے اور مرثیہ خواں ہے

بالفرض اگر آپ ہوئے ہفت ہزاری
یہ شکل بھی مت سمجھیو تو راحتِ جاں ہے

ٹک دیکھنا منصور علی خاں جی کا احوال
چھاتی پہ کڑک بجلی ہے اور شیر دہاں ہے

آرام سے کٹنے کا سنا تو نے کچھ احوال
جمعیتِ خاطر کوئی صورت ہو کہاں ہے

دُنیا میں تو آسودگی رکھتی ہے فقط نام
عقبیٰ میں یہ کہتا ہے کوئی اُس کا نشاں ہے

سو اُس پہ تیقن کسی کے دل کو نہیں ہے
یہ بات بھی گوینده ہی کا محض گماں ہے

یاں فکرِ معیشت ہے تو واں دغدغۂ حشر
آسودگی حرفیست نہ یاں ہے نہ وہاں ہے

قصیدہ در ہجو اسپ المسمّیٰ بہ تضحیکِ روزگار

ہے چرخ جب سے ابلق ایام پر سوار
رکھتا نہیں ہے دستِ عناں کا بیک قرار

جن کے طویلے بیچ کئی دن کی بات ہے
ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار

اب دیکھتا ہوں میں زمانے کے ہاتھ سے
موچی سے کفشِ پا کو گھٹاتے ہیں وہ اُدھار

تنہا وہی نہ دہر سے عالم خراب ہے
خسّت نے اکثروں نے اُٹھایا ہے ننگ و عار

ہیں گے چنانچہ ایک ہمارے بھی مہرباں
پاوے مزا جو اُن کا کوئی نام لے نہار

نوکر ہیں سو روپے کے دیانت کی راہ سے
گھوڑا رکھیں ہیں ایک سو اتنا خراب و خوار

نہ دانہ و نہ کاہ نہ تیمار نہ سئیس
رکھتا ہو جیسے اسپ گلی طفل شیرخوار

ناطاقتی کا اُس کے کہاں تک کروں بیاں
فاقوں کا اُس کے اب میں کہاں تک کروں شمار

مانند نقش نعل زمیں سے بجز فنا
ہرگز نہ اُٹھ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار

اس مرتبہ کو بھوک سے پہنچا ہے اُسکا حال
کرتا ہے راکب اُس کا جو بازار میں گذار

قصاب پوچھتا ہے مجھے کب کروگے یاد
اُمیدوار ہم بھی ہیں یوں کہتے ہیں چمار

جس دن سے اس قصائی کے کھونٹے بندھا ہے وہ
گذرے ہے اس نمط اُسے ہر لیل و ہر نہار

ہر رات اختروں کے تئیں دانہ بوجھ کر
دیکھے ہے آسماں کی طرف ہو کے بے قرار

تنکا اگر پڑا کہیں دیکھے ہے گھانس کا
چوکی کو آنکھ موند کے دیتا ہے وہ پسار

خطِ شعاع کو وہ سمجھ دستۂ گیاہ
ہر دم زمیں پہ آپ کو پٹکے ہے بار بار

پیدا ہوئی ہے تسپہ اگن باد اس قدر
ہرگز دروغ اُس کو تو مت جان زینہار

گذرے وہ جس طرف سے کبھو اُس طرف نسیم
بادِ سموم ہو وے دہیں گر کرے گذار

دیکھے ہے جب وہ توبڑہ دہقان کی طرف
کھودے ہے اپنے سُم سے کنوئیں ٹاپیں مار مار

فاقوں سے ہنہنانے کی طاقت نہیں رہی
گھوڑی کو دیکھتا ہے تو پادے ہے بار بار

ہے اس قدر ضعیف کہ اُڑ جائے باد سے
میخیں گر اُس کی تھان کی ہوویں استوار

نہ استخواں نہ گوشت نہ کچھ اس کے پیٹ میں
دھونکے ہے دم کو اپنی کہ جوں کھال کو لوہار

سمجھا نہ جائے یہ کہ وہ ابلق ہے یا سرنگ
خارشت سے زبسکہ ہے مجروح بے شمار

یہ حال جو اس کے دیکھ غرض یوں کہے ہے خلق
جنگل سے موذی کے تو چھڑا اسکو کردگار

ہر زخم پر زبسکہ بھنکتی ہیں مکھیاں
کہتے ہیں اس کے رنگ کو کمسی اس اعتبار

لے جاویں چور یا مرے یا ہو کہیں یہ گم
تنہا نہ اُس کے غم سے دلِ تنگ زین کا
القصہ ایک دن مجھے کچھ کام تھا ضرور
رہتے تھے گھر کے پاس قضارا وہ آشنا
خدمت میں اُن کے میں نے کیا جا یہ التماس
فرمایا جب اُنھوں نے کہ اے مہربانِ من
لیکن کسی کے چڑھنے کے لائق نہیں یہ اسپ
صورت کا جس کے دیکھنا ہے گا گدھے کو ننگ
بد رنگ جیسے لید و بدبو ہے جوں پیشاب
مانند میخ چوکے لگد زن ہے نقصان پر
حشری ہے اس قدر کہ حشرا اُسکی پشت پر
استادہ سرنگوں ہے کہ سب اُڑ گئے ہیں دانت
ہے پیر اس قدر کہ جو بتلائے اُس کا سِن
لیکن مجھے ز روے تواریخ یاد ہے
کمزور اس قدر ہے کہ اگر اُس کے نعل کا
ہے دل کو یہ یقیں کہ وہ تیغ روز جنگ
مانند اسپ خانۂ شطرنج اپنے پاؤں
اک دن گیا تھا مانگے یہ گھوڑا برات میں
سبزے سے خط سیاہ و سیہ سے ہوا سفید
بہو بچا غرض عروس کے گھر تک وہ نوجواں
مٹھا تو اس قدر ہے کہ وہ جو کچھ کہ تم سُنا

اس تین بات سے کوئی جلدی ہو آشکار
خوگیر کا بھی سینہ جو دیکھا تو ہے نگار
آیا یہ دل میں جائیے گھوڑے پہ ہو سوار
مشہور تھا جنھوں کے وہ اسپ نابکار
گھوڑا مجھے سواری کو اپنا دو مستعار
ایسے ہزار گھوڑے کروں تم پہ میں نثار
یہ واقعی ہے اس کو نہ جانو گے انکسار
سیرت سے جس کے تنت ہے سگِ خشمگیں کو عار
بد یمین یہ کہ اصطبل اوجڑ کرے ہزار
لاجنب وہ زمیں سے ہے جوں میخ استوار
دجّال اپنے منھ کو سیہ کر کے ہو سوار
جبڑے پہ بسکہ ٹھوکروں کی نت پڑی ہے مار
پہلے وہ لے کے ریگ بیاباں کرے شمار
شیطاں اُسی پہ نکلا تھا جنّت سے ہو سوار
لوہا منگا کے تیغ بناوے کبھو لوہار
رستم کے ہاتھ سے نہ چلے وقت کارزار
جز دست عجز کے نہیں چلتا ہے زینہار
دولھا جو سامنے کو چلا اُس پہ ہو سوار
تھا سرو سا جو قد سو ہوا شاخ باردار
شیخوخیت کے درجے سے گر اُس نے گذار
لیکن اب ایک دن کی حقیقت کہوں میں بار

دہلی تک آن پہونچا تھا جسدم کہ مرہٹہ مجھ سے کہا نقیب نے آ کر ہے وقت کار
مدت سے کوڑیوں کو اُڑایا ہے گھر میں بیٹھ ہو کر سوار اب کرو میداں میں کارزار
ناچار ہو کے تب تو بندھایا میں اُس پہ زیں ہتیار باندھ کر میں ہوا جا کے پھر سوار
جس شکل سے سوار تھا اُس دن میں کیا کہوں دشمن کو بھی خدا نہ کرے یوں ذلیل و خوار
چابک تھے دونوں ہاتھ میں پکڑے تھا منہ میں باگ ٹک ٹک سے پاشنہ کے مرے پانوں تھے فگار
آگے سے تو بڑھ اُسے دکھلائے تھا ستیس پیچھے نقیب ہانکے تھا لاٹھی سے مار مار
ہرگز وہ اس طرح بھی نہ لاتا تھا رو براہ ہلتا نہ تھا زمین سے مانند کوہسار
اس مضحکے کو دیکھ ہوئے جمع خاص و عام اکثر مدبروں میں سے کہتے تھے یوں پکار
پہیئے اُسے لگاؤ کہ تا ہووے یوں رواں یا بادبان باندھو پون کے دو اختیار
میں کیا کہوں غرض کہ ہر اک اُسکی شکل دیکھ تیغِ زباں سے کاٹ کے کرتا تھا گل نثار
کہتا تھا کوئی ہے بزکوہی نہیں یہ اسپ کہتا تھا کوئی ہے گا ولایت کا یہ حمار
کہتا تھا کوئی مجھ سے ہوا تجھ سے کیا گناہ گتوال نے گدھے پہ تجھے کیوں کیا سوار
کہنے لگا پھر آ کے اُس اجماع میں کوئی شخص مرکب نہ یہ گدھا نہ یہ راکب گناہگار
سمجھوں ہوں میں تو یہ کہ سپاہی کے بھیس میں ڈائن چلی ہے سیر کو ہو چرخ پر سوار
اس مخمصے میں تھا ہی کہ ناگاہ ایک روز فتنے کو آسماں نے کیا مجھ سے پھر دوچار
دھوبی کمہار کے گدھے اُس دن ہوئے تھے گم اس ماجرے کو سُن کیا دونوں نے واں گذار
ہر اک نے اُس کو اپنے گدھے کا خیال کر پکڑے تھا دھوبی کان تو کھینچے تھا دم کمہار
دریائے کشمکش ہوا اُس آن موج زن تھا عنقریب ڈوبیے خفت سے ایک بار
بدپشمی اُس کی دیکھ کے کر خرس کا خیال لڑکے بھی واں تھے جمع تماشے کو بے شمار
رکھتا تھا کوئی لا کے سپاری کو منہ کے بیچ مو اُس کے تن سے کوئی اکھاڑے تھا بار بار
کہتا تھا کوئی مجھ سے کہ تو مجکو بھی چڑھا دوں گا ٹکا تجھے میں بھی تو چندا ایتوار

کتے بھی بھونکتے تھے کھڑے اُسکے گرد و پیش — ساتھ اُس سمند ترس نما کے ہو چشم چار

اُس وقت میں نے اپنی مصیبت پہ کر نظر — کہنے لگا خدا سے یہ رو رو کے زار زار

جھگڑوں میں دھوبیوں سے کہ لڑکوں کو دوں جواب — کتوں سے یا لڑوں کہ مروں اپنا پیٹ مار

بارے دعا مری ہوئی اُس وقت مستجاب — واں سے بہر نمط کیا جنگاہ کا گذار

دستِ دعا اُٹھا کے میں پھر وقت جنگ کے — کہنے لگا جناب الٰہی میں یوں پکار

پہلے ہی چھوٹتے گولا اس گھوڑے کے لگے — ایسا لگے یہ تیر کہ ہو وے جگر سے پار

یہ کہہ کے کہ میں خدا سے ہوا مستعد بجنگ — اتنے میں مرہٹہ بھی ہوا مجھ سے آ دوچار

گھوڑا تھا بسکہ لاغر و پست و ضعیف و خشک — کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقت کارزار

جاتا تھا جب ڈپٹ کے میں اُس کو حریف پر — ڈرون تھا اپنے پانوں سے جوں طفل نے سوار

جب دیکھا میں کہ جنگ کی اب یاں بندھی ہے شکل — لے جوتیوں کو ہاتھ میں گھوڑا بغل میں مار

دھر دھمکا و اُن سے لڑتا ہوا شہر کی طرف — القصہ گھر میں آن کے میں نے کیا قرار

گھوڑے مرے کی شکل یہ ہے تم نے جو سُنی — اس پر بھی دل میں آئے تو اب ہو جیے سوار

سُن کر تب اُن سے میں نے یہ قصہ دیا جواب — اتنا بھی جھوٹ بولنا کیا ہے ضرور یار

گفتن ہمیں بس است کہ اسپ من ابلق است — سمجھوں گا دل میں اپنے اگر ہوں میں ہوشیار

سودا نے تب قصیدہ کہا سُن یہ ماجرا — ہے نام اس قصیدہ کا تضحیکِ روزگار

قصیدۂ چہل و ششم فارسی در تعریف مسجد نو

با عندلیب گلشن ایمان برابر است — گل بانگ مرغ خانہ ام اللہ اکبر است

دارم من از لباسِ حرم صوف در مداد — ہر سو کہ او رواں شود اسلام رہبر است

بر صفحہ پاے خامۂ من کج نمی فتد — کز رشتۂ محبتِ حق تار مسطر است

بین السطور او کہ بہرِ صفحہ نقش زد — زچاک جیب صبح سعادت منور است

حرفِ زبانِ کلکِ من از کثرتِ جلاے
نحویست هر ورق چو بر آئینه جوهرست

هرگه رسد چو شاهدِ معنی بخاطرم
می بینمش که جامهٔ احرام در برست

چشمم اگر بسبزهٔ خطِ بتاں فتد
بے آهوئے حرم به نظر نوکِ نشترست

بازوی شاهبازِ خیالم که درهواست
پرِ مرغِ رو بقبله نشیں سایه گسترست

از استماعِ نظمِ کلامم دریں مقام
هر رند جبه در بر و عمامه بر سرست

زاهد چنانست تشنهٔ حرفم بقولِ کس
چوں گوشِ روزه دار بر الله اکبرست

چوں محتسب سوار شود در رکابِ او
سنگے برای شیشه بدستِ قلندرست

شادیِ غرّهٔ رمضاں زیرِ آسماں
نزدِ مغاں زغرّهٔ شوّال خوشترست

بینی بزیرِ ابروئے پیوستهٔ بتاں
در چشمِ خلق جلوهٔ محراب و منبرست

تا بشنود بمدرسه بانگِ صلوٰة را
شد در پئے معالجه گر برهمن کراست

خواهانِ سبحه بسکه بود خلق دانه اش
از دُرِّ شاهوار به قیمت گراں ترست

در فکرِ بوریاست گدا ز پےِ نماز
معروف بر عمارتِ مسجد توانگرست

دیدیم تازه مسجدِ نورانی کزو
در اقتباسِ نور مه و مهر اخترست

آبے که ریختند پیمبر براں مکاں
پیداست از صفاش که او آب گوهرست

هر سنگ او ز عکسِ کواکب بوقتِ شب
در چشمِ روزگار ز ترصیع بهترست

یارب چه مسجدیست که گردِ حریمِ او
ارواحِ اولیای مکمل کبوترست

فرماں روا اسیح بمعمارِ آں بناست
دل را فضای او که چنیں روح پرورست

آید صدا ز گنبدش از جنبشِ نسیم
بنگر که شانِ رفعتم از عرش برترست

دل در تعجب ست که گلدستهای او
هم در بهار و در خزاں تازه و ترست

وصفِ کتابه اش چه نویسم که در نظر
چوں سرنوشت صاحبِ ایماں منورست

حاجت دراں حرم بفروغِ چراغ نیست
شب تا سحر تجلیِ حق شمعِ منبرست

فی الفور می رسد بدر خانهٔ قبول
آنجا برائے مرغ دعا فیض شہپر ست

بر سطح او مقابلِ محراب حوض نیست
چشمِ پُرآب جانب ابروی دلبر ست

دیدم چو عکس قبهٔ زرّین او در آب
پنداشتم که مہر بکوثر شناور ست

کرسی او ز مرتبهٔ انبیا بلند
صحنش بوسعتِ کرمِ حق برابر ست

جاروب صحن شکل خطوط شعاعی ست
جاروب کش بصورت سلطان خاور ست

ہر چند جای رفته بسے دیده ام ولے
دل را ازاں صفا که برد دیدیا ور ست

آیند در شمار نظر ذره ہاے خاک
عکس اگر درون ز ہوای مکدّر ست

جاے بایں لطافت و خوبی کجنج اوست
آبش چناں قریب که با لب برابر ست

مردم بگرد او ہمه وقت از پےِ وضو
چوں صورت صفِ مژهٔ دیدهٔ تر ست

نقاشیِ عمارت آں سجده گاهِ خلق
در تازگی ز باغِ جناں ہم فزونتر ست

نقاشش او که رنگ دراز ست چوں بہار
گلشن بهر گلے که ز دیوار نادر ست

نوع کشید کردهٔ موجِ نسیم صبح
بر عارضِ نگارِ چو زلفِ معطر ست

بیرون ز حد وصف بود دست کاریش
ہر دم بکلکِ صنعت او صنع دیگر ست

از بس دراں احاطه صفا را بکار بُرد
مطلع بوصفِ او ز گہر ہم صفاتر ست

یک سمت نقش لاله و یکسو صنوبر ست
از عکس یک دگر بقرائن برابر ست

ایں جا کسے که پیش نماز ست وصفِ او
در گوش ہوش از ہمه اوصاف برتر ست

در فرض صبح و شام ز ہر سوره خواندنش
نحوی بدل صدای قرائت مؤثر ست

ہر کس که بود منکرِ قرآن شنید و گفت
لاشک کلامِ حق بزبانِ پیمبر ست

گویند عرشیاں که صدای مؤذن ست
در گوشِ ما ز نغمهٔ داؤد خوشتر ست

خوش بلبل ست او که سحرگه ترانه اش
در باغ دیں بمدح خدا و پیمبر ست

خوش لہجه طوطیست خطیبش که نطق او
بہر ضیافتِ صلحا شیر و شکر ست

واعظ چہ واعظ ست کہ تاثیرِ حرفِ او — سد رہِ صعوبتِ فردائے محشر ست
لاریب ہمچو خانہ بود خانۂ خدا — کانجا گدا و شاہ بیک سجدہ ہمسر ست
ہر کس دراں مقام دو رکعت نماز خواند — فردا باو ثواب دو صد حج اکبر ست
ہرگہ دو کعبہ گشت کند رو کدام سو — زیں وجہ مرغ قبلہ نما سخت مضطر ست
سودا اگر کسے بقسم گوید ایں سخن — در رتبہ آں سگاں ز حرم پایہ کمتر ست
شخصے کہ واقف ست ز شانِ بزرگیش — او را کے از زبان کس ایں حرف باور ست
بودم دریں خیال در آنجا کہ ظاہرا — با کعبہ ایں رواق مقدس برابر ست
ناگہ بسجدہ از پئے تاریخ حاجیے — سر را نہاد و گفت کہ از کعبہ بہتر است

تمّت

مثنوی اوّل قصّہ در عشق پسر شیشہ گر بہ زرگر پسر بطور ساقی نامہ و دیگر حکایت شیخ و دعاء پادشاہ

مرا دل نام پر اُس کے ہے شیدا — کیا ہے جس نے حسن و عشق پیدا
وہی ہے آب و رنگ اپنے چمن کا — وہی معنی ہے طوطی کے سخن کا
چمن میں ذکر سے اُس کے ہے تفریح — گلوں کو دانۂ شبنم ہے تسبیح
یہ جلوہ حسن کا ہے گل میں اُس سے — اثر ہے نالۂ بلبل میں اُس سے
دلوں کا عاشقوں کے محرمِ راز — ادائے ناز کا خوباں کے دمساز
کہیں نورِ چراغِ خانہ ہے وہ — کہیں سوزِ دلِ پروانہ ہے وہ
کسو کے دل میں پاتا ہوں اُسے درد — کسی سینے میں تاثیرِ دمِ سرد
اُسی کا جلوۂ حسنِ زلفِ مہ رو — اُسی کے نافۂ آہو میں ہے بو
کسی جاگہ میں عیسیٰ کا ہو وہ دم — کسی جا ہو سموم آکر پُر از سم
چراغِ دیر کعبہ سے نہیں دور — یہ دونوں روشن از یک عالمِ نور
ہر اک جا وہ باندازِ دگر ہے — گہر ہیں آب میں پتھر میں شرر ہے
نظر بھر دیکھ گر ہے تجکو فہمید — ہر اک ذرّہ میں جھلکے ہے وہ خورشید
غرض وہ کیا کہے اُس سے جُدا ہو — نہیں وہ شئے جو اُس کے ماسوا ہو

ثنا ہو کس زباں سے اُس کی ہیہات
قلم کو پھیر لے سوئے مناجات

در توحید جناب باری

خدایا دے تو اپنے عشق کا درد — عنایت کر دلِ گرم و دمِ سرد
محبت کا دے اپنے داغ دل پر — بغیر از شمع ہے تاریک یہ گھر
خمِ دل میں شرابِ درد بھر دے — پیالی چشم کی لبریز کر دے
تعشق میں کر اپنے اس قدر غرق — نہ مجھ سے کفر و دیں میں ہو سکے فرق
عطا میرے تئیں کر یا الٰہی — جنوں کی مملکت کی بادشاہی
کہ ملکِ عقل کو میں دے کے برباد — کروں جا کوہ اور صحرا کو آباد
رہے روشن مری یوں شمعِ ہستی — کروں ہر آن جوں پروانہ مستی
مجھے کر عشق کے خنجر سے دمساز — تڑپنے کی حلاوت سے نہ رکھ باز
زباں سے وہ سخن کر دے سرانجام — رہے محشر تلک جس سے مرا نام
بسانِ شمعِ دل یہ آب کر دے — گدازِ تن سے لذت یاب کر دے
چمن میں عشق کے یارب ہمیشہ — یہی میرا رہے تا زیست پیشہ
کرے یوں بلبلِ نالہ دلِ زار — کہ جوں طوطی ہو خوں آلودہ منقار
مجھے آتش کی دے یہ طاقت و تاب — کہ ہو جاوے سمندر رشک سے آب
تمنا ہے یہ ہر اک چشم رو دے — کہ سنگِ آبشار اب سینہ ہووے
رواں رکھ تو مرے خامہ کو دن رات — لکھوں تا حمد میں بعد از مناجات
تری حمد اے چمن آرا کہاں ہو — اگر جوں سرو سر تا پا زباں ہو
ثنا سننے کو تیری گل ہوا گوش — دہن میں سو زباں غنچہ کی خاموش
جہاں اس باغ میں آبِ رواں ہے — تو موج اس کی تری رطب اللساں ہے
ثمر جب سے دیا تیں شاخ کے ہات — زباں ہے شکر کی خاطر ہر اک بات

چمن کو دیکھ مرغانِ خوش آہنگ　　کریں ہیں وصف تیرا سب بہر رنگ
بھنور تک دیکھ تجھ صنعت گری کو　　نظر کر نسترن اور جعفری کو
سدا پھر پھر کے ہر اک پھول کے گرد　　کیا کرتا ہے تیرے نام کا ورد
ترے بارِ کرم سے شاخ ہے خم　　بھرے ہے بلبلِ بستاں ترا دم
چراغِ شام کو ہر شب تری لَو　　نسیم صبح ہے تیری تگ و دَو
نہ تنہا خلق کی نسریں و سنبل　　بنائی خلعتِ انساں بہ از گل
بتاں کا حُسن ہے تیرا ثنا گو　　خطِ پشتِ لب اُن کا اور ابرو
رباعی مدح کی تیری ہے اے پاک　　سمجھتا ہے اسے عارف کا ادراک
عطا کی جب سے مشتِ خاک کو جاں　　فراواں ہے دمِ آب و لب و ناں
رکھے ہے کام میں جب تک زباں تر　　نمک کا ہے چکھاوے گاہ شکر
برائے پوششِ تن بھی بہر حال　　کبھو کمل اُڑھاتا ہے کبھو شال
ہمارے واسطے اے ربِ معبود　　کرم ماں باپ سے تیرا ہے افزود
ترے احساں بیاں کیا ہم سے ہوویں　　رہے بیدار تو بندے جو سوویں
رکھے ہے گرم جب ہو موسمِ برد　　پڑے گرمی تو دے ہے گوشۂ سرد
رکھے ہے تجھ سے شیخ و برہمن راہ　　تری کیا ذات ہے اللہ اللہ
سخن سُننے کو تو نے بخشے ہیں گوش　　سمجھنے کو دیا ہے فہم اور ہوش
زباں کی خلق مُنھ میں بہر گفتار　　کریں تا دردِ دل آپس میں اظہار
بیاں کیا کیجئے تیری عنایت　　دیے ہیں چشم اور نورِ بصارت
کہ تا معلوم ہو شام و سحر گاہ　　چلیں پستی بلندی دیکھ کر راہ
زباں کو ذائقے سے دے ہے تسکیں　　کیا معلوم جس نے ترش و شیریں
غرض کیا کیا کرم ہم پر ہے تیرا　　شفیعِ حشر پیغمبر ہے تیرا

در نعت سیّد المرسلین صلعم

محمد باعثِ ایجاد افلاک — محمد علتِ غائیِ افلاک
محمد کنتُ کنزاً کی گواہی — محمد عالمِ علمِ الٰہی
محمد ہے مشیرِ عالمِ غیب — محمد رازدارِ حق ہے لاریب
محمد عادل و کامل و عاقل — محمد ہے جو کچھ تھا اُس کے قابل
محمد جگ میں سالارِ رسل ہے — محمد ماہرِ ہر جزو و کُل ہے
یہ بولے روزِ مولود اُس کے اطوار — نبوت کے ہے مسند کا سزاوار
دو عالم کی بنا وہ رہبری کو — جِلا دے منصبِ پیغمبری کو
نہ پیدا خاک سے ہوتا جو وہ پاک — نہ پھرتی آسماں گردِ سرِ خاک
اُسی کی ذات سے اثباتِ حق ہے — کہ اُس کی ذات عینِ ذاتِ حق ہے
لیا جب نام پاک اپنا بہ تعظیم — یہ فرمایا اَنَا اَحمدُ بلا میم
خدا کا اُس کو ہم سمجھیں نہ ثانی — پر اُس سے ہے حدیثِ مَن رَآنی
ہمیں کیونکر نہ رحمت پر یقیں ہو — کہ جب ایسا شفیعِ المذنبیں ہو
جہانِ بخشش پہ ہو اُس شاہ کا حکم — رکھے کوہِ گنہ واں کاہ کا حکم
وہ بیٹھے جب صفِ محشر کے آ صدر — وفور اپنی سی آمرزش ہو بے قدر
زباں پر اُسکے جب بخشش سے ہو قال — پھرے جنّت گنہگاروں کے دُنبال
کہوں کیا خلقتِ انساں میں کیا ہے — شرف آدم کا فخرِ انبیا ہے
کرے جو ہمسری اُس سے کسے تاب — کہ ہیں نبیوں سے بہتر اُس کے اصحاب
کوئی صدق و عدالت حلم میں طاق — کوئی علم و سخا میں شہرہ آفاق
غرض طاقت کسے وصف و ثنا کی — سوا اُس کے رسولِ مجتبےٰ کی

نہ ہوگا نہ ہوا ہے مصطفےٰؐ سا
وصی جس کا علیؑ مرتضےٰ سا

•

درمناقب حضرت امیرالمومنین حیدر کرّار

علیؑ برحق امام رہنما ہے
علیؑ ہی جانشینِ مصطفےٰؐ ہے
علیؑ ہی شہسوارِ راہِ دیں ہے
علیؑ مُہرِ نبوّت کا نگیں ہے
کروں کیا مرتبے کی اُس کی تقریر
کہ تابع جس کی مرضی کے ہے تقدیر
علیؑ ہے دیں کے ارکانوں کی قوت
علیؑ ہے زورِ بازوئے نبوّت
علیؑ کی ذات ہے اللہ کا ہات
یداللہ نام پانے سے ہے اثبات
علیؑ برحق نمونہ بے نموں ہے
علیؑ کے آگے دو جگ سرنگوں ہے
اطاعت سب پر اُس بندے کی آئی
کہ جس بندے میں جھلکے ہے خدائی
بہ نسبت امر اُس کا امرِ رب سے
رکھے جوں یک سخن نکلے دو لب سے
پیمبرؐ سے اُسی کو ہمسری ہے
دو عالم سے اُسی کو برتری ہے
زبس حق آگے اُن کا پایہ ہے ایک
جہاں بیٹھیں یہ دو واں سایہ ہے ایک
کشندہ عمر اور انتر کا ہے وہ
کَنَندہ قلعۂ خیبر کا ہے وہ
کیا اژدر کو اُن نے چیر کر دو
کہیں ہیں حیدرِ کرّار جس کو
جہاں میدان ہو واں شاہِ مرداں
جہاں بیشہ ہو واں وہ شیرِ یزداں
جواں ہمت جواں بازو جواں مرد
دل بشکستہ کا بجستندہ کا درد
دیا دُنیا میں سب کچھ سب کو بھرپور
بعقبےٰ بخشوا دینا ہے منظور
علیؑ ہے مظہرِ فیضِ فتوت
علیؑ کانِ سخا بحرِ مروت

ز سرتا پا کرم ہے ذات اُس کی
کئی بخشش ہی میں اوقات اُس کی

غرض ہے ذاتِ حق اُس سے یہ خورسند
عطا ایسے کیے اُس کو دو فرزند

دو محرم کہنہ وحدت کی وہ لاریب
وہ ہیں دور از دار پردۂ غیب

دو حافظ عرش علیین کے ہیں وہ
دو حامی مصطفےٰ کے دیں کے ہیں وہ

دو شمعِ کلبۂ عرفانِ وحدت
دو نورِ خانۂ چشمِ حقیقت

دو پروانہ چراغِ امرِ حق کے
دو بلبل ہیں وہ باغِ امرِ حق کے

دو عاشق ہیں وہ مرضیِ خدا کے
دو دالہ ہیں وہ تسلیم و رضا کے

دو دم تیغِ جلالِ حق کے ہیں وہ
دو آئینہ جمالِ حق کے ہیں وہ

دو والا گوہرِ تاجِ امامت
دو روشن اخترِ برجِ سعادت

غرض سرِ دفترِ اثنا عشر کے
یہ دو معصوم ٹکڑے ہیں جگر کے

سوا ان دو کے نسل اُن کی سے نہ کس
امامت کے سر یہ آرا ہیں وہ بس

وہ بارہ ہیں ستونِ عرشِ اعظم
رہا ہے سب کچھ اُن کی ذات سے تھم

در فصلِ موسمِ بہار

پہونچ ساقی کہ اب دل کو نہیں صبر
تری دوری مجھے اس وقت ہے جبر

لگی ہے کرنے آکر سوئے گلشن
چراغِ گل نسیمِ صبح روشن

گھمنڈ آیا ہے ابر از غرب تا شرق
مجھے بے کشتی تو ہرگز نہ کر غرق

تغافل کو نہ اب فرمائیو کام
لیک لے کر بغل میں شیشۂ و جام

نہ اُس کو دیکھنا آنکھوں سے ہے سیر
تحائف سے زمانے کے ہے یہ سیر

تماشا ہے عجب گلشن میں موجود
چراغاں صبح سے تا شام بے دود

رکھے ہے سیر زیرِ نیلگوں کاخ
بگردِ لالۂ فرمان کی شاخ

ستم ہے گر نہ ہو اب شیشہ و جام
عجب ہی لطف سے پھولی ہے یہ شام

جھکا دے منہ میں ساقی شیشہ مے
مغنّی پھونک دے بہر خدا نے

کہ آ پہونچا ہے وقتِ بادہ نوشی
نہیں مطرب یہ ہنگامِ خموشی

خروش و جوشِ مرغانِ چمن کا
ہوا ہے پتہ کیا تیرے دہن کا

اُٹھا کر جلد رکھے کاندھے پہ طنبور
صدا اپنی سے دے تین اُن کو سیندوُ

ترا گانا وہ پی کر ساغرِ مل
کہ ہو دے سرمہ آواز بلبل

جو بولے محتسب منہ توڑ اُس کا
جو ملّا کچھ کہے سر پھوڑ اُس کا

سخن اس وقت ان کا بے محل ہے
بہار اب جو کہے اُس پر عمل ہے

کہے ہے دیکھ کر ابر اس ہوا کو
جوابِ مے کشاں میں دوں خدا کو

کریم اپنے کو میں کرلوں گا راضی
دہن سے شیشہ کے کر رنجش قاضی

سُنے ہے ساقیا تک آن کر یاں
مری آنکھوں سے کر سیر گلستاں

رکھے ہے دست فندق بند کا رنگ
چمن میں اِن دنوں ہر شاخ اورنگ

یہ مستی کو گھٹا کے ٹک نظر کر
یہ آتی ہے پری دوشِ ہوا پر

زبس بادِ بہاری میں نشا ہے
پڑا کیا بے خبر تاک اینڈتا ہے

گلِ مخمل پہ بیداری ہے نایاب
جہاں دیکھو تو ہے آلودۂ خواب

کُھلے داؤدی کے غنچہ چمن میں
تو کف لائے ہیں مستی سے دہن میں

اُٹھا سکتے نہیں سر ہے یہ بے حس
جھکی ہی جائے ہے کچھ چشمِ نرگس

قبا گل پھاڑتی ہے ہو کے سرشار
رہی ہے لپٹی یاں سوسن کی دستار

جُھکا دیتا نہیں بارِ ثمر شاخ
نشے سے جھوم جھوم آئی ہے ہر شاخ

ہوا سے شاخ گل یوں جھومتی ہے — کہ آکر وہ لبِ جو چومتی ہے
پھری ہے لوٹتی مستی سے دن رات — چمن میں کیا ثمر کیا شاخ کیا پات
نسیمِ صبح تک اتنی ہے ماتی — خیاباں میں پھرے ہے لڑکھڑاتی
غرض اہلِ چمن ہیں اس قدر مست — کہ بہکے بھولتے ہیں مرغ یکدست
زبس کھینچے ہے بادِ تُند جاروب — ہوا صحنِ چمن آئینہ اسلوب
پڑا ہے جس روش پر عکس گلزار — بچھی ہے اُس جگہ قالین خوش کار
صفا سے ہر طرف کے ہے یہ امداد — در و دیوار پر ہے کار بہزاد
نظر آتا ہے دو تا اب پھل و پھول — مضاعف ہو گیا باغوں کا محصول
معطر ہے زبس خاکِ گلستاں — صبا سیار پر ہے عنبر افشاں
پڑی زلفوں کی سنبل میں محک ہے — سراپا سرو میں قد کی لچک ہے
طمع پر یار گر تیری نظر ہے — تو آ مٹھی میں ہر غنچہ کے زر ہے
نچھاور کو ترے مجھ دل کو مقبول — چمن میں اشرفی سونے کے ہیں پھول
نہ ہو اس وقت تو مجھ پاس ہے قہر — ہوا کیا دیکھ ٹک آ کر سرِ نہر
برودت یاں تلک ہے کر تو باور — کہ اوڑھی سنگ نے تختہ پہ چادر
اری ظاہر یہ ہے انصاف سے دور — رکھے تو اس ہوا میں مجکو معذور
پیالہ کر ز آب آتش آمیز — بسانِ دیدۂ عشاق لبریز
نہ آنا یاں ترا میری قضا ہے — مرا جینا اگر تیری رضا ہے
تو آ جلدی کہ اب مجکو نہیں تاب — قدح کر دے لبالب لیکے وہ آب
کہ جس کے آگے آبِ زندگانی — بھرے آ خضر کے چشمے سے پانی
جو سیرِ باغ دل تیرا نہ چاہے — چلیں صحرا کو ہم تو گاہ گاہے
بزیرِ آستاں شایانِ گلگشت — ہوا ہے کیا چمن کیا کوہ کیا دشت

ہوئی ہے سبز صحرا میں بہر سو
شجر کے شاخ سے تا شاخِ آہو

جہاں دیکھو تو واں گلہائے خودرو
نظر جس جا پڑے سبزہ ہے اور جو

یہ جلوہ آپ کا سہرے پہ گر ہے
نظر آتا ہے آتش در نظر ہے

غنیمت جان لے ظالم تو یہ دم
کہ عرصہ اس ہوا کا ہے نپٹ کم

نہیں رکھتا چراغِ عیش بنیاد
نظر آتا ہے زیرِ دامنِ باد

خوشی کا جھلکے ہے جس بادہ میں رنگ
سدا مینا ہے اُس کا موردِ سنگ

سخن میرے کو گوش اپنے میں دے راہ
ابھی اس صفحہ کی خوبی پہ ناگاہ

جو کرتا ہے تلوّن دہر کا گُل
کہاں ساغر کدھر شیشہ کجا مُل

خدا جانے زمانے کا ہو کیا طور
ہوا ہے آن میں کچھ اور سے اور

نہ پھر بلبل ہے نہ گل ہے نہ یہ باغ
لبوں پر ہے فغاں اور دل پہ ہے داغ

روا مت رکھ تو میری تشنہ کامی
قسم تجکو بہ مولانائے جامی

قسم ہے تجکو اپنے زلف و رو کی
قسم ہے تجکو گل کی رنگ و بو کی

تجھے اپنے دہانِ تنگ کی سوں
تجھے غنچے کی آب و رنگ کی سوں

تجھے اپنی ملاحت کی قسم ہے
مرے دل کی جراحت کی قسم ہے

تجھے جھوٹی قسم اپنے کی سوگند
مکرنے دمبدم اپنے کی سوگند

تجھے ہے اپنی بدمستی کی سوگند
تجھے اپنی زبردستی کی سوگند

تجھے شیشہ ڈھلکنے کی قسم ہے
تجھے ساغر چھلکنے کی قسم ہے

تجھے ہر بار کی رنجش کی سوگند
مرے ہر دم کی آمیزش کی سوگند

قسم ہے نالہ سننے کی تجھے یار
قسم ہے نشۂ مے کی تجھے یار

قسم ہے تجکو میری چشم تر کی
قسم ہے میری آہِ بے اثر کی

قسم ہے میری فریاد و فغاں کی
قسم ہے عندلیبِ بوستاں کی

تجھے سوگند بسمل کی طپش کی | تجھے سوگند اس دل کی خلش کی
مری الحاح و زاری کی قسم ہے | مری بے اختیاری کی قسم ہے
تجھے ان ساری قسموں کی قسم ہے | پہونچ جلدی کر، فرصت کوئی دم ہے
تغافل کو نہ اب فرمائیے کام | مرا بن آتشِ تر خشک ہے کام
مجھے دیوے اگر تو بادۂ ناب | کریں مجلس میں تیرا شکر احباب
کروں اس تشنگی میں اُسکو جب نوش | گہر سے پُر ہو سب کا دامنِ گوش
مجھے گویا کرے ہے نشہ کا اوج | کلید قفل لب یاں مے ہے موج
اگر دو چار دے تو ساغرِ گل | قصص تجھ سے کہوں رنگیں تر از گُل
کہ جن قصّوں کا ہے یہ اک نمونا | ہنسے جتنا تو سُن کر رو دے دونا

قصّۂ درویش کہ ارادۂ زیارت کعبہ کردہ بود

حکایت ہے کہ اک عابد بآفاق | عبادت کرنے میں تھے حق کے وہ طاق
خدا کی یاد میں رہتے تھے دن رات | نماز و روزہ میں گذرے تھی اوقات
بجز تسبیح وہ رہتے تھے بے کل | مصلّے پر سے اُٹھتے تھے نہ اک پل
مریدوں کی ہوئیں پر نور عینین | کیا جب اُن کی سرمہ خاک نعلین
بلا شک اُس کا جنّت میں ہو ماوا | اُٹھا دے جو اُٹھوں کا آفتابا
غرض کیا کہیے ان کی ذات عالی | نہ رہتی تھی کراماتوں سے خالی
جہاں وہ گاڑ دیتے اپنی مسواک | لگے تھے ناشپاتی سیب اور تاک
ہوئے عازم وہ کعبہ کے سفر کے | کہ ہوں تا معتکف خالق کے در کے
ملے اک روز سودا سے وہ ناگاہ | کہا مجکو ہے قصدِ کعبۃ اللہ

مسلماں ہو جو ہے اُس کو یہ لازم
کہ تا مقدور اُودھر کا ہووے عازم

نجات اپنی اگر تجکو نظر ہے
تو آمرزش کا موجب یہ سفر ہے

یہ بہتر ہے کہ چل ہمراہ میرے
جرائم عفو واں سب ہوں گے تیرے

کہاں تک اے دیوانے زیر افلاک
رہے گا میکدے کی در کی تو خاک

کرے گا بادہ خواری با دف و نے
رکھے گا مغبچوں سے ربط تا کے

موذّن کی صدا سُننے سے رکھ ذوق
کہ ہے وہ لحن داؤدی کے مافوق

رکھے گا تو سخن میرا جو منظور
پیئے گا جام شربت از کفِ حور

اگر یہ بات میری تین نہ مانے
کرے گا یاد کہتا تھا فلانے

غرض اُس کی کہاں تک کیجیئے شرح
کیا ہے ہم سفر سودا کو ہر طرح

نہیں یہ بات خالی از کرامات
لیا ایسے کو ہمرہ کرکے دو بات

پھر اُس کے بعد سامانِ سفر کر
کیا دونوں نے مل کر قصد اُودھر

یہ فرمایا کہ مرکب پر کرو زیں
کہ ہے وقتِ سفر لیجیے رہِ دیں

جو اسبابِ سفر ہے کرکے تیار
اُسے ڈالو بہ پشتِ بار بردار

کہا سودا سے ہم تم میں ہے یاری
کریں مرکب پہ بیش و پس سواری

وہ بولا یوں سواری کا مری فکر
نہ کیجیے آپ حضرت اس کا کیا ذکر

چلا گو پاؤں میں بہرِ زیارت
حرم کو سر سے چلنا ہے سعادت

بہت فرما رہے اُس کو بہ تکرار
نہ مانا اُن نے جب تب ہو کے ناچار

سوار اپنے ہوئے مرکب پہ یہ جب
مُرید ان کے ہوئے گرد آن کے سب

اُٹھا ہر اک کے عہدے کو ہوا ساتھ
عصا کوئی کوئی لے مورچھل ہاتھ

کوئی لے پیک داں اور کوئی رومال
کوئی حضرت کے آگے کوئی دُنبال

مصلّا کوئی سر پہ رکھ کے اُس دم
چلا صلوٰۃ پڑھتا شاد و خرّم

بوضعِ خویش اُس مجمع کے اندر　　برہنہ پا و سر سودا قلندر
غرض دو چار کیں تھیں منزلیں طے　　کہ شیطاں نے کیے قزاق درپے
رہی جب پانچویں منزل کئی کوس　　وہ پہونچے کرتے حضرت کا قدموس
نصیبوں کا میں آگے کیا کہوں پھیر　　مریدوں کے سمیت ان کو لیا گھیر
کیا غارت اُنھیں ایسا ہی اک بار　　نہ چھوڑا ایک کی تسبیح کا تار
تھی اُن کی یا تو وہ کچھ عظم اور شان　　رہے یا ایک پیراہن کو حیراں
کروں کیا آگے اب غارت کی تصریح　　نہ تھی جز دانہ ہائے اشک تسبیح
پیادہ کس طرح یہ کاٹتے راہ　　عصا گر رہ گیا پاس اُن کے سو آہ
نظر کر بعد غارت راہ کا رنج　　لگے کرنے دل اپنے میں کشش و پیچ
نہ زادِ راہ پاس اُن کے نہ مرکب　　اب اِن سے عزم کعبے کا بندھے کب
توکّل پر چلیں کعبے یہ کیا ذکر　　اُنھیں اسباب کی اپنے پڑی فکر
کبھو عمّامہ کے جانے کا مذکور　　کبھو تھا فکر پیراہن سے دل چور
سلیمانی کی گہ یاد آتی تسبیح　　ہوئی جاتی تھی جس کے غم سے تشریح
کبھو کہتے مصلّا تھا چکن کا　　کہ جس پر تھا چکن کارِ دکن کا
کبھو کہتے کہ یارو کیا عصا تھا　　بڑے حضرت کے میرے ہاتھ کا تھا
کہا کیا پٹکا تھا میری کمر کا　　سفر در پیش آیا یہ کدھر کا
عقیقِ سُرخ کا جو ناسداں تھا　　اگر بکتا تو قیمت میں گراں تھا
کبھو کہتے تھے ہو مغموم از حد　　خدا نیں کون سی تھی ساعتِ بد
کہ میرے پاس جو کچھ تھا سو کھویا　　اور اپنے ساتھ یاروں کو ڈبویا
لٹے جب اُس طرح اسباب سارا　　تو ہو ایسے سفر کا کیونکہ یارا
مُریدوں کی نہ تھی یہ سُن کے زنہار　　جز آمنّا و صدّقنا کی گفتار

کیا اس غم نے اس کو لبکہ دلریش
کہا سودا سے اے یار و وفا کیش

تری اس امر میں اب کیا ہے تدبیر
ہمیں آئی نظر کچھ اور تقدیر

ارادہ تھا کہ واں جاکر مریں ہم
نہ چاہے گر خدا تو کیا کریں ہم

جواب ان کو دیا سودا نے سن کر
جو فرماتے ہو تم ہووے گا بہتر

پر اب اس حال سے گھر کیونکر جاؤں
بھلا واں جاکے منہ کس کو دکھاؤں

چلوگے گھر کو تم اپنے کس اسلوب
ہے اس سے قصد اودھر کا کہیں خوب

کہا حضرت نے سن کر تم ہو گمراہ
نہیں مسئلے مسائل سے کچھ آگاہ

حرم کا فرض ہے مقدور پہ طوف
گیا یاں مال آگے جاں کا خوف

مرید از بس تھے گھر چلنے کے مائل
کہا سودا نے باہم ہو کے یک دل

سخن حضرت ہمارے کا ہے معقول
یہیں سے حج انھوں کا ہوگا مقبول

کہا سودا نے سن کر تم ہو مختار
سخن میرا نہ خاطر پہ کرو بار

غرض جب بات پھرنے پہ ہی ٹھہری
نماز ظہر پڑھ وقت سپہری

ہوئے تھے صبح جس منزل سے راہی
پھر آئے شام واں ہو کر تباہی

گئی کچھ شب تو فرمایا کہ احباب
میسر تو نہ ہووے گا خور و خواب

کہا سودا سے قصہ ناگستانی
کہے وہ جو سنے اس کی زبانی

کہا سودا نے حضرت کو تو ہے خبط
مجھے قصہ کہانی سے ہے کیا ربط

کہوں اک شہر کی میں واردات اب
جو گزری ہو چکی سے اپنے ہیں سب

حکایت پسر شیشہ گر کہ در حلب بود از سبب قضاو قدر او بر پسر زرگر عاشق و فریفتہ گردید

الا اے ساقیِ میخانۂ عشق — چھکا دے گر مجھے پیمانۂ عشق
مئے الفت کا پیارے شیشہ لے کر — لبالب ساغرِ زریں کو تو بھر
مجھے اس مے کے تو دو چار دے جام — سخن کو عشق کے میں دوں سر انجام
حلب میں تھا پسر اک شیشہ گر کا — نہایت لاڈلا مادر پدر کا
پدر کا وہ دل و جان و جگر تھا — پدر عاشق وہ معشوقِ پدر تھا
بنایا حق نے سب سے دور اس کو — پری پہنچے نہ ہرگز حور اس کو
چمن کی سیر کو جاتا جو گھر سے — تو ماں کہتی تھی یوں اس کے پدر سے
سبب ہوگا یہ رو چشمِ بد کا — تصدق سرو کر دو اس کے قد کا
پیالی بیچ واں نرگس کے جا کر — کچھ آنکھوں سے کبھی تم دیکھو چھوا کر
غرض حسن و وجاہت میں تھا مشہور — دل اس پر خلق کا جوں شیشہ تھا چور
پدر سے سیکھتا تھا شیشہ سازی — نہ تھا کچھ کام اسے با عشق بازی
قضا کا کیا کہوں آگے میں نیرنگ — کہ مارا اس پہ ناگہ عشق نے چنگ
ہوا مائل وہ اک زرگر پسر پر — دیا آئینۂ دل اک نظر پر
بہار اس کی خزاں کرنے لگی زرد — نسیم آسا لگا بھرنے دمِ سرد
کبھو آنکھوں میں اپنے اشک بھر لائے — کبھو ہنس کر وہ آپی آپ رہ جائے
جو پوچھو کیوں ہے تیرا رنگ کاہی — گہے معقول بولے گاہ واہی
رہے وہ صبح سے تا شام بے خواب — کہ جیسے چودھویں شب کا ہے مہتاب
کہا کرتے تھے ہمدم اس کو رو رو — خدا کے واسطے تو ایک دم سو

سوئے کس کروٹ آجی پر بنی تھی ‏ کہ ہر مو تن پر برچھی کی انی تھی
نگہ کرتا تھا حیرت سے بہر سو ‏ حباب آنکھیں تھیں گویا بر لب جو
نہ فکر روزی و نہ خواہش قوت ‏ ہوا زرگر پسر کو دیکھ مبہوت
ہوئی یہ دیکھ مادر تو دیوانی ‏ پدر کو تلخ اپنی زندگانی
پدر تھا لیکن اس حالت سے غافل ‏ کہ دے بیٹھا ہے یہ ظالم کہیں دل
ہوا تحقیق وہ کرنے کے درپے ‏ کہ سمجھے اس کو یہ احوال کیا ہے
لگا وہ پوچھنے اس سے بہ تکرار ‏ نہ تھا جز خاموشی اس کو سروکار
بلا کر اس کے ہر اک ہم نشیں کو ‏ رکھ ان کے پاؤں پر اپنی جبیں کو
لگا کہنے کہ تم ہو اس کے دل خواہ ‏ کرے گا تم کو راز اپنے سے آگاہ
خدا کے واسطے ٹک کیجیو غور ‏ کرو تفتیش حال اس کا کسی طور
انھوں نے دیکھے جب اس کے یہ حالات ‏ کہی ہر ایک نے اک طرح کی بات
کوئی بولا کہ سایہ ہے پری کا ‏ عمل ہے اس پہ یا جادوگری کا
کوئی بولا کہ یہ وہم غلط ہے ‏ پری کی آپ ہی تو یہ نمط ہے
بنایا حق نے اس کو حور پیکر ‏ ہو اس کا چاہیئے سایا پری پر
بھرا ہے اس کی آنکھوں میں وہ جادو ‏ دوانہ ہووے ساغر دیکھ جس کو
لگا ان میں سے کہنے ایک ذی فہم ‏ کہ گزرے ہے مرے دل میں تو یوں وہم
یہ لڑکا تھا تو شمع بزم افروز ‏ کیا پیدا دل پروانہ کا سوز
بقدر فہم ہر کس یک گمان تھا ‏ سخن ہر اک طرح کا درمیان تھا
اسے تو چڑھ رہی تھی عشق کی تپ ‏ پڑا دیکھے تھا وہ کیا روز کیا شب
نگہ پڑتی جب اس کے پیرہن پر ‏ نظر آوے تھا خاکستر وہ تن پر
نہ کرتی تھی اسے تدبیر کچھ سود ‏ بدن پر مو تھے یوں آتش پہ جوں دود

پر آخر سایہ اس پر سب نے ٹھانا — کوئی ملا کوئی لایا سیانا
کسو نے اس پہ جب کچھ پڑھ کے پھونکا — اٹھا اس آگ سے دونا بھبھوکا

بہ سبب جوش عشق بے قرار شدن پسر شیشہ گر بجانب صحرا رفتن از خانماں آوارہ شدن و آگاہ شدن پدر و تجسس کردن

پہنچ ساقی تو لے کر بادہ درد — کہ ہو رازِ دل عشاق بے درد
مجھے اس مے سے کر جوں شب پرست — سخن آوارگی سے بولوں یک دست
نہ کرتی تھی اسے تفتیش کچھ سود — ہوئی یاں تک یہ حالت اس پہ افزود
کہ یک شب پھاڑ کر اپنا گریباں — برنگِ گل وہ گل رو تا بداماں
چلا اس طرح گھر سے بے سر و پا — کہ جاتا ہوں کدھر جا کر کروں کیا
ولے وہ شب تھی ایسی تیرہ و تار — کہ ہو روزِ سیہ کو جس سے زنہار
عجب شب تھی بہ زیرِ چرخ وہ شب — بھری ہو جوں دوات اندر ہر کب
چراغ و شمع کا یوں نور نایاب — سیاہی میں ہوں جیسے قطرۂ آب
ثوابت یوں فلک پر تھے سراسر — غرق کے قطرہ جوں زنگی کے منہ پر
ہوئی تاریک یاں تک چشمِ انجم — کہ رہ کی سبعۂ سیارہ نے گم
اور ایسے وقت وہ محتونِ دلریش — ہوا راہی نہ دیکھا کچھ پس و پیش
تن تنہا وہ اور کوئی نہ تھا ساتھ — کہ ڈگتے پاؤں کو تھانبے پکڑ ہاتھ
چراغِ داغِ دل جھٹ روشنی اور — نہ تھی پستی بلندی جس سے ہو غور
نہ تھا وہ یوسفِ ثانی کچھ آگاہ — کہ میرے سامنے خندق ہے یا چاہ
کسی در پر گرے تھا کھا کے ٹھوکر — کسی دیوار سے جا لاگتا سر

گرے تھے جا بجا با جانِ ناشاد فغاں کرنے میں اور اٹھنے میں فریاد
کٹے تھی اس کو ہر کوچے میں یوں رات کھڑکتا باد سے پھرتا ہو جوں پات
بیاں کیا کیجیے اس رات کا طول فلک گویا سحر کرنا گیا بھول
کٹی جب اس طرح سے وہ شبِ تار ہوئی عالم میں صبح اس دم نمودار
پدر بالین تک اس کے جو آیا تو بستر خالی اس کا اس سے پایا
لگا کرنے تجسس اس کی ہر سو کسی جاگہ نہ پایا گھر میں اس کو
تب اس کا نام لے لے کر پکارا محلہ گرد سے سب ڈھونڈھ مارا
پھرا گھر گھر میں وہ حیران و خاموش گرا بستر پہ اس کے ہو کے بے ہوش
ہوئی اس حال سے مادر جو آگاہ
کہا بھر کر دلِ ناشاد سے آہ

از جوش عشق آوارہ شدن از خانہ پسر شیشہ گر در شب سوے صحرا و آگاہ شدن پدر و مادر و تجسس کردن آنہا

گھر آ جانِ دلِ محزونِ مادر نہ کر قتل پدر اور خونِ مادر
جہاں ہے واں سے تو جاتے پہنچ اب پدر تیرا پڑا ہے جان بر لب
کسی نے تجھ کو جانے میں نہ ٹوکا نکلتے چاند بدلی سے نہ روکا
غرض جوں رعد ماں اس کی تھی نالاں در افشاں چشم سب ہے جوں ابر نیساں
جو ہمسایہ تھے اس کے ہمدم و یار ہوئے اس ماجرے سے سب خبردار
کہا ڈیوڑھی پہ یوں ہر ایک نے آ کہ مادر جزع سے اب فائدہ کیا
خدا کے واسطے ٹک دل کو دے صبر جدائی اس کی ہم پر بھی تو ہے جبر

کرے گا جستجو ہم سے تو ہر یک ۔۔۔ سنے آویں گے اسے ہر طرح تجھ تک

اسی ہی گفتگو میں تھے وہ باہم ۔۔۔ کہ آ کر ہوش میں باچشمِ پُرنم

پدر اس کا لگا کہنے کہ یارو ۔۔۔ مجھے بھی ساتھ تم بہرِ خدا لو

کہا ان سب نے بہتر اس سے کیا ہے ۔۔۔ ہمارا بھی یہی کچھ مدعا ہے

غرض ساتھ اس کے سب بھرتے دمِ سرد ۔۔۔ چلے روتے وہ جو تھے صاحبِ درد

لگے کوچوں میں کرنے گشت ہر سو ۔۔۔ پھرے ہے جس طرح آسیب چکا ہو

نہ تھا غیر از تلاش ان کی انھیں کام ۔۔۔ نہ دن کو چین ہے نہ شب کو آرام

تگاپو جب ہوئی زائد ز مقدور ۔۔۔ تھکے ڈھونڈھ اس کو سب نزدیک اور دور

لگے جانے ہوئی جب صورتِ یاس ۔۔۔ منجم کے وہ اور رمال کے پاس

انھوں نے چند مدت یوں بسر کی ۔۔۔ سکونت چھوڑ دی دن رات گھر کی

کٹے رمال کے یاں دن کو اوقات ۔۔۔ منجم کے پڑے رہتے تھے گھر رات

انھوں کو ایک دن رحم ان پہ آیا ۔۔۔ عمل سے اپنے ان کو یوں بتایا

نہ ہو تم زندگی سے اپنی مایوس ۔۔۔ طرف مشرق کے یاں سے ہے وہ سو کوس

پر ایسے وہ بیاباں میں کہیں ہے ۔۔۔ گزر انسان کا جس جا نہیں ہے

مگر جاوے کوئی ایسا ہی جانباز ۔۔۔ جو اپنی زندگانی سے ہو ناساز

کہا سن کر پدر نے سو وہ ہم ہیں ۔۔۔ کہ روز و شب میانِ درد و غم ہیں

خدا پر کر نظر جا دیں گے ہم واں ۔۔۔ اور اس کو ہر طرح لا دیں گے ہم یاں

نہیں ہے ہم کو حفظ ان کے سے انکار ۔۔۔ ہوئی گلزار ابراہیم پہ نار

جنھوں کے ساتھ ہو حفظِ الٰہی ۔۔۔ بچیں سو طرح کی کھا کر تباہی

غرض واں سے اٹھے یہ شاد و خرم ۔۔۔ کیا عزمِ سفر واں پر مصمم

گھر آ کر اپنے یاروں کو بلایا ۔۔۔ منجم کا سخن ان کو سنایا

وہ بولے ہم بھی ہیں چلنے کو حاضر — جہاں ہو وہ چلیں گے اس کے خاطر
یہ کہہ کر مارا سب نے ہاتھ پر ہاتھ — کہ ہے یہ قول ہم ہیں آپ کے ساتھ
پھر اس کے بعد باہم ہو کے یک دل — چلے طے کرتے یہ منزل بہ منزل
غرض پہنچے یہ جوں توں بعد یک ماہ — نواحی بیچ اس صحرا کے ناگاہ
پڑے نزدیک جس دم ان سے وہ ٹھانوں — جگر کس کا کہ پھر آگے دھرے پاؤں
لگے کرنے سب آپس میں پس و پیش — جہاں تک تھے وہ کیا بیگانہ کیا خویش
پھر آخر کیوں نہ ہو زہرہ پدر کا — کہ لخت ایسی جگہ جس کے جگر کا
اسی پر گردشِ افلاک ہووے — تو وہ جی اس کے اوپر کیوں نہ کھووے
دھنسا پہلے وہ اس ویرانہ اندر — کمر ہمت پہ وہ ان سب کی بندھا کر
نظر آیا عجب صحرا لق و دق — کہ دیکھے سے جگر ہو شیر کا شق
عجب وہ موضعِ خوف و خطرناک — دیا ان کو دکھائی زیرِ افلاک
بیاباں تھا وہ ایسا وحشت انگیز — کہ وحشت جس کی تھی عالم کی خونریز
نہ جاوے جغد کی اس سمت آواز — کرے بوم اس طرف منہ کر نہ پرواز
کسی روئیدگی سے تھا نہ واں بات — ہزاروں طرح کی اس جا بلیات
نظر آئیں وہ حالاتِ عجائب — نہ دیکھا ہو کسی نے وہ غرائب
کبھو آتش سے جوں دہکے ہے جنگل — کبھو اس طرح جوں برسے ہے بادل
کہیں نظروں میں تھے واں روز و شب کم — کہیں تھے یک جگہ خورشید و انجم
گہے واں سوز تھا اور گاہ ساز — گہے رونے کی گہہ ہنسنے کی آواز
ہوا کا نام اس جا تھا نہ زنہار — مگر تھی اس جگہ اژدر کی پھنکار
نظر آتا کبھو ان کو جو وہ دشت — تو چھکتے دیکھ مخدوم جہاں گشت
بیاں کیا کیجئے یہ انساں تھے یا جن — کہ ایسی جا نہ سمجھے رات اور دن

پڑے پھرتے تھے واں لیتے ہوئے پے — کریں دریافت یہ تا وہ کدھر ہے
کہ ناگہ اک نسیم آئی ادھر سے — جہاں بیٹھا تھا وہ آوارہ گھر سے
گئی یوسف کی جب یعقوب تک بو — پدر نے ڈھونڈھ کر پایا پسر کو
نظر آیا اسے یوں اس کا دل بند — کہ اس میں وحشت اس صحرا سے دوچند
دل اس کا واں نہ تھا خوف و خطر میں — وہ صحرا بلکہ تھا اس سے حذر میں
بہے تھا گرم یہ آنکھوں سے خون ناب — کہ تھا گرد اس کے اک آتش کا گرداب
جمی تھی چہرے اس کے پر زبس گرد — کرے پاک اس کو ایسا تھا کون مرد
وہ آنکھیں جس پہ جی دیتا تھا عالم — نہ تھیں کچھ رخنۂ دیوار سے کم
پڑے تلووں میں خارِ دشت سے چھید — قدم تک موے سر تھے صورتِ بید
جب اس صورت سے پایا واں یہ مدہوش — پدر تو دیکھتے ہی کر گیا غش
جو اس کے اور واں تھے ہمدم و یار — لگے کہنے وہ یوں با چشمِ خوں بار
یہ تیرا حال کیا ہے اے فلانی — نہ تو نے قدر حسن اپنے کی جانی
نظر بھر دیکھ تو حالِ پدر کو — خدا کے واسطے چل یاں سے گھر کو
ارے ظالم تری ماں کا ہے یہ حال — رہے ہے خون میں تر آنکھوں سے رومال
کبھو پوچھے منجم سے کہو تم — وہ میرا مہ ہوا ہے کس طرف گم
کبھو رمال سے قرعہ پھینکاوے — کہ میرا لال گھر میں کب تک آوے
جوانی پر نہیں اپنی اگر غور — تو پیری پر نظر کر اس کے ہر طور
قد اس کا بارِ غم نے یہ کیا خم — کہ سابق یا سے ہے اس کا عصا کم
ہوئی تحلیل وہ تجھ غم میں یہ دوست — نہ اس میں استخوان نہ گوشت نہ پوست
بجز موے سفید اس میں نہیں کچھ — نہیں جوں آنکھ کی بڑھیا کہیں کچھ
کسی کے منہ کی پھونک اس تک اگر آئے — کہیں سے وہ کہیں اڑتی پھرا جائے

خدا کے واسطے اس عمر میں یار — نہ رکھ اُس کو غم اپنے میں گرفتار
غنیمت زندگی اُس کی تو اب جان — کہ وہ تیری کوئی دم کی ہے مہمان
ہمارے حق صحبت کو بھی مت بھول — محبت میں نہیں یہ بات معقول
اُسے سمجھا رہے تھے مل کے سب یار — کہ اس میں باپ اُس کا ہو کے ہشیار
لگا کہنے کہ سن لے اے مری جاں — میں تیرے روم روم اوپر سے قرباں
کہے گا تو جو کچھ وہ ہی کروں گا — رضا میں تیری جیوں گا مروں گا
پہ اب بہرِ خدا چل گھر کو یاں سے — مجھے بیزار مت کر میری جاں سے
یہ کہہ کر اُس کے قدموں پر گرا جب — ہوا راضی وہ گھر کے چلنے کو تب
غرض منت سماجت کر کے ہر اک — بہر صورت لے آئے اُس کو گھر تک
اُنھیں تھا فضلِ حق از بسکہ ملحوظ — حلب پہونچے بلیّاتوں سے محفوظ
پسر نے ماں کو جب صورت دکھائی — لبوں سے ماں کے تن میں جان آئی
وے جس روز سے وہ گھر میں آیا — کسو نے خوش اُسے اک دم نہ پایا
رضا جوئی میں تھے سب اُس کے ہر چند — رکھا کرتے تھے سب اُس کو نظر بند
جو کچھ پوچھے تھا کوئی گاہ بے گاہ — جواب اُس کو وہ دیوے تھا باکراہ
زباں تو آشنا تھی گفتگو سے — نہ کہہ سکتا تھا پر دل کی کسو سے۔

ظاہر شدن عشق او بر ہمگناں و بیرون رفتن از خانہ بطرف زرگر پسر

پلا ساقی شراب آتش آمیز — مجھے جلدی پیالا کر کے لبریز
مجھے کہ اُس کے ہے پینے کا یارا — کھنچی ہو مے جو آتش پر دوبار

جب آیا تنگ وہ گھبرا کے اک روز — چلا وہ گھر سے بھرتا آہِ جاں سوز
چلے ساتھ اُس کے سب روتے ہوئے زار — کہ جوں شبنم سے ٹپکیں گردِ گُل خار
اور اُسکے والدین اُن سب میں غمناک — برہنہ پا سروں پہ ڈالتے خاک
ہوا جس وقت یہ احوال طاری — در و دیوار سے تھی آہ و زاری
ہراک اس واردات اوپر نظر کر — کفِ افسوس مل مل آہ بھر کر
کہے تھا یہ سخن با چشمِ پُرنم — اِس آہو نے کیا بستی سے پھر رم
کوئی تھا دیکھ اس صورت کو گریاں — کوئی انگشتِ حسرت زیرِ دنداں
غرض اُس دن تو مل کر مرد اور زن — لے آئے گھر اُسے با حیلہ و فن
پر آخر اُس کا یہ ہوا حال — کہ جس کوچے میں وہ اطفالِ دنبال
سحر سے شام تک مچتا تھا یہ رنگ — تنِ نازک تھا اُس کا موردِ سنگ
سراپا سے وہ جب ہوتا تھا مجروح — اُسے ہوتی تھی اُس دم فرحتِ روح
گذر اُس کا کبھو جنگل کبھو شہر — دل اُس کے آگئی جس طرح کی لہر
یہ شب بستی میں گر رہنے کا تھا ٹھاٹ — کسی کے در کسی بقّال کے باٹ
اگر جنگل میں رہ جاتا کسی رات — درختوں میں کہیں کٹ جاتی اوقات
نہ بیمِ گرگ اُسے نہ خطرۂ شیر — ہوا تھا زندگانی سے زبس سیر
جو دیکھی والدین اُسکے نے یہ شکل — حرام ان پر ہوا کیا شُرب کیا اکل
تھکے جب سو طرح کی کر کے تدبیر — کیا ناچار اُس وحشی کو زنجیر
پڑی زنجیر تو اُس کے قدم میں — ہوا اک خلق کا دل قیدِ غم میں
پر اُس کو تھا نہ کچھ زنجیر سے غم — بیادِ دوست اپنے شاد و خرم
تصور میں تھا اُس کے اس قدر غرق — نگہ شکل اُس کی سے کرتی نہ تھی فرق
جو آجاتا کبھو آئینہ در پیش — کرے تھا سجدہ برعکسِ رخِ خویش

چھپانے سے محبّت کب نہاں ہو / کہ پنبہ میں شرر مخفی کہاں ہو
حجاب آخر اُٹھا رازِ نہاں سے / ہوئے سرزد یہ شعر اُسکی زباں سے
دلا میں تجھ سے کہتا تھا کہ زنہار / محبّت ہے بُری آتش خبردار
نہ مانی بات تو کیجو نہ وہ کام / کہ اُس آتش کے جلتوں میں ہو بدنام
گریز اب اس سے خفّت کو بہ کو ہے / اسی آتش کے اندر آبرو ہے
نہ سمجھا تو شرابِ عشق ہے زہر / ڈری موج اُس کی سے کالے کی ہے لہر
چراغِ عشق میں تو دے کے روغن / نہ کیجو عاشقوں میں نام روشن
کہ ہے یہ پنبہ روغن سے کہیں دور / نہ پکڑنے خونِ عاشق بن کبھو نور
جہاں میں عشق اگر شانِ عسل ہے / مزا لینے میں اُس کے یہ خلل ہے
جو کیسا ہی ہو کوئی صاحبِ ہوش / بچے گر نیش سے جیتا تو ہے نوش
ہوا ہے تو اگر پروانۂ عشق / تو جاں بازی میں رہ مردانۂ عشق
تلے تیغِ جفا کے سر علَم رکھ / بسانِ شمع یاں ثابت قدم رکھ
یہ باتیں سُن کے سب حیراں تھے ذی ہوش / رہا کیونکر یہ راز آتش میں خس پوش
سخن یہ جو کوئی خاطر میں لایا / اُسے عاشق کسی کا اُن نے پایا
ہوا تفتیش کا ہر ایک مائل / کہ دے بیٹھا ہے یہ ظالم کسے دل

ملاقات کردن زرگر پسر از پسر شیشہ گر بجذب محبّت و کشش عشق عاشق و معشوق

الا اے ساقیِ فرخندہ فرجام / طرب کی مے سے کر لبریز وہ جام
کہ جس کو پی کے ہوں میں مست و سرشار / کروں پھر وصل سے دونوں کی گفتار
ملاقات اس طرح دوں یک دگر میں / کہ آئینہ ہو جوں سونے کے گھر میں

تجھے بھی ہو کہیں اُلفت تو آ دیکھ
یہ تخمِ عشق کی نشو و نما دیکھ

محبت کا کھلا ہے آخرش باغ
ہوا گل سے جگر لالہ کا یوں داغ

کہ جیسے آگ لگ کر اک شرر سے
جلے ہے دوسرا گھر ایک گھر سے

نہ حاصل عشق کی دولت ہو بے رنج
کہ ہے مارِ سیہ کے سامنے گنج

جب اُن نے یہ بلا سر اپنے پر لی
دلِ زرگر پسر میں تب جگہ کی

کہ رشتہ تھا یہ اُلفت کے اثر کا
کہ دل پگھلا دیا زرگر پسر کا

گداز ایسا ہوا دل کھا تپ و تاپ
کٹھائی میں طلا جیسے کہ ہو آب

نہ دن کو چین اسے نے شب کو آرام
نہ تھا جز نالۂ فریاد کچھ کام

اسی حالت میں یہ اک دن گیا سو
بخواب آیا نظر وہ آئینہ رو

کہ یوں کہتا ہے وہ اس سے بصد درد
دلِ گرم اپنے سے بھر کر دمِ سرد

محبت کا مری تجھ میں اثر ہے
تجھے کچھ حال سے میرے خبر ہے

سخن میرا یہ شکوے سے نہیں ہے
کہ دور اس امر سے شکوہ کہیں ہے

کرے گو شمع داغ اُس کا سراپا
پتنگے کو شکایت کی نہیں جا

جو ہو مہ سے جگر ٹکڑے کتاں کا
اُسے شکوہ نہیں اپنے زباں کا

ہوا ہے یہ گلستاں جب سے ایجاد
ترانہ گُل کو جو بلبل کی فریاد

وہی اے دوست میرا مدعا ہے
مرے حق میں جو کچھ تیری رضا ہے

مرے زنجیرِ پا میں جو کڑی ہے
محبت ہی نے یہ تیری گڑھی ہے

مجھے خاک آپ کو بادِ سحر جان
جدھر تو جائے اُس کو بیشتر جان

جو ہیں چونکا غرض وہ دیکھ کر خواب
چلا گھر سے نکل ہو سخت بیتاب

بہے تھے ہر مژہ سے اشک کے نیل
چلا سر مارتا ہر سمت جوں سیل

اُسے واں جذبِ کامل کھینچ لایا
چلا خس کہربا کے ساتھ آیا

جہاں تھا وہ محبت کا گرفتار
کھڑکتی تھی بپا زنجیر ہر بار

سُنی زنجیر کی جب اُن نے آواز
کھلا ہے دل پہ اُس کے پردۂ راز

ہوا سُنتے ہی شوق اُس کو دوبالا
قدم پر جاتے ہی سر اُس کے ڈالا

لگا کہنے کہ میری جان عاشق
میں سرتاپا ترے قربان عاشق

جو تو عاشق ہے میں معشوق تیرا
تو میں عاشق ہوں تو معشوق میرا

اب اُٹھ کر یاں سے تو چل گھر کو میرے
کروں شانہ میں بالوں بیچ تیرے

سلاسل تیرے پانوؤں سے نکالوں
میں تیرے موئے سر دھو دھو کے پالوں

سپش سر سے ترے چن چن کروں دور
تری خدمت مجھے نورٌ علیٰ نور

ترے پنڈے کو میں مل مل کے دھوؤں
تری کلفت کو سرتا پا ہی کھوؤں

تجھے تن زیب اور خاصہ پنھاؤں
تجھے فرش اپنی آنکھیں کر بٹھاؤں

بجا لاؤں ترا سب طرح فرمان
ترے جاؤں سدا قربان قربان

یہ باتیں دوست کی جس دم پڑیں گوش
تو بولا ہوش میں آکر وہ مدہوش

ترا گھر اس سوا ہے کون سا گھر
ترے گھر سے ہوں میں کس آن باہر

جہاں بیٹھا ہوں میں سو گھر ہے تیرا
یہ ہر حلقہ قدم میں در ہے تیرا

مجھے یہ جو مری زنجیر پا ہے
ہتوڑی کی تری اس میں صدا ہے

نہیں مجھ حنجرے میں سانس میری
یقیں ہے مجھ کو وہ پھکنی ہے تیری

کھٹالی دل مرا اور داغ آتش
محبت وہ طلا جس میں نہیں غش

مرے سرتا قدم تو مو بہ مو ہے
میں آپ ہی کو سمجھتا ہوں کہ تو ہے

یہ باتیں کرکے مت کر تنگ مجھ کو
دوئی کا مت لگا اب زنگ مجھ کو

محبت کا جہاں سرسبز ہو نخل
من و تو کے ثمر کو واں ہے کیا دخل

دیا حق نے جو کام ان کا سرانجام
اور آپس کے سخن پہنچے باتمام

ملے باہم گلے بعد اس کے رو کر — بہے دو بحرِ آتش ایک ہو کر
غرض دونوں کی سن سن کر دو گفتار — کھڑے اس جائے پر روتے تھے حضار
پڑے کانوں میں جب یہ حرف دلکش — کیا بہتوں نے سن کر یہ سخن غش
کیا کتنوں نے چاک اپنا گریباں — ہوئے اکثر بروئے خاک غلطاں
ہوئی جس طرح کی اس وقت تاثیر — نہیں کی جاتی اس عالم کی تقریر
کسی سے میں نے یہ قصہ سُنا تھا — پر اب اظہار سے یہ مدعا تھا
طلب میں وہ جوان اک شیشہ گر کا — ہوا عاشق جو اک زرگر پسر کا
رہا ازبس کہ عشق اس کے میں محکم — ہوئے اک روح و دو قالب وہ باہم
جو کوئی آپ کو اس طرح کھووے — خدا کا وہ خدا تب اس کا ہووے
ہوا زرگر پسر جوں اس میں موجود — محبت یوں ہو تو ہو عبد معبود
محبت حق کی جس میں یوں در آئی — کرے ہے بندگی میں یوں خدائی
جو حق کے عشق میں ثابت قدم ہو — مکان دیر بھی اس کو حرم ہو
جو آگے اس کے ہو دیوار یا در — نہ سمجھے حق سے خالی ہے یہ اب گھر
خدا کب عشق کو ایسے کے مانے — جو اس کو ہر جگہ خاصہ نہ جانے
سنی حضرت نے یارو یہ کہانی — اگر سمجھیں زراہِ نکتہ دانی
تو لوں میں دوڑ کر ان کے قدم چوم — دگرنہ یاں ارادت اپنی معلوم
بھلا ٹک منصفی کے ہو کے درپے — کہو یارو یہ سچ ہے یا غلط ہے

لگی ہو گر بری تم کو یہ تقریر
بحل تو کیجئے سودا کی تقصیر

دربیان دعائیہ مدح شاہ عالم بادشاہ ظل اللہ ونواب وزیرالممالک آصف الدولہ بہادر

پہنچ اے ساقیِ مے خانۂ ہوش — لبالب دے مجھے پیمانۂ ہوش
کہ تا سرخوش میں اس بادہ سے ہوکر — کروں کچھ تازگی سے اب سخن سر
سمجھ اے خامہ یاں جائے ادب ہے — کہ یہ مدحِ شہِ عالی نسب ہے
زباں آبِ گہر سے پہلے دھو کر — بروئے صفحہ تب کیجو سخن سر
جہاں پر مہ سے روشن حسب ہیں — بہ رنگِ آفتاب اپنے نسب ہیں
ترقی ہو اسے دل خواہ عالم — کہا دے تا ابد یہ شاہ عالم
مدام اس کو الٰہی کامراں رکھ — سدا زیرِ نگیں اس کے جہاں رکھ
وزیرِ اعظم اس کا تا قیامت — رہے آفاق میں یارب سلامت
کرم کے بحر کا یکتا ہے وہ دُر — جہاں میں آصف الدولہ بہادر
رہے وہ مسند آرائے وزارت — کہ ہے وہ رونقِ جائے وزارت
فزود اس کا سدا جاہ و حشم رکھ — اسی کو صاحبِ سیف و قلم رکھ
جہاں میں اب جو ہے خوانِ نعم کا — ہو اس کے ریزہ چیں خوانِ کرم کا
اسی کے سائے میں ہو خلق مسرور — زمانے کے رہے آفات سے دور
کمیتِ خامہ کی سودا عناں لے — سخن کو زیادہ اس سے طول مت دے
خزف ریزے کو اپنے مت گہر جان — سخن کا رتبہ اپنے آپ پہچان
کہیں ہیں گو کہ سب اس فن کے ماہر — مگر تیرے وہ خوش ہونے کے خاطر
سخن تیرے یہ ہر اک ہے جو معروف — قبولیت پہ ہے یہ بات موقوف
[illegible] خان عالم خان بہادر — سخن حسن کا گوشِ فہم میں دُر

زراہِ دوستی بولے وہ سن کر — نہیں یہ مثنوی ہے گنج گوہر
خیال اس مثنوی کا مجھ کو کب تھا — محرک ہونے کا ان کے سبب تھا

رہیں وہ شاد یارب صبح اور شام
کہ آغاز اس کا پہنچا تا با انجام

مثنوی در تعریف شکار کردن نواب آصف الدّولہ بہادر

سر صفحہ پہ آج یوں صبحِ دم — لگا دست سودا میں کھنچنے قلم
جو اس عہد میں ہند کا ہے وزیر — بہ ہمت جوان و بہ تدبیر پیر
بہ دہر آصف الدولہ ہے جس کا نام — سلیمان شکوہ و ذوی الاحتشام
جہاں تولے وہ اپنی شمشیر کو — تو روباہ سمجھے ہے وہ شیر کو
کیا ان نے ناگہ بہ عزمِ شکار — قدم رنجہ اپنا سوئے کوہسار
گیا اس طرح سے سوئے صیدگاہ — بجا کر مگر صید کی وہ نگاہ
بجز زیر تیغ اس کے پائے نہ اور — ہرن بارہ سے چیتل چکاری بے کھور
نہ تھا چار پائے تو ہرگز بچاؤ — کیا قصد جس دم سوئے نیل گاؤ
نہ دیکھا جو گاؤ زمیں نے پناہ — قدم نیچے لے اس کے اپنی پناہ
اگر ارنہ تھا واں وگر کرگدن — چھلیں اس کا کیا سر کے کوٹیے تن
پھر اس دشت میں جتنے کچھ تھے درند — کمند اجل سے کئے پائے بند
جہاں تک تھے روباہ و گرگ و شغال — شکاری سگ ان کے جنھوں گئے کھال
سنی جس طرف کو خبر شیر کی — پہنچنے میں ہرگز نہ واں دیر کی
جو کیا ہی وہاں شیر تھا منگرا — تو کھال اس کی بھی کھینچ کر بھس بھر

ہوئے شیر بیشوں میں اتنے شکار
کہ باہر پڑے تھے ز حد بے شمار

کیا دشت و بیشہ جو شیروں سے پاک
پڑی شیر کے مارنے کی یہ دھاک

رکھا نام پھر ان نے از خوف جان
کہ جس شخص کا نام تھا شیر خاں

درندوں سے جب صاف جنگل کیا
تو خیمے میں تشریف فرما ہوا

رہے دیکھ حیران صغیر و کبیر
جب آگے سے اٹھ بھاگے قالی کے شیر

زمیں سے فلک تک جو پہنچا یہ ذکر
پڑی اپنی برج اسد کو بھی فکر

نہ تھا صید بری ہی پہ عرصہ تنگ
نہ ماہی بچے بحر میں نہ نہنگ

گزندوں کے حالات کیا میں کہوں
کہے بن کبھی پر کس طرح سے رہوں

جدھر آب شمشیر اس کا بہا
نہ اژدر بچا ہے نہ واں اژدہا

نہ چھوڑا ہوا جب چرندوں نے سیر
پرندوں میں لی تعذری تا بٹیر

پرندہ نظر میں جو ان بیسر کے
نہ آیا ہوا میں بجز تیسر کے

اگر دیو و دد واں جو آیا نظر
نہ چھوڑا غرض صید اسے بوجھ کر

مگر واں سے جیتے کئی پیل لائے
سو حلقہ بہ گوش اس کے وہ ہو کے آئے

سبھی پیل ہر چند مجبوب ہیں
سواری کے خاطر بہت خوب ہیں

پر اک پیل کا ان میں ایسا جمال
زبان وصف میں جس کے ہے میرے لال

کبھو پیل ایسا بہ چشم جہاں
نہ آیا نظر زیر نہ آسماں

وہ ہے قد و قامت میں اتنا بلند
لگا کہنے دیکھ اس کو ہر ہوش مند

بہ دانست اپنے یہ ہاتھی نہیں
ہوا دیکھ اس کو سبھی بالیقیں

رہے جب نہ واں صید سو سو کر وہ
تو زنجیر کر کھینچ لائے ہیں کوہ

نہیں اس کی خوبی میں ذرہ قصور
خدا چشم بد سے رکھے اس کو دور

ترے سائے میں یہ جئے تا ابد
سبھی پہ خوشی کی رہے اس کے کد

مثنوی سوم بہ طور خط

خان صاحب مشفق والا نشان — مظہر لطف و انیس و مہربان

بعد اظہار تمنائے دلی — اور جواب نامہ لکھتا ہوں جلی

ہاتھ میں ہے خامۂ گوہر فشاں — تا کروں در ریزی معنی بیاں

معنی رنگیں اگر لبریز ہو — صفحۂ قرطاس سب گلریز ہو

کیوں نہ ہو شیریں کلامی کا اثر — بند بند اس کا ہے مثل نیشکر

سرنگوں رکھتا ہے کیا شام و پگاہ — جبہ فرسا ہے سدا یہ روسیاہ

گرچہ ہے مُہر خموشی بر دہاں — یک قلم ہے کام میں اس کے زباں

غور سے دیکھو نظر آتا ہے صاف — جوں درِ مقصود ہے سینہ شگاف

رفتہ رفتہ پا سے طے کرتا ہے فرق — عشق الفت میں سدا رہتا ہے غرق

سب یہی کہتے ہیں اس کے اہل فن — ہے بجا شیر نیستانِ سخن

گرچہ سینہ صاف یوں رکھتی ہے لوح — لیکن اس کے سامنے ہے سادہ لوح

کیا کہوں تعریف اس کی سر بہ سر — آستیں سے جھاڑے ہے لعل و گہر

بر سرِ تحریر خط ہے دل یہ اب — مو بہ مو کیجے رقم احوال سب

آپ کا بڑھ کر خط محبت نمط — کچھ ہوئی تسکین نہ اس دل کو فقط

شکل نرگس ہے یہ چشم انتظار — رہ گئی وا دیکھ کر بے اختیار

ہے خیال اس دل میں یاں تک آپ کا — ابتدا کو ہے نہ جس کا انتہا

کیا لکھوں بے تابیِ دردِ فراق — دیکھنے کا ہے تمھارے اشتیاق

تاب دوری کی نہیں ہے دل کو تاب — یوں جلوں ہوں دن کو جیسے آفتاب

آپ سے صاحب نہیں کچھ دور ہیں — گردشِ افلاک سے مجبور ہیں

شمع ساں سررشتۂ الفت تمام
سب پہ روشن ہے کہ ہے تم سے مدام

کچھ نہ پوچھو ماہی بے آب ہوں
تشنۂ دیدار ہوں بے خواب ہوں

تم بن اب با چشم نظارہ کناں
روز و شب حیران ہوں آئینہ ساں

یاد میں شب کو بیاضِ صبح کی
چشم اختر سے لگی ہے ٹکٹکی

چشم طوفان خیز ہے کیا اپنی آہ
تار مژگاں ہے رگِ ابرِ سیاہ

دل گرفتہ غنچۂ تصویر ہوں
وا شدِ سر پنجۂ تقدیر ہوں

مختصر کر کے کروں میں کیا رقم
قصۂ فرقت نہیں ہوتا ہے کم

آپ نے لکھا تھا ہم نے چند خط
تم کو بھیجے یاں نہیں پہنچے غلط

خط اگر آتا تو لکھتے ہیں جواب
اے کرم فرمائے من وہ ہیں شتاب

صورت مہر لفافہ چشم یاں
انتظار خط میں بھی وا مہرباں

یہ نہ تھا معلوم کچھ کیجے یقیں
ڈاک بیٹھی ہے ادھر کو یا نہیں

خط کے آنے پر نہ کرنا انتظار
نام ہائے شوق لکھنا لاکھ بار

گر پہنچ سکتے نہ جلدی ڈاک میں
یک قلم نرگس نمط وہ تاک میں

بھیجتا با آرزو ہائے تمام
اپنی آنکھوں سے تمھیں اے نیک نام

کیا لکھوں بس حال مجبوری بھلا
جیب قلم کا سینہ شق ہونے لگا

اضطراب دل کی یہ میں نے لکھا
موجِ دریا کاغذِ ابری بنا

چاہیئے اپنی خبر لکھا کرو
بے قراری دور ہو تسکین ہو

تا ابد رہیے یہاں بھی اور وہاں
حرف رسم خط کتابت درمیاں

رو کے کہتی ہے قلم اب مجھ کو تھام
ختم کرتا ہے یہ لکھ کر والسلام

مثنوی چہارم بطور خط

پہلے پہونچے مری طرف سے سلام | کہ یہی ہے طریقۂ اسلام
پھر جو ہے اشتیاق ملنے کا | وہ قلم کی زباں سے کب ہو ادا
یہ سخن جانیو یقیں کر کے | شوق جس مرتبہ لکھا تم نے
چوگنا اُس سے ہے ہمیں واللہ | راست کہتا ہوں میں خدا ہے گواہ
رسم دُنیا میں ہے یہ مدت سے | کہ جہاں واسطے ہے اُلفت کے
دل کو دل کی خبر پہنچتی ہے | چھپ سکے کیونکہ دوستی سی شے
بیت، ہر ایک تازہ مضموں تھی | نئی طرحوں سے خوب موزوں تھی
ہوئی دل کو مطالعے سے خوشی | آفریں کی ہر ایک جاگہ تھی
خط وہ لکھنے کا جو لکھا تھا گلا | جب پڑھا وہ تو محض تھا بیجا
ہم نے سو طرح مہرباں کیا | تشبیہ ملنے کا کیوں گمان کیا
دیکھیے اس میں کس کی ہے تقصیر | جس کی ثابت ہو لیجیے تحریر
نہیں اب خوب زیادہ طول کلام | یہیں تک خط کو میں کروں ہوں تمام
لکھی رندانہ اک دو ہنسی بات | ہے بکھیڑ خرابیِ اوقات
لیکن اب دل کی بے قراری ہے | وصل کے دن کی انتظاری ہے
اب قدم رنجہ کیجیے جلدی | کہ نہیں تاب صبر کی باقی
دل جو مشتاق ہووے ملنے کا | خط کتابت سے اُس کو فائدہ کیا
چاہیے یوں کہ خط کو دیکھتے ہی | دوہیں تشریف لائیے جلدی
حد سے افزوں ہے اشتیاق مجھے | نہیں اب طاقتِ فراق مجھے
یہی ہے دل میں آرزو دن رات | کہ سدا ایک جا کیے اوقات

مثنوی پنجم دربیان معانی بیت مثنوی مولوی روم

حق تعالیٰ نے بہر صاحب کمال — کی عطا منہ میں زباں بہر مقال
مدعا پر وہ مقال اس سے نہیں — گفتگو دنیا کی ہو جس میں کہیں
یا سخن ایسا کہ جس میں ہووے شر — پہونچے اپنی جنس کو جس سے ضرر
چاہیے نکلے زباں سے وہ سخن — آفریں جس پر کرے ہر مرد و زن
سن کے عالم جس سے ہووے مستفید — سربسر ہو فائدہ اس سے پدید
نطق کہ ہے باغ کا پھل اور پھول — ذکر قال اللہ یا قال الرسول
یا کلام عارف باللہ سے ہے — سوئے تحقیقات جس کی راہ ہے
پس میں اس صورت سے یارو یہ سوال — ان سے کرتا ہوں جو ہیں صاحب کمال
یاد ہے وہ شعر مولانائے روم — جس کے معنی سو طرح اہل علوم
بیٹھ کر آپس میں کرتے ہیں بیاں — پر نہیں ہوتی بہم خاطر نشاں
شعر وہ یہ ہے کرو تم گوش ادھر — دل کو تا کہ لائق فہم و ہوش ادھر
ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام — ہفصد و ہفتاد قالب دیدہ ام
اس کے معنی سے تناسخ ہے پدید — گر یقیں کیجیے تو ہے کفر شدید
مولوی ایسا سخن کیونکر کہے — جس کو نسبت کیجیے الحاد سے
کلمۂ کفر اُس سے کب ہووے ظہور — سمجھیے گر یوں تو ہے نقص شعور
کوئی کہتا ہے کہ مستی کا کلام — مولوی پی کر مئے عرفاں کا جام
بول جاتا ہے وہ اکثر اس طرح — بن پیے مے کے وہ سمجھیں کس طرح
کوئی کہتا ہے بھلا ٹک کیجیے غور — معنی گذرے ہیں مری خاطر بس اور
مدعا اُگنے سے ہے نشو و نما — ہر جگہ کرنا خودی سے ہو فنا

ہے غرض قالب سے دل ہر ایک کا
خلقتِ خالق میں بد اور نیک کا

لے کے انسانات سے تا وحش وطیر
دیکھنی قالب سے مطلب ان کی سیر

یوں کلامِ مولوی دے ہے خبر
یعنی میں جس دل میں دیکھا بیٹھ کر

کچھ نظر آیا نہ از غیر اُس کی ذات
اس قدر پایا محیطِ کائنات

معنی ہم اس شعر کے سمجھے ہیں یوں
اور کی فہمید میں کچھ اور ہوں

مثنوی ششم تعریف چھڑی

ہوتی ہے دُنیا میں جو کچھ تحفہ چیز
سب سے ہے سودا کو یہ لاٹھی عزیز

کوتہ و مقام اس کا ہے سب اپنے ہاتھ
جب کہیں چلیے تو ہے بے عذر ساتھ

ہاتھ میں رکھتے ہیں اُس کو ہوشمند
ڈرتے ہیں سب اس سے درندہ و گزند

کھینچ نہ سکیے جہاں شمشیر و تیغ
اس کو لگا بیٹھیے وہاں بے دریغ

اتنا کم آزار اور ایسا شفیق
اور کبھی کوئی کسی کا ہے رفیق

کس میں یہ توفیق ہے کیجو خیال
ہاتھ پکڑے گرتے کو یوں سنبھال

چوب نہیں دل بر خوشخو ہے یہ
یار ہے یہ قوتِ بازو ہے یہ

مرتبہ اس کا نہایت ہے بلند
کوچۂ تحقیق ہے ہر بند بند

اس کے گھرانے کو جو کیجے خیال
چھوٹے بڑے جتنے ہیں سب ذی کمال

کوئی تو ہے خانۂ مجمر طراز
کوئی ستمگر ہے نے نغمہ ساز

تیر نمط ہے کوئی صاحب ہنر
کوئی ہے پنجا کوئی ہے نیشکر

خرد جو ہوں ہمسر دستہ و قلم
نام بزرگاں پہ بزرگی علم

اُس کے بڑوں کی ہے بڑائی قدیم
دال ہیں اعجازِ عصائے کلیم

ملنے کے انسان کے ہیں دو ہی اثر
یا تو ہو کچھ فائدہ یا ہو ضرر

اُس کے فوائد میں تو نقصاں نہیں
اور مضرّت کا سوا امکاں نہیں

اہل نظر کی یہ ہدایت پناہ
جادۂ تاریک میں ہے شمع راہ

بے ہودہ کج بحثی سے وارستہ ہے
راستی اپنی پہ کمر بستہ ہے

گو کہ سخن گو نہیں یہ راست باز
تسپہ سمجھاوے نشیب و فراز

جو کوئی رکھتا ہے ٹک اک گوش ہوش
اُس کو وہ ہرگز نہ کہے گا خموش

قدر خموشاں وہی سمجھا ہے یار
تیغ زباں سے جو ہوا دل فگار

ہم سے زباں داتوں سے بہتر ہے یہ
بے سخن اللہ مغفور ہے یہ

پاس حقیقت اسے ملحوظ ہے
ہرزہ سخن کہنے سے محفوظ ہے

جو کوئی سمجھے ہے رموز و نکات
اُس سے سدا کہتی ہے لاٹھی یہ بات

گو کہ ہوں اب نالہ گرہ در گلو
میں بھی تھی سرسبز جہاں میں کبھو

تازہ و تر جگ میں رہی سال و ماہ
زاغ و زغن کی ہوئی آرام گاہ

جب تئیں دنیا سے تھی امید و بیم
سہتی تھی کچھ فرق سموم و نسیم

جوں ہی زمانے نے کیا بارور
دوں ہی دکھایا دم تیغ و تبر

بانس کا پھلنا ہے جہاں کی مراد
شادی سے یاں کی کوئی کیونکہ ہو شاد

شاد برآنم کہ دریں دیر تنگ
شادی و غم ہر دو ندارد درنگ

زیادہ غرض کچھ نہیں کہتا زرا
بس ہے یہی آہ میری یہ صدا

سحر ہے یا لکڑی کی تقریر ہے
جس میں کہ عبرت کی یہ تاثیر ہے

دل ہے مرا برق نمط بے قرار
دیدہ ہیں جوں ابر سدا اشکبار

غم کی سیاہی کی گھٹا رات ہے
آج بھی یاں موسم برسات ہے

جب پکارا اسے سودا نہ ہو ہو غلط
بس ہے ترے حق میں کہا یہ نکتہ فقط

لکڑی کی نسبت تو معذور ہے
آدمی ہونا تو بہت دور ہے

مثنوی ہفتم در تعریف دیوان واشعار مہربان خاں

صاحبا سیر کے ہیں یہ ابیات
فکر عالی کی آپ کی کیا بات

یہ سفینہ ہے رشک ابر بہار
ہر ورق اس میں قطعۂ گلزار

اُس کی ہوتی نہ گر چمن پہ نظر
شعر اس میں ہیں گل سے رنگیں تر

اُس کے پٹھوں پہ جلد کی یہ بہار
درِ باغِ بہشت کے ہیں کِوار

صرف شیرازہ جو ہوا تیار
ہے رگِ جان عاشقانِ زار

نہ کرے سیر اس کی دل کو اُداس
منتشر ہوں تو جمع کر دے حواس

نہیں ایسا جو دیکھو ہفت اقلیم
دردمندوں کی خاطر اور ندیم

دیکھے اُس کو جو کوئی فرداً فرد
تا دمِ مرگ کھینچے آہِ سرد

ہے عبارت میں اُس کی بس کہ صفا
آئینہ ہے عروس معنی کا

اس کے کیا کیا کروں میں وصف بیاں
خط ہے خوبی میں بہ ز خطِ بتاں

نکتہ رس کی نظر میں ہے یہ محال
اسکے لفظوں کو پہونچے اُس کے خیال

اس سے ہے گوش کو بھی دل کو سود
معنی میں اس سے یہ کہیں افزود

لعل سفتہ لب و دہن تیرا
درِ شہ سوار ہے سخن تیرا

تجھ دہن میں زبان سحر طراز
ناطقہ کی ہے تکیہ گاہِ ناز

چاہیے یوں کہ طوطیِ رضواں
ہو زباں پر ترے بلا گرداں

تیرے خامہ کی کیا کروں میں صریر
بلبلِ باغ عشق کی ہے سفیر

شعر ناخن بدل ترا بہ جہاں
زیادہ از بیت ابروئے خوباں

فرد ابیات کا ترے مضموں
جو ہے مصرعہ سو نالۂ موزوں

ہر غزل ہے تری کمالِ سخن ۔۔۔ نمک شوخیِ غزالِ سخن
پڑھے ڈنگل میں جب رباعی تو ۔۔۔ چوکڑی بھول جائے شاعر کو
ہیں جو مصرعے ترے مخمس کے ۔۔۔ پنجہ زن جیب ناکس و کس کے
نہ بچا تجھ سے لے مرے شہباز ۔۔۔ مرغ معنی آسماں پرواز
شعر کی بحر میں ترا اُستاد ۔۔۔ کشتیِ ذہن کو ہے بادِ مراد
لیک خدمت میں تیری اتنی عرض ۔۔۔ کرنی اس خیر خواہ کو ہے فرض
اُس کو ہر طرح تو غنیمت جان ۔۔۔ پھر ملے گا نہ سوز سا انسان
کیسی ہی رام ہوں کسی کے ساتھ ۔۔۔ پنچھی بھڑکے ہوئے نہ آویں ہاتھ
یوں تو صید آکے اے کرم گستر ۔۔۔ دامِ الفت سے تیرے جائے کدھر
تجکو بخشی ہے خلق کی خوبی ۔۔۔ حق نے ایسی کی بہ ز محبوبی
حُسن کے باہم تری وفاداری ۔۔۔ نبھے ہے عمرِ خضر میں یاری
دستگیری کا تیرے دیکھ پناہ ۔۔۔ ہو نہ مژگاں سے طفلِ اشک تباہ
گر مروت سے تیری کچھ مذکور ۔۔۔ کیجیے تو نہیں یہ عقل سے دور
کردے تحلیل سنتے ہی وہ ذکر ۔۔۔ شعلہ کو خس کی دوستی کی فکر
جز جو یہ تجھ میں ہے سخاوت کا ۔۔۔ انتہا اُس کی لے سکوں میں کیا
وہ کوئی تجھ سے عرض ہمت لے ۔۔۔ جو ترے آگے دو جہاں رکھ دے
تجھ شجاعت پہ متفق ہے گروہ ۔۔۔ تو سراپا جگر ہے صورتِ کوہ
رزم اور بزم میں علم ہے تو ۔۔۔ صاحبِ سیف اور قلم ہے تو
صفِ اعدا میں یوں ترا سرِ تنگ ۔۔۔ جائے ہے بیٹھ جیسے تیر و تفنگ
لیکن اس نظم سے نہ سمجھیو تو ۔۔۔ کچھ صلہ سے غرض ہے سودا کو
[illegible] سمجھتا ہے یہ دل ہجور ۔۔۔ مہرباں دوستی ترنی منظور

کر چکا میں دعا پہ ختم کلام — پہنچے رخصت کا میرے تجکو سلام
حشر تک زیر سایۂ نواب — رہیو جوں آفتاب عالم تاب

مثنوی ہشتم در ہجو فیل راجہ نرپت سنگھ

کیا ساقی نے گو مجکو سیہ مست — تو کر فکر بلند اے ہمت پست
قلم سے کہہ کہ ہو سرگرم تحریر — بنے تا صفحۂ کاغذ پہ زنجیر
تو ہی ہاتھی سے بھی اپنا سخن ہے — زبان خامہ پر یاں کجلی بن ہے
اگر ہم فیل معنی کا بنا دیں — تو بہتر ہاتھیوں سے کر دکھا دیں
پھر اس کو جو کوئی سمجھیں سو جھومیں — قدم آ حضرت سودا کے چومیں
یہ دعوے گو کوئی شاعر نہ مانے — پر اس کو جو سخن رس ہو سو جانے
کہ طرز شاعری انسب یہی ہے — سخن کا ہے جو کچھ فن سب یہی ہے
کہوں میں پیل معنی کے جو اوقات — تو شیخی ہے کہ چھوٹا منہ بڑی بات
بلند ایسے ہے وہ سدا اگر کرے یاں — جگہ ہے گشت کی فہم سخنداں
تو وارد سے اگر وہ چھوٹ جاوے — کوئی شاعر جو اس کو باندھ لاوے
دبے ہے اس سے جو کوئی ہو کج فہم — کہ اس کی طبع کو آنکس کرے وہم
بنا ہے پاک طینت اس قدر وہ — قدم ہرگز نہ رکھے خاک پر وہ
سبک چلنا کوئی کیا اس کو بتلائے — جہاں تک کھینچو کاغذ پہ چلا جائے
کریں ہیں آفریں اس پر سو کیا ہے — وہ گویا اس کی آواز درا ہے
نہ لگواوے کبھی مستک پہ سیندور — بہت اس کی بزرگی سے ہے یہ دور
ہوا کیا گر نہیں کرتا ہے تزئین — اسے کہتے ہیں اہل طبع رنگیں

نہ ہووے قد و قامت میں وہ موجود ۔ بلندی عرش سے پر اُس کی افزود
بھلا اِس شان کا ہاتھی کہیں ہے ۔ کہ جس پر ہر کوئی ایسا یقیں ہے
مہاوت دل ہے نالہ بھالہ بردار ۔ ہے چرخی پہ پیش آہِ شرر بار
نہ کچھ پیوے کبھو نہ کچھ وہ کھاوے ۔ نظر وہ اس بزرگی پر نہ آوے
کوئی ہاتھی کی ہوتی ہے یہ اوقات ۔ نہیں دم مارنے کی اس جگہ بات
غرض ہاتھی خدا دیوے تو ایسا ۔ نہ فیلِ راجہ نرپت سنگھ جی سا
مچائی جس کی گھڑیالی نے یہ دھوم ۔ کہ لڑتے ہے پڑا لے شام تا دم
کوئی ہاتھی ہے یا آفت وہ چنڈال ۔ مہاوت پر کرے آقا کے سر کال
کلاوہ کو نہ سمجھے اُس کے گلگوں ۔ یہ گردن پر ہے اُس کے خلق کا خوں
کہے کون اُس کو بچہ فیل کا ہے ۔ وغا کے روز ٹیکا نبل کا ہے
پکڑ خرطوم میں اس وقت زنجیر ۔ چلے ہے فوج پھر اپنے ہی بے پیر
جو ہتیائی پہ آجاوے وہ خونخوار ۔ ہزاروں نیزے مارے بھالہ بردار
چھٹیں گر لاکھ اس پر چرخی و بان ۔ نہ چھوٹے وہ جو اس کا فرکی ہے بان
سروں کو یوں قدم نیچے لیے ہے ۔ چنوں کو جس طرح چکی دلے ہے
مہاوت کیا جو پھر اس کو سنبھالے ۔ جو آوے شیخ بھینسا روند ڈالے
جو کوئی دیکھے اس سوہان جاں کو ۔ تو یہ کہتا ہے منہ کر آسماں کو
خداوندا یہ آرا ہے کہ خرطوم ۔ یہ ظالم چیرتا ہے جس سے مظلوم
غرض ہوتی کئی باقی ماندوں کی خیر ۔ بسانا تھا خدا کو کعبہ و دیر
ہوئے آقا پر اُس کے تنگ دستی ۔ کیا کرتا ہے اب وہ فاقہ مستی
لگے ہے راتب اُس کے اس طرح ہاتھ ۔ جو بھاڑے دیا کسی تابوت کے ساتھ
بدن پر اب نظر آتی ہے یوں کھال ۔ طنابِ سست سے خیمہ کا جوں حال

نمودار اس طرح ہر استخوان ہے
گویا ہر پسلی اس کی نردبان ہے

نہ ٹیڑھی ہے نہ کٹ بندھن نہ لکڑا
رکھے ہے ناتوانی اس کو جکڑا

گرفتار اپنے فعلوں کا ہے ناپاک
کیا کرتا ہے سر پہ روز و شب خاک

ضعیفی نے کی اس کی فربہی گم
گیا ہاتھی نکل اور رہ گئی دُم

ہوئی ہے ناتوانی اس کی در پے
کہ وہ ڈیل اب دھوئیں کیسی گرہ ہے

پر اس کے دل میں اب بھی یہ غضب ہے
کہ آتشبازی کا ہاتھی وہ اب ہے

تماشا ہو اگر وہ چھوٹ جاوے
کہ گھر کو آگ کس کس کے لگا دے

کہا اس کے ماوت سے میں اک روز
اگر آقا کے اپنے ہے تو دل سوز

تو کہہ ان سے کہ اس کو بیچ ڈالیں
عوض کاش اس کے چڑھنے کو گدھا لیں

کچھ ایسے پیل کے رکھنے میں ہے شان
سواری جس کی ہووے آفتِ جان

دیا ان نے جواب اے میرے مخدوم
خریداری تو اس کا فر کی معلوم

بڑا ہے بد قوا وہ زشت ناپاک
کہ بیٹھ اس کی بلند اور پیٹ کا واک

جو ہاتھی ہو تو لے کوئی خان و نواب
ہے بے ایمان کی مسجد کی محراب

بکانے کی نہیں اس کے کوئی بات
نصیبوں سے مگر آجائے شبرات

سمجھنا فیل اسے دیوانہ پن ہے
کسی مدت کا یہ بامِ کہن ہے

ستون اس کے تلے یہ پاؤں ہیں چار
رہے وہ دانت آگے سو ہے اڑوار

جو بیٹھے یہ تو اٹھتا ہے اسے دور
لگیں جب تک نہ اس کو راج و مزدور

اٹھ ہے خاک کا یا راکھ کا ڈھیر
کہیں ہیں اس کو ہاتھی ہے یہ اندھیر

ہلاتا یوں ہے یہ کانوں کو ہر بار
کہ دھونکیں پنکھوں سے کوئلوں کا انبار

ہے اتنا چلنے میں بجز یہ بدذات
نہیں ہاتھی صعوبت کی ہے یہ رات

یہ عالم چلنے میں خزدام کا ہے
کہ دست کور میں گویا عصا ہے

جو کہئے فیل اسے بہتان ہے یہ
عجائب تو وہ طوفان ہے یہ

خورش کے وقت بولے فیل ہوں میں
مجھے من بھر ملیدہ روز دے تیں

عماری کس کے گھر چلئے کہیں کو
جتاوے فیل مرغ اپنے تئیں کو

یہ ہے اس مرتبہ بدبین منحوس
سنیچر جس کے ہوتا ہے قدم بوس

جسے لا بیٹھ پر اس کے بٹھایا
گویا باروت پر دھر کر اڑایا

گڑا جس روز سے یاں اس کا بھوناس
کیا حلقے کا سارے ستیاناس

مرے یہ آپ یا کوئی مار جاوے
جہاں کے سر سے بوجھ اور بھار جاوے

غرض تھا جس جگہ یہ ذکر و اذکار
سنے تھا اس کو واں اک مرد ہشیار

ہوئی اس ذکر سے یوں اس میں تاثیر
کہ اس کا ہو چلا احوال تغییر

ہوا اس کے سمجھنے کے وہ درپے
کہا ان سے کہ حضرت خیر تو ہے

لگے کہنے وہ کر میری طرف رو
مگر اب تک نہیں سمجھا اسے تو

کہ یہ جس بیل کی کرتا ہے مذکور
اسے میں نفع کیا اس سے منظور

اگر اب حسب ظاہر کیجئے غور
اسی پر اس کی روزی ہے بہر طور

ولے از بسکہ اس کی فعل ہیں بد
اسے مرنے کی اس کے کتنی ہے کد

جو کچھ اس بیل میں ان نے بنایا
سو اپنے نفس ظالم میں ہے پایا

یہ اس کی مرگ کے جتنا ہے درپے
مجھے اتنی ہی اس کی پرورش ہے

میں خوب اپنے تئیں دیکھا ہے اس دم
عبادت سے کبھی ہمت اپنی ہے کم

تغیر حال کا باعث مرے یار
یہ تھا جو کچھ کیا میں تجھ سے اظہار

اگر دریافتی بر دانشت بوس
وگر غافل شدی افسوس افسوس

مثنوی نہم در ہجو شیدی فولاد خاں کوتوال شاہ جہاں آباد

کیا ہوا یارو وہ نسق ہیہات لیموں کے چور کا کٹے تھا ہاتھ
باندھا جاوے تھا چور پگڑی کا مارا جاوے تھا چور لگڑی کا
شہر میں کیا رہے تھا امن و امان کیسی کرتی تھی خلق خوش گزران
تھا نہ رشوت سے کوتوال کو کام شہر میں تھا نہ چوٹٹے کا نام
اب جہاں دیکھو واں جھمکا ہے چور ہے ٹھگ ہے اور اچکا ہے
دیکھی ہم نے جو راہ چاوڑی کی پیشہ ہے رہزنی تلاوڑی کی
خاص بازار کا جو سنئے بیان اس نے نزوک کے کاٹ ڈالے کان
دمڑی کے سودے کو جو واں جاوے پگڑی کھو سر کو پیٹتا آوے
کس طرح شہر کا نہ ہو یہ حال شیدی فولاد اب جو ہے کتوال
چور کب اس کا زور مانے ہے کالا بال اپنا اس کو جانے ہے
ہو یہ کتوال تو وہ مانے زور یہ تو مچھر کی جھول کا ہے چور
ان سے رشوت لئے یہ بیٹھا ہے اس کے دل میں یہ چور بیٹھا ہے
بعضوں کا مفسدوں کے زور ہے یہ چور کا کھائی گٹھی چور ہے یہ
اپنے دروازے آگے رکھ نٹ کھٹ کئے ہیں ان نے گھر کے گھر چوپٹ
ٹھگ نہ تنہا چڑھے ہیں اس کی آنٹ مل رہی ہے اچکوں سے بھی سانٹ
سر پہ دیکھیں جس کے اچھی شال گویا وہ اس کے باپ کا ہے مال
گشت جب اس کا پھرتا آتا ہے یہی نرسنگیاں بجاتا ہے
سن لو چورو یہ مختصر قصہ صبح کو بیچ دیجیو حصا
جو نظر باز اس کا چیترا ہے خوب دیکھو تو جیب کترا ہے

جتنے نوکر ہیں اس کے خدمت گار
فن دزدی کے سب ہیں بانی کار

کسو کا گٹھ کٹی و تیسرا ہے
کوئی بھڑوا اٹھائی گیرا ہے

جس کے گھر بیچ اس کا آقا جائے
صاحب خانہ پر یہ آفت آئے

تا خبردار گھر کا ہو صاحب
جو گھڑے پان دان تک غائب

ہیں گے ازبس یہ ہاتھ کے چالاک
ڈالیں ہیں اس کی آنکھوں میں بھی خاک

ٹک یہ غافل جو ان سے ہوتا ہے
تن کے کپڑوں کو اپنے روتا ہے

ایک دن اس نے سب سے طنز کی راہ
کہا تم ہو مرے نپٹ دل خواہ

چیز میری جو اب چراؤ تم
چوک میں بیچنے نہ جاؤ تم

قیمت اس کی جو کچھ مشخص ہو
اتنے کو تم اسے مجھی کو دو

ایک ان میں سے یہ سخن سن کر
لگا کہنے کہ اس سے کیا بہتر

کیا جب آپ تم نے یہ انصاف
میں بھی کرتا ہوں رکھیے مجھ کو معاف

آپ کے سر پہ یہ جو پگڑی ہے
دو خریدار اس کے ہیں درپے

دس روپے وہ مجھے دلاتے ہیں
کہئے اب آپ کیا لگاتے ہیں

دوسرے نے کہا کہ میں ہوں غلام
نہیں ہوں جس سے ہووے ایسا کام

پگڑی آقا رکھے نہ سر سے اتار
اور قیمت کی اس کی ہو تکرار

پر دوشالے کے تئیں لگا کر گھات
آج جاگا کیا ہوں ساری رات

میری محنت پہ ٹک نظر کیجے
آگے جو دل میں آوے سو دیجے

غرض اس گفتگو سے ہے یہ مال
واہ واہ واہ رے زہے کتوال

شہر کے بیچ کیا کہوں میں اب
روز محشر کی دھوم ہے ہر شب

شب ہے نرسنگوں کی قال و قیل
گویا پھنکتی ہے صور اسرافیل

کتے آہٹ سے ان کی بھونکیں ہیں
مردے خواب عدم سے چونکیں ہیں

آنکھ تو کس بشر کی لاگے ہے — چوروں کے ڈر سے فتنہ جاگے ہے
آسمان پر کبھی منعدم ہے خواب — کھلا رہتا ہے دیدۂ مہتاب
لاکھ بندوق رات کو چھوٹے — کوٹھی پر ساہوکار کی پھوٹے
ہیں یہ سرگرم دزدِ بد انجام — لوٹے ہے تا خزانۂ حمّام
بزم میں شب ہر ایک پیر و جوان — بیٹھے ہیں کرکے رزم کا ساماں
تس پر ہے یہ کہ بہر طرۂ زر — لگے ہے چور شمع سے آکر
طرۂ شمع اک طرف اے یار — گم ہے خورشید کی بھی شب دستار
شام سے صبح تک یہی ہے شور — دوڑیو گٹھری لے چلا ہے چور
صبح شبنم جو گل پہ ہوتی ہے — بقچے کو غنچے کے وہ روتی ہے
مال صندوق میں رہے کس بھانت — تن کے کپڑوں پہ چور کا ہے دانت
اب تو دزدی کا کچھ نہیں ہے ڈھنگ — کہتے پھرتے ہیں چور ہو سرہنگ
رکھ سکے کون ہم سے ہو کے کرخت — جو نہ دے ہم کو کپڑے کیا ہے رخت
رات جو اپنے گھر میں کھنکارے — چور دروازے پر یہ ہنکارے
ہو گی کب تک بجا خبرداری — چور جاتے رہے کہ اندھیاری
صاحب خانہ جو کوئی ہے اب — ہے خبرداری میں وہ روز و شب
آئینہ تک اگر جو دیکھے یار — اپنے گھر میں ہے وہ بھی چوکیدار
بے خطر ڈر سے اب کوئی نہ رہا — اہل میخانہ میں بھی ہے ہوہا
نہ عبادت کو جاگتا ہے شیخ — ڈر یہی چور آ نہ مارے میخ
خلق جب دیکھ کرکے یہ بیداد — کرتے ہیں کوتوال سے فریاد
بولے ہے وہ کہ میں بھی ہوں ناچار — گرم ہے چوٹّوں کا اب بازار
کرتے ہیں مجھ سے اب بجا کر ڈھول — میری پگڑی کا میرے سر پر مول

یارو کچھ چل سکے ہے میرا زور ۔۔۔ دیکھو تو ٹک کہاں کہاں ہے چور
مٹ سکے مجھ غریب سے یہ خلل ۔۔۔ ہے امیروں کے گھر میں چور محل
دیکھئے گر بتاں کو بھی بخدا ۔۔۔ ہاتھ میں ہے اُنھوں کے دزد حنا
کس کو ماروں میں کس کو دوں گالی ۔۔۔ چوری کرنے سے کون ہے خالی
چڑھ کے جب مفسدوں پہ جاتا ہوں ۔۔۔ وقت پر میں بھی جی چراتا ہوں
بچ رہا ہے اب اس طرح کا سانگ ۔۔۔ ہے خدا کے بھی گھر میں چور کی تھانگ
بچ سکے کیوں کہ اب کسی کی شے ۔۔۔ ملّا مسجد کا صبح خیز یا ہے
کریں انصاف واب جوان و پیر ۔۔۔ کیا ہے اس میں بھلا مری تقصیر
رتبہ دزدی کا اس قدر ہے بلند ۔۔۔ چرخ کے گھر پہ کہکشاں کی کمند

یہ جو سودا بکے ہے لایعنی
آپ کرتا ہے دزدی معنی

مثنوی دہم موسم گرما

کیوں ہوا اس قدر ہے عالم سوز ۔۔۔ آتشی رنگ پر ہوا نو روز
اب کی رت سے یہ ہوئے ہے معلوم ۔۔۔ چمن آرا ہو شب برات کی دھوم
گرم ہے یہ بہار کا موسم ۔۔۔ شاخ گل پھلجھڑی سے نہیں ہے کم
یہ پٹاخا چٹکتی وقت گلاب ۔۔۔ کفِ نرگس پہ چھٹتی ہے مہتاب
دستۂ گل کا کیا کہوں میں رنگ ۔۔۔ اس میں ہت پھول کیسے ہیں نئے ڈھنگ
غنچے کھلتے ہیں یوں ہو آتشبار ۔۔۔ گو کہ چھٹتا ہے داغنے میں انار
جلوے دیں جوں چنبیلی کے بوٹے ۔۔۔ اس طرح جائی جوئی کب چھوٹے

نہیں گیندوں کے یہ چمن میں درخت — دی ہے آتش ستاروں کو یک لخت
کرو صد برگ و جعفری پہ نظر — چھٹ رہی ہیں ہوائیاں منہ پر
یہی بولے ہے پانی پھر پھر کر — ہے چکا بو کا حوض گھن چکر
کیا فواروں کا کہوں عالم — جوں پھپنیا چھٹے ہے لے لے دم
آدمی جس گھڑی طبیعت گل — گرم جوشی کو ٹک سوئے بلبل
ان کی صحبت میں باغباں چھوندر — چھوڑ دیتا ہے ایک چھچھوندر
شور پانی کرے ہے رہ رہ کے — اس طرح چھوٹتے ہیں جوں پھکے
سنگ پر یوں ہے آب کی دھار — چھاتی پر جوں گرے ہے نزلۂ خار
مرغ آبی چمن میں اب جو ہے — منہ کھلا ہی رکھے ہے جوں بت ہے
گر گزک پر ہو مبخوروں کا من — ہو رہے ہیں کباب مرغ چمن
طوطی کی گر سنے کوئی آواز — نوحہ گویا پڑھے ہے سوز و گداز
اولا اب وہ ہے جو کھاتا ہے — تپ کے مارے جو بوکھلاتا ہے
طائروں تک ہے یہ ہوا کا اثر — پر قمری ہے مشت خاکستر
سرو کا حال کیا کروں میں بیاں — پاؤں اس کا ہے اور آب رواں
جوش ہے یہ بہار میں اس سال — لب جو پر ہے عکس کا بتخال
ہے عرق اس سے بھی گلوں کے تئیں — گرچہ پنکھا نسیم چھوڑتی نہیں
گرم بگل کا نہیں فقط گل گول — ہے جلو میں صبا کے سیکڑوں توں
رنگ گل اس طرح درخشاں ہے — ہر خیابان یک چراغاں ہے
لالہ کے ہر چراغ پر اس آن — لٹ دھوئیں کی ہے شاخ نافرماں
ہے حرارت گلوں کو اب یاں تک — نہیں شبنم یہ نکلی ہے چیچک
پانی کو بلبلیں پھریں بھٹکی — طفل غنچوں کو لگ گئی چٹکی

شاخ ہر گل کی ہو گئی گل ریز   جل گیا آہ سبزۂ نوخیز
یہ نہ لالہ کی پاتی جھڑتی ہے   آگ جامے سے نکلی پڑتی ہے
گیا تالاب میں ہر ایک کنول   کنول کاغذی کی طرح سے جل
جل گئیں بیلیں رہ گیا ہے کاٹھ   روشنی کا سا داربست ہے ٹھاٹھ
خوشے انگور نے کہاں پائے   تاک کے یہ چھٹک گئے خالے
بوند کو دل صدف کا ترسے ہے   ابر نیساں سے آگ برسے ہے
ہے پسینے سے مے خوروں کا یہ حال   باد گویا ہے آب در غربال
منھ کو ساقی کے یوں وہ دیکھیں ہیں   آگ کے جوں جلے کو سینکیں ہیں
ہووے جس سال یہ بہار کا رنگ   آگے گرمی کے کیا کہوں میں ڈھنگ
شفقِ آفتاب شام و سحر   آگ دے ہے جہان کو یکسر
مہر کے پرتو کی کیا کروں تقریر   جوش کھا جوں ابل چلے ہے شیر
ہیں سیہ چہرہ اب جو یہ محبوب   ان کی اوقات کا ہے یہ اسلوب
پنکھے ہاتھوں میں اور ہونکیں ہیں   رات دن کو پلے سے دھونکیں ہیں
پنکھے سے تو تسلی اب معلوم   دمِ عیسیٰ بھی ہو تو ہووے سموم
ہے ہوا سے تنورِ چرخ یہ گرم   جو پڑے نانِ مہر ہو گر نرم
ساغرِ مہر گرم ہے یاں تک   شیشۂ آتشی ہوا ہے فلک
رہے تب اور ہوا کی یہ تاثیر   غلِ دیوانہ ہے قلادہ شیر
پیے تبرید یوں کہے رنجور   شمع کو نفع کیا کرے کافور
گلخن گرم ہے زمین تمام   چرخ بے سرد خانہ یک حمام
مہر کے پرتو سے مہر کی تپ و تاب   ماہی جوں موج آب میں بیتاب
اب زمیں پر زبس پڑی ہے دھوپ   سرسوں کے کھیت کا سا ہے وہ روپ

ره نوردوں کی چال کا ہے یہ حال
جوں بجھاتے ہیں آگ چہل ابدال

سایہ کی تیرگی پہ کر تو نگاہ
قرب سے دھوپ کے ہوا ہے سیاہ

مہر سے ان دنوں میں آ کے بچاں
گلِ خورشید تک ہے رو گرداں

زمیں سمجھے ہے تفتگی سے ہر آن
توے کے بوند بوند نوح کا طوفان

سو سمندر کا صرف کرکے جو آب
صحن یک خانہ سینچیے چھڑکاب

کیا عجب ہے نہ ہووے اتنا نم
خاک رہ جائے اڑنے سے یک دم

پانی سے یوں ہے جیسے عسرت، ہرچند
رسی کنکوڑے کے کوزے کے مانند

خلق کا تشنگی سے ہے یہ حال
طفل کو مشک دو جواں کو پکھال

تو بھی نیت انھوں کی بھرتی نہیں
پیاسے مرتے ہیں پیاس مرتی نہیں

پیلے پانی کے آرزو کے بیچ
خواہ گدلا ہو خواہ اُس میں کیچ

شکل نرگس ہے سب کو حیرانی
نرخرے تک بھرا ہو گو پانی

یہی سوچے ہے دل میں تشنۂ آب
بحر کو مُنہ لگاوے مثل حباب

رنگ یاقوت کا زبانی ہے
آب آتش کی زندگانی ہے

پانی کیسا ہی پیٹ میں ہو اب
شکل آئینہ خشک رہتے ہیں لب

پھوڑ کر حلق کو زباں کے خار
نکلے گدّی سے طرح گل کے پار

ہوش جن بادہ خواروں میں کچھ ہے
کہتے ہیں وہ نہیں ہے شیشۂ مے

بسکہ گرمی کی آن بانی ہے
شرم سے آگ پانی پانی ہے

آگ سے دن کی جل گئی ہے رات
ملی ہے اب سیاہی لے کے دوات

رات سووے زمیں پہ جو انساں
کروٹیں یوں لے جوں توے پر ناں

پسو جب کاٹے تب وہ مارے ہات
سرد سینہ کو پیٹے ساری رات

گرمی پڑتی ہے یا خدا کا قہر
کیا کہوں تجھ سے میں کہ شہر بہ شہر

بادشاہوں کی بادشاہی ہے / اگیا بیتال کی دہائی ہے
بھیک مانگے ہے شہر میں جو فقیر / دمبدم اس کی ہے یہی تقریر
کوئی بندہ خدا کا ایسا آئے / مجھ بیکس کی اب لگی کو بجھائے
ٹھیک ہووے ہے جس گھڑی دوپہر / لگے ہے ڈھر ڈھر جلنے دھر
چیلیں کیا انڈے چھوڑ بھاگیں ہیں / پر فرشتوں کے جلنے لاگے ہیں
مہر ماتھے پہ اپنے پنجہ دھر / کرے ذرات پہ جہاں کے نظر
فرش ایسی ہی دھوپ پڑتی ہے سخت / جن و انس و وحوش و طیر و درخت
بال اٹھا کر کہیں ہیں مثل چنار / وقنا ربنا عذاب النار
بوئے گرمی سے جب یہ حال جہاں / کہہ تو کوئی زندگی کیجے سو کہاں
ہے جو خس خانہ پہ جیتا ہے خبط / آگ اور پھوس میں ہے کچھ بھی ربط
غیرتہ خانہ جائے امن نہیں / اب کچھ آرام ہے تو زیر زمیں

مثنوی یازدہم در ہجو موسم سرما

سردی اب کی برس ہے اتنی شدید / صبح نکلے ہے کانپتا خورشید
چرخ کی اطلسی قبا و ہمیشش / نہیں یہ ٹھنڈیاں ہے دانۂ کشمش
جتنا عالم تھا کاشمیر ہوا / بلکہ کہیے کہ زمہریر ہوا
ان دنوں چرخ پہ نہیں ہے مہر / گویا ہیں کانگڑی رکھے ہے سپہر
کہرہ پڑنے کو کہتے ہیں سب یار / ٹھنڈ سے ہے جہاں کے دل میں غبار
لیک دیکھا جو غور کرکے ہیں آپ / نکلے ہے منہ سے آسماں کے بھاپ
دی ہیں پوشش زمیں کو پاتوں سے جھاڑ / پا بہ دامن ہیں جس قدر ہیں پہاڑ

پانی پر جس جگہ کہ کائی ہے — سبزہ وہ شال کی رضائی ہے
بسکہ یخ بستہ بحر پیچ ہے آب — برف کی ہے رکابی ہر گرداب
عکس پانی میں یوں ہے شکل پذیر — رہتی ہے زیر شیشہ جوں تصویر
نہیں ہے نہر باغ میں اس دم — بچۂ بط بھی یخ بچہ سے کم
تیغ سے کاٹتا ہے اب وہ چند — آب میں اس قدر ہوئی ہے گزند
جیسے جاڑے سے پڑ گیا پالا — سرد ہے داغ عشق جوں لالا
اکڑے جاتے ہیں دیکھ سنبل کو — گٹھری ہو جائے گل کی غنچہ میں بو
دیکھ گل پر صبا نہیب برد — بھرتی پھرتی ہے ہر طرف دم سرد
پات جھڑ شاخیں ہو گئیں کنڈ منڈ — رہ گئے اینٹھ اینٹھ ڈنٹھ کے ڈنڈ
گر پڑے برگ تاک جھڑ کے تمام — بلبلیں مر رہیں اکڑ کے تمام
صرصر صبح جان کھوتی ہے — تیر سی دل کے پار ہوتی ہے
یاد سے برگ کھڑکے ہیں اس بھانت — کہیے تو باجتے ہیں دانت سے دانت
جس طرف اب نگاہ جاوے ہے — جو ہی جوں بید تھرتھراوے ہے
کانپتے ہیں درخت و کوہ و جبال — موسم دی ہے یا زہ یا بھونچال
آگ بھی ٹھنڈ سے ٹھٹھرتی ہے — گودوں کے بیچ چھپتی پھرتی ہے
بے حرارت ہیں سردی کے مارے — طرح یاقوت کے اب انگارے
ہے یہ آفت چراغ تک در پے — تو گویا کہربائے شمع سے ہے
جاڑا لگنے کا یخ تک ہے حرف — لپٹی رہتی ہے نمدوں ہی میں برف
دی ہیں برباد ٹھنڈ سے یکدست — جو کوئی ہے سو آفتاب پرست
کفر کی مے سے مست ہے جو ہے — غرض آتش پرست ہے جو ہے
گر کسی مہروش کو دیکھے ہے — شیخ بھی اپنی آنکھیں سینکے ہے

دن کی کٹتی ہے دھوپ میں اوقات — کالے کمل میں رات کاٹے ہے رات

رعد سردی کے ہاتھ گرم خروش — ابر دوشش ہوا یہ بالا پوش

برق نہیں پڑتی ہو فلک نداف — بھرے ہے واسطے زمیں کے لحاف

شب جو رستندگی پہ برق آوے — ابر ہیں یوں ٹھٹھر کے رہ جاوے

کیا کروں اس کی یارو میں تقریر — جوں کسوٹی پہ سونے کی ہو لکیر

ہے گرفتار حال ہے جو شخص — نہیں مل سکتے گرم ہو وہ شخص

گر کسی شخص کو مرض ہے اب — تو وہ جاڑے ہی سے کرے ہے تپ

فرط سرما سے دیکھیے جس کو — دست زیر بغل ہے مثل سبو

کرے ہے ان دنوں جو کوئی بیاہ — سامنے سسرے کے آگے رہے سیاہ

پڑا سکڑے ہے نہ کنار نہ بوس — زانو آغوش میں ہیں جائے عروس

منعموں کے گروہ میں آج اور کل — ہیں پڑے پردے دیکھے سب منقل

پھرتے ہیں سمور اور قاقم — ٹھنڈ سے کھنچتے ہیں بہم سودم

تشبیہ جاڑے سے ہے یہ ان کا حال — ناک سے چھوٹتا نہیں رومال

جھینکنا جاڑے کا جو جھینکیں ہیں — اک سخن ہے تو لا کہ چھینکیں ہیں

کوئی اب جا سے ہل نہیں سکتا — گھر سے باہر نکل نہیں سکتا

پھر جو کوئی نداف نکلے ہے — ٹھنڈ کے مارے جان نکلے ہے

لپٹے رہتے ہیں روئی میں مجبور — جس طرح ناشپاتی و انگور

اہل حرفہ کو کیجیے جو نگاہ — کاروبار ان کا ہو گیا ہے تباہ

بیٹھ کر سر کو تھے کنڈیارا — ہائے اب کیا کروں میں بے چارا

سقا بولے ہے بھر کے آنکھوں میں اشک — یارو پانی نکالو چیر کے مشک

آہ قناد بھر کے یوں بولے — بنی تھی قند ہو گئے اولے

دیکھو حلوائی کو جو بیٹھے کہیں | برفی چھٹ کچھ دکاں میں اُسکے نہیں
لگے ہے مرنے اب جو بیچارہ | یہی کہتا ہے ٹھنڈ نے مارا
غرض ایسی ہی کچھ پڑے ہے ٹھنڈ | مٹ گیا زمہریر کا بھی گھمنڈ
سودا آخر ہے سردی کا مذکور | شعر بھی گر خنک ہوں رکھ معذور
آگے جاتا نہیں ہے اب بولا | ہوگئی ہے زبان بھی اولا

مثنوی دوازدہم در ہجو امیر دولتمند بخیل

ہے خدا کا یہ ایک شمۂ نور | جس سے روشن ہے آسماں کا تنور
کرتے اُس کو لگے نہ ذرّہ دیر | مہر و مہ کو بشکل نان و پنیر
کیا اُن نے بعرصۂ یک آن | نقل اختر سے پُر سپہر کا خوان
وہ کروروں نعم کو لذت دے | ذائقہ میں زبان انساں کے
کس زباں سے ہو اس کا شکر ادا | نعمتیں کیا کیا اُن نے کیں پیدا
ہووے ہیں باغ میں زمانے کے | واسطے کھانے اور کھلانے کے
فضل سے اُس کے کچھ نہیں ہے کمی | لیک وہ کیا کرے جو ہم ہوں دنی
سنو یارو کروں ہوں میں اک نقل | جس کو باور کرے نہ ہرگز عقل
اتفاقاً اک آشنا میرے | گئے تھے ایک عمدہ کے ڈیرے
جو ہیں وارد ہوئے یہ واں ناگاہ | اُٹھا چاروں طرف سے ابر سیاہ
ان کے آتے جو ابر گھر آیا | صاحبِ خانہ سخت گھبرایا
نہ خبر اُن کی پوچھی نہ احوال | بیٹھتے ہی کیا یہ اُن سے سوال
کچھ ہوا پر بھی تم رکھو ہو نگاہ | گھمگھمری بیٹھو کچھ بھی ہے ہمراہ

بولے یہ منھ نہ تھا مجھے معلوم
ورنہ لاتا میں ساتھ لے مخدوم

جب نہ سمجھے یہ اُس کے رمز کے تئیں
سوجھی یہ بات اُس کے تئیں وہیں

جوں لگی ہونے قطرہ افشانی
لا رکھی ان کے آگے بارانی

پھر لگا کہنے یہ بھی اپنے نصیب
آوے مدت کے بعد اپنا حبیب

اور مینھ آسماں یہ برساوے
بھیگتا اپنے گھر کو وہ جاوے

یہ تو سادے غریب کیا جانے
اُس مزوّر کو کیونکہ پہچانے

بولے یہ سادگی سے کیا ہے ضرور
بھیگتا جاؤں گا میں اتنی دور

رکھے خالق سلامت آپ کی ذات
نہ کھلے گا تو میں رہوں گا رات

یہ سخن جو ہیں پہونچا اُس کے کان
لگی اُس کے وو ہیں نکلنے جان

سُنتے ہی اُس کے یوں ہوا مضطر
اپنے بیگانے کی رہی نہ خبر

جس کے منھ کی طرف کرے تھا نگاہ
یہی کہتا تھا اُس سے بھر کر آہ

کیوں بھلا ابر اس قدر چھایا
حرف رہنے کا درمیاں آیا

مضطرب برق سے نہ ہو یوں حال
بادلوں سے جو اُن کا تھا احوال

کبھی کہتا تھا یارو نیل جلاؤ
کبھی کہتا تھا شیخ ڈھونڈو بناؤ

کبھو بولے تھا دیکھیو ادبر
آوے ہے آسماں کہیں سے نظر

گاہ بولے تھا جو ہو مہر پدید
کیسی ہو جائے اپنے گھر میں عید

بولا نوکر ہے ایک یوں فی الفور
کچھ نظر آوے ہے جو کیجے غور

کہا اُن نے یہ سچ ہے میری جان
اے میں تیری زبان کے قرباں

لیک پر نلے جب لگے بہنے
تب تو جھنجھلا کے یوں لگا کہنے

کیا یہ برسے ہے یوں پر من کمبخت
کوہ تک جائیں ڈوب لے کے درخت

نہ رہے غرب نہ رہے اب مشرق
چاہیئے ہو تمام عالم غرق

لے کے ماہی سے اور تا مہتاب
کاش ہو جائے ایک قطرۂ آب

غرض اپنی سے وہ تو کر گذرا
ہو گئی رات لیک منھ نہ کھلا

آخر الامر کر کے دل کو کرخت
کہنے لاگا کہ سنگ آمد و سخت

کر چکا اپنے جب اصول و فروع
کیا مہمان سے اختلاط شروع

پر نہ تھا یہ کچھ اور ذکر سخن
ہو وے غیر از حدیث زر غبن

وقت آیا جب اُس کے کھانے کا
مرتکب ہو کے اُس بہانے کا

لگا کہنے کہ کوئی ہے حاضر
بولا اس وقت ڈیوڑھی کا ناظر

کہا اُس نے کہ بھر کے افتابا
محل کی جا ضرور میں رکھوا

غرض اُٹھ کر چلا وہ جب واں سے
کہہ گیا کان میں یہ مہماں کے

چاہو جو کچھ کہ اب تناول کو
کہہ دو بلوا کے اب بکاول کو

انھوں نے اُس کے موجب ارشاد
کی بکاول کے تئیں وہیں فریاد

آیا بعد از سماجتِ بسیار
انھوں نے پوچھا ہے کچھ اب تیار

بولا تیار تو نہیں ہے کچھ
جاؤں ڈھونڈوں اگر کہیں ہے کچھ

تو تو لاؤں ہوں آپ کی خاطر
ورنہ کھاؤ مجھے میں ہوں حاضر

بولے یہ کچھ اگر نہیں تیار
دیکھو ہو وے گا مودی سرکار

اُس سے تم جا کے جنس منگواؤ
واسطے میرے کچھ تو پکواؤ

لگا کہنے وہ کوئی مانے ہے
آپ ہی بھڑوا خاک چھانے ہے

جب کہ اُس کا حساب ہوتا ہے
جان کو وہ بروں کی روتا ہے

اور قصاب بھی جو آوے ہے
چھری بغدا مجھے بتاوے ہے

جب میں کچھ کو بجڑے سے کہتا ہوں
لہو پی پی کے اپنا رہتا ہوں

بخشے ہے مجھ سے یوں وہ دو بردو
لیجو ترکاری کی جگہ کدو

سفرہ چیں دے ہمیشہ یوں گالی — منہ رکھیں چکنا اور شکم خالی
مجکو باورچی یوں دھراتے ہیں — رہ ترے آش کیا پکاتے ہیں
کیا کہوں میں رکاب دار کی بات — اس کی گذرے ہے جس طرح اوقات
نوکری میں نہیں کچھ اس کو حصول — کاٹے ہے میرے حق میں نت گل پھول
لیکن اس کی بھی حق بجانب ہے — گر پکانے کو مانگے وہ کچھ شے
اسے ملتا ہے کرنے کو تو کار — ورثہ کا اور مربّہ و آچار
نان باکو جو دیکھوں بھر کے نظر — مجھ سے کہتا ہے یوں وہ گیدی خر
تکے مشرق کے گھر لگاؤں گا — اور پلیتھن ترا نکالوں گا
کل کبابی چلا جو گھر کو دوست — پیاز کا اُس کے ہاتھ میں تھا پوست
پوچھا اُس سے یہ میں نے کر کے نگاہ — کیا ہے یہ بولا یوں بھر کے آہ
کیا کہوں تجھ سے میں غرض اے یار — دے کے خدمت کیا ہے مجکو خوار
کبھو حاصل نہیں ہوا اک دام — مفت رسوا ہوں نزدِ خاص و عام
کوئی شاعر جو یاں گذرتا ہے — میری ہی ہجو وہ بھی کرتا ہے
کون جانے کہ آپ کیسے ہیں — جی مرا جانتا ہے جیسے ہیں
پیر اُن کا گر آئے وقت طعام — جائے لقمہ کہ کھائیے وہ دشنام
یوں ہیں اُٹھ جائیں اُس کو دے تیا — ماریں نہیں چھوٹے ہاتھ سے کتا
نہیں ممکن کہ اس سے وہ بھی دیں — جز فریب اُس کو ایک ٹکڑا دیں
کام بھوکے کا ان کے مطبخ سے — نہیں ممکن کہ اس سوا نکلے
کھانا یاں کھاوے ہاتھ واں دھووے — گرمیوں بیچ پیٹ بھر سووے
بسکہ مطبخ میں سردی رہتی ہے — ناک باورچیوں کی بہتی ہے
اُن کے مطبخ سے دود اُٹھے اگر — سقے لے دوڑتے ہیں مشکیں بھر

لگے ہے دینے کوئی اُٹھ کے اذاں — کوئی دکھاوے ہے کھول کر قرآں
ڈالے ہے کوئی چھپر اپنے کا ٹھاٹ — کوئی بھرے ہے سر دھرے کھٹولا کھاٹ
یاں پکاتا ہے خانۂ خالا — خلق ہوجاوے ہے تہ و بالا
ان کے باورچی خانہ کا احوال — چولھے ہر گھر کے جب کریں ہیں خیال
ڈالے ہیں سر پہ خاک ماتم سے — لکڑی جلتی ہے آتشِ غم سے
سینے دیگوں کے مارتے ہیں جوش — روتے ہیں ڈھانپ ڈھانپ منھ سرپوش
روز باورچی یوں کریں فریاد — کبھی تو کچھ کرو ہمیں ارشاد
کیا ترے بعد کرکے کھاویں گے — جب کسب اپنا بھول جاویں گے
دیگ شو کو نہ دیگ سے سروکار — چھتری دھونے ہمیشہ جائیں کہار
بسکہ مہمان وعدہ سے آیا — کھانا ان میں سے اب نہیں کھایا
اس خجالت سے دیگچے یکسر — سرنگوں ہی پڑے ہیں چولھوں پر
دورے سے دیگچوں کا ہے یہ حال — سینہ کفگیر کا ہوا غربال
کی زمانے نے لاکھ ہی تدبیر — نہ ملا دیگچی سے پھر کفگیر
شادی پر شادی یاں ہووے ہے سدا — دستہ ہاون سے پر کبھو نہ بجا
کرے سو عید گنبد گرداں — نہ ٹلے ان کے گھر سے پھر رمضاں
الغرض مطبخ اس گھرانے کا — رشک ہے آبدار خانے کا
جس سے طوفان نے کیا تھا ظہور — ان کی نانی کے گھر کا تھا وہ تنور
اور کیا کیا میں کھولوں اس کے بھرم — کہتے بھی آتی ہے مجھے تو شرم
ایک فرزند یہ رکھے تھا اولاغ — سارے گھر کا تھا اُسکے چشم و چراغ
اُس نے اک روز یہ حماقت کی — آشنا اپنے کی ضیافت کی
نہ ضیافت کہ جیسی ہو رنگ رس — اک رکابی طعام و دیگر بس

تسپہ یوں پیش آیا یہ مردود
یاد آیا اُسے چھٹی کا دودھ

چاہتا تھا کرے یہ اُس کو عاق
اور ماں کو بھی اُس کی دیدے طلاق

بارے لوگوں نے آکے سمجھایا
تب یہ جورو کے حق میں فرمایا

پتھر اس کے عوض تو کیوں نہ جنی
کاش پھنس مرتا واں یہ ناشدنی

یارو مجھ سے تو لاولد بہتر
میسرا بیٹا اور اس قدر ابتر

اس کا دادا بھی گرچہ تھا عیاش
اس سلیقے سے پر کرے تھا معاش

جو کوئی اس کے گھر میں نوکر تھا
رات کو اس پہ یہ مقرر تھا

پھرتا وہ ٹکڑے مانگتا تھا گھر گھر
لاتا آقا کے آگے جھولی بھر

اچھے چن چن کے آپ کھاتے تھے
برے تنخواہ میں لگاتے تھے

پیدا جو کر گئے تھے یوں اجداد
سو یہ بدبخت دے ہے یوں برباد

میں تو آپ ہی کو جانتا تھا فضول
پر یہ مجھ سے بھی نکلا نامعقول

گڑے پیسے یہ سب اُڑا دے گا
اینٹوں تک بیچ بیچ کھا دے گا

اس کے دادے کے باپ کا اک روز
آشنا تھا سو وہ نپٹ دل سوز

لایا کھچڑی پکا شراکت سے
دونوں کھانے لگے رفاقت سے

اُن نے ایک دو لیے نوالے بڑے
جد مرحوم دو ہیں ہو کے کھڑے

لگے کہنے نہیں شراکت نیک
میرے سو لقمے اور تیرا ایک

تھی بزرگوں کی اپنے تو یہ چال
کرتے ہیں یاں ضیافتیں پامال

خوب جو کچھ اُٹھا خزینے سے
لو اتالیق کے مہینے سے

سنا اس گھر کا یار تو نے حال
مجھ سے کھانے کا پھر نہ کیجو سوال

ایسی ہی بھوک ہے تو میری جاں
بندہ خانہ بھی دور نہیں چنداں

ٹک قدم رنجہ واں تلک کیجے
کھانے کو چاہیے جو کچھ لیجے

بولے یہ خانۂ شما آباد
ہے کرم آپ کا تو اس سے زیاد

ہے غنیمت یہاں تو آپ کی ذات
کٹ گئی اب تو باتوں ہی میں رات

غرض اس آشنا نے صبح کو آ
مجھ سے یہ ماجرا تمام کہا

بھیجو یارب اب ایسے عمدہ پر
لعنتِ کردگار شام و سحر

مثنوی سیزدہم در ہجو میر ضاحک

ہے عجیب و غریب زیر سما
اک یہاں صورت آشنا اپنا

کہیے اُس کے تیئں قسم کھا کر
اُمتِ دانیال پیغمبر

نہیں دینِ نبیؐ کا اس میں اصول
اور دُنیا کے ہیں چمن میں اکول

شاہ قانع اگر ولی ہو فقیر
اُس کو مانے کبھو نہ یہ بے پیر

کیا حریصِ طعام ہے یہ پلید
حارص سنگدل کا ہے وہ مرید

دہر نے یہ بڑی حماقت کی
اپنے گھر اُس کی لا ضیافت کی

لا کر ایسا ہی ایک دسترخوان
طول و عرض اس کا کیا کروں میں بیاں

شرق سے تا بہ غرب بچھوایا
اُس پہ تنہا اسی کو بٹھلایا

اُس پہ نعماتِ حق جہاں تک تھے
یاں سے آگے وہ اس کے واں تک تھے

اس میں کچھ اُس سے ہوگئی اَن بَن
اس کو اٹھوا دیا پکڑ گردن

ہاتھ یہ بھی نہ ڈالنے پایا
چاٹتا ہونٹھ اپنے گھر آیا

پھر گیا اُس سے تو زمانۂ شوم
کھانے کا پکتا اس کے گھر معلوم

کنکری چننے پر ہے اب گذراں
معدہ اُس کا ہے مرغ کا سنگداں

سنگریزے تلک نہ اس سے بچے
معدے میں اس کے تو پہاڑ نہ پچے

آدھ سیر آٹے کا خدا ہے کفیل — پیٹ اس کا ہے عمرو کی زنبیل
گھر میں اب جس کے دیگچہ کھڑکے — در پر اُس کے یہ بیٹھے یوں اڑ کے
گور سے پھر جو رستم اُٹھ کر آئے — میّت اُس کی اُٹھائے یا نہ اُٹھائے
خوردنی کی ہو جس زمیں پر باس — جمع داں کر کے اپنے ہوش و حواس
بیٹھے مکھی کی طرح بے در پے — دونوں ہاتھوں سے سر کو پیٹے ہے
آگ لگ کر کسی کے گھر سے دود — ایک ذرہ بھی گر کرے ہے نمود
لوگ تو دوڑے ہیں بجھانے کو — دوڑے یہ لے رکابی کھانے کو
ہر کسی بنیے کی دکان پر جا — اپنی باتوں ہی اُسکو لے ہے لگا
کام ہر دم اپنا کر لیوے — کلّے بندر کی طرح بھر لیوے
توڑ کھاتا ہے جا کے پاخانے — یہ بواسیر اپنی کے دانے
اس لئے ہجو خلق کرتا ہے — گالیاں کھانے تک بھی مرتا ہے
شادی میں گر کسی کے گھر یہ جائے — صاحبِ خانہ رنڈیاں بلوائے
کیا طبع اس کی اس گھڑی میں بتاؤں — کھچڑی یہ چاہے گھر میں ہی لے جاؤں
راگ گر ہو کلاوتوں کا وہاں — اس جگہ گا رہا ہو جیون خاں
اور پکھاوج بجائے دیبی داس — سروں کی بندھ رہی ہو باہم آس
کیسی ہی دیبی داس پرنی سے — نہ سُننے آپ یہ نہ سُننے دے
یہی پوچھے ہر ایک سے بے شرم — پُوری کا آٹا سخت ہے یا نرم
صاحب خانہ اس میں گر جھنجھلائے — اپنے نفروں سے جوتیاں لگوائے
اس کو ہر گز نہیں حیا سے لگاؤ — جائے تو یہ کہے پلاؤ پلاؤ
نان بائی محلہ یوں فریاد — کرے ہے یارو دیکھو یہ بیداد
چاٹے ہے چوری سے رغیفے کو — مار ڈالوں گا اس ندیدے کو

جورو اپنی پہ جب کرے ہے نظر ۔ اُس سے کہتا ہے تب یہ گیدی خر

کیا چھپائے ہیں تو نے قرص پنیر ۔ سچ ہی کہہ ورنہ ہوں گا میں دگیر

اس کی باتوں سے اس پہ ہے یہ عذاب ۔ کہ دل اُس نیک بخت کا ہے کباب

غرض اُس کو یہ گھر جب آتا ہے ۔ حاضری خلق کی بناتا ہے

جو اسے میہماں بُلاوے ہے ۔ آفت اپنے وہ گھر پہ لاوے ہے

یہی کہتا پھر اُس کے گھر بیٹھے ۔ اور کوئی نہ کھانے پر بیٹھے

بولتا آوے ہے قدم بقدم ۔ کہو کھانے کو جلد دیویں دم

نہ سلامؑ علیک نہ کچھ بات ۔ صاحبِ خانہ سے کرے بدذات

بیٹھتے ہی نکالے ہے یہ ذکر ۔ پیٹ کی میرے کچھ تمھیں ہیں فکر

بھوک کچھ کم ہے ان دنوں میری ۔ روٹیاں سو پچاس اور میری

نان با کو کہو یہ بُلوا کر ۔ جلد ان کو تنور لگوا کر

جب تلک کھانے پک چکیں سارے ۔ ان ہی کو لا کے میرے سر مارے

جتنے دنیا کے بیچ ہیں اشکال ۔ اشتہا اُن میں تھا منا ہے محال

جب تلک کھانا آوے ہی آوے ۔ اسی بک بک میں جان کھا جاوے

کھانا آوے تو اس طرح ٹوٹے ۔ جیسے کوئی کسی کا گھر لوٹے

مارے لقمے تو اس طرح بدذات ۔ جیسے جھاڑے کوئی سپٹے کے ہات

وہ جو نوکر کھڑے ہوں جس تس کے ۔ منھ کو حیران ہو تک رہیں اس کے

دیگچی جب یہ چاٹ کر چھوڑے ۔ منھ کو کھانے سے موڑے تو موڑے

کھانا کھانے میں ایک دن ناگاہ ۔ پڑ گئی اس کے آئینے پہ نگاہ

[illegible] اپنا عکس کو [illegible] ۔ کہنے [illegible] اے [illegible] تو [illegible]

غرض اس طرح کا جو ہووے بخیل ۔ کب [illegible] ذلیل

ایک تھا اس کا آشنا دل سوز　　وارد اُس کے یہ گھر ہوا اک روز
ظاہری اُس کے گھر تھی کچھ شادی　　سرِ مجلس بُلا اُسے جا دی
بیٹھے باہم تھے آشنا یہ تمیز　　صاحبِ خانہ کا ہر ایک عزیز
اور وہاں ہو رہا تھا راگ و رنگ　　ناچ ہوتا تھا باجے تھی مردنگ
نہ تھی اُس کو کسی سے بات اور چیت　　بھوک سے اس کی لگ رہی تھی پیت
گاہ چونکے تھا گاہ اونگھے تھا　　گاہ مطبخ کی باس سونگھے تھا
اس میں یہ سو گیا تو دیکھا خواب　　گویا بیٹھا ہوا ہے بر سر قاب
ناگہ اُس قاب پر اک اور آیا　　تب یہ بے اختیار بڑایا
جگ میں کھانا ہے اور میرا مُنھ　　گیدی یہ قاب اور تیرا مُنھ
کہہ کے یہ نیند میں جو مارا ہاتھ　　پاس والے کی پگڑی ہاتھ کے ساتھ
اُڑ گئی سر سے آگے کیا میں کہوں　　تھا یہ نزدیک ہووے کشت و خوں
صاحبِ خانہ درمیان میں آ　　پوچھا اس سے تمھیں ہوا ہے کیا
تم نے کیوں ان کے سر پہ ماری دھول　　تم پہ شیطاں چڑھا پڑھو لاحول
خواب کو اپنے کر کے تب تقریر　　کہا اس میں ہے کیا مری تقصیر
سُن کے یہ خواب اس سے ہو کر صاف　　سب نے ہنس کر کہا کہ تم ہو معاف
گھر کے صاحب نے دیکھ کر یہ طور　　ہو کے محجوب یہ کہا فی الفور
حرکت تم سے یہ نپٹ تھی بعید　　کی ہے کھانے کی میں ابھی تاکید
تب یہ ہنس کر زبان پر لایا　　بارے کیا کیا کہو تو پکوایا
کہا قلیہ پلاؤ بریانی　　ہے یہ سب صاحبوں کی مہمانی
یہ سخن سُن کے مثل تیرِ شہاب　　دوڑا مطبخ کی سمت ہو بیتاب
جا کے مطبخ پہ یہ پڑا اس طرح　　میں بیاں اس کا اب کروں کس طرح

لاٹھیاں لے لے ہاتھ پیر و جواں　　کرتے ہی رہ گئے سبھی ہاں ہاں
گوشت چاول مصالح ترکاری　　سب سمیٹ اس نے ایک ہی باری
مطلق اس نے نہ مانی ڈانٹ ڈپٹ　　رکھ کے کلّے میں کر گیا سب چٹ
خرچ کر یہ سلوک دوست کے ساتھ　　مانگے پھر یہ دعا اُٹھا کر ہاتھ
یارب اتنی تو اب مری سُن لے　　مجکو اک آسماں سے کلا دے
وہ بھی یوں ہی چلا کرے دن رات　　جو ہم پہونچے واں جماد و نبات
چاٹ کر اُس کو اپنا پیٹ بھروں　　تقت نہ جاکر کسی کے در پہ کروں
قصہ مہمانی کا سُنا تم سب　　پڑے اس بھوک پر خدا کا غضب
جاوے بازار کو اگر وہ لئیم　　خلق سمجھے کہ پہونچی فوج غنیم
نان یا بنیے کنجڑے حلوائی　　کہیں آفت کدھر سے یہ آئی
جو ہے دکان میں سو اس کو نہ بچے　　جان یارب ہماری اس سے بچے
بھوک میں جب ادھر یہ آتا ہے　　لوگوں کو کاٹ کاٹ کھاتا ہے
جن ہے یا آدمی ہے یا کیا ہے　　یا کوئی دیو بد کھلایا ہے
نہیں ڈرتا یہ لاٹھی پاٹھی سے　　کیا کرے لاٹھی اس کی لاٹھی سے
آوے جو کھینچ سامنے تلوار　　جب تلک پہونچے اس کا اس تک وار
مورچے کی طرح یہ اس پر آوے　　کہنے سے پسلی تلک کھا جاوے
بھوک کی جھانجھ گر رہے یک پہر　　آوے پھر منڈیوں کے سر پہ قہر
سیریوں بھی نہ ہو تو جنگل کو　　تول لے جاوے بھوک کے بل کو
کھا چکے کشت جب اُکھاڑ اُکھاڑ　　پھر تو نگلے ہے بھڑوا جھاڑ کے جھاڑ
غرض اس بھوک پر کہ نگلے ہے لاکھ　　تس پر اس فکر میں گیا ہے سوکھ
چار کے کاندھے جب یہ جاوے گا　　لاشے کی ردّی کو بھی کھاوے گا

ایسے بھوکے پہ لعن کیجئے مدام
شام سے صبح صبح سے تا شام

مثنوی سیزدہم در ہجو طفل ضائع روزگار لکڑی باز

تالے پر ایک لڑکا رہتا تھا
باپ سے اپنے روز کہتا تھا

موٹے جامے سے مجکو ذوق نہیں
چھوٹے چیرے کا دل کو شوق نہیں

پٹکا گاڑھے کا کب تلک باندھوں
موٹی شلوار تا کجا پہنوں

جوتی چمڑے کی مجکو نہیں بھاتی
سوکھ کر پانوؤں میں نہیں آتی

تیمرتن زیب کا بنادو تم
کئی محمودیاں دلادو تم

تو میں جامہ بھی اس کا بنواؤں
اونچی چولی کا تنگ سلواؤں

پٹکا بلدار تین گھانس کا ہو
تب کمر پتلی میری ہو جوں مو

چیرا ہیں تیس گز کا باندھوں گا
سرخ ہی باندھنوں کا پر لوں گا

ایک توڑا بھی دے تو منگواکر
پر کنارے میں اس کے سلواکر

اور کمخواب ایک ہو پُر زر
پھولے گلزار جس سے ٹانگوں پر

جفت پاپوش اک ستارہ دار
سرخ بانات کا منقّش کار

ایک سنہری کٹاری لے دے مول
پیچھے سے موٹی آگے سے ہو گول

نیمچہ اس کے ساتھ کا حل کار
لوں حریفوں کو جس سے میں للکار

اک طپنچہ کمر میں ہو دم ساز
رہکلہ کیسی جس کی ہو آواز

گھوڑا بھی ایک ہو نپٹ چالاک
پہونچے گردوں پہ جس کے سُم کی خاک

زین بھی اس پہ ہو اجالی دار
جس کی فتراک سے بندھے دلِ زار

خوبصورت ہیں اور لباس برا / تا بکے مجھ گلے دھرے گا چھرا

جو کہ جاگیر ہے اب آتا ہے / سب ترے چرخ بیچ جاتا ہے

تو پیے ہے شراب و بنگ وافیم / اب خدا کا بھی تجکو ہے کچھ بیم

لے ہے نقدی کے پیسے آپ تمام / اس میں سے بھی مجھے نہ دے اک دام

مجھ سے بیٹے کے روز پچھ پیسے / سو بھی دے ہے فقیر کو جیسے

کبتک اے باپ تیرے ساتھ پھروں / فقر و فاقہ میں دن کو رات کروں

کب تلک آنسوؤں سے منہ دھوؤں / روٹی کو روؤں چولھے میں سوؤں

دال روٹی اگر جو گھر میں پکے / چمچہ بھر گھی کبھی نہ اُس میں رلے

فاقہ بہتر ازیں چپاتی چار / وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار

تب کہا باپ نے کہ اے مری جاں / حق نے قسمت کیا ہے سو ہے نداں

ہم غریبوں کی دال روٹی ہے / گاہ پتلی ہے گاہ موٹی ہے

موٹا کپڑا ہے تاشش سے بہتر / دربدر کی تلاشش سے بہتر

اپنے اوپر کسو کو کر عاشق / یا وہ ہو پاکباز یا فاسق

نخرے سے اُس کی گود میں جا لیٹ / کھول چھاتی کو اور دکھا کر پیٹ

جب تو جانے وہ ہو چکا محکوم / چاہ اُس کی ہو تجھ اوپر معلوم

مانگ تب اُس سے چڑھنے کو گھوڑا / پھر ہے کس چیز کا تجھے توڑا

تب تو بیٹا یہ بولا ہو کڑوا / ہائے یارو یہ باپ یا بھڑوا

میں تو کہتا ہوں تجھ سے اے کٹن / تو ہی سُنتا نہیں ہے میرا سخن

تیرے گھر سے کروں میں مُنہ کالا / گر رہوں یاں تو ہوں ترا سالا

ہائے یارو میں کس غضب میں ہوں / کیا بڑے رنج اور تعب میں ہوں

کپڑے گردے نے کو بھی کہتا نہیں / بھڑوا سکھلائے بن بھی رہتا نہیں

غرض اُن نے یہ گالیاں کھا کر　　وہی چھ پیسے پھر دیے لاکر
دیکھو یارو عجب زمانہ ہے　　بیٹے سے باپ کیا بیگانہ ہے
باپ سے بیٹا نا اُمید ہوا　　خون دُنیا کا کیا سفید ہوا
الغرض باپ سے وہ ہو کے جُدا　　ملنے لاگا ہر ایک سے جا بجا
تھے محلّے کے بیچ کئی عشاق　　جن میں تھے مرزا مفت برجی طاق
سب سے افزود تھا انھوں کا معاش　　لونڈی کے ملنے کا انھیں تھا تلاش
ذوق تھا اُن کو ڈنڈ پیلنے سے　　شوق تھا ان کو کشتی کھیلنے سے
گھر میں اپنے اکھاڑا کُھدوا کر　　کشتی وہ کھیلتے تھے شام و سحر
کئی پٹھوں کو زور ڈلواتے　　خوبرویوں کو کشتی کھلواتے
نکلا جب اپنے یہ ٹھکانے سے　　جا ملا اِن سے اس بہانے سے
مرزا جی میں بھی کشتی کھیلوں گا　　اس اکھاڑے میں ڈنڈ پیلوں گا
تب کہا یہ انھوں نے اے محبوب　　کشتی کا کھیلنا بہت ہے خوب
چل اکھاڑے میں ہم تو ڈنڈ پیلیں　　اک پکڑ تیرے ساتھ ہم کھیلیں
جا اکھاڑے میں اور کپڑے اُتار　　لونڈا جب کشتی کو ہوا تیار
اُترے مرزا اکھاڑے میں اُس دم　　ہو گیا سامنے وہ ٹھونک کے خم
دیکھ کر دست و بوس ہی میں سُبھاؤ　　کر گئے مرزا پور پور پہ داؤ
رکھ کے گردن پہ ہاتھ ماری اڑی　　کیا کہوں کس طرح کی کشتی لڑی
کر کے یک دستی اور پیچھے جائے　　گرہ دکھنے سے اُس کو پیچھے بلائے
کسی ہفتہ چڑھا دیے گھسّے　　اور کیا کیا کہوں کس سے
طور اس کشتی کا اسے بھایا　　اگلے دن لونڈا صبح ہی آیا
مرزا بھی ڈنڈ کر کے مل کر تیل　　دیا تعلیم بیچ اُس کو ڈھکیل

کس چکا گاچھ کے تئیں جس دم — پھر ہوا سامنے بجا کر خم
مرزا نے دھج بنا قدم گاڑا — لونڈے کو ڈھاک پر چڑھا مارا
نیچے لینے کا مرزا نے کر ٹھاٹ — کیا لونڈے پہ دو ہیں دھوبی پاٹ
جا ہے تھا رانوں میں اسے جکڑا — لونڈے نے دوڑ مار لکھم پکڑا
کر کلا رنگ دے بغل کے بیچ — کیا کیا اس کو دکھائے اونچ و نیچ
دے لنگوٹے میں ہاتھ چرنا پھاڑ — کیا کہوں کیسی کی اکھاڑ پچھاڑ
دمس کے پٹھوں میں پھر اُٹھالی چٹ — کہا کہ اب کی چت کروں یا پیٹ
کشتی کا لونڈے کو پڑا جو مزا — کہا ہو جس طرح سے ہو تیری رضا
غرض اس دم میں اس کو بیچ کیا — تنگڑیاں کھینچ زور بھینچ لیا
الغرض اس طرح سے کشتی لڑ — ڈال پٹکا گلے میں پاؤں پڑ
بولے مرزا بُرا نہ مانو گے — اپنا اُستاد مجکو جانو گے
اور بھی کشتی کھیلتے ہیں سب — یاں کی کشتی کا ہے یہی کچھ ڈھب
ہم میں تم میں جو یوں ہی زور ہوا — ہو گئے کوئی دن میں بن سوئی سے سوا
کھانے پینے کی کچھ نہیں ہے کمیں — پاس سے میرے تم نہ جاؤ کہیں
سُن کے لونڈا زباں پہ یہ لایا — تم نے یہ علم کس سے ہے پایا
کہا مرزا نے ایک تھے اُستاد — علم یہ جن سے میں کیا ہے یاد
کشتی کا کھیلنا تھا ان کا ورد — مجھ سے کتنے ہی ان کے تھے شاگرد
کہا لونڈے نے وہ جو تھے اُستاد — کیا یہ کشتی انھوں کا ہے ایجاد
بولے مرزا کہ یہ تو کاہے کو — سیکھے ہوں گے کسو سے وہ بھی کسو
سُن کے یہ بات ہو رہا حیراں — کہا مرزا نے خیر ہے اے جاں
کہنے لاگا یہ عرض کرتا ہوں — میں اسی سوچ بیچ مرتا ہوں

کہہ کے لونڈے نے مرزا سے یہ بات — کہا میری نہ گذرے یوں اوقات
ایسی کشتی کبھی نہ کھیلوں میں — اس طرح کے نہ ڈنڈ پیلوں میں
کہیں گے مجکو کیا بد و کیا نیک — پہلواں ہیں یہ پر ہتھیلی ٹیک
کہہ کے اس آن ہو کے ان سے جُدا — شعر پڑھتا یہ اپنے گھر کو چلا
سنو اے لڑکو ہو نہ راہ سے گمُ — اس نصیحت کو گوشِ جان سے تم
باپ کے گھر کی چاٹ کر چٹنی — کرو گذران یارو تم اپنی

مثنوی ہفتدہم در ہجو حکیم غوث

صدر کے بازار میں ہے اک دبنگ — عار اطبّا و طبابت کا ہے ننگ
شکل ہے شیطان کی اور غوث نام — جگ میں بلاکو کا ہے قائم مقام
ہے متوطن وہ لعین روم کا — بستی میں رکھتا اثر ہے بوم کا
جب سے طبابت میں دھنسا وہ الاغ — روم سے تا شام کیا ہے چراغ
مملکتِ ہند میں اب گھر بہ گھر — ہے ملک الموت سے مشہور تر
اس کے قلم کا میں کروں کیا بیاں — تیغِ اجل جس کی ہے رطب اللساں
خامہ نہیں خنجرِ برّاں ہے وہ — قاتلِ ہندو و مسلماں ہے وہ
نسخہ نہ لکھتا کبھو وہ بدسرشت — بھرتی نہ انسان سے دوزخ بہشت
جیسے مریضوں کو وہ دیتا ہے دوا — کام میں ہے مرگ معطل شفا
وہ نہیں عالم میں کہیں درد کی — جان کا دشمن ہے زن و مرد کی
کشتنِ خلق اس کا غرض کام ہے — مرگ قضا مفت میں بدنام ہے
مرتے ہیں اُس سے نہیں ایسا مرد درت — کھاتے ہیں قرض اُس کے اثر گور کن

طرفہ تر اس سے بھی کہوں ایک بات ہنستی ہے سن سن کے جسے کائنات
ہو کے کسلمند جو وہ بے حیا اپنے تئیں آپ کرے ہے دوا
مردہ شود مولوی تابوت گر گھیرتے ہیں آن کے سب اُسکا گھر
دیں ہیں دہائی وہ بصد قیل وقال ان میں سے ہر ایک کرے ہے سوال
اپنی دوا آپ تو ظالم نہ کر میرے کسو کی طرف کر نظر
خوب جو کرتا ہے تو اپنی دوا اور کوئی آپ سا ہم کو بتا
روزی سے خاطر ہو مری تاکہ جمع بھیجوں تری گور پہ گُل اور شمع
کیا کروں تشخیص کا اُس کی بیان منھ میں کوئی جاتی ہے ساکت زباں
نزلے سے اک شخص کو تھا دردِ سر لائی قضا اس کے تئیں اس کے گھر
دیکھ کے نبض ان نے بصد فکر و غور دق کے سوا کچھ نہ کی تشخیص اور
نسخہ دیا لکھ کے بچشمِ ہنر صبح سے لے شام تلک غور کر
جا کے جو نسخہ دیا عطار کو پڑھ کے وہ کہنے لگا بیمار کو
کیا تجھے آزار ہے اے نوجواں اُن نے کہا اُس سے یہ آہ و فغاں
میں تو نہیں جانتا کچھ اے حبیب پر مجھے مدقوق کہے ہے طبیب
سنتے ہی یہ دل کو لگی اس کے چوٹ کہنے لگا اپنی وہ داڑھی کھسوٹ
ہائے یہ کس بھڑوے کی ایجاد ہے نسخے میں معجون زرا نباد ہے
کہہ کے یہ عطار نے ہو بے قرار کہنے لگا اُس سے کہ سنتا ہے یار
شکل کو اُس کی تو مجھے دے بتا کون ہے وہ جن نے کی ایسی دوا
سن کے وہ عطار سے بولا جواں کیا میں بتاؤں تجھے اے مہرباں
شکل سے کس کی اُسے تشبیہ دوں ہے وہ سگ و خوک سے زشت و زبوں
رنگ و دہن اُس کا ہے بدبو و خیر جیسے کہ جلاب کا دستِ اخیر

سنتے ہی عطا نے یہ رنگ و بو ۔۔۔ کہنے لگا ہائے میاں ہو نہ ہو
یہ وہی سفاک ہے تخم حرام ۔۔۔ صبح جو نت اُٹھ کے کرے قتل عام
غوث نہیں ظالم بدخو ہے وہ ۔۔۔ کہہ نہ طبیب اُس کو ہلاکو ہے وہ
ایک دن اے یار میں دکان پر ۔۔۔ آیا جو ہر ایک کو مفلس نظر
کہنے لگا دیکھ کے اک آشنا ۔۔۔ چل تجھے ہم غوث کو دیویں ملا
تجکو وہ اور اس کو تو مطلوب ہے ۔۔۔ دونوں جو آپس میں ملیں خوب ہے
دیکھا کہ یہ بات رکھے ہے حصول ۔۔۔ میں نے کہا چلیے بجا ہے قبول
جب چلے آپس میں وہ دونوں بہم ۔۔۔ مرگ چلی پیچھے سے گنتی قدم
جا کے وہ دیکھی جو ہیں وحشت سرا ۔۔۔ دل پہ کھلے معنی دارالفنا
کتنے ہی بیمار تھے اور ایک گھر ۔۔۔ سو بھی تو وہ گور سے تھا تنگ تر
آن کے بیٹھا وہ ستمگار جب ۔۔۔ گرد ہوئے اُس کے یہ بیمار سب
چھٹتے ہی اک شخص کی دیکھی جو نبض ۔۔۔ کہنے لگا تجکو بشدت ہے قبض
کچھ نہیں کرنے کا بجز اسکے سود ۔۔۔ لکھ دیا یہ کہہ کے سفوف یہود
اور غذا اس کو یہ بتلائی دوست ۔۔۔ ماش کی روٹی سے تو کھا ساگ پوست
صاحب پیچش کو بتایا کٹول ۔۔۔ واسطے ہیضے کے لکھا اسپغول
کہہ دیا مجنون کو شیر شتر ۔۔۔ کہہ دیا مستسقی کو جا فصد کر
پوچھا جو اُن نے کہ غذا کیا کہی ۔۔۔ ساتھ گلتھی کے کہا کھا دہی
یہ کہا اُس کو جسے تھی آتشک ۔۔۔ موضع مخصوص پر چھڑکو نمک
کہنے لگا دیکھ کے اک اور کو ۔۔۔ زخم کو دنبل کے کرانا رفو
بیٹھ کے پھر پاس وہ اک ڈبلی کے ۔۔۔ نبض کہا دیکھوں میں لا ہاتھ دے
دیکھ چکا نبض کو جب بے تمیز ۔۔۔ خادمہ سے اُس کے کہا اے کنیز

درد کمر اس کو ہے یا دردِ سر — پر مجھے نقرس کا ہے ڈر بیشتر
کرکے پھر آخر کو مقرر صرع — کہنے لگا دو اسے ماء القرع
اور جو کھانے کی لگے اُس کو لو — کچھ نہ اسے دیجیے بجز آش جو
کہنے لگے سُن کے یہ کیا قہر ہے — واسطے اس کے یہ دوا زہر ہے
لقوہ و فالج ہے اِسے پیر زال — کرتے ہو کیوں قتل کا اسکے خیال
ان نے کہا تو نے نہ اے زشت رو — دیکھا سدیدی کو نہ قانون کو
ساتھ حکیموں کے تو اے بے تمیز — بحثتی ہے پانچ روپے کی کنیز
اس میں سے اک شخص نے شوخی کی راہ — سُنتی ہے ماما نہیں ان کا گناہ
بی بی تری پردے میں اور یہ ادھر — لقوہ و فالج سے ہو کیونکر خبر
سمجھیو ٹک لوٹنے کی ہے یہ جا — کہتا ہے پھر آپ بھی ہاں اور کیا
سُنتے ہی اس حرف کو کھا پیچ و تاب — تھوک کے داڑھی پہ کیا یہ خطاب
لا تو سدیدی کو تو اب میرے پوت — کھول تو قانون کو اے بھڑوے اوت
بات کا اپنی تو مجھے دے نشاں — میں بھی تو دیکھوں کہ ہے اس میں کہاں
لقوہ و فالج ہو جسے یا صرع — دیجیے اُس کے تئیں ماء القرع
زور جب آپس میں دھما دھم ہوئے — مار کو ٹا ٹائی سے یہ بے دم ہوئے
دوڑ کے لوگوں نے اُٹھایا اُنھیں — منت و زاری سے چُھڑایا انھیں
کہنے لگے وہ جو تھے معقول میں — اُس کے تئیں لعن اُسے آفریں
تھا غرض اس نقل سے یہ مدعا — تاکہ تو ایسے کی نہ کھاوے دوا

٭

مثنوی ہیژدہم در ہجو چیک میرزا فیضو

آہ واویلا ز دستِ روزگار
قوش خانوں پر یہ غم ہے رو بکار

سر سے ہر اک باز نے پٹکی کلاہ
رخت ہر شاہین نے پہنا سیاہ

ہو گئے جرّوں کے دل غم سے دونیم
بادشہ و شاہین و شکرے بھی یتیم

کیا ترستی کیا کہی کیا بیرا
یک بہ یک اُن سے زمانہ یوں پھرا

صید اگر چاہیں کریں پدڑی کے تئیں
پنجوں میں اتنی بھی گیرائی نہیں

دیکھ کر دیتے ہیں اب ٹڈوں کے خیل
تیترے کے ساتھ اب کانٹے ہیں ویل

پشہ کے آگے ترستی ہے ضعیف
بھنگی کی نظروں میں دھوبی ہے خفیف

آہ کچھ مت پوچھو اب اس کا سبب
کیا کہوں یارو میں تم سے غضب

میرزا فیضو کے چیک مر گئے
توشخانے جگ کے ویراں کر گئے

کس قدر ہے آسماں بے امتیاز
آہ کیا مارا ہے اُن نے شاہباز

وضع دوراں سخت نا انصاف ہے
دیکھیو یارو یہ کیا انصاف ہے

میرزا غمگیں ہوں چڑیاں شاد ہوں
گھونسلے جھیوں کے یوں آباد ہوں

دیکھو تو سارو کو کیا خرسند ہے
ڈھڈّو کو اس سے خوشی دوچند ہے

ہائے کیا تیتر کے گھر شادی ہے آج
پینک و غوغائی کے گھر آیا ہے راج

کبک کیا مارتی ہے قہقہے
کیسے ڈھبر کر رہے ہیں چہچہے

حیف طعمہ ڈال کر وہ یوں مرے
اور ہر ایک جانور خوشیاں کرے

کانپتی تھی خوف سے اُس کے بیٹر
جیسے سبزک پر کیا تھا اس کو سیر

ڈر سے بگلے نیند بھر سوتے نہ تھے
کوئی غافل مدت سے ہوتے نہ تھے

کیا کبوتر کیا ٹیٹری کیا بزے
قمری اور تیتر لوے اور ابلقے

بگلے اُس کے خوف سے کرتے نہ تھے / سر کو پنکھورن تلے دھرتے نہ تھے
قاز تک چگتے نہ تھے جنگل کے کھیت / قرقرے چگتے کبھو لیکن سو بیت
دغدغے کا کیا کلنکوں کے ہے ذکر / زندگی کا اپنی تھا سارس کو فکر
جانورِ آبی کا جب پڑتے خیال / کھینچ ڈالی تھی حواصل کی بھی کھال
ایک دن مرزا گئے کرنے کو سیر / ہو گئی اس میں ٹک اک ظہر کو دیر
بھوک سے جھنجھلا کے وہ غصہ میں آ / لے چلے مرزا ہی کو نیچے لگا
اب پڑی ہے کوڑی اس پر لنڈ منڈ / گرد چگتے پھرتے ہیں چڑیوں کے جھنڈ
ہائے وہ مرزا کہ جس کا سن کے نام / آب ہو سیمرغ کا زہرہ تمام
سو کیا اس کو فلک نے یوں ذلیل / مرتے ہی چیک کے بگڑا ہے یہ نیل
کوّدں کی ٹھونگیں ہیں اور مرزا کا سر / سارو اڑ جاتی ہے مُنھ پر یاد کر
اُس کو مرزا گھر سے لے جاتے جدھر / لونڈی سے کہہ جاتے چولھے ہانڈی دھر
گھر کی بی بی سے یہ کر جاتے قرار / کون بھڑوا کھاوے کچھ غیر از شکار
اب دو پیاری تو شنی کھلتے ہیں سب / میرزا بولی کو ترے ہے غضب
تھے چڑیماروں پہ مرزا جی کے کر / نصف اُن کے جتنے پکڑیں جانور
ہائے جس دن سے وہ یارو مر گئے / سب چڑیماروں کے سر سے کر گئے
بلکہ وہ کہتے ہیں خاص و عام میں / میرزا آئے ہمارے دام میں
لیں گے پیسے سابق اور اب حال کے / ورنہ پھنسوا دیں گے جا کتوال کے
جب نکلتے گھر سے وہ بازار کو / تیز کرتے واں چھری کی دھار کو
دیکھ کر ان کے تئیں بنئے تمام / بند کر آنکھوں کو کہتے رام رام
اُن سے یہ کہتے اگر منظور دھرم / ہے تمھیں اور نہ دھرم کی اپنے ہے شرم
تو چھڑاؤں پنگھیوں کے جانور / جتنے ہوں پیسے انھوں کے جمع کر

بھیج دو جلدی نہ ہو ایسا کہیں — کھولوں میں پتوار سے چیک کے تئیں
اس سخن کو جس گھڑی سنتے تھے وہ — وہ یہی کہتے تھے کہ جو چاہو سو ہو
یہ تو بنیے کیا ہیں کئی اک روز میں — راجپوتانہ سے آئیں رشوتیں
جیسے مرنا ہو گیا اس کا یقیں — ایک خرمہرہ کوئی دیتا نہیں
ہائے ایسا غم نہیں اب تک ہوا — میرزا جی کا ولی نعمت موا
گھر ہوا مرزا کا سب ماتم سرا — پُرسے کو آئے ہیں یار و آشنا
کر گریباں چاک یاروں کے حضور — یوں بیاں کرتے تھے اپنا مُنھ بسور
ہائے تھے چیک جو وہ تو آپ سے — اپنے تو یارو وہ مائی باپ تھے
کھولے تھا میں اُس کو جب پتوار سے — ہاتھ پر آتے تھے وہ اِس ناز سے
برگ گل جس طرح جھڑ کر باؤ سے — پنکھ پر بلبل کے آوے چاؤ سے
پھینکتا جب صید پر میں اُس کو جا — اس طرح جا لاگتے کافر ادا
جس طرح معشوق بعضے کی نگاہ — خون عاشق کا کرے ہے بے گناہ
پودنے نے یاں کے بنگالہ میں جا — ایک مینا سے کہا یہ ماجرا
پودنے سُنتے ہی اس بات کے — اُڑ گئے مینا کے طوطے ہاتھ سے
مجھکو بچپن سے رہا شوقِ شکار — پالا پر ہیں گد سے لے تا چوہے مار
خوب سا میں نے کیا ہے ان کا دید — ریش پنچانوں میں ان کے کی سفید
پر نہیں دیکھا میں ایسا جانور — ہووے چیک اور اُڑے وہ تاذپر
تھے غرض ہر جانور پر کیا وہ شیر — گر پرند اُس سے بچا سو ہے وہ تیر
کیا کہوں چیک تھے یا باشین تھے — باز کے بچّے تھے یا شاہین تھے
سنتے ہیں یہ درد جس دم آشنا — اُن سے کہتے ہیں کہ سچ اے میرزا
واقعی یہ غم تو ہے گا ناگوار — پر خداوندی سے ہے کیا اختیار

غم میں اس کے میرزا ہرگز نہ رو — مت کہیں رو رو کے آنکھوں کو نہ کھو
گو پھنسا تھا دام میں آکر ہما — اوج پر تیرے نصیبوں میں نہ تھا
غم کو اپنے دل سے اب موقوف کر — کردیا **سوداؔ** نے قصہ مختصر

●

مثنوی نوزدہم بطور ساقی نامہ در ہجو میاں فوقی

ساقیا بھر اس مے جادو سے جام — جس کا سحرِ سامری بھی ہو غلام
کردے لب میرے کو اس ساغر سے پُر — آگے پھر قدرت خدا کی سیر کر
باگ بکری سے کرے ایسی ہی چھند — باگ کو بکری کرے میداں میں بند
دانت کھٹے باگ کے بکری کرے — باگ کے آگھر میں جا بکری چرے
باگ بکری پانی پیویں ایک جا — سامنے تیرے ہے تب مجرا مرا
چل قلم اب قصد کر تو جنگ کا — اُٹھ چکا پردہ حیا و ننگ کا
ٹک میاں فوقی کے گھر تک اے صبا — کہہ سلامِ شوق تو جا کر مرا
بعد ازاں کہیو کہ اتنا بھی غرور — شاعری کے فن میں کرنا کیا ضرور
اوروں کو بکری کہے شیر آپ کو — بکری بھی گر کچھ کہے پھیر آپ کو
بات بکری کی لگی تم کو بُری — دوڑو تم اُس پر قلم کی لے چھری
اور جو اُس کا گلا کاٹا نہ جائے — وہ نصیبِ دشمناں ٹکر چلائے
سینگ اب اُس کے نہایت تیز ہیں — آپ کے ناخن سے بھی خونریز ہیں
پر خدا جانے کہ کیسا رن پڑے — سمجھو ٹک کیا جانیے کیا بن پڑے
کہہ گیا ہے یہ سخن سعدیِ پیر — بوجھیے ہرگز نہ دشمن کو حقیر
گرچہ میں بکری ہوں تم شیرِ جری — پر قلم کی تیغ کاغذ کی پھری

پاس اس عاجز کے بھی ہر آن ہے — دیکھ لو یہ گو ہے یہ میدان ہے
کیا قصیدہ کیا غزل کیا قطعہ بند — جو ردیف و قافیہ کیجے پسند
آپ کہہ کر مجکو بھی فرمایئے — جس کو جی چاہے اُسے دکھلایئے
گھر میں شیخی کرنی کچھ رکھتی ہے مول — کُلھیا میں گُڑ پھوڑنے سے کیا حصول
خوش نہیں آتا تمھارا اعتذار — ورنہ کیا للکاروں تم کو بار بار
اک غزل تم سے لڑا کر دیکھ لے — فہم کی میزان چڑھا کر دیکھ لے
فائدہ کیا کشتیٔ ہر بار سے — بس ہے یک مشت نمونہ خروار سے
ہو گیا ظاہر جو کچھ تھا تم میں زور — مبتذل بند اور ایک عالم کے چور
جو مجھے دیوان آتا ہے نظر — جا بجا اُس میں کی سرخی دیکھ کر
پوچھوں ہوں اُس کے مصنف سے یہ میں — اتنی سرخی کیوں لکھی ہے اس میں نین
مجھ سے کہتا ہے وہ رو کر زار زار — کیا کروں اس کا بیاں اے غمگسار
اک جواں کہنے لگا ہے اب سخن — ہے نئی ناگن وہ اور تیتنگی یہ پھن
جیب سے اُس کے ہاتھ ہے تیغِ قلم — قتل معنی کا ہے میرے دمبدم
سرخی مت جان اس کو ہے تجھ سے بعید — جا بجا ہے خون مضمونِ شہید
شاعری کے بیچ یہ نام آوری — میر و مرزا سے ہے بیشتر ہمسری
ہے جو وہ دیوان دو جز آپ کا — شکل آمد نامہ کے جس کو لکھا
انسنگی کاغذ اور پر دور دور — تاکہ اُس میں حجم ہو وہ اے شعور
سو کبھی تو اس میں غزل ایسی نہیں — چار بیتیں جس میں طالب کی نہیں
سات بیتیں جب اکیلے ہو کہو — پانچ ہو دیں مبتذل بے معنی دو
گر دروغ اس میں کہا ہو مہرباں — کاٹیے تیغ قلم سے یہ زباں
اب تلک حاضر ہے وہ جنگی غزل — مبتذل بے معنی سے بے ڈھنگی غزل

گفتگو میری یہ بے وسواس ہے — دستخط سے آپ کے مجھ پاس ہے
معتبر کے ہیں یا مجھے بلوائیے — یا مجھے گھر آن کے سمجھائیے
اعتراض اس پر جو کچھ ہیں مہرباں — ہوں گے آخر کی حکایت ہیں بیاں
تو کدھر ہے ساقی پر بے خبر — دیکھ آنکھیں کھول کر ٹک نوادھر
کب تلک سووے گا اے خانہ خراب — سن تو ٹک کیا کہتے ہیں چنگ و رباب
بشنو از نے چوں حکایت می کند — وز جدائی ہا شکایت می کند
کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند — از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند
سنتے ہیں جس وقت میری آہ سرد — پھاڑ ڈالیں ہیں گریباں اہل درد
نکلے ہے میرے گلے سے جب صدا — سن کے رو دیتے ہیں کیا شاہ و گدا
رات کو جس بزم میں ہو نے نواز — شمع ساں ہو استخوانِ تن گداز
جن کا ٹک میری صدا پر گوش ہے — ہے وہ پھر مدہوش بلکہ بے ہوش ہے
میکدے میں ہے صدا مینا و مے — متصل روتا ہے سن آواز نے
کب اکیلا اشک ریزاں ہے کباب — دیدۂ پر آب ہے جامِ شراب
میرے تن میں دم کی جاگہ آب سرد — استخواں میں مغز کے بدلے ہے درد
رکھتی ہے میری صدا ایسا تو زہر — سن کے جس کو چڑھتی ہے کالے پہ لہر
اس اثر پر مجھ کو قوتی بے اثر — جانتا ہے وائے اس کی فہم پر
بے اثر ہے میری آوازِ حزیں — کیا کہوں ہیں آفریں صد آفریں
کیا کسی عاقل کا یہ مصرع ہے چست — مردم اندر حسرتِ فہمم درست
اقربا میرے سے ہے جو یہ صدا — منھ لگاتے ہیں اسے شاہ و گدا
کچھ تکلف سے نہیں یہ گفتگو — بزم میں حاضر ہے پنجہ دیکھ لو
کچھ نہ پایا بات کا میں اس کے بھید — پڑ گئے غم سے مرے چھاتی میں چھید

سنتے ہو اے حاضرانِ بزمِ یار　　ہووے جو تم میں سے میرا غم گسار
یہ کہے ان شاعرِ بے درد کو　　چھینک جو سمجھے ہے آہِ سرد کو
سن تو ٹک اے عارِ ننگِ شاعری　　منھ سے تیرے دور رنگِ شاعری
شعر کہنے کا ہی ہوتا ہے ڈھنگ　　شعر کو بدنام مت کر اے دبنگ
اب اُسے لازم ہے جو شاعر کہائے　　ایک باسن میں نہ تیرے ساتھ کھائے
شعر پوچ اپنے بہ آوازِ حزیں　　بیٹھ کر مجلس میں پڑھتا ہر کہیں
سمجھے نالے کو نَے کے بے اثر　　تف ہے بس ایسی فراست کے اوپر
یا تو اپنی بات اب اثبات کر　　یا وہ دونوں جُزو تو میرے آگے دھر
شعر استادوں کے اس میں سے نکال　　پھر جو کچھ باقی رہے اسے، میرے لال
ان کے اوپر مشک بھر پانی پلا　　نے نوازوں کو بتاؤں، خوب سا
کر رہی تھی نے غرض جوش و خروش　　پر کہا آ صبر نے اُس کو خموش
ساقیا نے سے سُنی ہیں گفتگو　　یہ کسی دشمن کے دشمن، یہ نہ ہو
کیا کہوں تجھ سے غرض اے نکتہ رس　　بول کے ایسا ہے کچھ ظالم کہ بس
پر جو مجکو دے تو ساغر پے بہ پے　　بھول جاوے تیرے ڈر سے حرف نے
تیز جب میری ہو مقراضِ زباں　　تیغ کے گذرے زباں پر الاماں
ایک ہی پیالہ دیا ہے مجکو تیں　　دیکھ اب گل پھول کیا کاٹوں ہوں میں
چل قلم جلدی سے خطِ مشک بو　　یار کو میرے لکھ اس مضموں سے تو
آنکھ جبتک ہے تو خوش آتی ہے بھوں　　آنکھ ہی پھوٹی تو کب بھاتی ہے بھوں
گرچہ الفت تھی ہمیں نَے سے تمام　　ہم سُنا کرتے تھے اُس کو صبح و شام
سو وہ اب ایسی ہوئی ہے ناپسند　　بس چلے تو کاٹیں اُس کے بند بند
بے اثر تم نے کہیں اس کو لکھا　　سُن کے غمّازوں نے جا اُس سے کہا

جس پہ وہ بے مغز کل میخانے میں ‎ بولے ایسا کچھ کہ کیا تم سے کہیں
اُس پہ نازل ہووے قہرِ ذوالجلال ‎ یا تمھارے صبر کا پڑیو وبال
وہ جو کچھ کہتی ہے اے غیرت پناہ ‎ سو تو کہہ سکتا نہیں یہ روسیاہ
کس لیے ہیں آپ کا دشمن نہیں ‎ ہوں بھی گر دشمن تو رویں تن نہیں
شاید اُس کو سُن کے تم کھا جاؤ زہر ‎ یا مجھے مارو کٹار از روئے قہر
متن سے کیا لازم جو کیجے سب بیاں ‎ پر غرض اس کی یہی ہے مہرباں
میرا تو اتنی موثر ہے صدا ‎ سُن کے رو دیویں جیسے شاہ و گدا
کس لیے نامے کو میرے رد نہ تد ‎ بے اثر باندھو ہو کچھ اس کی سند
یا تو اب اس کی سند مجھ تک لے آؤ ‎ یا تم آگے شاعروں کے نے بجاؤ
پس قلم اتنا ہی لکھ چل ہو شتاب ‎ دیکھیے اودھر سے کیا آوے جواب
ساقیا وہ مے جو تند و تیز ہو ‎ دے کے مجکو سُن اُدھر کی گفتگو
نامہ بر نے مجکو اُودھر سے شتاب ‎ لا دیا ہے یہ جواب با صواب
پڑھ کے خط کہنے لگے ہو کر غضب ‎ بے اثر ہونے کا اس کے ہے سبب
یہ کہو اُس کو لیے میخانہ سے ‎ پوچھ جا کر عاقل و دیوانہ سے
بلبل آمل سے فوقی کی مدد ‎ ہر سخن کی پاس اس کے ہے سند
دیکھ لے آکر قوی ہے یہ دلیل ‎ نے کو باندھا ہووے گا خرطوم فیل
پیش پا افتادہ یہ تشبیہ ہے ‎ سر سے لے کر تا قدم یک شکل نے
کہہ چکا اور پھر کہوں بارِ دگر ‎ ہاتھی کی آواز میں کیا ہے اثر
اس کی ٹیں ٹیں پر جو روتے ہیں سدا ‎ بھڑوے احمق ہو دیں گے شاہ و گدا
ہیں ہمارے شعر پر تاثیر ریز ‎ ہوش بر دل ہے جنھوں کا بیش خیز
چشم سے اُن کے اِدھر یہ جن کا گوش ‎ آوے قطرہ اشک کا طوفاں بجوش

ہے اگر میرا تو سچ سچ آشنا — کہہ زبانی میری اُس قحبہ سے جا
شعر گرم اپنا میں صحرا میں پڑھوں — ہے کہ اب سارا نیستاں پھونک دوں
خوب سا غصہ غرض کردہ ہنر بر — یہ کہا آخر کہ بس ہے میرا صبر
ساقیا اس مے سے اب ساغر تو بھر — کچھ نہ ہو جس میں مروت کا اثر
دے تو اس مے سے مجھے دو چار جام — تا میاں فوقی کو بھیجوں یہ پیام
مطلعِ اوّل جو وہ جنگی غزل — رکھتی ہے سو اس میں تو ایسا خلل
نے نے جس پر یہ کیا شور و فساد — جس سے آیا تھا چھٹی کا دودھ یاد
مطلعِ ثانی سو مالک اس کا میر — جانتے ہیں اس کو سب برنا و پیر
لیکن اس کا تازہ کرنا خوب تھا — میر کی بھی طبع کے مرغوب تھا
ہے دلِ پروانہ اُس سے باغ باغ — شمع کو روشن کیا لے کر چراغ
سات میں سے سمجھے تم دو کا حساب — پانچ جو باقی ہیں دوں اُن کا جواب
تیسرا جو شعر ہے اُس کا یہ حال — جس کے معنی خلق کے دور از خیال
شعر یہ چوتھا سنو اے مہرباں — جس کے معنی نظم کر لکھیے بیاں

مضمون بیت فوقی کا

ہوئے پہلے ہی قدم مسکن بہشتم — کر چلوں تجھ کو سی جوں نقشِ قدم
نقشِ پا کو چلنے سے تنبیہ کیا — وہ قریبِ حسن خانہ رہتا ہے سدا
گو اسے پڑھیے بآوازِ حزیں — لیکن اُس کا سقم سب کے دل نشیں
اس سوا معنی گر اس اندیشہ میں ہیں — عقلِ کل بھی وہ نہ سمجھے گا نہیں
شعر دو اچھے ہیں دیکھے کر کے غور — اس کا دعویٰ ختم کر دیا کوئی اور

وہ جو مقطع ہے سو ایسا ہے لچر — نکتہ رس کہتے ہیں جس کو دیکھ کر

وہ جو نکتہ سر پہ رکھتی ہے خری — نیچے دے کر ہو گئے شیر جری

سن کچھ احوال ساتویں شعر کا — اب کہو تم آپ ہی یا بلغ العلے

کون اس میداں میں بکری کون شیر — بول اٹھے جلدی اسے کیجے نہ دیر

لیکن اس جا کہ عبث ہے یہ سوال — ہے کروروں کو یاں سے انفعال

مثنوی ہشتم در ہجو فدوی متوطن پنجاب کہ دراصل بقال بچہ بود

یارو خدا ایک ہے دوسرے بر حق نبیؐ — صورت لوح و قلم جس کے لیے خلق کی

راست ہی ٹک بولیو ان کی ہے سوگند ہے — آج زباں ہے کھلی کل کے تئیں بند ہے

سننے سمجھنے کو بات حق نے دیا گوش و ہوش — حق بطرف جس کے ہو آج نہ رہنا خموش

مرد کو سچ بولنا جزو ہے ایمان کا — جھوٹ کرے ہے عدم دین مسلمان کا

وارد احمد نگر ایک ہیں مرد عزیز — فہم میں سرتا قدم اور سراپا تمیز

شعر پر ہر ایک کے کرتے ہیں وہ اعتراض — جامی کی دیوان سے خوب جانیں ہیں اپنی بیاض

سب پہ کرے ہے وہ طعن جتنے کہ استاد ہیں — شعر پہ میرے بھی لب آئے کے یہ ایراد ہیں

شعر وہ میرا سنا جا کے انھوں نے کہیں — شیخ و برہمن کو ہے جس میں کہ نسبت بدیں

اپنی سخن فہمی پر کہتے ہیں وہ ہو کر گرم — دین تو ہے شیخ کے اور برہمن کے دھرم

اُس کا سخن پوچ ہے آپ وہ ہے پوچ تر — شاعری و شعر پر کچھ نہیں رکھتا خبر

سن کے غرض میں یہ بات ہو ان جو جل بھنگے اب — کھول کے ٹک گوش فہم سن لیں یہ احباب سب

میری زباں ان میں گر یہ جو ہیں قرآن خواں — پوچھے تو اتنا کوئی تم میں سے اے مہرباں

آیۂ قرآن کو کیوں بیچ میں ڈالو ہو تم
کافروں کو ہے خطاب جس میں لکم دینکم

دونوں پہ اطلاق دیں اندروئے قرآن ہے
خواہ برہمن کوئی خواہ مسلمان ہے

شیخ ہی نے سب سمجھے ہو دین کی نسبت فقط
اپنی زلیخائی پر کہتے ہو بر خود غلط

دین اگر ہووے ایک جمع نہ ادیان ہو
وہ ہی نہ سمجھے اسے انسان جو نادان ہو

اُن کا غرض اعتراض دیکھو تو معقول ہے
بات جو معروف ہے ان پہ وہ مجہول ہے

شعر کی ان کے سند دیکھ لیں حق کا کلام
اپنی غلط فہمی پر طعن کرے ہے مدام

سن چکے اے منصفو یہ تو سوال و جواب
آگے انھیں دیکھیو ہوتے ہیں کیا کیا خراب

لیک یقیں جانیو حق ہی ہے اس کا گواہ
ہوا اگر اس امر میں ذرہ بھر اپنا گناہ

ان کو یہ لازم نہ تھا آن کے اس شہر میں
ہم سے اُلجھ کر کے یہ طاق بنے دہر میں

بھڑتے کسو ساتھ یہ اپنے ہی یاروں کے بیچ
ان کو بھی گنتا کوئی پانچ سواروں کے بیچ

حد سے یہ اپنی پرے پانوں رکھیں اس قدر
سفر پہ شعرا پہ کرتے پھریں گھر بہ گھر

اتنے لیے جاجو ہم سے یہ آکر اڑے
تا انھیں جانے کوئی یہ بھی ہیں شاعر بڑے

ہوتے ہیں وہ ہی بڑے جن کو بڑا حق کرے
اپنے کیے سے بڑا آپ کو احمق کرے

اپنی زلیخا اگر اس لیے لائے ہیں یاں
شاعروں کے زور کو اس پہ کریں امتحاں

حسن معانی کے یہ دیکھ کر اس کی بساط
اس کے بعد جب کریں شاعروں سے اختلاط

[illegible] زلیخا جو وہ خلق میں مشہور ہے
فہم و شعور ان کے سے سو تو بہت دور ہے

ہووے جیسے تم میں سے مولوی جامی کا درد
پوچھے انھوں سے کوئی زن ہے زلیخا کہ مرد

کہتے ہیں فخریہ میں اپنے یہ ہر ایک سے
ہم سا زباں داں ہے کون پوچھو بد و نیک سے

شاعروں میں شعر کے ہیں گیا ایران تک
سیکھی زباں داں کی [illegible] جا کے خراسان تک

پر جو انھوں کا سخن پوچھے ہے گوشِ فہیم
خندہ زناں بولے ہے [illegible] وہ کہ خدائے علیم

ایک خراسان گیا گو کہ یہ مکہ گو جائیں
جیسے ہی ایدھر سے جائیں ویسے ہی اودھر سے آئیں

پوچ زباں ان کی سے شعر تو سرزد ہوا — کاتب بیچارہ مفت لعن کا مورد ہوا
شعر تو بے ربط و پوچ کہنے سے اب شوق ہے — تس پہ انھیں خلق میں شہرہ سے یہ ذوق ہے
شعر میں شاعر جو ہیں وہ تو تخلص کو لائیں — پر یہ تخلص بغیر نام نہ اپنا جتائیں
اس پہ مجھے ایک نقل بر محل آئی ہے یاد — ہو جو سخن فہم وے منفر سخن کی وہ داد

نقل

بنیے کا دیوال بنہ ایک قرضدار تھا — اس کے ادا کرنے میں سخت وہ ناچار تھا
پیسے ٹکے پہ کہیں اس کو نہ تھا دسترس — سود میں اور مول میں اسکے رہا تھا وہ پھنس
اُتو نصیبوں سے ایک ہاتھ اُسے لگ گیا — سوچ کے دل میں کہا بنیے کو دیجئے دغا
باندھی اُسی پاڑی سر کو پہنائی کلاہ — ہاتھ پر رکھ کر چلا کہتا ہوا واہ واہ
اور کیا ہاٹ سے بنیے کے عمداً گذار — دیکھ کے اتو لیا بنیے نے اُس کو پکار
ہنس کے لگا پوچھنے کے ہے جی یہ جانور — پر نکھا ہم سے کہو لے چلے اس کو کدھر
خوش ہو تب اُن نے کہا سب سے کہتے ہیں باز — جس پہ کرم ہو اُسے بخشے اُسے بے نیاز
شاہ امیر و وزیر کھیلے ہیں اس سے شکار — قیمت و قدر اس کی ہے سیکڑوں سے تا ہزار
سن کے کہا بنیے نے مرگ ہے یہ اپنے بھاؤں — سانچ کہو پر مکھا باج اُسی کا ہے ناؤں
اُن نے کہا ساہ جی تم سے مجھے جھوٹ بول — فائدہ کیا ہووےگا جھوٹ سے کچھ دوگے تول
پھر وہ لگا پوچھنے کہہ تو وہ جیتو ہے کیا — اِن نے کہا دودھ بھات کچھ نہ اُسکے سوا
بنیے نے اُس سے غرض باتیں یہ تحقیق کر — مول لگا پوچھنے باز کا یوں گھر بہ گھر
سانچ بتاؤ مجھے باج کا کے بھاؤ ہے — ایک کھریدار کو اس کا گھنا چاؤ ہے
مول جو کچھ باز کا ہو دے ہے سب نے کہا — بنیے نے دل میں رکھا وہ جو کسی سے سنا
مول سن اس کا غرض برد کہا یہ بتی — باز کے لینے کی بات بنیے کے دل میں ٹھنی

کرنے لگا جورو سے رات کو یہ مصلحت
پیسے مرے کرج ہیں ایک سپاہی کے پاس
باج بڑا ہی سا ایک دیکھا میں اُس کے کنے
بولی بنینی یہ سُن اوت تجھے کھیر ہے
سن کے کہا بنیے نے کہ کہی بنینی نے بات
بولی جو یہ سانچ ہے لا کے اُسے تو سویر
جورو نے جب یوں کہا بنیے نے بھر صبحدم
آکے سپاہی کے گھر بولا کہ مرحبا جی آؤ
سن کے سپاہی یہ بات کہنے لگا چل پرے
باز بکے گا تو میں تجھ سے کروں گا حساب
بنیے نے سن کر کہا کرج میں کچھ بیر ہے
بیسے تھے مرحبا جی تم ہم سے کرج لینے میں
ہو جو چکوتا مرا باج کے بکنے ہی پر
سُن کے سپاہی یہ بات دل میں بہت خوش ہوا
منہ تو ٹک اپنے کو دیکھ لیوے گا یہ باز مول
بول اُٹھا بنیا یہ سُن پر مکھا کی کھیر ہے
بنیے کی یہ بات سُن بولا سپاہی ہو نرم
بنیے نے دکھلائی تب کھول کے اُس کو بہی
مول کیا پانچ سو اُس پہ بتائی قیل و قال
اتو والے کیا باتوں کی میزان میں تول
دے کے سپاہی دغا بنیے کو چلتا ہوا

گھٹتی ہے پر بھاوتی اسمیں ہے کیا تیری مت
اُس سے نکد ملنے کی اب نہیں مجکو ہے آس
اُس کو خریدوں میں اب کال کو جو دو دینے
اس کی رسوائی ہے پاس اُس سے نہیں بیر ہے
ناہ ری پر بھاوتی رام کی سوں دودھ بات
کھوڑے گھنے کو نہ سرباج جوں بکے تو بیچ گیر
داب بغل میں بہی کان پر رکھ کر قلم
کر کے حساب آج تم اپنے کو میرے چکاؤ
پیسے کہیں آج یاں تیرے نہیں ہیں دھرے
مفلسوں کو مت یہ کا خیر ہے گھر جا شتاب
کھیر جو بتلاؤ ہو آج تمھیں کھیر ہے
تتے ہوئے جاتے ہو کاہے کو اب دینے میں
باج ہی کو دو مجھے سانچ سا کچھ بھاؤ کر
لیک بہ ظاہر یہ حرف تند ہو اُس سے کہا
یہ بھی ہوا تون تیل لے ہے جیسے تول تول
کرج کسو کا نہ دے کوئی عجب شیر ہے
قرض جو کچھ ہو ترا کہہ جو ترے آوے دم
دو سو روپے اُس کے نام لکھے تھے اسمیں آہی
چکے چکے جب تین سو جھگڑے کا کر انفصال
قرض کے دو سو پچاس سو کی جڑی اور دسوں
○ بنیے نے لا کر اُسے جورو سے ہنس ہنس کہا

دیکھ تو پر بھاؤتی پر مکھا کے باج ہے | رام جی کے کھیل سے آج ہیں راج ہے
دیکھ کے اُن نے کہا او ت تجھے ہے ملوم | یہ تو جناور ہے وہ ترک کہیں جس کو بوم
ناؤں نہیں لیویں ہیں پڑھتی ہیں اسکا سیر | کھویا گرج ساتھ تین ٹکدر وپیوں کا ڈھیر
اُڑ گئے جوں باز یہ سنتے ہی اُس کے حواس | چاہا کہ اب پھیر دوں جا کے سپاہی کے پاس
سر کو وہ اور نوند کو پیٹتا پھوبجا جو وہاں | نام نہ اُس کا سنا اور نہ دیکھا نشاں
سر کے اوپر خاک تب گلیوں کی کرتا ہوا | آیا بنیئے کے پاس وہ درد کے مرتا ہوا
کہنے لگا ہائے وہ کیا یہ دگا دے گیا | سو ٹکہ اور دو کی جنس گھر سے مُپھت لے گیا
سوچ کے پھر یہ کیا بنیئے نے دل میں خیال | یوں ہیں اسے بیچیے بات کو شہرت میں ڈال
پاس ترے ہونے کے بات جو اس کی چلے | اور بھی شاید کوئی مجھ سا ہے احمق ملے
کھونٹی پہ اُلو کو باندھ بیٹھے تھا وہ دکان پر | صبح سے لے تا بہ شام شام سے لے تا سحر
پوچھے تھا جس سودے کو جو کوئی ہی تیرے یاں | لاوے تھا بنیا وہیں تب یہ سخن بر زباں
سانچ بتا میری بات لینے پہ کچھ بھی تو ہے | سب ہے دیا رام کی یہ کہی ہے اُلو بھی ہے
یاں غرض اس نقل سے ہے یہی اپنا مآل | موجب اسی نقل کے ہیں تو انھوں کا بھی حال
چاہا تھا اس عقل پر باز معانی کو لیں | ملک بملک آن کر اور اسے شہرہ دیں
مل گیا ویسا ہی ایک اُن کو فروشندہ اور | فہم و فراست کا جب بوجھ لیا ان کے طور
سوزنِ کوری سے لے دیدۂ دل کو سیا | باز معانی بتا لا اُنھیں اُلو دیا
باز کی جا بوم باندھ چاہتے ہیں شہرہ پائیں | نام جو پوچھو فقط تو یہ تخلص بتائیں
باز جوں بنیے کو اُلو ہے بتا دیا | احمق انھیں حق نے یوں شاعری کی جا دیا
دل میں اب ان کے یہی فکر ہے لیل و نہار | اُس کے تئیں بیچ کر اپنے لیں لوں وقار
وارد اسی شہر میں اپنے ہیں ایک مہرباں | رکھتے ہیں عطاری کی رستہ اوپر وہ دکاں
بیٹھے یہ رہتے ہیں واں صبح سے تا شام تک | لگتی ہے اشعار کی چار پہر ان کو بک

اودیہ ہے جو کوئی مالک دو کان سے شے
پوچھے تو یہ دیں جواب وہ بھی ہے فدوی بھی ہے

ہو نسکے شاعر اور شہرہ پہ یہ دل دیا
اپنا تخلص ندان بننے کا اُتو کیا

تھی جو بینی میں عقل اتنی بھی ان میں نہیں
بوم جو ہے اُس کو باز سمجھے ہیں اپنے تئیں

ایسا ہی اور ایک شعر تھا جو ہمارا کہا
جو قلمِ فہم سے خلق نے دل پر لکھا

سُن کے انھوں نے پسند اس کا جو مضموں کیا
میں نے تب اس بحر میں یوں اسے موزوں کیا

تم نے جہان وا کیے بند قبا اپنے جان
جاکے صبا نے بباغ کھولدیئے گل کے کان

سو یہ میاں فدوی نے کان کو لے گل کو توڑ
جلدی سے واں گرم گرم آنکھ دی نرگس کی جوڑ

کہتے ہیں اب ہر طرف بزم میں مُنھ پھیر پھیر
شعر تھا وہ سیر بھر یوں میں دیا ڈیڑھ سیر

کھول دیے ناز سے تم نے دو چشم اپنی جان
کھولے صبا نے یہ سُن غنچۂ نرگس کے کان

بات تو دو ہی ہے یہ سمجھو تو اے صبا جو
گوش تلک ان کے گو کہ اب وضع کو

سرقہ سوا اس میں سے ایک قباحت یہ اور
کون سے معشوق کا زیرِ فلک ہے یہ طور

باغ میں بیٹھا رہے آنکھ مندیں آٹھ پہر
کھول دے ہنگام ناز کرنے کو نرگس پہ قہر

کان کو نسبت سدا گل سے چلی آئی ہے
صورت نرگس مدام آنکھ کی بتلائی ہے

شاعروں کی بات کا دیجے جواب اب وہ خاک
شاعری کی اپنی جو لوگوں سے کٹوائے ناک

ناک کا اور کان کا ان سے ہوا توڑ جوڑ
توڑنے پہ ناک کے جاں بدوں ہوں میں موڑ

ناک کھوئی فہم کی اب جو یہ انسان ہوں
چاہیے نرگس کی طرح آگے اُنھیں کان ہوں

کاٹیں نہ گل پھول یوں شاعری میں بے سند
شاعروں کے حق کے بیچ پھر نہ کہیں نیک و بد

بس اب چل نہ آگے کہہ کچھ انھیں سودا خموش
کیجیے اُس سے سخن ہو وے جسے عقل و ہوش

کرنے پہ گر منفعل ان کے ہو تیرا خیال
سو تو غلط ہے کبھو ان کو نہ ہو انفعال

حکایت

سُنا ہے کہ اک مردِ اہلِ طریق
نہایت ہی واقع ہوا تھا خلیق

صفت سے تواضع کے موصوف تھا
تعدّی کے عالم میں معروف تھا

غرض چاہیے آدمی میں جو چیز
رکھے تھا سبھی خوبیاں وہ عزیز

قضا کار مجلس میں ہوتا کہیں
اُڑاتا نہ منھ سے مگس کے تئیں

کسی نے کہا اُس سے اک دن سوال
کہ اس وضع سے کیا ہے تیرا مآل

نہ ملنے میں ٹک ہاتھ کے ہووے کام
تو حاصل اُٹھانے سے تکلیف تام

کہا راستی ہے جو میں نے کہا
ولے اس سے میرا یہ ہے مدّعا

کہ جس حال میں دوں میں اس کو اڑا
ہے ممکن کسی اور پر بیٹھے جا

بس ہمّت کے نزدیک ہے کیا بھلا
کہ میں اور پر ٹالوں اپنی بلا

غرض جتنے گذرے ہیں اہلِ کمال
ہر اک کا سمجھتے تھے اپنا سا حال

تو کز محنتِ دیگراں بے غمی
نشاید کہ نامت نہند آدمی

حکایت

سلف کے زمانے کا تاریخ داں
یہ لکھتا ہے احوالِ وارفتگاں

کہ ملکِ عجم کا تھا اک بادشاہ
خداوند دیہیم و تخت و کلاہ

قضا کار وہ والیِ نامدار
ہوا دردِ قولنج سے بے قرار

طلب کی اطبّا کی تجویز سے
طبیعت کی تسکین ہر چیز سے

یہ اُس کو نہ ہوتا تھا کچھ سودمند
ہر اک لحظ تھا درد اُس کا دوچند

دوا سے نہ دیکھی جو شہ نے فلاح　　کی ارکانِ دولت سے اپنے صلاح
کہ دستِ دعا کیجیے گر طلب　　بہ نسبت دوا کے مناسب ہے اب
گئے مل کے سب اک قلندر کے پاس　　کیا واقعہ اُس سے سب التماس
کہا دست دعوت کروں میں دراز　　اگر بادشاہت کرے وہ نیاز
سُنا شاہ نے جب گدا کا سوال　　یہ کچھ کرکے دل بیچ اپنے خیال
کہ جب جان ہی ہاتھ سے جائے گی　　تو کس کام پھر سلطنت آئے گی
غرض لکھ کے اقرار اک فرد پر　　دیا بھیج اُس مرد کامل کے گھر
رکھا اُس کو اور کرکے اُن نے وضو　　دعا اُن کے حق میں کی ہو قبیلہ رو
نہ گذرا تھا اس بات پر ایک دم　　جو زائل ہوا نفخ دردِ شکم
جو مسدود تھی ریح رودوں کے بیچ　　ہوئی دفع کھلتے ہی سدوں کے بیچ
بہر حال تب شہ نے پائی شفا　　کہا کر لیے وعدے کو اپنے وفا
کہا مرد درویش نے اے عزیز　　اسے چاہیے شخص پر ہے تمیز
کہ خواہش میں اس سلطنت کے ہے اے جاں　　کہ وابستہ اک گوز پر تھی یہاں
یہ دنیا جہاں جلسۂ یک چند ہے　　عبث دل ترا اس جگہ بند ہے
ہے درپیش اک عمدہ تجھ کو سفر　　رکھ احوال ٹک واں کا مدِ نظر
کہ یاں تو جو کچھ پیش آجائے گی　　بہر حال دو دن میں کٹ جائے گی
اگر ہے گدایاں دگر بادشاہ　　ہے دو دن کا زیرِ زمیں خوابگاہ
مسلّم ہوا جب کہ ہونا ہلاک　　چہ بر تخت مردن چہ بر روئے خاک

حکایت

سنا ہے کہ اک مردِ آزادہ طور　　جز اپنے نہ رکھتا تھا اسباب اور

جہاں تھا وہاں فارغ البال تھا ہر اک حال کے بیچ خوش حال تھا
کہا اُس کو اک شخص نے کیا بعید اگر ہم بھی خدمت میں ہوں مستفید
کوئی دن تو اس جا پہ کیجے معاش معین ہو یک جا بہم بود و باش
کہا گرچہ یہ بات ہے بے اصول ولے خوب خاطر سے تیرے قبول
لے آیا یہ اُس کو بہ طیب تمام دیا خاص کر اپنے گھر میں مقام
یہ جب تک کہ اُس گھر میں کرتا اَند درِ خانہ رکھتا سدا قفل بند
مگر واں سے جاتا کہیں بہر کار کھلے چھوڑتا اس جگہ کے کواڑ
کھلی جب کہ ہمسائگاں پر یہ بات سبب کو یہ سائل ہوئے اسکے سات
اس عقدے کو کیجیے گا ہم پر بھی صاف کہ وضعِ جہاں سے ہے یہ برخلاف
کہا چیز کیا اس میں اشکال ہے موافق نقیض سے تو یہ چال ہے
محافظ اسی گھر کے ہیں سب عزیز جہاں سے کچھ اجناس یا نقد چیز
غرض کون سا ہے مرا اختراع کسی کی ہے کچھ میں ہوں اپنی متاع
غرض یہ کہ جو عارف اللہ ہیں وہ کیا ہے کہ اپنے سے آگاہ ہیں
جو غافل تو کچھ سمجھے اپنے تئیں کوئی چیز یاں تجھ سے بہتر نہیں
جو رکھتا ہے کچھ دل میں اپنے ہوس تو اس رمز سے اک اشارت ہے بس

حکایت

سنا جائے ہے ایک مہوس کا حال کہ رکھتا تھا نت کیمیا کا خیال
یہ کچھ کر کے دل بیچ اپنے قیاس گیا ایک درویش کامل کے پاس
رہا اُن کی خدمت میں تا چند سال کیا ایک دن وقت پا کر سوال
اگر کیمیا آپ کو یاد ہو تو بندے کو بھی اپنے ارشاد ہو

کہا ہے یہی گر ترا مدعا / تو بہتر ہے دیتا ہوں تجھکو بتا
یہ اجزا ہیں اس کے تو جا اور لے آ / یہ ترکیب ہے اس طرح سے بنا
غرض طور جب کر لیے سب بیاں / کہا اس میں اک شرط ہے درمیاں
یہ نسخہ تو جس وقت لے کر بنائے / کبھو دل میں بندر کا خطرہ نہ لائے
کہا اپنی یہ بات ممکن نہیں / جو خطرہ ہو دل میں وہ جاوے کہیں
نہیں اس کا دینا جو منظور تھا / تو اس حرف کا کون مذکور تھا
نہ سمجھا غرض اس کے رمز و نکات / کہ پردے میں تھی مرد عارف کی بات

کہ جب دل کو خطرے پہ قادر کیا
تو پھر ہیچ ہے خطرۂ کیمیا

مثنوی در تعریف چاہ مومن خاں

رہ کے دنیا میں کیجیے وہ فکر / بعد کوئی کرے بہ خوبی ذکر
یہ لباسِ حیات فانی ہے / نقش بر آبِ زندگانی ہے
آگے کرتے تھے آدمی وہ کام / جس کے باعث رہے ہمیشہ نام
کرتے تعمیر اہل مکنت وجاہ / پل و مہماں سرائے و مسجد و چاہ
اب نہ وہ دن ہیں اور نہ وہ راتیں / رہ گئیں یادگار یہ باتیں
وہ جو تھا کوئی شخص مومن خاں / غور گر کیجیے تو اب ہے کہاں
لیکن وہ کر گیا ہے ایسا کام / کہ سدا یاد آتا ہے اُس کا نام
نزد اہل خرد کبھی نہ ہوا / جس کا نکلا ہے اس طرح کا کنوا
کیا کنوا ہے کہ جس کی سن کے ثنا / چھپکے آوے ہے دیکھنے دریا

نالے آٹھ آٹھ آنسو روتے ہیں
شرم سے ڈیرے آب ہوتے ہیں

جتنے ردے زمیں پہ ہیں تالاب
ہو گیا ہے سبھوں کا زہرہ آب

ڈگ ڈگا کر اگر کوئی بیوے
تا نہ اوڑھے لحاف کب جیوے

شور شورے کا اُٹھ گیا اک بار
ہو گیا سرد برف کا بازار

برف والے جہاں تلک ہیں اب
گرد و پیش اُس کنوئیں کے آ کر سب

کہتے ہیں ہائے چاہ مومن خاں
گھر ہمارے کو کر دیا ویراں

کیا سقّوں کا خانماں آباد
تیرے ہاتھوں سے اے کنوئیں فریاد

روز ہیں کے تمام اب کو دے
چپنی بھر پانی لے کے ڈوب مرے

جن نے اک بار بھی پیا وہ آب
حشر تک زیرِ خاک ہے سیراب

تمّت

•

الٰہی شعلہ زن کر آتشِ دل
تپِ دل دے بقدرِ خواہشِ دل

وہ دل دے ہو جو نیشِ غم سے معمور
مشبّک سر بسر جوں شانِ زنبور

ہو شور انگیز چشمِ گریہ آلود
لبِ زخمِ جگر کو رکھ نمک سود

رہے یوں کلفتِ تن میں دل پاک
کہ پنہاں ہووے جوں اخگر تہِ خاک

کرامت کردہ عشقِ آتش انگیز
کہ تا ہر استخواں میرا ہو گل ریز

مدام اک ناز پروردے جراحت
کرے خلوت میں دل کی استراحت

ہمیشہ جوں رگِ تاک بریدہ
ہو آنسو تا سرِ مژگاں رسیدہ

زموجِ اشک دے خنجر گلو کو
نیابت جوں سناں کے مو بمو کو

امیدوں کے اُٹھا خاطر سے وسواس
انیس شخص دل کر شاہدِ یاس

کر ایسا مشتعل داغِ جدائی
ہو روشن جس سے شمعِ آشنائی

کھلے دل پر بدِ نیساں بابِ توفیق
کہ بے پردہ عیاں ہو روئے تحقیق

نہ ہوں من بعد محو پوچ بانی
کروں اصلِ سخن سے موشگافی

در حمدِ باری تعالیٰ

بنام آنکہ عشق آموز دل ہے
چراغ افروزِ شمعِ سوزِ دل ہے

عطا کی گل نے ان کو شکل زیبا
کیا بلبل کو اُن نے ناشکیبا

یہاں ہوا اس کا غم ہنگامہ پرداز
ہے ماتم کے تئیں شادی پروان ناز

لگا کر مو سے تا خار و خس و خور
ہیں اُس کے شوق نظارہ میں معمور

ہر اک پردے میں پنہاں ہے وہ خورشید
تو اس دھوکے میں سب ہے یہ عمرو و یہ زید

جو دیکھے ہے تو اس عالم میں موجود
ہے اُس کی بود سے ان سب کی بہبود

نہ ہو اس سے اگر ذرّہ کو تائید
اسے کیا رو کہ چاہے وصلِ خورشید

دمِ ماہی ہے جس صورت سے پانی
اُسی سے ہے ہر اک کی زندگانی

جو دیکھے تو ہر اک دم کو با معان
تو کچھ سمجھے نہیں یہ کیدھر کی فیضان

فضولی ہے اب آگے حرف و گفتار
کہ یک مشتِ نمو بس ہے زخمدار

اگر دریافتے بر دانشت بوس
وگر غافل شدی افسوس افسوس

در نعتِ حضرت سید المرسلینؐ

الا اے ساقیِ فرخندہ فرجام
ادب کی مے سے تو آتش کا بھر جام

کہ یاں نقدِ فضولی ناروا ہے
نہیں بر حمد نعتِ مصطفیٰؐ ہے

زہے سر دفترِ اربابِ ملّت
تداوی بخش عدا نواعِ علّت

محمدؐ وہ کہ ہیں جتنے پیمبر
ہیں اُس کے مرتبے سے سب فروتر

نہ ہوتا وہ اگر زینت دہ افلاک | تصدق خاک کے ہوتے نہ افلاک
جہاں میں ہے یہ جتنا کچھ ہویدا | ہوا اس کے لئے سب کچھ یہ پیدا
غرض جو کچھ کہ اُس کا مرتبا ہے | خدا ہی عالم اُس کا با خدا ہے
یہ مُنھ اُس کی ثنا لایق نہیں ہے | ثنا گر اُن کا جبریلِ امیں ہے
بس اب بہتر ہے اس جاگہ خموشی | کہ ہو عجزِ سخن کی عیب پوشی
سکوتِ برمحل ہے دل کی تفریح | سخن پر اُس کو سو درجہ ہے ترجیح

در بیانِ مناجات

خداوندا بپاے آلِ پیمبر | بحقِ باطنِ ہر چار سرور
میں ہوں گر قابلِ نارِ جہنم | یہ تیرے فضل کا دریا ہے کیا کم
شفیعوں پر ٹک میرے نظر کر | اُس آتش کو ٹک اس پانی سے تر کر
کہ جس جاگہ ترا فضل و عطا ہے | میں کیا اور کس قدر میری خطا ہے

در بیان شروع حکایت

الا اے چارہ سازِ بادہ نوشاں | زباں گویا کن خاک خموشاں
ہے عرصہ دل پہ خاموشی سے اب تنگ | رہے کب تک یہ آئینہ تہِ زنگ
مری اس خاک کی دھومے سے کلفت | کہوں میں داستانِ جذبِ اُلفت
شبِ اک ماتم سرائے خانۂ عشق | بیاں کرتا تھا یوں افسانۂ عشق
کہ تھا پنجاب میں اک مرد درویش | گرفتارِ بلائے حالتِ خویش
ہمیشہ دست دل سے پاے کوباں | سوا آشفتہ سرجوں زلفِ خوباں
حزینِ عشق مانند دمِ سرد | بسانِ جانِ عاشق سر بسر درد

گدازِ تن سے تھا از خویش رفتہ
ہو جو محو چکیدن موم تفتہ

یہ تجویزِ جنوں دلدادۂ عشق
دلے عاشق نہ تھا آمادۂ عشق

برنگِ شمع سر سے پانوں تک نار
یہ تھی اک اشتعالک اُس کو درکار

مقام اُس کا تھا اک جاگہ سرِ راہ
بوضعِ تکیہ ہے جس سے تو آگاہ

مدام اُس جا کو رکھنا اسقدر پاک
کہ کوئی آبِ گوہر سے ہے یاں خاک

اگر تنکا تو واں سے ڈھونڈ لاوے
تنِ لاغر سوا اس کے نہ پاوے

عجب ہے لطف سے شاداب و خرّم
کہ ایسا قطعہ دیکھا ہے بہت کم

کئی اک صحن میں اس کے خیاباں
وہ گویا انتخابِ باغِ رضواں

شجر واں کا ہر اک انتا بخوبی
نہ پہونچے جس کی کیفیت کو طوبیٰ

بہم اس طرح شاخیں تھیں نمودار
گلے میں بانہیں جوں ڈالے ہیں دو یار

غرض کہ سایہ داں کے سو سلاسل
کشاں تھی سو طرب سے دامنِ دل

مسافر جو کوئی اُس راہ آتا
وہ دل سے یادِ منزل بھول جاتا

سرائے دہر تھی گویا وہ جاگہ
کہ جو آیا وہ بھولا منزل و رہ

وہ ایک احوال سے بےچارہ درویش
مقیم اُس جا میں تھا با خاطرِ ریش

نہ اُس سے دل کو ایک چیونٹی کے آزار
نہ اُس پر نیک و بد سے خلق کے بار

بسر کرتا تھا جس صورت سے دن رات
کہاں پائی فرشتہ نے یہ اوقات

خوشا احوال یارانِ گذشتہ
کہ جس کی زیست تھی رشکِ فرشتہ

اک ہم ہیں خلقتِ انسان بےننگ
کسی سے ہم کوئی ہم سے یہاں تنگ

ہے بدتر مرگ سے وہ زندگانی
کہ جب تک دل پہ ہو بیمِ قلاقی

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

غرض جب تک وہ تھا اس خاکداں میں
بخوبی شہرہ تھا سارے جہاں میں

بد و نیک جہاں سے چشم بستہ
ہمیشہ بر درِ دلہا نشستہ

دلوں کا پاس تھا آرام اُس کا
تھی خدمت ہر کسی کی کام اُس کا

قضا نے اس میں یہ بازی اُٹھائی
کہ ناگہ اک برات اُس راہ آئی

زبس دیکھی جگہ مطبوع و جا سرد
اُتر بیٹھے ہر اک سو عورت و مرد

جہاں پر قافلہ اُترا تھا سارا
وہیں اک سمت دولھن کو اُتارا

ہوئی گرمی سے ڈولی کی وہ جب تنگ
کیا اُن نے ہوا کھانے کا آہنگ

نکالیں انگلیاں پردے سے باہر
رکھیں اک ڈھب سے پشتِ دست اوپر

تعال اللہ چہ فندق او چہ انگشت
کہ دی تعیں خونبہائے خلق یک مشت

وہ کافر دیکھنے میں آنکھ کے مونج
جو شوخی میں کرے تھی برق سے کونج

کہوں کیا بات منہ کی جس کے آگے
کیے خورشید کو چک چوند لاگے

جو دیکھے یک نظر وہ روئے زیبا
نہ ہووے پھر کسی روئے شکیبا

دو چار اُس سے ہوا یہ مرد درویش
کیا بیچارہ اک جھپکی میں از خویش

نہ جانے تھی نگہ یا تیر یا بار
کہ بے تحریک دل سے ہو گئے پار

کوئی یک دم جو تھی یک جا وہ خرسند
ہوئے باہم ہزاراں عہد و پیوند

نگاہوں میں رہا صد بحث و تکرار
نہ تھا ہر چند واں امکان گفتار

محبت نے کی دونوں دل میں تاثیر
ہوا پر خانہ وہ تودے میں اک تیر

پر اس عرصہ میں کچھ دھیمی ہوئی دھوپ
مس خورشید کا سیمیں ہوا روپ

طلب کی دل سے ہر اک نے اجازت
کہ چلیے اب نہیں اتنی تمازت

الا اے ساقیِ خونِ جگر نوش
نہ کریاں تنک حقِ صحبت فراموش

کوئی یہ بھی دل آزاری کا ڈھب ہے
کہ میں مرتا ہوں تو رخصت طلب ہے

عجب وہ ہے یہ راہِ آشنائی
نہ ہوں گر جا بہ جا خارِ جدائی

ولے یہ بات اندیشے میں کب آئے — کہ عشقِ وصل یک جا گرہ کھائے
کہیں وو دل نظر آئیں نہ خرسند — کہ لیویں کام دل باہم وہ یک چند
چنانچہ لوح سنج بزم تاثیر — کرے ہے اس طرح یہ بات تقریر
کہ جب وہ قوم اور یہ ماہِ رخسار — ہوئے چلنے کو اُس تکیہ سے تیار
وداعِ یار نے یہ کی مُنادی — کہ یاں آخر ہے غم انجام شادی
کسے جوں زخم گردوں نے ہنسایا — کہ ہنسنے میں نہ خوں اُس کو رُلایا
غرض ایدھر تو یہ جلتی تھی دل ریش — اُدھر لوٹے تھا آتش پر وہ درویش
نہ اُس کو کچھ سخن کہنے کا یارا — نہ اُس کو جز خموشی اور چارا
یونہی باہم تھے یہ محو بلا ہا — کہ ناگہ واں سے وہ ڈیرا اٹھایا
ہوئی وہ قوم جب تکیہ سے راہی — اجازت اُن نے اس محزوں سے چاہی
کہا اُن نے نگاہوں میں کہ مختار — بڑا قسمت میں یوں تھا چار ناچار
گئے وہ اُس طرف اور یاں یہ غم ناک — کہے تھا زیر لب با چشم نمناک
کہ اے گردون دوں یہ کیا کیا تیں — وہ دل سا نقد یوں ارزاں دیا تیں
کوئی دیتا ہے اُس ظالم کو بھی دل — کہ جا وے چھوڑ صیدِ نیم بسمل
وہ کیا دیکھی خطا مجھ سے کہ اک بار — کیا تیں وقف جاں صد نیش آزار
میں جس خطرے سے نت لرزے تھا بر خویش — وہی آفت مرے لایا تو درپیش
بھلا اے سفلہ دور از فتوت — یہی ہوتی ہے عالم میں مروّت
میں ہوں وہ تشنہ کام دست حسرت — نظر آیا جسے پانی بہ کثرت
گیا نزدیک جب اُس کے پس از دیر — تو دیکھا اک سراب خشک اور سیر
غرض پھر خلق میں آمادہ بجور — ز نظروں سے گیا ڈھونڈتا پگ اک دور
گھڑے ہو کر کے اُن نے ایک دو دم غور — کہ اس میں بڑھ گیا آگے وہ کچھ اور

چڑھا اک پیڑ پر وہ شعلہ آسا تفِ دل سے لہو کا اپنے پیاسا
جہاں تک قوتِ مدنظر تھی یہ تھا یاں اور نگہ اُس کی اُدھر تھی
نظر آنے سے مطلق رہ گیا جب ہوا وہ روز اُس پر تیرہ جوں شب
گرا اوپر سے نیچے واں یہ مجروح گئی دنبالِ ڈولی کے نکل روح
اُٹھا ہر سو قیامت کا سا اک شور کہے تو پھونکی اسرافیل نے صور
گریباں چاک گرد اُس کے اک عالم کرے تھا نوحہ و فریاد و ماتم
دل اُس کے غم میں لاکھوں کلفت اندود ہزاروں چشم و مژگاں گریہ آلود
نہایت بعد جزع و فزع بسیار صلاحاً یہ لگے کہنے ہر اک یار
کہ یہ جا اُس کے جیسے ہی تھی مرغوب یہیں رکھیے اگر اس کو تو کیا خوب
غرض جس طور پر ہے رسم و آئیں کیا اُس مرد کا تجہیز و تکفین

در بیانِ تاثیرِ عشق درویش بدلِ دلہن و مذکور آں

الا اے ساقیِ خمخانۂ عشق ادھر دے ٹک دو بھر پیمانۂ عشق
یہ کیا پیمانہ لب ریزِ غمِ یار ہو جس میں سربسر فرقت کا تکرار
نہ جانے یہ محبت کیا بلا ہے کہ جس کی آگ سے عالم جلا ہے
نہ تنہا عشق اُس سے شیون آہنگ ہیں خوباں بھی اسی اندوہ سے تنگ
جہاں پاوے گا تو آشفتہ بلبل پھٹا دیکھے گا جیبِ طاقتِ گل
ہوا پروانہ جل کر جس جگہ ڈھیر وہاں کھینچی ہو چندے شمع نے دیر
چنانچہ واقفِ رازِ نہانی کرے ہے اس طرح گوہر فشانی
کہ یاں درویش نے جس وقت دی جان وہی ساعت وہی تھی وہ ہی آن

وہ شوخ اس طرح واں آشفتہ تر تھی ‏ گویا اس حال سے اُس کو خبر تھی
غرض یہ عشق جیب کھولے ہے پردے ‏ جو حائل کوہ ہو تو شیشہ کر دے
یہ ادنیٰ اک محبت کا اثر ہے ‏ کہ دل کو حال سے دل کی خبر ہے
پہ وہ پختہ اُسے جانے ہے اے خام ‏ پڑا ہو جس کو اس صورت سے کچھ کام
کہ یہ وہ شخص گو ظاہر میں ہیں دو ‏ پہ باطن میں نہیں فرقِ سرِ مو
خیال و وہم ان کے بیچ اس طرح ‏ دو آئینہ میں اک صورت ہو جس طرح
جو کچھ اول میں تیں دیکھی ہے تمثال ‏ بعینہ ہے وہی ثانی کا احوال
ہے یہ بھی بلکہ اک حسرتِ گدائی ‏ جہاں ہوتی ہے باہم آشنائی
نہیں اتنی بھی ان آپس میں تفریق ‏ ہے میرے قول کی یہ بات تصدیق
سُنا ہے میں کہ تھا لیلیٰ کا یہ قصد ‏ کہ بہرِ دفعِ وحشت کیجیے فصد
ہوا فصّاد حاضر حسبِ ارشاد ‏ پہ کیا فصاد اس فن کا مَلک اُستاد
ہر اک نشتر تھا اُس کا شوخ سر تیز ‏ کہ مژگاں سے کسو کافر کا خوں ریز
سلیقے کا کہوں اُس کے میں کیا حال ‏ کہ چیرے تھا وہ آنکھیں موج کر بال
جہاں ہوتا تھا گرمِ دستکاری ‏ رگِ خارا سے خوں کرتا تھا جاری
اُسے خلوت میں جب اُن نے بُلایا ‏ یہ لے آلاتِ خدمت واں در آیا
ہوا گردون دوں اُس سے مساعد ‏ لی اپنے ہاتھ میں اُن نے دو ساعد
کہ جس کے ناز کا انداز محرم ‏ اگر ہو گا تو کچھ مجنوں میں تاہم
غرض جس شکل سے تھی خواہشِ دل ‏ کیا کام اُن نے اس ساعد سے حاصل
ہوا جاری رگِ لیلیٰ سے یاں خوں ‏ چھٹی بے نشتر واں فصدِ مجنوں
ہزار افسوس اُس جاگہ نہ تھے ہم ‏ کہ اپنے ہاتھ سے کرتے لہو کم
یہ کیا معنی کہ اک حجام بے مغز ‏ لے اپنے ہاتھ میں وہ ساعدِ نغز

ارے اے ساقیِ خمخانۂ ہوش | میں یہ جلوے سے کی منزل فراموش
دے وہ مے تا یہ سب خطرہ بھلا دوں | سخن کوتہ کروں مطلب پہ آؤں
جو کوئی یاں رکھے ہے طالعِ شوم | جو ہے بالِ ہما ہو جائے وہ بوم
اگر گوہر کہیں سے ہاتھ میں لائے | برنگِ ژالہ پانی ہو کے بہ جائے
وگر پاوے طلائی دست افشار | وہ ہو جوں سیم اُس کے ہاتھ میں خوار
چنانچہ نقد کا اس زر کے صراف | کہے ہے اس طرح احوالِ اسلاف
کہ جب وہ نازنیں گھر بیچ آئی | دیا ہر ایک نے جی رونمائی
کیے سب نے نچھاور اس قدر دُر | کہ صحنِ خانہ سے گوہر ہوا پُر
ہوئی جو چشم اس رو پر نظرباز | کیا اُس چشم پر نظارہ نے ناز
شغب سے واں ہر اک دل کا یہ تھا رنگ | کہ مثلِ غنچہ تھی تن پر قبا تنگ
زن و مرد و قبائل تھے جو کچھ واں | خوشی سے ہمدگر تھے تہنیت خواں
نہ اُس کو صبر نہ طاقت نہ آرام | ہمیشہ گریہ و زاری سے تھا کام
ہر اک دم تازہ اُس کو اک خلش تھی | مقیمِ سینہ جائے دل تپش تھی
برنگِ زلف گہ آشفتہ اطوار | گہے چوں نرگسِ مخمور بیمار
جگہ غازہ کے منہ اوپر وہ بیتاب | کرے تھی گریہ سے تزئینِ مہتاب
بجاں سب گھر کے لوگ اُسکے تعب سے | ولے واقف نہ تھا کوئی سبب سے
بہ قدرِ فہم ہر یک کو چک و پیر | کرے تھا اُس کے بہ ہونے کی تدبیر
پر اُس کا حال تھا ہر دم تباہی | تپاں تھی جس طرح خشکی میں ماہی
نسیم آسا اُڑاتی تھی کبھو خاک | کبھو جوں گل کرے تھی پیرہن چاک
کبھو نوچے تھی سر کے بال غم سے | کبھو نالاں تھی فرقت کے الم سے
کبھی کہتی تھی ظالم ہے وہ مظلوم | گیا ہے کن اُمیدوں ساتھ محروم

دماغ اپنا جلاتے تھے زن و مرد — دلے افزود تھا ہر لحظہ درد
غرض یہ دُکھ ہے کچھ ایسی ہی بابت — جہاں حیراں ہے سو طب اور طبابت
نہ مُلّا پا سکے ہرگز یہ اسرار — عبث ضائع ہے یاں تعویذ و طومار
عناصر سے ہو گر زیادہ کوئی چیز — طبیب اُس کی کرے تشخیص و تجویز
نشستہ ہووے جوں دردِ تہِ آب — اگر سودا تو کیجے فصد و جُلاب
دگر صفرا کرے صحت کی غارت — ہو تبریدوں سے اطفائے حرارت
مگر وہ جس کو اس کالے نے مارا — نہیں جز مرگ اُس کا کوئی چارا
بہت کھینچی جب اُس دُکھ نے درازی — نظر آئی یہ سب کو چارہ سازی
کہ اس مجروحِ غم کو سوئے خانہ — بہر تقدیر کیجے اب روانہ
یہ لکھیے خط کہ تا لینے کوئی آئے — اسے جس حال سے ہو گھر کو لیجائے
ارے اے بادہ نوشِ گردشِ دہر — نہ دینا جام مجکو ہے یہ کیا قہر
ہوں تشنہ لب نہایت مثل خامہ — دے وہ مے جس سے ہوں سرگرم نامہ

نامہ نوشتن و فرستادن قاصد بطرف مادر و پدر دُلہن

دبیرِ واقعتِ تفصیل و اجمال — بایں تقریب لکھتا ہے یہ احوال
کہ اے تاجِ سرِ قوم و قبائل — سراسر شفقت و اشفاق مائل
وہ گوہر جس کے رشتہ سے ہر اک یاں — بخود بالیدہ تھا مانند مرجاں
نہ جانے کیا ہوا اس کو تب و تاب — ہوا جاہے کچھ آپ ہی آپ بے آب
وہ نادیدہ خزاں گلبرگ نوخیز — ہے جوں شاخِ کہن ہردم ورق ریز
خدا جانے کہ اس کو کیا بلا ہے — بدا تقدیر کا کیونکر ہے کیا ہے
جہاں تک چارہ داں تھے سب ہیں ناچار — یہ کچھ سمجھا نہیں جاتا یہ آزار

مگر بعضے کوئی بعد از تامل | کرے ہے اس طریقہ پر تعقل
کہ تھی یہ اقربا اپنے سے مالوف | ہے صحت اس کی واں ہونے پہ موقوف
سو یہ گھر اور وہ گھر ایک سا ہے | یوہیں گر مصلحت ٹھہرے بھلا ہے
کسی کو بھیجیے ایدھر روانہ | کہ لے جا اس کو یاں سے سوئے خانہ
کیا یہ لکھ کے خط ملفوف جس دم | ہوئے اس مصلحت سے سب وہ خرم
لکھا تقدیر کا ہرگز نہ جانا | کرے گا کیا کوئی دم میں زمانا
دیا یہ خط کسو اک پیک کے ہات | کہ جانا یاں سے واں تک جس کو اک بات
زہے تقدیر ہے اس کی سراسر | ہے کیا دانش جو ہووے اس پہ دائر
ہمارا کس قدر تو یہ سر رائے | کہ اس کی کنہ ماہیت کو وہ پائے
کریں ہیں حسب ظاہر ہم بھی تدبیر | کیا جانے ہے کیا اسرار تقدیر
چنانچہ یوں سنا ہے ہیں کہ جس دم | ہوا یہ پیک اس منزل کا محرم
تھے اس گھر کے جہاں تک پیر و اطفال | ہوئے اس سے وہ سب پرسان احوال
پس ترجیع چندیں حرف جاں کوب | دیا۔ ان نے انھیں آخر یہ مکتوب
لیا اور بعد پڑھ چکنے کے یکسر | ہوئے اس ماجرا سے سب وہ مضطر
کہ یاں سے گر ابھی چلیے تو ہے خوب | کہ ہو معلوم واں کا کیا ہے اسلوب
پر از بس ہو گیا تھا موسم شام | رہیں واں رات۔ بیتی کام ناکام
اگر بالفرض تھی وہ عید کی سلخ | شب ماتم سے بھی گذری نپٹ تلخ
عجب حالت رہی ان سب پہ طاری | نہ تھا کچھ کام جز اختر شماری
انھوں کا حال بد کرنے سے ادراک | گریباں صبح صادق نے کیا چاک
شفق نے طرح اس گل پیرہن کی | رنگی لوہو میں سب پوشش بدن کی
پڑی پھیکی جو ٹک شب کی سیاہی | ہوے واں کو کچھ ان کے لوگ راہی

پس از قطعِ مسافت یہ عزیزاں ۔ ہوئے وارد جو واں افتاں و خیزاں
جہاں تک اس جگہ کے تھے اکابر ۔ ہوئے خدمت میں اُن کی آ کے حاضر
کھلائیں کمرے اور جھاڑیں سر و رو ۔ بٹھایا اُن کو اور بیٹھے ہر اک سو
ہیں جس صورت سے خدمت کے سرانجام ۔ بجا لائے وہ سب انواعِ اکرام
غرض بیٹھے یہ سب واں فارغ البال ۔ ہوئے اُس خستہ سے مستفسرِ احوال
کہ اب اُن کے مرض کا ڈول کیا ہے ۔ اُسی صورت سے ہے یا کچھ شفا ہے
دکھایا ہے جنھیں اُس کو مکرّر ۔ کرے ہیں کیا وہ بیماری مقرر
سرِ حرفِ حکایت بسکہ وا تھا ۔ کہا ہر اک نے جو کچھ ماجرا تھا
بہم ملتے تھے سب افسوس سے ہات ۔ یہ ناآگاہ اس سے ہے یہ کیا بات
غرض جب تک کہ یہ اجماع واں تھا ۔ ہر اک اس ذکر سے رطب اللساں تھا
کہ آخر صبح کا چلنا مقرر ۔ ہوئے یہ مائلِ آرام یکسر

در بیان رخصت شدن دُلھن برنجش در عشق درویش

الا اے ساقیِ جامِ مۓ ناب ۔ رہے گا کب تلک تو بے خور و خواب
تنک اُٹھ در سرانجامِ سفر کر ۔ صبوحی سے لبِ ساغر کو تر کر
مجھے کریک دو پیمانہ میں ٹک لعل ۔ کہ لکھنا ہے مجھے رخصت کا احوال
نہ رخصت یہ کہ اُس مہ کی یہاں سے ۔ یہ رخصت ہے ارے ظالم جہاں سے
ارے اے گردشِ افلاکِ بے مہر ۔ ملائے خاک میں کیا کیا تو نے چہر
وہ کس سینے نے ایسا سر اُٹھایا ۔ نہ جس کو خاک میں تو نے ملایا
کوئی پاکیزہ گوہر یاں نہ چھوڑا ۔ جسے سنگِ جفا سے تیں نہ توڑا
ترے ہاتھوں سے بلبل نالہ کش ہے ۔ تجھی سے گل سدا آشفتہ وش ہے

دی تو نے جانِ شیریں پل میں برباد ترے سر پر ہے ثابت خونِ فرہاد
ہیں یہ باتیں تو یک مدت کی جو ہیں کیے ہیں حال ہیں کیا کیا ستم تیں
ہے کل کی بات وہ مارا تیں درویش ہے آج اس نازنیں کا فکر در پیش
چنانچہ مشعل افروزِ معانی کرے ہے اس طرح آتش فشانی
کہ جب شب پر ہوا خورشید افروز پڑا ہر چار جانب غلغل روز
ہوئے اُس خوابِ نوشیں سے یہ بیدار کیا سب ساتھ کے لوگوں کو تیار
کریں تھے گھر میں اس مہرو کی تزئین ہے دنیا بیچ جیسی رسم و آئین
پنھا کر وہ قبا تن میں وہ بے باک کرے تھی مثلِ گل دامن تلک چاک
یہ سب کرتے تھے ساتھ اُس کے مدارا پہ وحشت اُس کی تھی ڈھونڈھے کنارا
نہ تھا اُس کو کسی کے ساتھ آرام وہی دیوانگی سے دمبدم کام
نہایت اک کنیزِ کہنہ عصر کہ دلکش نظم سے جس کی ہر اک نثر
جہاں گرمِ سخن ہوتی تھی وہ زال تھی واں دلّال و مختار کیا مال
ضعیفی سے کہوں اُس کی میں کیا بات کہ جس نے کی تھی بڑھیا آکھ کی مات
جھکا تھا بسکہ پیری سے وہ قامت کھی سر پر ٹھوکروں سے نت قیامت
رکھے ہے بات میں اپنے جو چقماق کہیں کھی اونچی اُس سے پانوں کی ساق
غرض اس ڈول پر یہ کاروانی تھی گویا مادرِ گیتی کی نانی
ہوئی در پے فسوں بازی کی یہ جب ہوئے اُس سے جدا جتنے تھے واں سب
نہ جانے کیا کی اُس کافر نے تدبیر کیا دو ہی سخن میں اُس کو تسخیر
جبے اس حالت سے آئی کچھ سرِ راہ سواری میں وہ بیٹھی اور یہ ہمراہ
تھا گویا شاق اُس مہ پر کلفت دار یہ کیا کہیے نہے لازم گنج کو مار
نگر وہ غم تھا کچھ اس کے لیے کم کہ گردوں نے دیا اس غم پہ یہ غم

غرض جب واں سے چل نکلی سواری
ہوئی دونی وہ اس کی بے قراری

نہ تھا صبر و سکوں اس کو نہ آرام
پہ وہ باتوں میں کرتی تھی اُسے رام

کبھو کہتی تھی خویش و قوم کا حال
کہ تجھ بن زندگی ہے اُس پہ اشکال

بہ نحوی قصہ و دستانِ معقول
کبھو رکھتی تھی اُس وحشی کو مشغول

کہ اُس کے دل کو کیوں ہی غم غلط ہو
پہ جو ہوتا نہ ہو وہ کس نمط ہو

ہیں دلجوئی کے کس صورت سے انداز
سرِ زلفِ سخن کرنے تھے وہ باز

کہیں اس میں علی وضعِ روایت
کہ اُس تکیہ سے بھی اُن نے حکایت

کہ اک جا آئے ہے آگے سرِ راہ
نپٹ دلچسپ اور مطبوع دلخواہ

جگہ اتنی کو کیا اک مختصر ہے
عجب کچھ لطف سے پر سبز و تر ہے

زمرد تو نہ کہیے اُس کو زنہار
یہ خاتم سے ہے عالم کے نگیں وار

گلوں میں سبزہ یوں لہرائے ہے واں
ہو جیسے مور مستی میں پر افشاں

غرض واں کے خیاباں کی ہر اطراف
ہے سینے سے بھی مہرووں کے کچھ صاف

بلبل اب بیٹھیں گی اُس جاگہ کوئی دم
فزو ہوتا دلِ محزوں سے کچھ غم

گلوں کے ساتھ واں کرنا تو بازی
ہو تا بلبل کے دل کی چارہ سازی

پریشاں گل پہ کچھ تارِ سنبل
بہم شرمندہ ہوتا سنبل و گل

نہیں گل شاخ پر البتہ مرغوب
جو پہنچے ہاتھ تک تیرے تو ہے خوب

سُنے جو اُن نے وہ حرفِ فسوں دم
ہوئی دل میں نہایت شاد و خرم

پر اک نحوِ تغافل سے وہ عیار
کرے تھی اس سے واں جانے کا اقرار

کہ تیری مصلحت گر ہے اسی طرح
نہیں سر بچنا مجکو کسی طرح

ہے اُس سے اور کیا بہتر جو اک دم
خوشی سے گذرے یک جاگہ بہ باہم

اسی صورت سے تھا یہ ذکر و اذکار
کہ وہ تکیہ ہوا ناگہ نمودار

ہوئی اُس سے جُدا یہ دایۂ پیر
دیا ہراک کو ان نے عرضِ تدبیر

کہ ہیں غمگیں نپٹ پایا ہے اُس کو
سو کچھ باتوں میں پرچایا ہے اُس کو

مرض کا اُس کے ہیں سمجھا ہے اب ہیچ
اسے اک کلفتِ خاطر ہے اور بیچ

مناسب ہے جو یاں اُترے کوئی دم
فرد ہوتا دلِ محزوں سے کچھ غم

زبس یہ بات تھی مقروں بہ تفہیم
ہراک نے اُس کی کی تصدیق و تسلیم

کیا حضار نے واں سے کنارا
اسے پردا کر اُس جاگہ اُتارا

در بیان رسیدن دُلھن بہ مکان درویش و بجائے درویش گویا رفتن و ترقیدن قبر و درآمدن دراں دُلھن

الا اے ساقیِ مے خانۂ ناز
نہ رکھ مے کو لبِ ساغر سے تو باز

غنیمت ہے ارے ظالم کوئی دم
ہے عرصہ زندگانی کا نپٹ کم

کہ شمعِ بزمِ ہستی آہ فریاد
سدا رہتی ہے زیرِ دامنِ باد

نہ کر یہ تنگ عرصہ مجھ اوپر تنگ
خدا جانے زمانہ کیا کرے رنگ

تجھے اپنی ملاحت کی قسم ہے
مرے دل کی جراحت کی قسم ہے

قسم ہے تجکو اپنے زلف و رو کی
قسم ہے تجکو گل کے رنگ و بو کی

قدح کو آتشِ تر لے کے بھر تو
طراوت دے گلِ داغِ جگر کو

تنک بہکے جو اُس مے سے مرا کام
حدیثِ جذبِ اُلفت تا ہو انجام

خوشا تاثیرِ جذبِ عشقِ کامل
سراپا ہے اثر جس سے ہراک دل

نہ لے جا کہربا اس طرح سے کاہ
کرے جو جذبِ جاناں جان آگاہ

تصرف تا شریکِ آب و گل ہے
کشش آہن کو مقناطیس دل ہے

کیا ہے دل نے آئینہ کو حیراں
دیا ذرہ کو دل نے شوقِ طیراں

کرے عاشق ظالم اگر کام
نہ دے معشوق کو بھی ہرگز آرام

فسوں سازی پہ اپنی جیب کبھو آئے
جنازے پر نہیں تو گور پر لائے

اسی صورت سے اس کافر کے ہیں ڈول
چنانچہ ہے اسی راوی کا یہ قول

کہ جب وہ نازنیں تکیہ میں آئی
جگہ درویش کی اک ڈھیر پائی

دلِ تپشِ غم جو تھا خاطر میں مرکوز
ہوا یوں نیشِ عقرب ناز آموز

کیا صد آہ آتش ناک نے جوش
پہ غیرت اُس کو کہتی تھی کہ خاموش

چھپے دل سے ہزاروں نالے تا لب
ولے دل جانتا تھا اُس کو یا رب

ہزاروں گریہ کے اُٹھتے تھے طوفاں
نہ تھا اک رشحہ لیکن زیبِ مژگاں

غمِ دل کا کرے تھے سو طرح ضبط
پہ ضبط و عشق اے غافل ہے کچھ ربط

شرارِ غم نے کی آخر شرارت
بدن میں یک بیک آئی حرارت

لگا کر ماہ سے اور تا بماہی
نظر میں چھا گئی یکسر سیاہی

گری بے طاقتی سے واں یہ غمناک
طرح پانی کے لرزی ہر طرف خاک

پکڑتے تھے اُسے ہر چند احباب
پہ نکلی جاتی تھی ہاتھوں سے جوں آب

گلوں پر تھی اُسے یوں اضطرابی
انگاروں پر ہوں جوں سیخ کبابی

اسی صورت سے یہ غلطاں تھی کچھ دور
کہ جذبِ عشق نے ٹکڑے کی وہ گور

اُٹھا دودِ دل اُس جا کہ کچھ ایسا
نظر آتا جسے کہتے ہیں کیسا

نہ جانے پھر کہ واں کا حال کیا تھا
یہی وہ گور تھی یا اژدہا تھا

کیا جن نے تامل ایک دم میں
لیا اُس نازپرور کو شکم میں

اُسے اُس گور نے اس طرح کھایا
نہ ماہی بیچ یوں یونس سمایا

ہوئی جوں آب پنہاں یہ تہِ خاک
رہے باہر وہ سارے مثلِ خاشاک

الا اے ساقی دردِ دہ غم / اُٹھا ہووے یہ ساری بزم ماتم
نہیں دورمے دورِ جہاں ہے / تنک فرصت یہاں عرصہ کہاں ہے
شتابی کر ٹک اے ظالم شتابی / نہیں گر جام لا ادھر گلابی
جو کوئی آب و گل سے یاں بنا ہے / مآل اُس کا یہی آخر فنا ہے
ہر اک کو یاں یہی عقدہ ہے درپیش / ہو شاہِ خانہ یا تکیہ کا درویش
چنانچہ نوحہ خوانِ بزمِ ماتم / کرے ہے اس طرح سے نالشِ غم
کہ اِس حالت کو گذری جب کچھ اک دیر / لگا آنے نظر درویش کا ڈھیر
نہ دیکھا رخنہ اُس جاگہ میں نے درز / مسلم جس طرح تھا وہ اُسی طرز
جو تھے اُن نازنیں کے اقربا واں / ہوئے اس ماجرے سے سب وہ حیراں
کہ یارب کس طرح اب گھر کو ہم جائیں / بھلا جائیں تو مُنھ کیا لے کے دکھلائیں
جو پوچھیں گے ہمیں خویش و برادر / کہاں چھوڑی وہ تم نے نازپرور
جواب اس کے سوا ہم کیا کہیں گے / کہ شرمندہ سے ہوکر چپ رہیں گے
اگر ہم جانتے ایسا سرانجام / نہ لیتے یاں کے رہنے کا کبھو نام
برنگِ گل گریباں چاک و مضطر / پڑے یوہیں تھے اُس مرقد کے اوپر
کوئی کرتا تھا تن پر پیرہن چاک / کوئی ڈالے تھا تن پر منفصل خاک
کوئی کہتا تھا کھودیں اُس جگہ کو / ہو شاید اُس تلک لے جائیں رہ کو
تھے غنچے واں کے سب اس غم سے دل تنگ / نہ تھا پھولوں کے مُنھ پہ مطلقاً رنگ
ہوا جو سرو اس حالت سے آگاہ / بنا سرتا قدم وہ صورتِ آہ
سرو شاخ و بُن اُس جاگہ جو تھی پات / ملیں تھیں ہمگر افسوس سے ہات
اک عالم اِن کے گرداگرد ہوا جمع / ہو پروانوں کی جوں کثرت سرِ شمع
پھر آخر جس طرح ہے رسم و آئیں / لگے کرنے انھوں کی لوگ تسکیں

کہ گو کیجے ہزاروں نالہ و آہ
نہیں واں کے گئے کو پھر ادھر راہ

ہے یاں دم مارنے کا کس کو یارا
نہیں بندے کو غیر از صبر چارا

چلا آیا ہے اوّل سے یہی ڈول
یقینی ہے کسی عارف کا یہ قول

اگر صد سال باشی ور بیک روز
بباید رفت زیں کاخِ دل افروز

نہ جان اشکالِ عالم دیر پا ہیں
یہ سب سیلی خورِ دستِ قضا ہیں

بگاڑیں ہیں ہزاروں روپے کا کل
بنائے اس چمن کا سنبل و گل

یہ جتنا تختۂ روئے زمیں ہے
ہر اک خطہ پہ یاں اک نازنیں ہے

جو آیا اُس گذر گہ میں سو گذرا
نہ وامق ہی رہا آخر نہ عذرا

نہیں جز نام کچھ پیشیں سے اب یاد
کہاں شیریں گئی کیدھر ہے فرہاد

یہ کل ہونا ہے اے فرصت سے غافل
کہ ہم مطلق معطل ہوں تہِ گل

یہی خورشید ہووے اور یہی ماہ
یہی وضعِ زمانہ اور یہی راہ

کچھ اشیاؤں سے یاں کے کم نہ ہوویں
یہ سب کچھ ہو یہیں اور ہم نہ ہوویں

بس اس صورت سے کیجے کس کا ماتم
ہے اپنا حال جائے گریۂ و غم

غرض سمجھا کے ان کو چار و ناچار
کہا ہر ایک نے ہے صبر درکار

نہ دیکھا جب انھوں نے کچھ بھی حاصل
غمِ خاطر سے غیر از کاہشِ دل

اُٹھایا رختِ غم واں سے بصد جبر
کیا صرفِ گریباں رشتۂ صبر

گئے گھر کو بچشمِ نم میں محنت و غم
ہے جس صورت سے رسمِ اہلِ ماتم

بس اے سوداؔ خموشی پیشہ کر تو
سخن کے طول سے اندازہ کر تو

کہ اس حسنِ تکلم پر طوالت
مبادا ہو کسی دل کو ملالت

سخن ہے گرچہ اے دل میوۂ لب
یہ خاموشی کو کرتیں شیوۂ لب

کہ اکثر بات میں سہوِ خطا ہیں
نہ کہنے میں یہ سب مطلب ادا ہیں

کسو جاگہ پہ تیں دیکھا ہو تو کہہ — کہ ہووے معترض حرفِ نگفتہ
وگر شاخِ سخن طوبیٰ کی ہے نخل — ہے دائم ساتھ اس کے تیشہ کو دخل
چنانچہ میں جو یہ قصہ کیا نظم — کہ ہووے تا قیامت رونقِ بزم
کئی ہفتہ دماغ اپنا جلایا — بہت سا خونِ دل بیہودہ کھایا
بہر صورت کہا کہتے تو لیکن — یہی اب سوچ خاطر میں ہے تسدن
کہ یارب پڑیو اک ایسے کے یہ ہاتھ — کہ جو کھولے اسے اشفاق کے ساتھ
اگر دیکھے کہیں سہو و خطا سے — کرے پوشیدہ دامانِ عطا سے
بقدرِ وسع در اصلاح کوشد — اگر اصلاح نتواند بپوشد
الا اے ساقیِ خلوت سرانجام — کلاہِ سر دینا کہ گل و جام
کہاں تک لب پہ آئے یہ ترانہ — ہو مشغولِ حدیثِ واہیانہ
اُٹھی سب بزم آیا وقت خفتن — ہے اب گفتن سے اولیٰ تر نگفتن

مثنوی

ایک مشفق ہیں ہمارے مہرباں — خوب صورت خوب سیرت نوجواں
ناگہاں اک روز ہم سے مل گئے — دیکھتے ہی شکل جوں گل کھل گئے
جب ہوئے آپس میں ہم اور وہ دوچار — آہ نکلی دل سے اک بے اختیار
دیکھتا کیا ہوں کہ عالم اور ہے — گرد رخساروں کے خط کا دور ہے
مک دھواں سا اُٹھ رہا ہے آگ سے — اُڑ گئے ہیں جیسے منہ کے جھاگ سے
نے وہ شوخی نے وہ لڑکا پن رہا — نے وہ صورت ہے نہ وہ جوبن رہا
پڑ گئی ہیں مُنھ کے اوپر جھائیاں — ناک پر بھی آ گئی ہیں سیائیاں
چہرہ مستوں سے ہے سارا بد نما — رنگ منہ کا اُڑ گیا جیسے ہما

چاند بر بادل کہ جیسے چھپ گیا / ہو رہا جوں مغربی کو کھا گیا
منھ پہ سبزی اور سیاہی جم گئی / جس طرح پانی پہ کائی جم گئی
ہو گیا اک مرتبہ ہی سبز رنگ / جیسے آئینہ کو کھا جاتا ہے زنگ
تب کہا میں یار یہ کیا ہے بلا / کہنے لاگا ذکر اس کا مت چلا
چپ ہی بہتر ہے کہ اس مذکور سے / سینے آوازِ ڈہل کو دور سے
بیاہ کے کرنے سے ہوتی ہے خوشی / میں نے دیکھا تو یہ ہے مردم کشی
جب تلک اک عالمِ تجرید تھا / ہم کو جو دن تھا سو روزِ عید تھا
کیا کریں اپنی مصیبت ہم بیاں / ہو وے کم بختی کسو کی مہرباں
کد خدائی کا ہے جب سے اتفاق / زندگانی ہو گئی ہے جی پہ شاق
ہو جیو مشاطہ کا خانہ خراب / ہاتھ سے جس کے ہے اپنا جی کباب
کیا کہوں میں اس کے رنگ اور ڈھنگ سے / لعل کو پھوڑا ہے جس نے سنگ سے
ایسا بد صورت ملایا آدمی / کہئے کیا اپنی ہے قسمت کی کمی
دوست دشمن کا نہیں کچھ اسمیں دوس / آسماں سے پڑ گئی ہے مجھ پہ اوس
رنگ جوں گل اڑ گیا ہے سر بسر / ہو گیا ہوں غم سے کانٹا سوکھ کر
دردِ دل کو کس سے ظاہر کیجیے / غنچہ ساں اب اپنا لو ہو پیجیے
گو کہ ہے طاؤس بانقش و نگار / پانوں اپنے دیکھ وہ ہے شرمسار
گرچہ تھا میں آدمی بدرِ کمال / ہو گیا ہوں لیک اس غم سے ہلال
اپنی صورت کا تو اتنا غم نہیں / پریہ صورت ہے تو اک دن ہم نہیں
جو کوئی آنکھوں بہر غمناک ہو / شکل و صورت اس کی پھر کیا خاک ہو
آہ کیا جانئے وہ کیسی تھی گھڑی / جس گھڑی مجھ پر مصیبت یہ پڑی
بیاہ کی ہے رات مجھ پر یوں کٹھن / چاند کو لگتا ہے جیسے کہ گہن

ڈومنی جلوہ لگی دینے جو نہیں
اور وہاں ماتھا مرا ٹھنکا وہیں

آرسی مصحف لگا جب دیکھنے
آسماں اوپر لگا تب دیکھنے

ایسی ہی دکھلائی دی اک شکل زشت
پھر گئی آنکھوں کے آگے سرنوشت

جو ہنی پڑتی ہے مری اُس پر نگاہ
ہے گویا اک پارۂ ابرِ سیاہ

آنکھ سے آنسو چلے بے اختیار
جیسے برسے ہے کوئی ابرِ بہار

ابرِ غم کا دل کے اوپر چھا گیا
آنکھوں کے آگے اندھیرا آگیا

دیکھتے ہی جی گیا اپنا دہل
روح قالب سے گئی وہ وہیں نکل

جاں بروں رفتن ز تن نزدیک شد
عالمے در چشمِ من تاریک شد

ہوگئی اُس وقت ایک صحبت عجب
مل گئے آپس میں گویا روز و شب

شکل سے اُس کے ہوئی جب آگہی
ہو گیا جوں ماہِ نو قالب تہی

کوئی اُس صورت کا دیکھا نے سُنا
دیکھتے ہی میں نے سر اپنا دُھنا

جب میں دیکھی شمع صورت اُس کی شان
رہ گئی انگشتِ حیرت در دہاں

منہ قضا کا دیکھتے ہی رہ گیا
جو پڑی سر پر غرض سب سہہ گیا

ہو گیا اُس وقت غمگیں اور ملول
سینگ دے سر پر خدا تو ہے قبول

شمع بھی رونے لگی واں میرے ساتھ
شعلہ بھی ملتا رہا اس غم سے ہاتھ

چاندنی کالک ملے تھی منہ کے تئیں
خاک اوپر لوٹتی تھی چاندنیں

ایک میری ہی نہ تھی واں چشم تر
روتی تھی شبنم بھی میرے حال پر

قطرۂ شبنم کہ از گردوں چکید
ہمچو اشک از دیدۂ پُر خوں چکید

چشمِ انجم سے گرے پڑتے تھے اشک
جوں گہر افلاک سے جھڑتے تھے اشک

اور ثریا عقدِ گوہر بار تھی
چشم پر خوں اشک خوں افشار تھی

آستیں رکھ منہ کے اوپر کہکشاں
روتی تھی با دیدہ ہائے خونفشاں

ایک تو اس غم سے دل شب تھا دو نیم
تس پہ آہِ سرد بھرتی تھی نسیم

صبحِ صادق نے کیا سینہ کو شق
خونِ دل پینے لگی اپنا شفق

کیا کہوں میں جیسی کچھ گذری تھی رات
صبح کو رخصت ہوئی واں سے برات

آئی اک ماتم زدہ سی گھر کے بیچ
جب رکھا ہم نے قدم کو در کے بیچ

ہر طرف سے اک مبارک باد تھی
پر ہمیں دشنام سے وہ زیادہ تھی

لوگ تو خوش وقت اور خرّم ہوئے
یک گرفتارِ مصیبت ہم ہوئے

بارے اپنے گھر میں اب رہنے لگے
چرخ کے جور و جفا سہنے لگے

گذرے جب اِس بات کو کتنے ہی روز
ایک دن بولا وہ ماہِ دل فروز

تم تو اب میرے مجازی ہو خُدا
جس طرح سے امر ہو لاؤں بجا

جس سے اب فرمائیے اس سے چھپوں
کس کے آگے ہوں میں اور کس سے چھپوں

جب سنی یہ بات میں نے ہنس دیا
عرض اپنا اُن کی خدمت میں کیا

جان میری ہو جیسے سب کے حضور
لیک اِس عاصی سے رہیئے دور دور

اپنا مُنھ سارے قبیلہ کو دکھاؤ
پر خدا کے واسطے مجھ سے چھپاؤ

سُن کے اُس کو یہ دیا اُس نے جواب
عورتوں کو چاہیے سب سے حجاب

روئے نامحرم سے بہتر چشم کور
پر نہ دکھلاوے خدا جو روئے کور

جی میں سمجھا میں یہ اُس کی زرگری
عصمتِ بی بی ست از بے چادری

تب سے یوں بیٹھا ہے جی پر اعتقاد
اُٹھ گیا ہے دل سے اپنے اعتماد

گر نشاں دے کوئی مجکو حور سے
بھاگ جاؤں دیکھ اُس کو دور سے

جب سے ہوں میں اس بلا میں مبتلا
رات اور دن سے یہی میری دُعا

کہ تو جلدی سے کہیں یا رب مرے
ایسا تیسا ہو جو بیاہ اب پر کرے

سُن چکا جب اُس سے یہ میں ماجرا
ہو چکا قصہ سے آس کے آشنا

تب کہا میں عقل سے یہ دور ہے — کون سا اے یار یہ مذکور ہے
جب سے دُنیا میں ہے انساں کی سرشت — کوئی روئے خوب ہے اور کوئی زشت
ماٹی کی مورت بناوے ہے کمہار — کوئی بدصورت کوئی ہے تاجدار
بس ہے کیا لازم کہ صورت خوب ہو — آدمی جو ہو سو اک محبوب ہو
جس کو جیسا کچھ بنایا بن گیا — شکل انساں میں جو آیا بن گیا
دیکھ بدصورت کو مت ہنس کھلکھلا — اِس میں ہوجاتا ہے صانع کا گلا
جس کو دیکھا ہم نے سو معیوب ہے — فارغ اس سے اک وہی محبوب ہے
گنج کوئی مار سے خالی نہیں — دامنِ گل خار سے خالی نہیں
چاند کو کیسا دیا حق نے شرف — لگ گیا ہے ساتھ اس کے بھی کلف
صورت اور سیرت ہ باہم اتفاق — ایسا ہوتا ہے بہت کم اتفاق
خوبرو اکثر ہیں اپنے مہرباں — لیک بدباطن ہیں اور وہ بدگماں
آدمی کے بیچ سیرت چاہیے — پر اُسے چشمِ بصیرت چاہیے
آشنا سیرت سے ہووے میری جاں — صورتِ ظاہر تو ہے یہ کوئی آں
کر اسی سے تو قیاس اے میرے یار — کوئی دن تھی آہ تجھ پر کیا بہار
اب ترا وہ رنگ و روغن ہے کہاں — وہ تری صورت وہ جوبن ہے کہاں
کیجے کس صورت کا بس کیا اعتبار — کوئی دن ہے یہ بھی جوں فصلِ بہار
خوبصورت یار بھی اپنے گئے — مونس و غمخوار بھی اپنے گئے
جیسے عبدالغنی تاباں ہوچکا — ساتھ اُس کے اک سلیماں ہوچکا
گرچہ تھا وہ ماہِ کنعاں وقت کا — ہوچکا وہ بھی سلیماں وقت کا
یوسفِ مصری سے مصری کم نہ تھا — تلخیِ دوراں سے جس کو غم نہ تھا
نام تھا اک خوب صورت کا عزیز — جان سے زیادہ ہمیں تھا وہ عزیز

اُٹھ گیا افسوس اپنے عصر سے
ہو چکا مالک بھی ملکِ حُسن کا

کم نہ تھا وہ بھی عزیزِ مصر سے
تھا جو بخشی الممالک حُسن کا

خیسر قصبی قطب تارا ہو چکا
سانوروں میں اک گمانی زور کا

کیا کہوں میں زور پیارا ہو چکا
ہند میں جس کے نمک کا شور کا

حُسن و خوبی میں غرض یہ طاق ہے
ایسی صورت کے ہزاروں خوبرو

کیا کہوں میں شہرۂ آفاق ہے
ہو چکے ہیں یار اپنے روبرو

ایک ہو تو جس کی خاطر روئیے
ایسی کتنی مورتیں یاں مٹ گئیں

آہ اب کس کس کی خاطر روئیے
کیسی کیسی صورتیں یاں مٹ گئیں

ہم سے اب کوئی نہیں ہمدم رہا
کیسے کیسے لوگ یاں سے اُٹھ گئے

وہ زمانہ اب نہ وہ عالم رہا
خوبرو سارے جہاں سے اُٹھ گئے

حُسن و خوبی ساتھ اپنے لے گئے
غم سے یاروں کے ہے دل ایسا ہی داغ

لالہ ساں ایک داغ دل پر دے گئے
حشر تک روشن رہے گا یہ چراغ

کیجیے آگے بس اب قطعِ کلام
یار اس کہنے کا تھا یہ مدعا

دوستوں کا غم نہ ہووے گا تمام
تا کہ اپنا دل کسو سے مت ملا

آدمی کوں چاہیے وارستگی
زندگانی کا نہ ہو جب اعتبار

صورتِ فانی ہے کیا دل بستگی
شکل و صورت کا تو ہے کب اعتبار

پائداری ہے اُسی کی ذات کو
بس ہے سوداؔ نفی کر اثبات کو

تَمَّتُ الْقَصَائِدُ وَالْمُثْنَوِیَاتُ

به توفیق ناظم امور عالم که مصرعهٔ موزون قد شاهدان و بیت پر مضمون ابروے
شوخ نگهبان را به نحوے آراسته که آهو گیران را مجالے نیست که بر وی ناخن انگشت عیب
بینی زنند و رباعی عناصر و خماسی حواس بنحوے پرداخته که خورده یابان را یارائے نه که
جز قبول حرف گیریش نمایند تا این زبان از مجموعهٔ کلیات فخر شعرائے زمان و شرف
نظماء دوران میرزا رفیع السّودا که شاهین بلند پرواز فکر تیزبینش صید مضامین
را تا بعالم بالا نمی گذارد و شنقار سخت گیر خیال والایش شکار معنی را از عرش اعلیٰ
می آرد خوش خیالی و خوش فهمی که دوران را با این دوران تشبیه رنگینی نظیرش
در عالم کون به نظر نرسیده و بلند فکری و اعلیٰ دریابی که با این همه که چرخ چنبری را از
کهن سالگی پشت بخم آمده تا این زبان عدیلش را مشاهده نه کرده خاقانی اگر زنده
بودے در پیشگاه شاعریش کاسهٔ درویشی بدست گرفته دریوزهٔ تلمّذ استدعا نمودے
و عرفی اگر بقالب حیات ماندے آوازه معروف نطقش مجهول گردیدے قصائد مثنویات
با تمام رسیدند و ازین جا دیوان فارسی شروع گردیده و الله الموفق بالاتمام
و بیده المرام + +

تمت

غزلیات

ای کہ در چشمم بہر صورت تو منظوری بیا
وی بدل نزدیک من از من چرا دوری بیا

در ملاقاتم بخود بہتانِ مہجوری بیا
منکہ میدانم ترا از نوعِ کہ مہجوری بیا

من بدل جورِ ترا بہتر ز مہر انگاشتم
گرچہ در ذیلِ ستم کیشاں تو مشہوری بیا

مانعت امروز اے چشم و چراغم گر کسی است
شب بکش در دیدۂ او سرمۂ کوری بیا

نامۂ وصلِ ترا خط بر رخت آوردہ است
رفت ایّامِ فراق و وقتِ مہجوری بیا

یکسرِ مو شوکتِ حسنت نخواہد کم شدن
من گدائے کاسہ در دست و فغفوری بیا

گوش عالم زشتہارِ عشقِ پاکِ من پرست
جان من از وارثاں بگرفتہ دستوری بیا

منکہ از خود می روم ہر گہ تو می آئی بروں
اے بہ قربانت چرا در خانہ مستوری بیا

بے تو گردوں روزِ سودا را شبِ دیجور ساخت
اے سراپا رشکِ نورِ شمعِ کافوری بیا

گر تکلّمت وا کند تا آں دو لعلِ بستہ را
می خرد سودا بہ نقدِ جاں دلِ بشکستہ را

داد خواہِ کیست یارب اینکہ از گل نوبہار
ہر سحر بر چوب بندہ جامۂ خوں بستہ را

می کنم ہر چند پنہاں رازِ عشق اما چہ سود
چارہ نتواں کرد غمازی حالِ خستہ را

غافل از عالم مشو صیاد ورنہ مشکل ست
باز آوردن بسوی دامِ صیدِ خستہ را

جز صبا بندی قبای گل نہ بکشاید کہ حُسن
آورد در قیدِ خدمت مردمِ وارستہ را

بوالہوس گر خوی تو را سوخت باز اورا مخواں
کار با آتش دگر بنود سپندِ جستہ را

مغتنم داں صحبتِ باہم کہ می ساند جدا
دہر چوں بادام توام دل بدل پیوستہ را

کے اماں جوید دل بشکستہ از سختی دہر
احتیاط از سنگ باشد شیشۂ بشکستہ را

با دلِ دیوانہ بر طورِ خودش بگذاشتند
کز نصیحت ہیچ سودے نیست از خود رستہ را

بادلِ صد پاره سودا می کند گلگشت باغ
می رود دیوانه هر طرفِ چمن گلدسته را

من بساطِ عیش خود را برنه چینم تا کجا
خنده زن بر شادیِ من اہل ماتم تا کجا

خونِ دل تا کے خورد در سینه اندوهِ طرب
جاں به فکرِ شادمانی طعمهٔ غم تا کجا

راضیم گر چرخ زیرِ تیغ بنشاند مرا
از برائے منزلے ساماں بگردم تا کجا

جز نمک پاشی بخاطر ره نمی یابد علاج
بر جراحتہای تیغِ عشق مرہم تا کجا

ہمتِ فقرم بخواہد شاہیِ ناپائدار
زیں کله بر حباب آسا ببالم تا کجا

اختلاطِ او بمن ناصح دو روزے بیش نیست
صحبتِ جنسِ پری با نوعِ آدم تا کجا

غافل از بدنامیم منشیں که ناموسِ ترا
میبرد رسوائیم واللہ اعلم تا کجا

ہیچ سگ چوں من بعالم تابعِ امرِ تو نیست
گفته هرگه بد و گاہے نگفتم تا کجا

در فراقِ رفتگاں با غم نسازم تا بکے
در مقامِ فرقتِ چندے بگریم تا کجا

از بیاضِ عمر صفحہہای رنگیں رفته است
یک ورق گردانی ماندست اینہم تا کجا

از تلاش و سعی سودا تا بکش پیرانه سر
حلقهٔ درہا زدن با قامتِ خم تا کجا

خاشاک شمردیم همه اسبابِ جہاں را
باخس نبود دوستی آتش نفساں را

زخمِ دل کز بخیهٔ مرہم نه پذیرد
باید که باندیشه کشی تیغِ زباں را

اہلِ نظر آنند که چوں شعلهٔ فانوس
بینند بیک پرده نہاں را و عیاں را

شایانِ جرس قافلهٔ ریگِ رواں نیست
کے ناله گلوگیر شود مُرده دلاں را

تنہا نه موج خنده زند بر بقائے ما
چشمک حباب نیز به نشود نمائے ما

از کوچهٔ فراغتِ دل کے تواں گذشت
آزادگی ما شده زنجیرِ پائے ما

بستیم در بروی دو عالم سرائے ما — جائے فرشتہ نیست بخلوت سرائے ما
آئینہ ایم و طعمۂ زنگار گشتہ ایم — تا زشت را ملول نسازد صفائے ما
مہ پیش یار در حقِ پروین زبان کشود — یک خوشہ چین حسن تو این ہم سوائے ما
مارا بدل امیدِ رہائی خیالِ محض — دام از نگاہِ تست قفس از قفائے ما

حیوان طمع ز جنسِ خود اصلا نمی کند
این ننگ ہیچ کس نہ پسندد سوائے ما

نخورد آب بما ہم دلِ درویشے ما — ہست بیگانہ ز ما رابطۂ خویشی ما
سعی امروز کنم از چہ برائے فردا — می زند خندہ بما عاقبت اندیشی ما
ما فنائیم ز جورِ فلکِ دون خود را — شانۂ زلفِ جفا ساختہ دل ریشی ما

کز برون زان کوچہ نتوان کرد این دلدادہ را — باد بردارد مگر خاکِ منِ افتادہ را
ما بنقشِ پای مردم قطع منزل چون کنم — ہر کہ رہ گم کرد او جوید بہ صحرا جادہ را
کفر و دین عشق ہم یارب نقیضِ دیگر اند — یا بمن دہ کفر یا دین آن برہمن زادہ را
صد بہار آخر بہار آخر شد از ساغر ہمچو گل — من بجز خونِ جگر گاہے نخوردم بادہ را
ناصح از راہِ کرم مارا نصیحت می کند — جز شنیدن ہیچ نتوان گفت مرد سادہ را
عاشقِ مہجور را از شادیِ عالم چہ سود — روزِ عاشورست روزِ عید غم آمادہ را

بسکہ پابندِ خدنگ گشتم سودا ہر بس
زندگانی دائم الحبس ست این آزادہ را

رو شعلہ بر دل از نفس سرد داغِ ما — روشن شود ز بادِ سحر گہ چراغِ ما
آتش فشان ستگ دیر آسیای چرخ — خواہیم بہر نان چو شود گرد باغ ما
از رہبریِ عشق بجای رسیدہ ایم — ہمہ خضر گم شود بہ تلاشِ سراغِ ما

چوں لالہ از درون برون پُر ز آتش ست — طاقت کرا کہ تا بلب آرد ایاغِ ما
از اختلاطِ او دل یک غنچہ وا نشد — شرمندہ رو نسیم برون شد ز باغِ ما
از تیرگی اخترِ ما لرزد آفتاب — شہباز خائف ست ز چنگِ کلاغِ ما
ما گر شویم یا شود او گنگ تا کجا — سازد بہرزہ گوئی ناصح دماغِ ما
آید بہ پیشِ ما کہ ز معمورۂ جہان — رو کردہ جغد ہم نہ پرد سوئے راغِ ما

شاکی ز تنگدستی خود در جہان نیم
سودا نصیب شہرۂ باشد فراغِ ما

چوں دل نتواند کہ کند ترکِ وفا را — انگاشتہ ام مہر بہ عشقِ تو جفا را
در سلسلہ ام نیست بجز درسِ اسیری — من طرفہ لغت می شمرم لفظ رہا را
بوسے کہ برد ہوش بشگفتنِ گل نیست — تا او بچمن وا کند بند قبا را
تقدیر بجا ماند چساں حیرتم این ست — آں روز کہ مژگان ترا کرد صف آرا
بود ز گرہ طرۂ سنبل نہ چنین ست — این عقدہ کہ وا کرد بپرسید صبا را
او قاتلِ خلق ست ہر آنکس کہ نیامیخت — در جلوۂ حُسنِ تو چنین ناز و ادا را
با من نبدی ذکر عزیزاں چہ ضرور است — بشناختم اے دوست بخوبی ہمہ یا را
بیمار تو می گفت سحرگہ بہ پرستار — در صحبتِ ما دخل دوا نہ غذا را
ممکن کہ لبش تا بہ لبِ ما برساند — در کوزۂ خضر آنکہ کند آبِ بقا را
دی شد طرفِ باغ چو سودا گذرِ ما — بودند ہمہ مرغِ چمن زمزمہ آرا

ناگاہ ز قمری چو شنیدیم صدائے
گفتیم و برفتیم کہ عشق ست صدا را

باشد از گریہ ام دل سوزانِ من در آب — این طرفہ آتشی ست کہ دارد وطن در آب
مانند شمع ز آتشِ سودا و جوشِ اشک — باشد سرم در آتشِ سوزان تن در آب

زاں آتشے کہ عشقِ تو درجانِ من زدست ... گوہر شرر شود چو فتد عکسِ من درآب
گردید بسکہ آب زشرمِ لبت عقیق ... شد غرق ہمچو مردمِ آبی وطن درآب
از جوشِ گریہ مردمِ چشمم شب فراق ... گردید ہمچو مردمِ آبی وطن درآب
گردد گہر بحرف سادت قطرۂ گلاب ... شوید چو روی خویشتن آں گلبدن درآب

سودا بگریہ شور و فغانم نگشت کم
حرفیست ایں کہ نیست صدائے سخن درآب

آں شعلہ کہ در خرمنِ ہوی شرارِ اوست ... دیدم بمقامے کہ لبم قفل دراوست
آتش بہ دلم میزند ایں ننگ کہ ایں شوخ ... مخفی ست پس پردہ و بیرون خبراوست
اے شیخ زجاروب کشی میکدہ مرپرس ... رازیکہ نہانست زتو درنظرِ اوست
آں مے کہ بیک جرعہ زخود برد جہاں را ... ظرفِ دلِ عاشق بتلاشِ اثرِ اوست
کے مرغِ دلم را ہوس سدرہ نشیمن ست ... در چنگلِ شہباز کسے بال و پرِ اوست
من معتکفِ دیر ازاں گشتہ ایم اے شیخ ... زاں در چو من راکہ نرانند دراوست
آں شمع کہ در پردۂ فانوسِ خیال ست ... ایں مجمع آراستہ قربان سرِ اوست
گلدستۂ دوران بایں رنگ و بہار است ... نازک کہ کیست کہ بندِ کمرِ اوست

قسمت چو بپرسید زآب و خورِ سودا
منشیِ قضا گفت کہ خونِ جگرِ اوست

[illegible] زمانہ چو جانہا نمی گذاشت ... نازِ تو جان خضر و مسیحا نمی گذاشت
شد بے تو مرگ و زیست چو یکساں زمانہ کاش ... بہتانِ زندگی بسرِ ما نمی گذاشت
[illegible] قدر کہ تشنۂ دیدار تست اگر ... بودی بہ آب قطرۂ بدریا نمی گذاشت
[illegible] گر زتندی خوے تو آگہی ... آتش زتن ز دامنِ خارا نمی گذاشت
[illegible] کہ پیشِ تو خوار ست بہ او ... اکثر ہجومِ مشتریاں جا نمی گذاشت

بودے کریم را چو براعمالِ ما نظر — کارِ جزائے خلق بہ فردا نمی گذاشت
بستی چو دہر برزخ صرصر در جناں — تا حشر خاکِ مادرِ او را نمی گذاشت
ترکِ تعلقش ز جہاں می شدے درست — عنقا چو نامِ خویش بدنیا نمی گذاشت
یاد آں زمانہ کہ پسر را پدر بشہر — ناصح ز اشتہار تو تنہا نمی گذاشت
پشتِ فلک ز بارِ تواے عشق می شکست — تقدیر گر بنائے تو برپا نمی گذاشت

جانباز کس ندید چو سودا براہِ عشق
جای کہ سر ز تن برد و پا نمی گذاشت

غم ز ایامِ جوانی یادگارے ماندہ است — تشنہ مے شد برون از سر خمارے ماندہ است
حسن جای عشق می گیرد کہ بعد از کوہکن — نقشِ شیریں را ببیں در کوہسارے ماندہ است
مغتنم داں در قفس مرغِ دلم را چند روز — ورنہ بر پایش ز چندیں دام تارے ماندہ است
آہوی چشمت بہ پہلو دارد از دنبالہ پر — آنکہ زخمے نیست از دستِ شکارے ماندہ است
ذرہ ہم از عشقِ ما در دل بود غافل مباش — شعلہ روزی ہمکشد سر کز شرارے ماندہ است
عشق او نگذاشت از ناصح بمن ہیچ اختیار — اختیارم گریۂ بے اختیارے ماندہ است

رحم کن بہرِ خدا بر غربتِ سودا کہ او
در دیارت دور از خویش و تباری ماندہ است

دانم کہ عشق ہمچو من قاتلِ تو نیست — کز مہر و کینہ ہیچ ز من در دل تو نیست
باآنکہ من بدرد تہِ بادہ ساختیم — آہم بکام تشنہ ام از محفل تو نیست
باید کہ زیرِ تیغ تو دم بر نیاورد — بر خاک بسملے تو طپد بسملِ تو نیست
خود را درون پردہ نہفتن چہ حاصل است — صد پردہ پیش آب نظر حائلِ تو نیست
جز چاشنی دردِ تو دل را چہ لذت است — اے وائے بر کسے کہ دلش مائلِ تو نیست
بے سوز سینہ کس بتو آشنا نمی رسد — جز داغِ دل چراغ در منزلِ تو نیست.

وحشی نماند از زمین بر نگه که او … مجنون صفت روز در پی محمل تو نیست

صد کار دست بسته بر آید ز تو مگر … رحمی بجان و دل شده کز دل تو نیست

سودا شب بو [illegible] دیدیم تا [illegible]

جز تیغ ناز یار اجل قاتل تو نیست

[illegible] زما بجهان [illegible] گیران گر ست … بگو که گوشش ترا میل یا که بیشتر ست

پرده تیر تو پیکان [illegible] … که دل ز زخم سنان خانهٔ هزار در ست

سنگ و تیشه و فرهاد هر طرف خبر ست … [illegible] ما نرسد کس که ناخن و جگر ست

گل وفا چو نباشد ز باغبان مهرے … [illegible] سرو [illegible] ست

ما پیام آن گو که می برد [illegible] ت … زبان بریده بجائے که صد پیامبر ست

[illegible] چه عجیب گر شوم ز [illegible] … [illegible] آفتاب شود خشک دامنی که تر ست

[illegible] سوخته را با تو گرم جوشی [illegible] ست … که شمع نامه و پروانه مرغ نامه بر ست

[illegible] گل ز چمن رفت با غبان [illegible] … [illegible] مرغ سحر بای بای نوحه گر ست

[illegible] صبر که شد از گریه خشک چشم [illegible] … [illegible] شک پارهٔ جگر ست

یا بیا نفسے چند شمع بالیں شو … [illegible] خستهٔ عمرت امشب بجات دگر ست

[illegible] بے [illegible] سودا

[illegible] صاحب [illegible] ست

[illegible] خبرم از حال [illegible] از دست رفت … [illegible] کارے بنادانی که کار از دست رفت

[illegible] عشقم [illegible] … [illegible] کردم عنان اختیار از دست رفت

[illegible] گفتگوی ترا [illegible] … [illegible] کسے چون اعتبار از دست رفت

[illegible] … [illegible] از دست رفت

[illegible] … [illegible] مشت غبار از دست رفت

بال مرغ نامه بر فرسوده پای قاصدان | چشمم شد از کار و کارِ انتظار از دست رفت
خوبیِ چشمِ بتان وابستهٔ حسنِ خط ست | باده بی لطف ست چون فصل بهار از دست رفت
داد از دستِ تو ای صیاد قصدِ صیدِ من | کردهٔ وقتی که هنگام شکار از دست رفت
ما ز شوقِ وصل در اثنای ره خواهیم مرد | طاقت از پا می رود صبر و قرار از دست رفت
توبه دیشب کردم و امروزم از جوش خم | آن قدر خوردم که سیرِ لاله زار از دست رفت

موجبِ خاموشیم سودا چه می پرسی که من
داشتم دل نام شخصی غمگسار از دست رفت

به چهره راه خط آن نگار نتوان بست | در حدیقه بروی بهار نتوان بست
تو می روی ز بر ما بگو چه چاره کنم | که پای عمر درین ره گذار نتوان بست
من از معاملهٔ خط و حسن دانستم | ز خنجر شنبه ره شهریار نتوان بست
دلا حدیثِ حسودان بکس نباید گفت | که بی مشاهده تهمت بیار نتوان بست
مقر باز تو غیر از حریم جانان نیست | کمر بصید حرم روزگار نتوان بست
مگر به راه نوردی بدشت غربت گفت | که راه آبله بر روی خار نتوان بست
کشاد کار تو از دهر موردِ تنگی ست | گره چو وا نشود استوار نتوان بست
بگرد حسن تو یوسف نمی رسد لیکن | بروی خلق در اشتهار نتوان بست

علاج شانهٔ زلفش چه سازم ای سودا
رهِ گزند بدندان مار نتوان بست

افسوس پای عیش جهان را قیام نیست | جز گردش زمانه درین بزم جام نیست
نام و نشان مخواه بعالم که گشته اند | چندی نشان بخاک برابر که نام نیست
آخر مآل کار ترقی تنزل ست | جز کاستن بطالعِ ماهِ تمام نیست
قهر ست روز و شب همه دیدم خموش باش | ایفای وعدهٔ تو درین صبح و شام نیست

ما مرغ پرشکسته گلزار عالمیم / پرواز ما بسوی چمن به خرام نیست

قاضی اگر نگه بسوی قاتلم کند / خون مرا بحکم اشش انتقام نیست

افتادگی مشاهدهٔ پخته مغزیست / کان ثمر بشاخ بماند که خام نیست

آزادگی بامن اسیری نمی رسد / در گوشهٔ قفس خطره و خوف دام نیست

مومن ز حور گوید و ترسا ز دخت رز / مارا دماغ بحث حلال و حرام نیست

از فکر زاد راه و چه غافل نشستهٔ / این منزل خراب و محل قیام نیست

از شیشهٔ فلک مطلب می که این دنی / جامی بماه می دهد این هم مدام نیست

می خواست تا بخلوت خاصش نهد ملک / دامن ادب کشید که باش اذن عام نیست

سودا بجای نامه هما استخوان برد

کس را به پیش یار مجال پیام نیست

عشق تو ز پروانهٔ ما تا به مگس سوخت / این شعله چو برخاست ز جانان کس و کس سوخت

در مجمرهٔ چرخ نه عودیم نه عنبر / این سفلهٔ دون بهر چه ما را بهوس سوخت

گردید شرر اشک ز آه دل گرمم / این قافله را شعلهٔ آواز جرس سوخت

کلبی که برویم در خلوت بگشادی / چون شمع دلم پیش تو از ضبط نفس سوخت

گر نکهت گل باد سحر سوی من آرد / جانم بجگر فتاری مرغان قفس سوخت

می داد دل ما سبق ناله به بلبل / بود آنچه بگلزار چه از خار و چه خس سوخت

اندیشه نداریم ز خورشید قیامت

سودا من ما تاب و تب عشق ز بس سوخت

جوهر آینه از تاب رخش سوخته است / حسن در آب عجب آتشی افروخته است

خرمن صبر مرا می زند آتش هردم / برق انداز تبسم ز که آموخته است

پیرهن و پوشش مستو غزاله که خیاط ازل / جام جم تو از تار قفس دوخته است

جز غم درد خود از عاشق دل خسته مخواه / دیگر از دولت عشق تو چه اندا خته است

منهدم کفر شد از دولت ادای سودا
شیخ ایمان بجهان این همه نفروخته است

چرا روم به گلستان دریں بهار عبث / که هست سیر چمن بے مے و نگار عبث

کسے بکشور خوبان بلاد دل نرسید / فغان و ناله بود اندریں دیار عبث

مرا که بے مے و مطرب بوجد می آیم / بمای نغمه و صهبای خوشگوار عبث

برنگ نخل خزاں دیده ایمن ست از سنگ / نهال من نفشاندست و برگ و بار عبث

زگرد کینهٔ ما صاف کن دل اے سودا
مدار آئینهٔ خویش پُر غبار عبث

در پرده بما ناز سزاوار تو باشد / کو دیده که او قابل دیدار تو باشد

یوسف که بجز مهره ببازار بار زد / آنکس نخرد هر که خریدار تو باشد

در آئینهٔ مهر بچشم همه ذرات / پیداست که عکس مه رخسار تو باشد

دل دارم و جاں دارم و دیں دارم و ایماں / از من بتاں انچه که درکار تو باشد

بودن پے آزار دل ما بتو آساں / غیر از نگه لطف که دشوار تو باشد

کوشش بشناسد بجهاں ایں دو صدارا / آنکس که دلش محرم اسرار تو باشد

گر بانگ صلوٰة است و گر نالهٔ ناقوس / ایں زمزمهٔ مرغ گرفتار تو باشد

جان و دل و دیں در تن زارم نه عزیز ست / چیزیست که ایں هم پے ایثار تو باشد

سودا بنگاهے نخرد ظل هما را
تا در نظرش سایهٔ دیوار تو باشد

درکشوریکه ناز و ادا می فروختند / عشاق جاں به نرخ گیا می فروختند

داریم سادگی که بیازار خود بتاں / دزدیده دل زما و بما می فروختند

افلاک را اگر بجهان قدر مایدے — مارا چرا بطالع ما می فروختند
یوسف اگر بعهد تو سی بود در جهاں — او را که می خرید وکجا می فروختند
ایماں بحشر من نگرفتم که رشک و روست — این اهل اتقا برضا می فروختند
از مفلسی بهند هزاران سرفروش — اسپ وبراق روز وغا می فروختند
شد تشنهٔ تبسمت از تشنگی فنا — جائیکه موج آبِ بقا می فروختند
از دست شان پریده بدامت فتاده ام — آنانکه صید را بهوا می فروختند

سوداؔ ازاں بلا وسعادت نشانِ غم
کانجا بجائے چغد هما می فروختند

شادم اگر بهائے دلم یار بشکند — این شادی دگر که ببازار بشکند
جنسِ دلِ مرا تو بمن باز پس مده — این کار قدر رفتم خریدار بشکند
یارب به پیش آں ستم آموز من بیاد — صیاد بال مرغ گرفتار بشکند
بیماری مرا بدلاسائے کس چه سود — هرگه طبیب خاطر بیمار بشکند
کز جز شکستگی به برومندیم ندید — چوں شاخ پُر زمیوه که از بار بشکند
دل برد از من و پے بیرحمیش شکست — چوں محتسب که شیشهٔ مے خوار بشکند
بهر شکستنش نه دهم دل چو ناصحا — ترسم ازاں که خاطرِ دلدار بشکند
بر سر بنه کلاه مبادا که گردنت — زاهد زبار گنبدِ دستار بشکند
بلبل بخواب باز نه بیند غرور گل — او گوشهٔ کله چو بگلزار بشکند

سوداؔ چشم سنبل وگل راچه عزتست
جائیکه بار طرّه به رخسار بشکند

شود دلم چو بهدمم دو چار ناله و گرید — ستم رسیده بر غمگسار ناله و گرید
مدام این دل سرگشته گرد آں چه غضب — بچرخ آید و دولاب ناله و گرید

سحر در آئینہ یارب ببیند او رخِ خود را — چو من مباش بشبہائے تار نالد و گرید
دلم ازاں مژہ فوارہ دار گشتہ شبک — عجب ندار کہ چوں آبشار نالد و گرید
کہ چشم تر نہ کند اندر عزای چو من بکیس — بغیر ابر کہ او بر مزار نالد و گرید
بسینہ خوں شدہ از ضبط دگریہ حذار — اجازتے کہ دلِ بیقرار نالد و گرید
عجب مدار بچندیں جفا و جور کہ دارد — ز دستِ ظلم تو گر روزگار نالد و گرید
مکن تو جور بجدے کہ بے دلی ز جفایت — بہ پیشِ حاکمِ روزِ شمار نالد و گرید
تو خندہ می زنی اے دوست بر خرابیٔ حالم — عدو چو بیندم از درد زار نالد و گرید

چناں مکن کہ دستِ جفا و جورِ تو سودا
ز دورِ شہر تو در ہر دیار نالد و گرید

ہر یکے خواہانِ دل از جنسِ خوباں می شود — تا بدست آورد ظالم در پےِ جاناں می شود
کے کند از بیدماغی صبح گلگشتِ چمن — آنکہ از عکسِ رخش آئینہ بستاں می شود
ہر شبے مانند تصویرات فانوسِ خیال — گرد آں شمعِ شبستاں بزم قرباں می شود
رسم ملکِ عشق را نازم کہ در حقِ مریض — از طبیباں بعد مردن فکرِ درماں می شود
ہیچکس یارب بکس باشد علی الرغم ایں چنیں — من اگر کافر شوم آں بت مسلماں می شود
از پریشانی دریں بستاں دلا غمگیں مشو — غنچہ گل می گردد ایں جا گر پریشاں می شود
بارہا گفتم نمی آید ز پندِ خویش باز — ناصح از گفتارِ خود روزے پشیماں می شود

مے مخور سودا کہ آخر زاہد از ایں مدعا
بر درِ جنت بروزِ حشر درباں می شود

چوں قدم بیروں ز مجلس آں بتِ بیباک زد — حلقۂ بزمِ نکورویاں گریباں چاک زد
خلقتِ آدم چہ نسبت داشت با ہیجانِ عشق — چرخ ایں آتش چرا بر تودۂ خاشاک زد
روحِ پاکِ ما سزاوار تنِ خاکی نبود — دہر از پئے جوہری بر گوہرِ ما خاک زد

مشت خاکی نیست در کویش کہ بر سر پاکند — بہ زمیں آب آنقدر ایں دیدۂ نمناک زد

وائے بر زاہد کہ صائم ماند در فصلِ بہار — اے خوشا رندے کہ او ساغر بزیرِ تاک زد

بے تو اکثر دارد اشکِ من بطوفاں ابر را — شعلہ اندر جوہرِ برق آہ آتشناک زد

جز قصورِ فہم خود سودا بکنہش بے نبرد
پشت پا آخر بروئے قوتِ ادراک زد

گردنم را چوں باں تیغ سر و کار اوفتد — اے خوش آندم کہ سرم در قدمِ یار افتد

کار از دست من افتادہ ازاں می ترسم — کہ سرِ بخت زبوں دست من از کار افتد

بہر سعی از درِ خود گر بنہم پا بیروں — خار از راہِ طلب از سرِ دیوار افتد

مژدۂ وصل تو اے شوخ بداں می ماند — خبرِ عفو چو در گوشِ گنہگار افتد

قصدِ گلگشتِ چمن بے تو گر آید بخیال — پای ایں دل شدہ چوں سرو ز رفتار افتد

سر مکن نالہ بہ تقلیدِ منِ سوختہ دل — آتش اے مرغ مبادا کہ بگلزار افتد

شیخ در صوفیہ ما خلوتیاں دیدیم — اے خوش آنست کہ او بر درِ خمار افتد

مذہبے دہ بمن اے عشق کہ از دولتِ او — گاہ تسبیح بگردن گہے زنار افتد

خم دریں باغ نہ کردہ بطمع قامتِ ما — زیرِ ہر نخل اگر از ثمر انبار افتد

می فروشم دلِ خود را بہ نگاہے لیکن — ترسم آں راز کہ در سمعِ خریدار افتد

پیش ایں مشتہریاں حالِ دلت اے سودا
ہمچو کالائے بدی کو سرِ بازار افتد

تا کار من دل شدہ با سلسلہ افتاد — در بادیۂ قیس عجب زلزلہ افتاد

خارِ رہ تفسیدہ ام و تشنہ لبِ برق — چشم طلبم کے بہ نمِ آبلہ افتاد

گم شد بہ طریقے رہِ دیر و حرم ازیں — کز شیخ و برہمن بہ پیم قافلہ افتاد

در عشق تو کثرت کہ بخواری نگرفتیم — رسوائیِ ما از نظرِ غلغلہ افتاد

از وسعتِ ظرفِ دلِ عشّاق می رسید
عاشق نہ چو منصور تنک حوصلہ افتاد

از گوہر انساں چہ بگویم کہ ز دریا
روزے کہ جدا شد بچہ مزبلہ افتاد

در دین و دل و صبر خرد تفرقہ رو داد
عشقِ تو پلنگ ست میان گلہ افتاد

ہر راہ نوردے کہ بکوی تو قدم زد
از آتشِ عبرت بدلم آبلہ افتاد

در شعر چنانست توارد کہ بگردن
گویا پسر از عقد زنِ حاملہ افتاد

ہر عضو من از من بجہاں تفرقہ گیرد
وقتیکہ میانِ من و تو فاصلہ افتاد

گہ جاں ز تنم بردی و گہ تن ز سوئے جان
اے عشقِ بدستِ تو عجب مشغلہ افتاد

سودا ز حرم تا بہ نجف رفتم و دیدیم
دُر در کفِ پایم عوض آبلہ افتاد

نے گلے در باغ رنگ و بوی او در خواب دید
نے گلِ مخمل صفائے روے او در خواب دید

شد ملک دیوانہ گشت از دست طفلاں سنگسار
گر بسوئش نرگس جادوی او در خواب دید

بر سرِ راہش فتاد آشفتہ خاطر صبح و شام
آنکہ بر رخسارہ اش گیسوئے او در خواب دید

سر ز خاکِ مزارش سر کشد تا روزِ حشر
ہر کہ یک شب قامتِ دلجوی او در خواب دید

ہیچکس را اینچنیں شبہا بہ بیداری گذشت
من ندانم چشم من چوں سوئے او در خواب دید

واعظا باز آ ز پندِ خود کہ دیشب چشم من
پر ز غوغای قیامت کوی او در خواب دید

جز سیہ بختی برائے او دگر تعبیر نیست
آنکہ چشمش وسمہ بر ابروی او در خواب دید

حق بدستِ اوست مفتوں گشت گر بر ماہِ مصر
کے زلیخا ایں رخِ نیکوی او در خواب دید

چشمِ ما تا دید سودا قابلِ زنجیر گشت
صبح آیا زلفِ عنبر بوے او در خواب دید

دردم رود اے تو فزوں شد شدہ باشد
آہم اگر از بحث زبوں شد شدہ باشد

عشقِ تو بصد رنگ چو بگداخت دلم را
ایں شیشہ اگر بوقلموں شد شدہ باشد

در عاشقی از مرگ چہ پروا کہ پئے دل
جاہم اگر از جسم بروں شد شدہ باشد

آں ساقی بے دردِ من اندیشہ ندارد
گل در نظرم ساغرِ خوں شد شدہ باشد

ہرگز برِ اُمید نہ چیدیم ازیں باغ
از بارِ ثمر شاخ نگوں شد شدہ باشد

گاہے بدل از سحر نشد رام خیالش
در شیشہ پری گر بفسوں شد شدہ باشد

کے داشتہ بودیم ازیں ہا جمعِ خام
گو کاسۂ نہ چرخ نگوں شد شدہ باشد

کس موجبِ قتلِ من زاں شوخ چو پرسید
گفتا جرم نیست کہ خوں شد شدہ باشد

از رفتنِ سودا چہ غم آں شاہِ بتاں را
دیوانۂ از شہر بروں شد شدہ باشد

آنانکہ بدستِ تو دلِ زار فروشند
صبر و خرد و دیں ہمہ یک بار فروشند

گر جورِ تو ایں ست بجانت کہ دگر بار
عشاق ز جنسِ دل اگر عار فروشند

از حلقۂ خوباں بدر آں رخ بیفزا
ایں گل بود ارزاں کہ بگلزار فروشند

ما صورت داد و ستد دل چہ بگوئیم
چوں مرغ اسیرے کہ ببازار فروشند

عزلت نگزیند چہ کند شیخ کہ زنداں
ناکندہ ز تن خرقہ ببازار فروشند

مردم چہ ببازار چرا غرّہ بہ فضل اند
رحمت نہ خرند از تو و کردار فروشند

گر لذتِ دردِ کفِ پا را کنم اظہار
ہر خار بہ نرخِ گل و گلزار فروشند

اندیشہ ز کالای و کاکین بیان کن
اینہا ہمہ یک دست خریدار فروشند

مایوس ز اقرار مشو دل کہ خریدار
چسپاں چہ شود جنس بانکار فروشند

از خوبیِ سودا چو زدم حرف بہ فرمود
باللہ کہ صاحب چہ قدر بار فروشند

عید شد عالمت ثنا خواں باد
دشمنِ دولتِ تو قرباں باد

تا قیامت ملازمِ درِ تو
عید با عشرتِ فراواں باد

بر جنابِ تو تا بروزِ قیام — کرم و لطف شاهِ مردان باد
خوانِ نعمت بگستری در دهر — خلق مرهونِ لطف و احسان باد
خلق گردند حلقه در گوشت — حکمت از هند تا بایران باد
دل و دستِ تو روزِ بخشش وجود — رشک عمان و غیرت کان باد
همچو بحرِ محیط ابر از گفت — بر همه خلق گوهر افشان باد
آستانِ تو باد قبلهٔ خلق — بر درت روی حق پرستان باد
روئے بهبود از تو باد مرا — مشکلم جمله از تو آسان باد
دشمنت همچو چشم قربانے — دائم این رسم عیدِ قربان باد

این دعائے تو می کند سودا
دعوتِ او قبول یزدان باد

هرگز نمی رود ز تنش تا که جان رود — عاشق کجا ز کوی تو اے مہربان رود
در گوشش از ز قصهٔ من داستان رود — آن گل بنازِ بالشِ خوابِ گران رود
رفتن ز باغِ دهر بود ماتمِ عظیم — گل می درد قبا چو ازین گلستان رود
زلفش چو منتشر شود از جنبشِ نسیم — آتش شود بلند بالا دخان رود
سرگرم عجب گشتنہ اے یار خوب نیست — دولت که آوری بگفت رائگان رود
چون شعله هر کسے که کشد سر بر آسمان — مثلِ شررشتاب ازین خاکدان رود
شاهِ بخت که هست درش قبلهٔ مراد — باید مراد هر که بران آستان رود
بر درگهش نشسته ام امیدوارِ لطف — نومید بنده زین درِ دولت جہاں رود

یارم به بزم غیر رود گر نه روے تهر
سودا ستم بجانِ منِ خسته جان رود

چیست اُلفت کیمیا کاندر جہاں شاذ ست شاذ | دوستی در دوستاں ایں زماں شاذ ست شاذ
در فراموشی شعاراں کم بود یاد آورے | تو نویسی خط بما اے مہرباں شاذ ست شاذ
گردشِ دوری بود در آسیاے نہ سپہر | خلق را آرام زیر آسماں شاذ است شاذ
خالی از حکمت نخواہد بود ربطِ تازہ اش | با منش ایں اختلاط اے دوستاں شاذ ست شاذ
بود کے چشمم کہ تشریف آوری از عین لطف | ایں کرم اے مایۂ آرام جاں شاذ ست شاذ
بیوفا یہا شعار او بود خود دیدہ | اے دل انداز وفا از دلستاں شاذ ست شاذ
کم کسے در کفر برگردد با یمانِ درست | در دیارِ ہند جنسِ اصفہاں شاذ ست شاذ

گفت سودا شب شنید او نالۂ من رحم کرد
گوش از و فرسودن شور و فغاں شاذ ست شاذ

نے ہمیں زاں لعل خندانست طغیانِ گہر | باشد از روے عرقناکِ تو طوفانِ گہر
صاف دل ہرگز نباشد از پے آزارِ خلق | لب گزیدن با نمی آید ز دندانِ گہر
آب می گردد برنگِ ژالہ سرتاپا ز شرم | تاب حسنت گر ببیند چشم حیرانِ گہر
در جہاں قدرِ سخن از مستمع گردد بلند | می شود پیدا بگوشِ دل نوا شانِ گہر

راز با روشندلاں سودا بکس پوشیدہ نیست
ہست سوراخِ جگر زخمِ نمایانِ گہر

عشرت مطلب بباغِ تصویر | کے ماہ دہد ایاغِ تصویر
غم نیست ز چرخ بے خبر را | ایمن ز خزانست باغِ تصویر
نظارۂ مجوز چشمِ حیراں | بے نور بود چراغِ تصویر
سودے ازیں جہانِ خرابی ندید کس | گوہر بکف ز موج سرابے ندید کس
کے لذتِ نعمت بہ تنگ مایگاں دہند | خونِ جگر بظرف حبابے ندید کس
تخمِ امید ماکہ ترشح نصیب نیست | بر کشت ما گذار سحابے ندید کس

یوسف بگرد شهرهٔ حُسنت نمی رسد — با آنکه صورتِ تو بخوابی ندید کس
مردم بغمگساری دلِ تفتگاں نیند — تر آستیں ز اشک کتابے ندید کس
کاوش ترا بماست فقط ورنه محتسب — چوں چشمِ یار مست خرابے ندید کس
اشکِ از گداز دل چو نشد سرخ عیب نیست — خوبی رنگِ گل بگلابے ندید کس

سودا خموش رمز و حرفست شرحِ عشق
در باب ایں مقاله کتابے ندید کس

زاندم که برد جلوهٔ صیاد در قفس — نے گل بخاطرم ز چمن یاد در قفس
شادی نه از بهار و نه غم از خزاں بدل — زیں هر دو ایں اسیر شد آزاد در قفس
گل را نمی شناسم و نه روشناس گل — هستم ز تخم مرغ قفس زاد در قفس
نه کشود کس بسلسله ام چشم در چمن — از بیضه ما بروں شد و افتاد در قفس
باشد نصیب سامعهٔ حدید پیشگاں — از بلبلاں شنیدنِ فریاد در قفس
تیرست از برای دل درد آشنا — هر نالهٔ ز مرغِ چمن زار در قفس
سودا شنیده ام که بعهدِ اسیریم — روزے عجیب حادثه رو داد در قفس

من مردم از تغافل و او شد بقید غم
آزاد گشتن بلبل و صیاد در قفس

در میکدهٔ ما چو رسیدی ز حرم باش — ایں خانه چو آں خانه نه تنگ ست تو هم باش
در محفل مستان ازیں بیش کشے نیست — یک جام بگیر از من و هم پهلوے جم باش
شب طفل سرشکم ز غضبهاے تو جهاں را — می خواست کند غرق که خبرباز ز دم باش
قرباں غلط کردنِ راه تو شوم من — گر آمدهٔ گرد تو گردم دو سه دم باش

سودا بتو قدرت بزر و زور ندارد
اے شوخ بمنت بسماجت بقسم باش

باشد ز زہر آب بہ تیغ زبانِ خلق	اے وائے بر کسے کہ فتد در دہانِ خلق
گشتیم سر بسر ہمہ بازارِ دہر را	خالیست از دماغ محبت دکانِ خلق
گوہر بعین بحر ز دریا جدا بود	عارف خداست گرچہ بود در میانِ خلق
زاں پیش کافتاب شود شمع بزم دہر	پروانۂ چراغ رخت بود جانِ خلق
آگہ اگر ز طینتِ اہلِ جہاں شود	ہرگز غبار سگ نخورد استخوانِ خلق
آں شوخ چوں سوار شود بر سمندِ ناز	از دست اختیار رباید عنانِ خلق

گر خواہی اینکہ در اصل درگاہِ حق شوی
سودا بکش تو پای خود از آستانِ خلق

از بس ز بوئے زلف تو گردید خوار مشک	مانند عاشقانست برِ روزگار مشک
جز زلف یارِ من کہ چکد مشک ترازو	ہرگز نہ دیدہ ام کہ بر آید ز مار مشک
دارد ز بسکہ نیم شبے خوں ز خطِ یار	بر گردِ خود ز نافہ کشید وحصار مشک
توش خلق را ز بخت سیہ ہیچ باک نیست	نبود ز تیرہ بختی خود بے وقار مشک
آبِ سیاہ بخت وز نافِ غزال ریخت	از بس ز بوی زلفِ تو شد شرمسار مشک
تنہا نہ سنبل ست ز زلفش بہ پیچ تاب	در خوں نشست ازاں خط عنبر بہار مشک

سودا عبیر طرۂ او کردہ بر صبا
خیزد ز صحن باغ بجائے غبار مشک

دوست در عشقِ تو ما را دشمن جاں در بغل	تیر مژگانِ ترا گشت و پیکاں در بغل
در فراق از داغہای دل مرا عیش ست عیش	بے تو شبہا می کنم سیرِ چراغاں در بغل
نالہ میخیزد بچندیں رنگ از دل روز و شب	ساخت عشق او مرا شیر نیستاں در بغل
افسرِ شاہی بسر دارم ز خاکِ کوی دوست	گوشۂ خاطر براز ملکِ سلیماں در بغل
بر سمور و قاقم و سنجاب پشتِ پا زدم	می گذارم دست ہنگام زمستاں در بغل

دردِ دل را با کہ گویم آہ ازیں بنبرانِ ہند
بہر زخمش ہر یکے دارد نمک داں در بغل

پائے عیشِ ایں جہاں در لغزش ست اے بیخبر
گو کہ جامِ امشب بدستِ تست جاناں در بغل

می بُرد خر ہیچ از دنیا کسے الّا کہ من
بردہ ام چیزے تمنّا نام پنہاں در بغل

آں بہارِ عمر گو سوداؔ یادم آید کہ من
صبح می رفتم سوئے مکتب گلستاں در بغل

جاں ستم رسیدہ من داد خواہِ دل
دل انچہ کردہ است بجانِ من گواہِ دل

بستاتم از کہ ایں دو عدو خونبہای جاں
دل جرم چشم گوید و چشمم گناہِ دل

یارب بدرد بے اثری نالۂ جرس
گردید بہر قافلۂ اشک آہِ دل

دل گشت و ناتوان و ندا ریم در نظر
جز نوکِ خنجرِ مژہ اش تکیہ گاہِ دل

در برگ ہر گلے بچمن رنگ حُسن اوست
صاحبدلاں چو سیر کنند از نگاہِ دل

اے شیخ گر بسوئے حرم می روی چہ سود
ما صاحبِ حرم نہ رسی جُز براہِ دل

یکشب اگرچہ بزم چو دم جا دہی چو شمع
روشن شود بجانِ تو روزِ سیاہِ دل

دلدار حرف ما نشنود خلق سولۓ اوست
گویم در جہاں بکہ حالِ تباہِ دل

سوداؔ بگو کجا بروم من ز دستِ دل
باشد اگر صلاح روم در پناہِ دل

گہ کعبہ راز کوئے تو بہتر نگفتہ ام
اے بت بخاک داد کہ برابر نگفتہ ام

احوالِ خود ز تیغ تو دیگر نگفتہ ام
تسکین دل بداں کہ مکرر نگفتہ ام

رنگین ترست قصۂ دل خوں شدن ز گل
لیکن بپاس خاطرِ دلبر نگفتہ ام

دل را ادائے شکر تو ہر گہ کہ تنگ ساخت
حرف از شکایتِ تو بجز گر نگفتہ ام

ساقی بگو کہ دست کشیدی ز من چرا
بوسیدۂ زیبا اگر از سر نگفتہ ام

نا محرم ست خضر بجائے کہ می روم
نام مقام دوست برہبر نگفتہ ام

در رشتهٔ جفا دلِ من از چه سفتهٔ — دل گفته داده ام بتو گوهر نگفته ام
آتش نه خوش کند چه کند گر مزاجِ تو — گاہے سخن بروے سمندر نگفته ام
خونِ مرا بریز اگر بهر دعویش — ناصح ترا نوشتن محضر نگفته ام
از بهر دستگیریِ خود در میانِ آب — جاں داده ام و لے بشناور نگفته ام
می گشت چوں دو آتشه از هوش میبرد — زاں وصف چشم یار مکرر نگفته ام
سودا بروے جرعهٔ آبے درین دیار — هرگز بخضر همچو سکندر نگفته ام

احوال تشنه کامیِ خود را بهیچ کس
گاہے بغیر ساقی کوثر نگفته ام

بچشمِ مردماں از رهگذارِ سرمه می آیم — من آں نور کز شبهای تارِ سرمه می آیم
خراشِ پردهٔ گوش کسے نبود سوالِ من — گدای بے زبانم از دیارِ سرمه می آیم
در دریای نمیم رائیگاں هرگز نخواهم شد — شکستم گرد بد دوراں بکارِ سرمه می آیم
بنوعے بے زباں افتاده ام در دامنِ گیتی — که گویا طفلِ اشکم از کنارِ سرمه می آیم
جزایں جای پناهم نیست از گفتارِ کجتاباں — برنگِ مردمک اندر حصارِ سرمه می آیم
ز عشق آرایشِ خوباں دلم را بار می دارد — قلاش آنچنانم زیرِ بارِ سرمه می آیم
بچشمِ کم مبیں زنهار اوج خاکساری را — غبارِ راهم و در رهگذارِ سرمه می آیم
رسائی نیست فریادِ دلم بارِ بگوشِ من — مگر آں داد خواهم کز دیارِ سرمه می آیم

بیادِ چشمِ سودا چناں از خویشتن رفتم
که من آلوده چوں اشک از غبارِ سرمه می آیم

خارِ بجگر از گلِ رخسارِ تو دارم — زردیِ رخ از نرگسِ بیمارِ تو دارم
چوں شانه دل چاک و پریشانیِ خاطر — از پیچ و خمِ طرّهٔ طرّارِ تو دارم
تفسیده لبِ زخم یکے قطرهٔ تمنّا — از آبِ دمِ خنجرِ خونخوارِ تو دارم

بر بوی گل بستم و نالانِ دل افگار — بلبل بخوا سنجیِ منقار تو دارم
خاموشم و نقد دل و جان سخن امروز — ای میمبران قیمتِ گفتار تو دارم
خاموشم و گنج گهرای اشک بدامن — از بهر نثارِ سرِ گفتار تو دارم
تا زلف فرو شعلهٔ بر عارض چون ماه — پس روز سیاهی ز نسب تار تو دارم
آن سنگدل آخر سرِ بالین تو نامد — حیرت زده از مردن دشوار تو دارم

دل را کشید جان تا در بر تبسم — زد موج لب لعلش گل بر سرِ تبسم
بجاست ای جفاجو بهر کشیدن تیغ — که یارا که می توان کشت از جوهر تبسم
هنگام ناز دارد پرداز خنده روئی — جبینِ جبین او هم بال و پرِ تبسم
گر چشم تا به بیند انداز خویش را — سرتا بپا چو برق ست یک پیکرِ تبسم
شادیم ای ستمگر گر زخمهای تیغت — شد باز بر دلِ ما صد چادرِ تبسم
ما دور تعب یک جا هرگز نمی نشینیم — با ما سخن به تضحیک با او سرِ تبسم
کو ماهر تبسم تا گویمش به بیند — اینجاست دستهٔ قدرت سوهان گر تبسم
نداز خندهٔ او باغیر سوخت ما را — داغیست شیشه‌ها از اخگرِ تبسم

کاری که بر نیاید سودا از جوهرِ تیغ
آن کار می برآید از گوهر تبسم

در قتل گهم آبی و من روی تو بینم — یک خلق مرا بیند و من سوی تو بینم
صد بار برد پا بگذارم دم برگشت — نقشِ قدم خویش چو در کوی تو بینم
کو طالع بیدار که هر صبح من از خواب — تا چشم بکالم رخِ نیکوی تو بینم
سر خواستن آینده بشمشیر چه حاجت — آرم بکف از جنبشِ ابروی تو بینم
بکشا گره از زلف که دلهای بتار را — تا حلقه بگوشش خم گیسوی تو بینم
بخرام که خواهم سر شمشاد فدا را — پامال خرام قدِ دلجوی تو بینم

گفتم کہ من از عشقِ تو دلبر کنم اے شوخ   تا کے بسرِ خود ستم از خوئے تو بینم
گفتا کہ بود باورِ من حرفِ تو سوداؔ
ہاں زود بکن قوتِ بازوے تو بینم

یار را بر دبدنِ آئینہ مائل کردہ ام   مہر و ماہے تازۂ باہم مقابل کردہ ام
شرحِ بیتابیِ فراواں بود بہرِ اختصار   نامہ بر امروز مرغِ نیم بسمل کردہ ام
دعوئ خونم بہ فرزندانِ من کے می رسد   منکہ خونِ خود بمنت وقف قاتل کردہ ام
ساکنِ دیر و حرم باہم غبارِ خاطرند   من بہر جائیکہ رفتم خانہ در دل کردہ ام
با ملیحاں زاہدا امروز ساغر می زنم   من نمک در می ز تشنیعِ تو داخل کردہ ام
داشت خطِ بندگی از من رخِ بے موی تو   آرزوی خط منش آں شوخ باطل کردہ ام
خاک کویش تا نگردد سرمۂ چشمِ رقیب   من ز خونابِ جگر آں خاک را گل کردہ ام
بسکہ سوداؔ ایں تتم کا ہید ہنگامِ بہار
من ز موجِ اشک خود دریا سلاسل کردہ ام

ہرگز کہ آں بوصل تو یکجا گریستم   امروز بر جدائیِ فردا گریستم
از پردۂ نابرون نہ افتد رازِ عشقِ دوست   رفتم بروں ز شہر و بہ صحرا گریستم
کشتِ محبتم نہ شد از آب دیدہ سبز   گویا چو ابر بر سرِ دریا گریستم
چوں چشمِ چشمِ من نہ شد از گریہ بہرہ مند   روزانہ گریہ کردم و شبہا گریستم
یک خلق را بگریہ در آورد گریہ ام   گاہے نہ شد بیادِ تو تنہا گریستم
چوں نخلِ آب دیدہ زباندان بباغِ دہر   بارش نمود از ہمہ اعضا گریستم
کردم ز بسکہ بر سخن ارلماں عمل   آخر بحرفِ مردمِ دانا گریستم
سوداؔ وصالِ یار بعمرے چو دست داد
در بر کشیدہ تنگ من او را گریستم

جلوهٔ حسنش بهر جا بود و من می سوختم
داغ عشق او بدلها بود و من می سوختم

آتشِ هجر آنچناں تیزست کاب چشمِ من
از سرم یک نیزه بالا بود و من می سوختم

چهره ات را شعله کس می گفت و کس مانندِ شمع
هیچ تشبیهات بیجا بود و من می سوختم

عالمِ آب امشب آتش زد مرا در بزمِ او
با رقیباں باده پیما بود و من می سوختم

وعده های وصل با اغیار ایفا می نمود
با منش امروز و فردا بود و من می سوختم

بسکه بازوی تو نسبت داد شمعِ انجمن
بر رخش پروانه شیدا بود من می سوختم

بے توای رشکِ گل گلزار در فصلِ بهار
لاله آتش زن بصحرا بود و من می سوختم

خط بگردِ عارضِ آں شمع رو چشمم ندید
دود از یک شعله پیدا بود و من می سوختم

جنس حسن افتاده آخر چه در بازارِ عشق
هر یکے سرگرم سودا بود و من می سوختم

اگر خاکم کنی یارب بکوی دلربا افتم
بپای ره نورداں تا کجا خیزم کجا افتم

غرورِ نازِ ایامے که هرگز سر فرو ناید
اگر صد بار چوں رنگِ حنا در دستِ پا افتم

تو هر جورے که خواهی کن زمن هرگز نخواهد شد
میانِ دادخواهانِ تو در روزِ جزا افتم

گلستاں بلبلِ طبعِ مرا شد معنیِ رنگیں
چو شاخِ گل بگردد مصرعِ من از نوا افتم

اجل از جستجوے ها مرا کے باز می دارد
شوم گر خاک در عشقش که دنبالِ صبا افتم

بعشقِ خوش نگاهاں راضیم گر صد جفا بینم
خدا آں روز ننماید که از چشمِ وفا افتم

بآبِ خضر کے لب تشنهٔ نازِ تو رو آرد
لب خود را نسازم چوں در آبِ بقا افتم

لباسِ عارضی آزادیِ من بر نمی تابد
که چوں من سایه می خواهم ز جسمِ خود جدا افتم

با بنائے زماں کے همتِ من سر فرود آید
بروے خاک اے سودا اگر از پشت پا افتم

هرگز بجهاں ما غمِ دستار نداریم — چوں مهر ز عریانیِ سر عار نداریم
چوں گوهرِ ناسفته از اسبابِ معیشت — دلبستگیِ خویش بیک تار نداریم
در کعبه یهودیم و مسلماں بدرِ دهر — آرام بجز خانهٔ خمار نداریم
با ناله بسازیم عزیزاں که دلِ خویش — در سینه کم از مرغ گرفتار نداریم
ما بندهٔ عشقیم و مبرّا ز مذاهب — با شیخ و برهمن سرِ پیکار نداریم
بلبل دلِ نالاں و خیالِ رخِ او گل — با بلبل و گلزارِ جهاں کار نداریم
بر عرضِ تمنا دهی گوشش چو امروز — فرداست که با طاقتِ گفتار نداریم
آئینه غبار از نفسِ ما نپذیرد — بر خاطرِ کس ز اهلِ جهاں بار نداریم

ناز و نگهِ عشوه بهای دلِ سوداست
زیں هر چه خرد یار که انکار نداریم

اشک از بسکه گره گشته مرا بر مژگاں — می نماید به نظر رشتهٔ گوهر مژگاں
شب خیالِ سرِ زلفِ تو بچشمم بگذشت — گشته چوں سنبلِ فردوس معطر مژگاں
بسکه بر یادِ لبش گریهٔ خونیں کردم — سُرخ چوں پنجهٔ مرجاں شده یکسر مژگاں
نے همیں دیده ز خورشیدِ رخش یافته نور — همه چوں خطِ شعاعیست منوّر مژگاں
چشم از لختِ جگر غیرتِ آتشکده شد — می نماید به نظر مالِ سمندر مژگاں

ایں قدر آب نماند از تفِ دل اے سودا
که با فشردنِ چشم نشود تر مژگاں

از دلم چوں آه آتشناک می آید بروں — دود از هر یک خس و خاشاک می آید بروں
می برآید آنچناں از کلبهٔ احزانِ من — چوں ز چشمِ خسته جانِ پاک می آید بروں
طاقتِ صبر و تحمل را تغافل می برد — جاں ز تن زاں غمزهٔ فتراک می آید بروں
اشک را نسبت نباشد هیچ با چشمِ صدف — ایں گهر از دیدهٔ نمناک می آید بروں

تا بلب از بروں ساغر یقیں شد بر دلم — مے بذوقِ بوسہ ات از تاک می آید بروں
غافلے از حالِ آں بیمار کاندر خانہ اش — ہر کہ خرّم می رود غم ناک می آید بروں
آخر شبہا بکوے او نمی دانم کہ کیست — یک صدائے از دلِ صد چاک می آید بروں
حرف اے سودا برائے اعتراضِ معترض — از زبانِ ہر یکے بیباک می آید بروں

از تو می پرسم بمرگِ من ترا لطف از سخن
تا نباشد قوتِ ادراک می آید بروں

لالہ بید و چراغ ست چہ می بینی تو — ایں ہم از دستِ تو داغست چہ می بینی تو
سینۂ تفتہ ما در دلِ سوزاں در وے — ہمچو اخگر باد چاغست چہ می بینی تو
گل دریں باغ ندیدست کسے اہلِ نظر — خونِ بلبل با باغ ست چہ می بینی تو
چشم را بستہ درونِ دل یک خلق در آ — ایں عجب کنجِ فراغست چہ می بینی تو
گفت رندے بتامل چو ترا دیدم شیخ — برزخِ انس دالاغست چہ می بینی تو
ہمنشیں دور از دورِ نظر ما گلشن — گلخن امروز بباغ ست چہ می بینی تو

سوے دنیا منگر زیر بر فلک اے سودا
جیفہ بہر سگ و زاغ ست چہ می بینی تو

بسکہ بر یادِ قدش نگہ بستم در پای سرد — رو بسر شکم خویش چوں فوارہ از بالائے سرد
ہست بلیشِ چشمِ تر دائم خیالِ قامتش — راست می گویند باشد بر لبِ جوہائے سرد
در دیارِ حسن می دارد بہارِ بے خزاں — ہیچ معشوقے نباشد در جہاں ہمتائے سرد
رشک آں شمشاد قامت بسکہ آتش زد بدل — شد برنگِ شمع صرفِ سوختن اعضائے سرد

مردمِ سرکش ز آئینِ تواضع فارغ ست
سخت دشوار ست سودا سر خمیدن ہائے سرو

تلاشِ مردمِ دانا نه کردی کاش می کردی　　سُراغِ خضر چوں موسیٰ نه کردی کاش می کردی
ز رُخ بندِ نقاب وا نه کردی کاش می کردی　　جهاں را برمن شیدا نه کردی کاش می کردی
سراہے بامیدِ نگاہے بر تو بہ گرفتم　　فغاں کز شرم سر بالا نه کردی کاش می کردی
ز حرفِ خویشتن اے ماهِ کنعاں درچه افتادی　　ز اخواں رازِ خود اخفا نه کردی کاش می کردی
دل از دستت رمیده پُر فریبی کرد تسخیرش　　تو رام ایں مرغِ وحشی را نه کردی کاش می کردی
بخلوت ہم گہے بندِ قبا از ناز بکشودی　　مرا ایں عقده از دل وا نه کردی کاش می کردی
تو اے مه اے غرورِ خویش خود بر آسماں رفتی　　تماشا روی زیبا را نه کردی کاش می کردی

بدستِ محتسب آخر گرفتار آمدی سَودا
تو غافل توبه از صهبا نه کردی کاش می کردی

بنادانی دلِ ما را ز دست انداختی رفتی　　فغاں گوہرِ شہوار را نشناختی رفتی
قیامت رفت بر سر آں زماں محفل نشیناں را　　تو چوں از انجمن قامت بناز افراختی رفتی
بمن بسیار می زد شیخ لاف از عقل و دانائی　　سرت گردم بیک نظاره کارش ساختی رفتی
در اوّل چشم روشن ساختی اے گوہرِ یکتا　　در آخر چوں صدف در سینه چاک انداختی رفتی
پس از عمرے که باصد جستجو در راه برخوردی　　فغاں کز سستیِ طالع مرا نشناختی رفتی

ہزارت آفریں کاندر خمارِ عشق او سَودا
جگر دارانه چوں منصور سر را باختی رفتی

دارم من آشنائی کز روز آشنائی　　هر گه دو چار گشتم پُرسیدم از کجائی
بر نامدن ز منّت از خانه گر سرم راست　　ما می رویم از خود بیروں درچه آئی
خطت بروزِ محشر در جرمِ بخششِ ما　　خطِ سفارش آرد　　جدائی
مشکل که دل برآید از تابِ طرّهٔ او　　گردد ز چنگِ شہباز کے مرغ را رہائی
امید وصلِ جاناں ایں طالعم نباشد　　عمرم رسد بپایاں در بخت آزمائی

دیر و حرم بعالم فانوس یک چراغ اند — بر هر دریکه آئی پروانه‌اش درآئی
ما را بهر تو از ما هر جا دلت نخواهد — ای عشق در رهِ خود تو پیشوائے مائی
گر سد راهِ همّت شد تنگ دستیِ ما — تا هم ز خار بخشد پوششش برهنه پائی
در پردهٔ دو عالم دل بردئی بصد رنگ — ای آنکه وائے روزے بے پردہ رُخ نمائی

سودا! چساں زنم من لافِ خداپرستی
رو جلوهٔ بتِ من گرداند خدائی

هست از ما تیره بختاں خوشنما افتادگی — زلفِ معشوقیم دمے زیبد ز ما افتادگی
پخته چوں گردد ثمر از شاخ می افتد بخاک — هست شاید پختگیهاے مرا افتادگی
از تو ناز و عشوه می زیبد ز من عجز و نیاز — سرکشے از شعله آید از گیا افتادگی
در فنِ افتادگی از بسکه کامل گشته ام — از من آموزد سرشک و نقش من افتادگی
دل الپید نها ز خاکِ آستانش برده بود — دستگیری گر نمی کردی مرا افتادگی

سرخرو خیزد بروزِ حشر سودا! چوں شهید
هر که می دارد بخاکِ کربلا افتادگی

تمّت

ردیف الف

مقدور نہیں اس کی تجلی کے بیاں کا
جوں شمع سراپا ہو اگر صرف زباں کا

پردے کو تعین کے در دل سے اٹھا دے
کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا

ٹک دیکھ صنم خانۂ عشق آن کے اے شیخ
جوں شمع حرم رنگ جھلکتا ہے بتاں کا

اس گلشن ہستی میں عجب دید ہے لیکن
جب چشم کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا

دکھلائیے لے جا کے تجھے مصر کا بازار
لیکن نہیں خواہاں کوئی واں جنس گراں کا

سودا جو کبھو گوش سے ہمت کے سنے تو
مضمون یہی ہے جرس دل کی فغاں کا

ہستی عدم ہم نفس چند کی ہے راہ
دنیا سے گذرنا سفر ایسا ہے کہاں کا

دلا دریائے رحمت قطرہ ہے آب محمدؐ کا
جو چاہے پاک ہو پیرو ہو اصحاب محمدؐ کا

محمدؐ علم کا گھر ہے علیؑ اس کا ہے دروازہ
غلام اس کا ہو تو جو کلب ہو باب محمدؐ کا

قد رعنا جب اپنا خم کیا بہر نماز اس نے
ہوا اس وقت ساجد کعبہ محراب محمدؐ کا

زمین و آسماں کیوں نہ ہوں روشن تو ہے آئینہ
کہ ہے اک پرتو خورشید مہتاب محمدؐ کا

کہا پیر خرد نے موجب خم پشت گردوں کا
یہ بخشش بارکش رہتا ہے اسباب محمدؐ کا

ادا کس کی زباں سے ہو سکے شکر اس کی نعمت کا
دو عالم ریزہ چیں ہیں جس نے کیا قاب محمدؐ کا

ہوا ہے کیا کچھ اہل بیت پر سودا ستم مارا
خدا بن کون ہے آگاہ آداب محمدؐ کا

ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا
موسیٰ نہیں کہ سیر کروں کوہ طور کا

پڑھیے درود حسن صبیح و ملیح پر
جلوہ ہر ایک پر ہے محمدؐ کے نور کا

توڑوں یہ آئینہ کہ ہم آغوش عکس ہے
ہووے نہ مجھکو پاس جو تیرے حضور کا

بیکس کوئی مرے تو جلے اُس پہ دل مرا　　گویا ہے یہ چراغ غریباں کی گور کا

ہم تو قفس میں آن کے خاموش ہو رہے　　اے ہم صفیر فائدہ ناحق کے شور کا

ساقی سے کہہ کہ ہے شبِ مہتاب جلوہ زا　　دے بسمہ پوشش ہو کے تو ساغر بلور کا

سودا کبھی نہ مانیو واعظ کی گفتگو

آوازۂ دہل ہے خوش آیند دور کا

رنگ اُڑتا ہے دیکھ اُسکے تئیں لالہ زار کا　　کرتی ہے جو بہار اُس کے تو اب کام خزاں کا

جز جوہری کیا جانے کوئی قدر جواہر　　سمجھے ہے سخن رس ہی مزا تیری زباں کا

گالی دی مجھے اُن نے دعا غیر نے اُس کو　　محرم نہیں نادان دو اشفاقِ نہاں کا

رنگینی اشک اپنے پہ حیراں ہوں کہ دامن　　رنگیں ہے کسی رنگ سے ہر آب رواں کا

ہے ناز و ادا اُس کی میں سو طرح کا ہتھیار　　قاتل نہیں محتاج مرا تیغ و سناں کا

سودا اسے کہا کیوں تو ہوا عشق سے ناکز　　ہوں میں سبب ترک کی مشتاق بیاں کا

سُن کر یہ کہا یار اُٹھایا نہیں جاتا

ناطاقتی شیب سے اب ناز بتاں کا

کعبہ جاوے پوچھتا ہے کب چلیں آگاہ کا　　اُٹھ گیا جب دہر قدم رتبہ ہے بیت اللہ کا

کفر کی میری تجلی ہے نظیر شمع طور　　بوجوں جس جس بت کو میں اک نور ہے اللہ کا

عشق کی بھی منزلت کچھ کم خدائی سے نہیں　　ایک سا احوال بھی یاں ہے گدا و شاہ کا

دزد اور ٹھگ مار رہزن حسن راہِ عشق میں　　نقد و جان و نفس دل کے دخل کیا برباد کا

عشق وہ گھر ہے جہاں ہفتاد و دو ملت کو راہ　　تنگ جوں ابیہ حرم کب در ہے اس درگاہ کا

کوچہ گردی میں عجب عزت ہے اے ہم خوشنشیں　　پانوں پڑ کر خار رکھتا ہے جگہ راہ کا

شمع رو کہتا ہے سودا سے تاریکی عشق

شمع کا … اُس کے عارض … ظلمت ہے ماہ کا

کس سے بیاں کیجیے حالِ دلِ تباہ کا
سمجھے وہی اُسے جو ہو زخمی تری نگاہ کا

مجکو تری طلب ہے یار تجکو ہے چاہ غیر کی
اپنی نظر میں یاں نہیں طور کوئی نباہ کا

دین و دل و قرار و صبر عشق میں تیرے کھوچکے
جیتے جواب کی ہم بچے نام نہ لیں گے چاہ کا

زمزمہ پر رکھے ہے تو مرغ چمن کے گوش دل
نالہ کبھی سُنا تو کر اپنے بھی داد خواہ کا

حُسن ترے کا اے صنم ہے کہ دمہ پہ نقش آج
تیری ادا پہ شیفتہ دل ہے گدا و شاہ کا

وصل بھی ہو نہ دل مرا غم کو نہ چھوڑے ہجر کے
یہ تو ہمیشہ ہے رفیق وصل ہے گاہ گاہ کا

سودا سُنا ہے میں نے یہ اُس آہ ہو تو مِلا
رشک سے جس کے چہرے کے داغِ جگر ہے ماہ کا

چھٹنا ضرور مکھ پہ ہے زلفِ سیاہ کا
روشن بغیر شام نہ چہرہ ہو ماہ کا

جل کر تو اے پتنگ گرا پائے شمع پر
ہوں داغ عذر دیکھ کے تیرے گناہ کا

جوں سایہ اس چمن میں پھرا میں تمام عمر
شرمندہ پا نہیں مرا برگِ گیاہ کا

تاراج چشم ترک بتاں کیوں نہ ہو یہ دل
غارت کرے ہے ملک کو فرقہ سپاہ کا

اے آہ شعلہ بار ترا کیا کہوں اثر
رتبہ رکھے نہ کوہ ترے آگے گاہ کا

حاضر ہے تیرے سامنے سودا کر اُسکو قتل
مجرم یہ سب طرح سے ہے پر یک نگاہ کا

ہمارے نالۂ سوزاں سے ہے یہ ڈھنگ آتش کا
کہ اس کے ذکر میں اُڑتا ہے منھ سے رنگ آتش کا

مجھے دو دن فلک تیں گھر میں رکھ کر آیا ہے
سمندر نے نہ میں دیکھا کہ ہو دلتنگ آتش کا

مشابہ یار کے توسن لے اب کس کو بتاؤں میں
طرح بجلی کے میں دیکھا نہیں سرجنگ آتش کا

دلِ نالانِ مجنوں کیسی گرمی ہو کہاں اُسمیں
بیپای ناقہ لیلیٰ باندھ دے گو رنگ آتش کا

فرنگی کوئی آب تیغ کے عہدے سے برآ دیں
اگر باندھیں پہاڑ آکر وہ روزِ جنگ آتش کا

وہ چوبِ کشتی بشکستہ ہوں اس بحر میں جس کا
ڈباتا آب پانی کو جلاتا تنگ آتش کا

اگر تھا دل پہ داغِ عشق کوہِ طور پر جا کر
کیا کیوں ڈھونڈنے پر موسیٰ نے آہنگ آتش کا

سمور و قاقم و سنجاب ہے سرمایہ منعم کو
رکھیں ہیں آسرا غربا بے رنج و ننگ آتش کا

نہ دے دل آتشیں رخسار پر سوداؔ تو اب کیونکر
وہ شعلہ دیکھ کر میں ہو گیا جت بنگ آتش کا

رطوبت داغِ دل میرے کی ہے گردابِ آتش کا
فسونِ عشق نے زہرہ کیا ہے آب آتش کا

جہنم سے ڈراتا کیا ہے میخواروں کو اے زاہد
کہ چوبِ خشک سے بہتر نہیں کچھ بابِ آتش کا

نہ پہونچا میرے اشکِ گرم سے آسیبِ مژگاں کو
بہا خاشاک کے سایہ تلے سیلابِ آتش کا

چمن میں ذکر گر اُس چہرۂ گلنار کا آوے
تو ہر بلبل ہوں جوں پروانہ پھر بیتابِ آتش کا

جلاتی ہے جگر بن یار اتنا مے خوری سوداؔ
پیے ہیں جام گویا بزم میں احبابِ آتش کا

اسیری کی جو لذت سے پڑا ڈھب آشنائی کا
مزا ار و مرے دل سے ہوا رخصت رہائی کا

تماشا مے نوا دکھلاتی اے صیاد پر تیرے
نگاہِ سرمہ سا موجب ہے اپنی بے نوائی کا

ہوا جاتی رہے وعدوں ہی میں توشک نہالی کے
جو اب بھی سو رہو مل کر تو جاڑا ہے دُلائی کا

برائے چشمِ بیمارِ بتاں موزوں سے موزوں ہے
جو ہر مصرع ہو میل سرمہ دیوانِ شفائی کا

کمالِ کفر ہے اے شیخ ایسا کچھ کہ اُس بت کے
پرستش سے مرے پیدا کیا جلوہ خدائی کا

عجب قسمت ہماری ہے کہ جس کی شمعِ الفت سے
چراغِ دل کیا روشن سو ہے داغ آشنائی کا

عجب شانیکے طالع ہیں کہ اُسکے ہاتھ کی سوداؔ
پڑی ہے کو ہتی اُس زلف کی موجب سائی کا

گلا لکھوں میں اگر تیری بے وفائی کا
لہو میں غرق سفینہ ہو آشنائی کا

زباں ہے شکر میں قاصر شکستہ بالی کے
کہ جن نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

دماغ جھڑ گیا آخر ترا نہ اے نمرود
چلا نہ پشہ سے کچھ بس تری خدائی کا

مرے سجود کی دیر و حرم سے گذری قدر
رکھوں ہوں دعویٰ ترے در پہ جبہہ سائی کا

نہ پہنچے دل سے اب ہرگز زباں تلک یہ حرف
اگر بیاں کروں طالع کی نارسائی کا

دکھاؤں گا تجھے زاہد اس آفتِ جاں کو
خلل دماغ میں تیرے ہے پارسائی کا

طلب نہ بہ درِ خلق سے کریاں راحت ہے اے سوداؔ
بہر بنا ہے اپنا وہ کاسہ لیے گدائی کا

ڈروں ہوں یہ بجا ہے شہر بند ہو کر تار رونیکا
نظر آتا ہے پھر آنکھوں میں کچھ آثار رونے کا

جو مدکرے اس سے کرتا ہے کوئی تکرار رونے کا
تو کہتا ہے کہ چپ رہ ہے اسے آزار رونے کا

سبب اس چشم کافر کے نہ کیا ہر بار رونے کا
کہ باندھا صورتِ زنار اس نے تار رونے کا

نہ تھا کچھ کام چشم تر سے ناحق مل کے تو یاں سے
کیا شغل تیں پیدا دلِ بیکار رونے کا

جو ہیں آتش نفس ہے اشک اس کو موجب تر نیں
گلے میں پہنے ہوں جوں شمع ہر شب تار رونے کا

گہے خونِ جگر گہ اشک گاہے لختِ دل یارو
کسو نے بھی کہیں دیکھا ہے یہ بستار رونے کا

کریں پاک اس کو کب تک ہم کہ چشم زخم سا یارو
رکھے ہے ڈھب ہمارا دیدۂ خونبار رونے کا

میں اپنے حال پر ہنستا ہوں ورنہ ہر گھڑی ظالم
محبت میں تری ساماں کیا تیار رونے کا

کبھو میں بات بن روئے نہیں کی اس ستمگر ان نے
نہ پوچھا یوں سبب کیا ہے ترے ہر بار رونے کا

نہ ٹھہرا پاکوں سا اگر سیل سے مجھ اشک کے سوداؔ
گواہ اب تک تو ہے میرے در و دیوار رونے کا

دل مرا پند کو نہ سمجھے گا
پند تیری نکو نہ سمجھے گا

تجھ سا دانا ہزار حیف کہ تو
یہ نہ سمجھا کہ وہ نہ سمجھے گا

بیخودِ رفتہ حق اپنے میں
مرنے جینے کو وہ نہ سمجھے گا

بچنے کو آگ سے سمندر کوں
کچھ نصیحت کرو نہ سمجھے گا

شمع سے دور رہنے کو ہر چند
کہو پروانے کو نہ سمجھے گا

منہ سے ٹکڑے نہ ہونے کو یہ کتاں   کوئی کہہ کہہ تھکو نہ سمجھے گا

عشق میں گل سے یار مرغِ چمن   طوطی کچھ ہی بکو نہ سمجھے گا

یہ سمجھ لے تو اب کہ سودا کا   دل تری گفتگو نہ سمجھے گا

حق کے سمجھائے سمجھے تو سمجھے

تیرے سمجھائے تو نہ سمجھے گا

شب کو جو چھپا مہر تو سحر کہنے یہ لاگا   داغی یہ غلام آج مرادات ہے بھاگا

پہونچے نہ حلاوت کو کبھو اُس کے دہن کی   قنادی نے گم پستہ کو شیرینی میں پاگا

اتنا نہ ستم کر جو اٹھوں خوابِ عدم سے   یوں محشریاں بولیں عجب فتنہ یہ جاگا

تو رشتۂ عمر اپنی سے ملنے جو مری بات   مت حرص و ہوا باندھ کہ بودا ہے یہ تاگا

کل سیرِ چمن کو جو گیا تھا طرفِ باغ   گلگشت کر اودھر سے جو نہیں پھرنے وہ لاگا

پیچھے سے تو دامن کے تئیں خار نے کھینچا   اور سرو کھڑا ہو کے لگا روکنے آگا

جلوے کو بہار اُس کے کوئی پوچھے ہے سودا

گو لالہ و گل باغ میں سو ہا کریں باگا

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا   پہونچے کب اُس کو ہاتھ ہمارے غبار کا

موجِ نسیم آج ہے آلودہ گرد سے   دل خاک ہو گیا ہے کسی بے قرار کا

خونِ جگر شراب ترشح یہ چشمِ تر   ساغر مرا گرد نہیں ابرِ بہار کا

چشمِ کرم سے عاشقِ وحشی اسیر ہے   اُلفت ہے دام آہوئے دل کے شکار کا

سودا شرابِ عشق کو کہتے تھے ہم نہ پی

آخر مزا نہ پایا اب اُس کے خمار کا

جب خیال آتا ہے اس دل میں ترے اطوار کا   سر نظر آتا نہیں دھڑ پر مجھے دو چار کا

دیکھتا ہوں یار میں جس گھر میں تجکو جلوہ گر   مہر کو واں حکم ہے خارِ سرِ دیوار کا

عاشقو اس شیخ دین و کفر سے کیا کام ہے
دل نہیں وابستہ اپنا سبحہ و زنّار کا

ٹک دکھادے اپنی ساقی چشم میگوں تو اُسے
محتسب ہو جائے بندہ خانۂ خمار کا

بسکہ پوچھوں ہوں میں اپنی چشم خوں آلود کو
جامہ کا ہر ایک تختہ سیر ہے گلزار کا

آخدا کے واسطے اس بانکپن سے درگزر
کل میں سودا یوں کہا دامان کہہ کر یار کا

تند ہو بولا وہ بانکا چھوڑ دامن کو مرے
راست ہوتے بھی کہیں دیکھا ہے خم تلوار کا

ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حُباب کا
پانی بھی گر پیئیں تو مزا ہو شراب کا

دوزخ مجھے قبول ہے اے منکر و نکیر
لیکن نہیں دماغ سوال و جواب کا

کہتا ہے آئینہ کہ سمجھ تربیت کی قدر
جن نے کیا ہے سنگ کو ہمرنگ آب کا

تھا کس کے دل کو کشمکشِ عشق کا دماغ
یارب بُرا ہو دیدۂ خانہ خراب کا

زاہد سبھی ہے نعمتِ حق جو ہے اکل و شُرب
لیکن عجب مزا ہے شراب و کباب کا

قابل غضب سے ہو کے کرم پر نظر نہ رکھ
پُر ہے شرارِ برق سے دامن سحاب کا

قطرہ گرا تھا جو کہ مرے اشک گرم سے
دریا میں ہے ہنوز پھپھولا حباب کا

اے برق کس طرح سے میں حیراں ہوں تیرے پاس
نقشہ ہے ٹھیک دل کے مرے اضطراب کا

سوداؔ نگاہِ دیدۂ تحقیق کے حضور
جلوہ ہر ایک ذرہ میں ہے آفتاب کا

جو چلن چلتے ہو تم کیا اس سے حاصل ہوئے گا
خون سے بہتوں کے غبار اس راہ کا گل ہوئے گا

کیوں نہ کہتے تھے دلا شیریں لبوں کے منہ نہ لگ
ایک دن تجکو یہ شربت زہر قاتل ہوئے گا

چاک پر تیرے جو پھرتا ہے یہ کوزہ اے کلال
یہ کبھو ہم سے کسی سرگشتہ کا دل ہوئے گا

شرح اپنی بےقراری کی لکھیں گے ہم اگر
نامہ بر اپنا پر پرواز بسمل ہوئے گا

یاں جفا و جور کا ہم تم نہ سمجھیں گے حساب
دفتر محشر میں سب باقی و فاضل ہوئے گا

صبر ہو کوہِ گراں جس کا تو وہ عزم سفر — کر کے تجھ در سے سبک پہلے ہی منزل ہوئے گا
سبحہ ہیں دُنیا تو ہم چھوڑیں گے لیکن زاہدا — چھوڑنا تیری طرح داڑھی کا مشکل ہوئے گا
گر ہے گوشِ فہم عالم ورنہ کہتی ہے بہار — جو گل آیا اس چمن میں ایک دن گُل ہوئے گا
زیادہ یک شب سے نہیں بیقدر حیرانی مری — آئینہ تو صبحدم تیرے مقابل ہوئے گا
تجھ پہ گر خونِ دو عالم کا ہو دعویٰ بے گناہ — بول اُٹھے قاتل نہیں دعویٰ یہ باطل ہوئے گا
شیخ کو لائے تھے سوداؔ اس لیے ہم یار پاس — طبع کو اس کے تفنن اس سے حاصل ہوئے گا
سو وہ اب ہم چشم ٹھہرا ہے ہمارا یا نصیب — تھا لکھا اپنا کہ ہم میں وہ بھی شامل ہوئے گا

ہم تو وہ سمجھے تھے دل میں پر خبر اسکی نہ تھی
یہ لگا لو ہو شہیدوں بیچ داخل ہوئے گا

مل کے اُس بدخو سے اے دل جب تو رسوا ہوئے گا — عہد و پیماں تجھ کو تب معلوم اس کا ہوئے گا
حق خدمت ہیں مری وعدہ کرو ہو قتل کا — تم سے تو ہوگا یہی کچھ اس سوا کیا ہوئے گا
دیکھ کر تیور مرے طفلی میں کہتا تھا ادیب — ایک دن مجنوں صفت یہ سر بہ صحرا ہوئے گا
میں دلِ نازک کی کرتا تھا بغل میں پرورش — محتسب کو ہے گماں اس پاس شیشا ہوئے گا
گر یوہی کرتا رہے گا میری مژگاں سے سرشک — سوجھتا ہے ایک دن یہ قطرہ دریا ہوئے گا
محو کو تیرے نہیں ہے دین و دُنیا کی تلاش — کھو چکا تجھے وہ جن نے تجکو لایا ہوئے گا

اب تو سوداؔ کے تئیں پروا نصیحت کی نہیں
اُلفتِ خوباں سے گو رسوائے دُنیا ہوئے گا

ہر مژہ پر ہے ترے محنتِ دلِ اس رنجور کا — خون ہے سو دار پر ثابت مرے منصور کا
پوچھتے ہی پوچھتے گذری ہے مجکو روز و شب — چشم ہے یارب مری یا مُنہ کسی ناسور کا
آفتابِ صبحِ محشر داغ پر دل کی مرے — حکم رکھتا ہے طبیبو مرہمِ کافور کا
کیا کروں لگا کے واعظ ہاتھ سے حوروں کے جام — ہوں میں ساغر کش کسی کی نرگسِ مخمور کا

کس قدر بنت العنب ہے دل شہ سودا کا برا
زخم نے دل کے نہ دیکھا منہ کبھی انگور کا

نہ جانے حال کس ساقی کو یاد آتا ہے شیشے کا
کہ رو رو ہچکیاں بھر بھر نکل جاتا ہے شیشے کا

زنخداں اس منچہ کی ہیں پرکھ جانے کا بندہ ہوں
ادب سے گو ہے کی رے قیمت میں بتاتا ہے شیشے کا

دو شنابہ کس کی آنکھوں سے پڑی ہے شکل ساغر کی
کہ خون دل اسے پینا پٹ بھاتا ہے شیشے کا

بیاں بدمستی شب بزم میں ساقی جو ہو جائے
نہیں ہنس کہیو کچھ تنہو تو منہ کھلوایا ہے شیشے کا

نہیں وہ صحبت میخانہ بے مہری سے ساقی کی
کبھی کوئی بھی آن بیٹھے ہے جو دل پاتا ہے شیشے کا

سر میں ہیں چٹکی اتنی لی یہ ذکر جام زاہد کے
کہ جتنا شیخ کو منہ کو ر انکلا تا ہے شیشے کا

نہ جانے یاد کر روتا ہے کس کے دل شکستہ کو
کہیں ٹکڑا جو سودا کو نظر آتا ہے شیشے کا

قدرداں بن ہے بہت حال برا شیشے کا
ساقیا شیخ کہ دل آب ہوا شیشے کا

ڈاہتا کیوں ہے عبث میکدہ مستاں کو
محتسب تجھ کو نگر دیو لگا شیشے کا

یار کیا جانیے کس کس کے یہ منہ لگتا ہے
اپنے منہ سے تو کبھو منہ نہ لگا شیشے کا

شیشہ ٹوٹا تو لیا دل کو دیے ساقی نے
پھر سوا کس نے دیا خون بہا شیشے کا

ہمسری گردن محبوب سے رکھتا ہے وہ
سودا اس واسطے گھونٹ ہے گلا شیشے کا

لگے ہے جام جو منہ دل ہے آب شیشے کا
ابھی سے اس کو لگا لے ثواب شیشے کا

کہا میں کام نہ کرنے کا رات ساقی سے
خدا کرے کہ ہو خانہ خراب شیشے کا

عوض ہے دلشکنی کا بہت محال اے یار
جو شیشہ ٹوٹے تو کیجے جواب شیشے کا

یہ گفتگو تو نہیں خوب بزم میں ساقی
زباں تو باندھ لے ظالم شتاب شیشے کا

ہوا ہے غم سے مرا دل اب آبلے سودا
کہیں تو بزم میں ٹوٹا حباب شیشے کا

نہیں لانا مجالس میں نہیں دستور شیشے کا　　عبث توڑے گا ساقی سر کوئی مخمور شیشے کا
پکڑ کر گردن لہو پی جائے ہیں اک گھونٹ میں سارا　　نہیں چلتا ہے میخواروں سے کچھ مقدور شیشے کا
لگے ہے دیکھ تو کس کس منھ پہ آ کے مجلس میں　　نہ کر سنگ جفا سے محتسب دل چور شیشے کا
زبس مجھ حال پر جلتا ہے ساقی کی جدائی میں　　نہ سمجھو بادہ ہے آتش سے دل معمور شیشے کا
فلک ہے در پئے ایذائے دل ہر ایک کے یاں تک　　کہ پنبہ سے کرے ہے بند یہ ناسور شیشے کا
کرے ہے اشک جاری چشم سے یہ وقت سجدے کے　　عبادت میں نہایت خوب ہے دستور شیشے کا

لگا زنہار مت سوداؔ ان آنکھوں سے دل اپنے کو
کہ ہر بدمست سے رکھنا بھلا ہے دور شیشے کا

مطلع ثانی

باطل ہے ہم سے دعویٰ شاعر کو ہمسری کا　　دیوان ہے ہمارا کیسہ جواہری کا
چہرہ ترا سا کب ہے سلطان خاوری کا　　پھیرہ ہزار باندھے سر پہ جو وہ زری کا
شکھ پر یہ گوشوارہ موتی کا جلوہ گر ہے　　جیسے قران باہم ہو ماہ مشتری کا
آئینہ خانہ میں وہ جس وقت آن بیٹھے　　پھر جس طرف کو دیکھو جلوہ ہے واں پری کا
جز شوق دل نہ پوچھوں ہرگز کوئی جاناں　　اے خضر کب ہوں تیری محتاج رہبری کا

طالب ہیں سیم و زر کے خوبان ہند سوداؔ
احوال کون سمجھے عاشق کی بے زری کا

نہ بار خاطر یہ دل ہے گل کا نہ ناز بردار گلستاں کا　　برنگ شبنم ہے خود سے کیا بار سیر فرمائے لامکاں کا
ہزار آب حیات چھڑکیں مسیح اور خضر مل کے لیکن　　اٹھے نہ محشر تلک بھی پیارے شہید تیرے لب دہاں کا
چمن برابر بہار سے اب شراب ٹپکے تو کیا عجب ہے　　ہوا ہے رونا قبول ساقی جناب عالی میں میکشاں کا
برنگ شبنم بآب دوانہ عبث ہے کر یہ ناز مجھکو　　نہ خرمن گل ہے ہے چمن میں نہ رخت وابستہ باغباں کا

کرے کیوں سودا دل پریشاں عبث ہے، طولِ امل جہاں سے
خیالِ زلفِ دراز گویا تلاش ہے عمرِ جاوداں کا

تری اے رات سُن اب سوزشِ اس چھاتی کا   پنبہ و داغ میں ہے ربط دیا باتی کا
کیونکہ وہ شوخ لکھی مجکو کتابت جن نے   کھیل بھی ضد سے مرے چھوڑ دیا پانی کا
آہ کس طرح تری راہ میں گھیروں کہ کوئی   سدّ رہ ہو نہ سکے عمر چلی جاتی کا
یہ کہا شیخ نے شیطاں سے کہ آ ہم سے مل   آشنا مت ہو تو سودا سے خراباتی کا
کہا اُن نے کہ ہے میری تو سعادت اسمیں
لیک ہے خوف مجھے آپ کی بدذاتی کا

کھینچا نہ میں چمن میں آرام یک نفس کا   صیاد تیری گردن ہے پُر خون اس ہوس کا
کب عشق کی حمیت یہ چاہتی ہے مجنوں   ناقہ کے پانوں اوپر تڑپے ہے دل جرس کا
ہوں عندلیب لیکن رسوا ہوں اس چمن میں   جس بیچ سبز ہوتا ہے ننگ خار و خس کا
مجھ صید ناتواں کے احوال کو نہ پوچھو   محروم ذبح سے ہوں مردود ہوں قفس کا
پروانہ شمع رو پر کیونکر نہ ہووے سودا
شعلے کے گرد پھرنا کب کام ہے مگس کا

چمن ہے کس کے گرفتار زلف و کاکل کا   کہ اس قدر ہے پریشان حال سنبل کا
قفس کے پاس نہ جا کر کے نام لے گُل کا   ضرور کیا ہے کہ ناحق ہو خون بلبل کا
کبھو گذر نہ کیا خاک پر مرے ظالم   میں ابتدا ہی سے کشتہ ہوں اس تغافل کا
فلک خوشی سے جو تم کچھ عوض کرے تو کرے   سوائے غم کے بنے مایہ مرے توکّل کا
خبر شتاب لے سودا کے حال کی پیارے
نہیں ہے وقت مری جان یہ تامّل کا

جی مرا مجھ سے یہ کہتا ہے کہ ٹل جاؤں گا   ہاتھ سے دل کے ترے اب میں نکل جاؤنگا

لطف اے اشک کہ جوں شمع گھلا جاتا ہوں
رحم اے آہ شرربار کہ جل جاؤں گا

چین دینے کا نہیں زیر زمیں بھی نالا
سوتوں کی نیندیں کرنے کو خلل جاؤں گا

قطرۂ اشک ہوں پیارے مرے نظارے سے
کیوں خفا ہوتے ہو پل مارتے ڈھل جاؤں گا

اس مصیبت سے تو مت مجکو نکال اب گھر سے
تو کہے آج ہی جا میں کہوں کل جاؤں گا

میری صورت سے تو بیزار ہے ایسا نہ دیکھ
شکل اس غم سے کوئی دن میں بدل جاؤں گا

چھیڑ مت باد بہاری کہ میں جوں نکہتِ گُل
پھاڑ کے کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤں گا

ساحلِ بحرِ جہاں پر ہوں کہ جوں ہیزمِ خشک
ڈوبا پانی میں نہ تو آگ سے جل جاؤں گا

نطق کہتا ہے مرا آج یہ ہر ناطق سے
آن کر ہونٹ ابھی طوطے کے سے مل جاؤں گا

کہتے ہیں وہ جو ہے سودا کا قصیدہ ہے خوب
اُن کی خدمت میں لیے میں یہ غزل جاؤں گا

ہو یہ دیوانہ مرید اس زلف چھٹ کس پیر کا
سلسلہ بہتر ہے سودا کے لیے زنجیر کا

زخمِ دل پاوے مرے سوزِ سخن سے التیام
چاک ملتا ہے زبانِ شمع سے گل گیر کا

گل مرے مشہد پہ کب بھیجے ہے وہ ابروکماں
طرح غنچہ کے کھلا جب تک نہ پیکاں تیر کا

ایک دن تجھ سے سلگ اُٹھنے نہ دیکھا کار دل
اس جرس حاصل کچھ اس فریاد بے تاثیر کا

تو جو کر بت خانے کو مسجد بنا کی تو نے شیخ
برہمن کے دل کی بھی کچھ فکر ہے تعمیر کا

سیم و زر کے آگے سودا کچھ نہیں انسان کی
خاک ہی رہنا بھلا تھا بلکہ اس اکسیر کا

ترے خط آنے سے دل کو مرے آرام کیا ہو گا
خدا جانے کہ اس آغاز کا انجام کیا ہو گا

نہ دو ترجیح اے خوباں کسی کو مجھ پہ غربت میں
زیادہ مجھ سے کوئی بیکس و ناکام کیا ہو گا

رہا کرنے کو لیں ہم منتِ صیاد کیا ظالم
بس اتنا ہی نہ مر رہیے گا زیرِ دام کیا ہو گا

ہو جس کی چشم گردش سے یہ بیہوشی دو عالم کی
بھلا دیکھو تو پھر وہ ساقی گلفام کیا ہو گا

[illegible] تکلیف کر کعبہ کی اے زاہد — جو میرا کفر ایسا ہے تو پھر اسلام کیا ہوگا
[illegible] دیں دہر میں ہم بادہ خوار ہیں کے — جو دیوے گا تو اے ساقی ہمیں بھی جام کیا ہوگا

کسی دیندار کافر کو خیال اتنا نہیں آتا
سحر کیا ہو چکی سودا کی دن پر شام کیا ہوگا

[illegible] ان زلفوں کے بال سودا کا دل اٹکا — اسیر ناتواں ہے یہ نہ دے زنجیر کا جھٹکا
[illegible] من کہ ہر کسی کے بالوں کا کھٹکا — اٹھایا سر کو بالیں سے تو پھر دیوار سے ٹپکا
[illegible] تیرے جادو [illegible] گزر تیری زلفوں میں — یہ دل دیوانہ ہے جس سے محبت کا اب وہ لٹکا
[illegible] آشیاں پھر سے کہتا ہوں — اڑے گا دھجیاں ہو کر ترا دامن جو یاں اٹکا

نواحی میں ترے کوچے کی ہے یہ حال سودا کا
کہ جوں پرند آشیاں گم کر کے بستی میں پھرے بھٹکا

[illegible] خانماں تو ہمارا ڈبو سکا — لیکن غبار یار کے دل سے نہ دھو سکا
[illegible] دیا نہ کبھو مفسدی کو چین — فتنہ نہ تیرے دور میں پھر نیند سو سکا
[illegible] ہوا شب ہجراں میں صرف اشک — پر جس قدر میں چاہے تھا اتنا نہ رو سکا
[illegible] عشق میں شیریں سے کوہکن — بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے رو سیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

[illegible] کہ پایا نہ جائے گا — جوں اشک پھر زمیں سے اٹھایا نہ جائے گا
[illegible] اک نگہ میں چمن — جاتے نہاں جہاں سے پھر آیا نہ جائے گا
[illegible] نہ ہو دل کو مخلصی — بند ہوا ہے زلف کا یہ چھوٹایا نہ چھوٹے گا
[illegible] ہم داد کو کبھی — جوں گل یہ چاک جیب سلایا نہ جائے گا
[illegible] میں تو اے ابر جیب تک — پانی گلوں کے منہ میں چوایا نہ جائے گا

تیغِ جفائے یار سے دل سر نہ پھیر یہ
پھر منھ وفا کو ہم سے دکھایا نہ جائے گا

زاہد گلے سے مستوں کے باز آنے کا نہیں
تا میکدہ میں لا کے چھکایا نہ جائے گا

عمامہ کو اُتار کے پڑھیو نماز شیخ
سجدے سے ورنہ سر کو اُٹھایا نہ جائے گا

ظالم میں کہہ رہا کہ تو اس خوں سے درگذر
سودا کا قتل ہے یہ چھپایا نہ جائے گا

دامان داغ تیغ جو دھویا تو کیا ہوا
عالم کے دل سے داغ مٹایا نہ جائے گا

ہوا ہے یار کو یہ اشتیاق آئینہ کا
ز شام تا بسحر ہے فراق آئینہ کا

ہوا ہوں اس قدر اپنا کی شکل سے بیزار
کہ دیکھنا مجھے ہوتا ہے شاق آئینہ کا

تمھارے چہرے کو دیکھا ہے جب سے خوباں نے
کیا ہے دید مقرر طلاق آئینہ کا

رہی ہے خانۂ چشم اپنے کی یہ شکل اُس بن
کہ جیسے آب سے پُر ہے رواق آئینہ کا

سوائے یار کی صورت نظر نہ آیا کچھ
ہمیں جو دید ہوا اتفاق آئینہ کا

دوچار ہوتے ہی کچھ کر دیا اُسے معذور
مرے تو دل پہ ہے روشن نفاق آئینہ کا

زیادہ اس سے نہیں کوئی عیب گو سودا
سمجھ میں اپنے جو آیا مذاق آئینہ کا

کریں شمار بہم دل کے یار داغوں کا
تو آ کہ سیر کریں آج اپنے باغوں کا

ہمارے خانۂ دل کو ہے روشنی سے کیا
سوائے داغ نہیں دخل یاں چراغوں کا

ابھی تو بزم میں آئے ہیں تیرے اے ساقی
کوئی دنوں تو مزا لینے دے ایاغوں کا

گیا میں گھر سے ترے اور ایسے ہیں رقیب
مکان مرغِ چمن آشیاں ہے زاغوں کا

سنی ہے ملنے کا سودا سے قصد مت کر یار
اُٹھا سکے گا تو کب ناز بے دماغوں کا

•

میرے سخن کو فہم کہے یوں فہیم کا | قیمت شکن صدا ہے یہ دُرِّ یتیم کا
میخانے میں ازل کے مرے دل سے زاہدا | دھویا ہے نقش ساقی نے اُمید و بیم کا
غنچہ کو دل کے یاں ہے دمِ سرد سے شگفت | شرمندہ اس چمن میں نہیں میں نسیم کا
عالم کو مار رکھا ہے نیں یا قدرِ دو تا | زاہد یہ کاٹ ہے تری تیغِ دو نیم کا
جس سے ملے تو پہلے ہی مل اُس کی جنس سے | دل اُس کی وضع پر ہے دنیزہ ندیم کا
ٹھہرا نہ گالیوں سے تری کوئی بوالہوس | اک میں ہی رہ گیا ہوں دعاگو قدیم کا
واسوختت دل مری کی جو پوچھے ہے ہمنشیں | دروازہ کس کے منھ پہ میں کھولوں جحیم کا
بو کرنے کو کہا ہے ریاحیں طبیب نے | ضعفِ مزاج دیکھ کے تیرے سقیم کا
کھینچے ہے دل بسوئے ختن گہ سوئے تتار | دامن نسیم زلف کے تیرے شمیم کا
پہنے اگر لباس گدائی حریر پوش | برچھی بدن پہ اُس کے رواں ہو گلیم کا

سودا یقین کر اُس کا دم فقر ہے غلط
بالیدہ ہووے جو کوئی ناز و نعیم کا

کیونکر ہو یاغ جانا اُس میرزا منش کا | واں سر میں نہیں ہے آداب کورنش کا
اے برق چشم کرتے مت دیکھ دل جلوں کو | اک آہ میں اڑا دیں شعلہ تری منش کا
آنکھوں کی اُسکی مژگاں یوں دل پہ تل رہی ہیں | گر بڑ صف سپہ پہ جوں قصد ہو یورش کا
پیکاں جو تن میں کھٹکے ہے سو علاج اس کا | کانٹے کا پر برہ کے چارہ نہیں خلش کا
ساقی پہ ہو تنخ کہ تجھ بن یوں جسم و جاں ہے میرا | لبریز جوں پیالہ اور ہاتھ مرتعش کا
سچ تیغ کی کمر میں دل کے کرے ہے پُرزے | اے وائے جس دن آ کے ہو امتحاں برش کا
کیا جانے کس طرح کا تو سنگدل ہے ورنہ | یاں رشتۂ محبت ہے کوہ کی کشش کا
آگے بھی خوبصورت اکثر ہوئے نو کیلے | اُن سب سے بانکپن ہے اُس کی نئی روش کا
باتیں کرو عدو سے سودا کو گالیاں دو | قرباں ہوں آپ کی میں اس داد و دہش کا

جوش طوفاں دیدۂ نمناک سے کیا کیا ہوا
دیکھ لے دنیا میں مشتِ خاک سے کیا کیا ہوا

جو تجھے دیکھے کہے حور و ملک شمس و قمر
حسن تیرا دور تک ادراک سے کیا کیا ہوا

خواہش دل کا ادائے بخش سو انداز ساتھ
اس کی صید بستۂ فتراک سے کیا کیا ہوا

پر تجلی شہرۂ آفاق جلوہ حسن کا
عشق بازوں کی نگاہِ پاک سے کیا کیا ہوا

قیس اور فرہاد و وامق پر جو گذرا سو سنا
مجھ پہ دیکھو اس محبتِ بیباک سے کیا کیا ہوا

جوششِ دریائے خوں ہنگامۂ شور و فغاں
دیدۂ تر سینۂ صد چاک سے کیا کیا ہوا

دور ساغر تھا ابھی یا ہے ابھی چشمِ پُر آب
دیکھ سوداؔ گردشِ افلاک سے کیا کیا ہوا

کہوں کیونکر بتِ رعنا مرا حور و بشر ٹھہرا
کہ جس کے نور کے سایہ سے یہ شمس و قمر ٹھہرا

نہ آنکھوں میں تھا اشک اور نہ سینے میں جگر ٹھہرا
نکلتے ہو گیا وہ لعل وہ سلکِ گہر ٹھہرا

عبث تو گھر بناتا ہے مری آنکھوں میں اے پیارے
کسی نے آج تک دیکھا نہیں پانی پہ گھر ٹھہرا

کہوں کیا انقلاب اس وقت میں یارو زمانے کا
جسے سب عیب سمجھے تھے وہ نظروں میں ہنر ٹھہرا

عجب کیا ہے جو آہِ آتشیں دل سے مرے نکلے
ہوا باہر جو شعلہ سنگ سے ظاہر شرر ٹھہرا

یہ وہ نالہ ہے جو آہن دلوں کو موم کرتا ہے
نہ کی تاثیر اس ظالم کے دل میں بے اثر ٹھہرا

کہیں یہ بھی ستم دیکھا ہے یارو آشنائی میں
سمجھتے تھے جسے ہم نفع سو جی کا ضرر نکلا

اشارے کے بولانے سے ہوا رسوا ہے یہ سوداؔ
قیامت اس پہ آوے گی جو تیرے قول پر ٹھہرا

قتل سے میرے عبث قاتل پھرا
اس نے منہ پھیرا ہمارا دل پھرا

خاک سے یہ عاشقوں کی اے کلال
چاک پر اپنے تو یہ گل پھرا

اٹھ گیا دل کا مرے اب اعتبار
یہ تو خوباں سے جہاں کے مل پھرا

دیکھتے ہی خط چلا یوں شاہِ حسن
جس طرح معزول ہو عامل پھرا

بیٹھ رہ سوداؔ تسلّی دل کو دے
دربدر منّت سے کیا حاصل پھرا

زخم کا دل کے ترو تازہ ہے انگور سدا — جاری رہتا ہے مری زخم کا ناسور سدا
جس کی ہم تیغ نگہ سے ہوئے گھائل یارب — چشم زخم اُس سے زمانے کا رہے دور سدا
ہے اُنھیں شوق کسی دل کے لہو پینے کا — دیکھتا ہوں میں تری آنکھوں کو مخمور سدا
گو نہ دے شیشۂ گردوں مے گلرنگ مجھے — خونِ دل سے تو مرا جام ہے معمور سدا
یار کی دیکھے تجلّی جو تو موسیٰ کی طرح — سنگ رہ سے ترے نکلے شررِ طور سدا
ایک شب آ کوئی دل سوز نہ رویا اس پر — شمع تک گورِ ہماری سے جلی دور سدا

دوستو سُنتے ہو سوداؔ کا خدا حافظ ہے
عشق کے ہاتھ سے رہتا ہے یہ رنجور سدا

پھرے ہے شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے منھ موڑا — الٰہی ان نے اب داڑھی سوا کس چیز کو چھوڑا
طپش نے ان دنوں دل کی نئی صورت نکالی ہے — ٹپکتا ہے پڑا را تو نکو یوں پکتا ہے جوں پھوڑا
صبا سے ہر سحر مجکو لہو کی باس آتی ہے — چمن میں آہ گلچیں نے یہ کس بلبل کا دل توڑا
بہت بیجا ہے رہنا سرکشی بزمِ ہستی میں — کہ شکل شمع رشتہ عمر کا ہر آن ہے توڑا
طلب میں ایک ہی بوسے کے تم کتنیا گئے ہم سے — بس آگے کیا نہ تھی ہے جو اتنے ہی میں منھ موڑا

نہ مل کم ظرف سے ہرگز بقولِ آبرو سوداؔ
کسے برداشت ہے ناحق اُٹھاوے کون تکتوڑا

جو گذری مجھ پہ مت اُس سے کہو ہوا سو ہوا — بلا کشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا
مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر — مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا
پہونچ چکا ہے سرِ زخم دل تلک یارو — کوئی سیو کوئی مرہم کرو ہوا سو ہوا
کہے ہے سُن کے مری سرگذشت وہ بیرحم — یہ کون ذکر ہے جانے بھی دو ہوا سو ہوا

خدا کے واسطے آ درگذر گنہ سے مرے
نہ ہوگا پھر کبھو اے تند خو ہوا سو ہوا

یہ کون حال ہے احوال دل پہ اے آنکھو
نہ پھوٹ پھوٹ کے اتنا بہو ہوا سو ہوا

دیا اُسے دل و دیں اب یہ جان ہے سوداؔ
پھر آگے دیکھیے جو ہو سو ہو ہوا سو ہوا

•

اب تلک اشک کا طوفاں نہ ہوا تھا سو ہوا
تجھ سے اے دیدۂ گریاں نہ ہوا تھا سو ہوا

جن نے دیکھا ترا مکھڑا کہا سبحان اللہ
قدرتِ حق سے نمایاں نہ ہوا تھا سو ہوا

خونِ دل چشم سے بہتا تھا مرے دامن تک
موج زن تا بہ گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا

قابلِ شانہ ہوئی زلف تری جس دن سے
کبھی جو دل کہ پریشاں نہ ہوا تھا سو ہوا

خط کی خوبی ترے عارض پہ یہ کہتی ہے کہ مور
رونقِ ملکِ سلیماں نہ ہوا تھا سو ہوا

داغ تجھ عشق کا جھمکے ہے مرے دل کے بیچ
مہر و ذرہ ہیں درخشاں نہ ہوا تھا سو ہوا

ابرِ مژگاں کے تصدق ہے ترے اے سوداؔ
سبز و خرم جو بیاباں نہ ہوا تھا سو ہوا

کہاں نطقِ فصیح از طبعِ ناہنجار ہو پیدا
فغانِ زاغ سے طوطی کی کب گفتار ہو پیدا

سخن بے مغز کا ہے جوں ہوا دریائے معنی میں
حباب ایسا نہیں جس سے دُرِ شہوار ہو پیدا

دلِ احمق سے مت اُمید رکھنا مرغِ معنی کی
ہما بیضہ سے کیونکر بوم کے اے یار ہو پیدا

نہ طبعِ جید سے سرزد کبھو ہوں معنیِ رنگیں
جہاں میں تخم سے تھوہڑ کے کب گلزار ہو پیدا

سخن کو زادۂ طبعِ سخنور کہتے ہیں اُس کا
زبانوں پر بخوبی چاہیے اذکار ہو پیدا

خدا دیوے پسر تو قابلِ تحسین دے ورنہ
پدر ہوں موردِ نفریں جو ناہنجار ہو پیدا

کلامِ بے نمک کی شور انگیزی ہے ایسی کچھ
زمینِ بول گاہ خلق میں جو کھار ہو پیدا

اگر ملکِ عراق اک ماچہ خر سو بار ہو آوے
عراقی کی پر اس میں کا ہے کو رفتار ہو پیدا

مخاطب اُس کو ہی کرتے ہیں اربابِ سخن سودا
کہ جس میں کچھ بھی عقل و ہوش کا آثار ہو پیدا

دل اپنا چاہتا ہے وہ جنوں از غیب ہو پیدا　　کہ شکلِ صبح اے ناصح زتار جیب ہو پیدا
ارادہ عشق سے پھرنے کا بے فکرِ کفن مت کر　　جہاں یہ رزم ہو اُس جا اجل لاریب ہو پیدا
غنیمت جانتے ہیں ہم تو ایامِ شباب اُس کا　　وہ اس کی قدر تب سمجھے گا جس دم شیب ہو پیدا

ہنر ہے گرچہ فنِ شاعری آفاق میں سودا
اگر نادان کو پوچھے تو اس میں عیب ہو پیدا

تجھ قید سے دل ہو کر آزاد بہت رویا　　لذت کو اسیری کی کر یاد بہت رویا
تصویر مری جس دن مانی نے جو کھینچی تھی　　انداز سمجھ اُس کا بہزاد بہت رویا
نالہ نے ترے بلبل نم چشم نہ کی گل کی　　فریاد مری سُن کر صیاد بہت رویا
جوئیں پڑی ہیں بہتیں دیکھا میں گلستاں میں　　تجھ قد سے خجل ہو کر شمشاد بہت رویا
آئینہ جو پانی میں ہے غرق یہ باعث ہے　　تجھ سخت دلی آگے فولاد بہت رویا

سودا سے یہ پوچھا میں دل میں بھی کسی کو دوں
وہ کر کے بیاں اپنا روداد بہت رویا

ترکش اولینڈ سینہ عالم کا چھان مارا　　مژگاں کے بان نے تو ارجن کا بان مارا
آتے مجھے جو دیکھا تیر و کماں اُٹھا کر　　کہنے لگا کہ یارو رکھیو دھیان مارا
دندان و لب پہ سادی تھا نیم جان لیکن　　مستی دوانگی مل کر کھایا جو پان مارا
کہتے ہیں عشق جس کو مت پوچھ ہے وہ کیا ہے　　اک زہر ہے کہ جن نے پیر و جوان مارا
پیوند ہو زمیں کا یارب شتاب ناصح　　اِس سے مرا اگر یاں ان نے تو جان مارا
مہماں جو کوئی آیا اس آسماں دنی کے　　دو دن کھلا کے روٹی اس کو ندان مارا
نالہ سے کس کے دل کے ماتا پری تھی ظالم　　فریاد نے جرس کے کیا کاروان مارا

سونے سے رات کروٹ اُن نے نہ لی اور اپنی — آہ و فغاں نے پر سارا جہان مارا
سودا کو بات کرتے تجھ سے کبھی نہ دیکھا — کہ کس گنہ پہ تونے وہ بے زبان مارا
ساقی ہماری تو یہ تجھ پر ہے کیوں گوارا — منت نہیں تو ظالم ترغیب یا اشارا

یکبار ہی چھکا دے ساقی کہ فصل گل کو
عرصہ کہاں کہ دے تیں ساغر ہمیں دوبارا

چمن میں صبح جب اُس جنگجو کا نام لیا — صبا نے تیغ کا آبِ رواں سے کام لیا
گمان بندگیِ عشق ہے خداوندی — کہ ایک زن نے مہ مصر سا غلام لیا
چنی ہے شاخ سے جوں گُل پیالۂ مے سُرخ — ہیں تیرے ہاتھ سے ساقی یہ سبز فام لیا
بسان طائرِ رنگِ حنا قدم لے کر — ہر ایک کبک نے پیارے ترا خرام لیا
سرشک چشم نہ تھا میں کہ اے فلک تو نے — نظر سے خلق کی گرتے نہ مجھ کو تھام لیا

معاش اہلِ چمن جائے رشک ہے سودا
کہ زندگی کا انھوں نے مزا تمام لیا

کسو کا ان میں سے محسود ہے نہ والی دم — حسد کسی کو نہ اُس پر کہ جن نے شام لیا
کہیں نہ واسطے منصب کے ہیں یہ مجرائی — سلام کر کے کسو سے نہ لاکھ دام لیا
کبھو میں اُن کو نہ دیکھا تلاش دنیا میں — کبھو نہ فکر تردد سے کوئی کام لیا

ادھر شروع ہوا صبح نغمۂ بلبل
ادھر بہار سے ہر ایک گُل نے جام لیا

تاثیرِ عشق نے مزہ درد کھو دیا — اُن نے تدان دیکھ مرا حال رو دیا
نسخہ ترے مریض کا عیسیٰ کو جو دیا — دیکھ اُن نے حرف حرف کو رو رو کے دھو دیا
بوسہ کا وعدہ اُن سے کرو جنکو دے سکے — کیوں باتیں تم بناتے ہو تم بس چلو دیا
ملنے کی دخت رز کی تو کھائی تھی میں قسم — زاہد نے پیچ پڑ کے اُسے پھیر دھو دیا

تاراج ذناخت خوج کی خط کی کہوں سو کیا
پل میں اُٹھا گئے ملک دلوں کا بلو دیا

دیکھا میں جب گلی میں تری ہاد ستِ غیر
تارِ نگہ میں اشک کا دانہ پرو دیا

بوسہ کے ذائقہ کو نہیں شہد و سم میں فرق
ہم پی گئے اُسے ہمیں قسمت نے جو دیا

سودا ہے بے خلش یہ ز خود رفتگی کی راہ
کانٹا نہ پا میں اُن کے فلک نے چبھو دیا

کرتا ہوں سیر جب سے باغِ جہاں بنایا
کیا جانے گل خدا نے تجھ سا کہاں بنایا

اک نام تو سنا ہے دیکھا نہیں کسو نے
حق نے نشان عنقا تیرا وہاں بنایا

جتنے ہیں خوبرویاں سب دلستاں ہیں لیکن
اللہ نے تجھی کو اک جاں ستاں بنایا

جنسِ دوم کو اوّل بزاز کھولتا ہے
یوسف سے تو بہا میں تجکو گراں بنایا

صدقے ہیں تیرے یارب ہم سوں کو کرکے پیدا
گلّے کا آپ کو تیں اک پاسباں بنایا

دیر و حرم کو دیکھا اللہ ری فضولی
یہ کیا ضرور تھا جب دل کا مکاں بنایا

تو مت بجار اس کو اے باغباں کہ ہم نے
نزدیک آتشِ گل آپ آشیاں بنایا

عالم کا قمری آسا ہے طوق بندگی کا
قامت کو تیرے جیسے سروِ رواں بنایا

اکثر نشاں بنے ہیں عالم میں نام خاطر
تو نے سخن کو سودا اپنا نشاں بنایا

صدمہ ہر چند ترے جور سے جاں پر آیا
لبِ پہ شکوہ نہ کبھی میری زباں پر آیا

راست کیشوں کے تفِ آہ سے ڈر لے سرکش
تیر پھرتا نہیں جس وقت نشاں پر آیا

موسمِ شیب میں بے فائدہ ہے لعبِ شباب
کب ثمر دیوے ہے جو نخل خزاں پر آیا

دلِ پُرخوں کو مرے غنچۂ تصویر کی طرح
لبِ واشدنہ کبھی رازِ نہاں پر آیا

چشمِ انجم پہ نہیں ابر سے وہ روزِ سیاہ
جو مرے دیدۂ خوں ناب چکاں پر آیا

رات کو دیکھ کے اے ماہ تجھے غیر کے ساتھ
طعنہ زن دل کا مرے گُل کی کتاں پر آیا

ہو کے استاد دبستانِ سخن میں سودا
شعر کے قاعدہ دانانِ جہاں پر آیا

پایا وہ ہم اس باغ میں جو کام نہ آیا
کچھ اپنے لیے جز ثمرِ خام نہ آیا

اے زمزمہ پرداز چمن نالہ ہمارا
وہ مرغ نہ سمجھے جو تہِ دام نہ آیا

گو شکل کماں خانۂ گردوں ہے منقش
پر اس میں نظر گوشۂ آرام نہ آیا

آراستہ جو بزم ہوئی دورِ فلک میں
واں جام بجز گردشِ ایام نہ آیا

بستاں تو پُر از میوۂ اقسام ہے لیکن
سایہ میں کسی نخل کے آرام نہ آیا

تیری بھی جوانی وہ کٹی ناصح کہ نہ تھا زور
قاضی کا ترے واسطے اعلام نہ آیا

میں تنگ ہوں اتنا کہ پدر اور پسر کے
لب پر کبھو مجلس میں مرا نام نہ آیا

ہے رنگ تماشائے جہاں صورتِ خورشید
جو صبح کو دیکھا وہ نظر شام نہ آیا

ہر عید میں تو نے کیا قصد کہ دیکھے
لیکن وہ کبھو تا لبِ بام نہ آیا

یک طرفہ تمنا کہ رہوں لب بہ لب اس کے
جس سے کہ کبھو بوسہ و پیغام نہ آیا

تیشہ سے بھی تھا کام بڑا ناخنِ غم کا
فرہاد تجھے دے وہ سرانجام نہ آیا

آفات ہی اے چرخ اٹھا جانے ہے تو نے
ظالم کسی گرنے کو تجھے تھام نہ آیا

تجھ بن جو گیا باغ میں سیراب روان کو
پھر تیغ کا خاطر میں مرے کام نہ آیا

اس کا تو گلہ کیا ہے کہ بستانِ جہاں میں
مجھ تک قدحِ بادۂ گلفام نہ آیا

یوں منہ نہ دھلائے صبح کہ آگے مرے سودا
جوں لالہ پُر از خونِ جگر جام نہ آیا

نور اخذ ہنر کرنے میں دل کا میں گنوایا
جوں آئینہ جوہر نے مجھے عیب لگایا

جلوے سے ترے ہم ہیں صنم بزم جہاں میں
گر شمع نہ ہووے تو نشیبِ تا رہے سایا

کام آب کا لے خاک سے بھی روشنیِ طبع
آئینہ نے منہ گرد سے پھر عمر دھلایا

جو خاک نشیں ہیں نہ انھیں تجھ سے کم قدر | دو دانۂ گوہر نے تجھے پانی میں رلایا
ہے حسن میں یہ فیض کہ صحبت میں بتاں کی | بد خلقی سے جن کے ہیں سونا نہ کھسایا
صباغ خرابات جہاں میں ہوں کہ جتنے | نام اپنے ہیں رندوں کا خم مے میں ڈبویا
کچھ کبر سے خاطر میں نہ لایا ہمیں کوئی | رتبہ کبھی خاطر میں ہمارا نہ سمایا
میں تنگ ہوں اتنا کہ قبیلہ میں ہے کوئی | میراث نے بھی اپنے کو وارث نہ کہایا

رونے نے کیا حال دل اس شہر میں رسوا
سودا تے دیا عشق کا پانی سے جلایا

جام خالی سے جو ساقی نے مجھے دھمکایا | تب میں کہا ہنس کے صاحب مجھے کیسر پایا
پڑا دریا پہ جو اس زلف سیہ کا سایہ | کالا دانہ کا کبھی دیکھا ہے نہ یوں لہرایا
میں بندھا تار نگہ کا ہی قفس میں آیا | دام صیاد نہ تنکا ہے نہ میں بچھوایا
لیلۃ القدر تھی یارو جو شب وصل تو کیا | آخر اس تب نے مجھے روز سیہ دکھلایا
سمجھے تھے ہیں خطر راہ محبت ناصح | میری تقصیر نہیں دل نے مجھے بہکایا
یہ تو دو چیز سے خالی نہیں اے رشک بہار | داغ تجھ عشق کا لالہ نے ہے یا گل کھایا
ہمسری کی جو مہ نو نے ترے ابرو سے | بار کر ہاتھ میں خنجر مہ نے اسے گھٹوایا
مت کر اعراض خط آنے پہ کہ یہ تو ہے عیب | ناز بردار دل کا تیرے خط سے رخصت لایا
رات جو رند ہوئے شیخ سے عمامہ طلب | شیخ نے دام میں رندی کے نہیں فرمایا
گرچہ رویا میں ترے غم میں بہت سا لیکن | اپنے رونے کا مجھے رات تسلسل پایا
خوں کے ہر قطرے سے کہتا تھا یہی لخت جگر | تو نہ سمجھے گا کبھی جو بھی کہ میں یہ آیا
معنی خامہ زباں کا جو مرے نہیں ہے | حسن تدبیر کا جس بند سے اس کے پایا

بے تصنع تجھے کہتا ہوں یقیں کر سودا
گل جدا شاخ سے جس دم کہ ہوا مرجھایا

آنکھوں سے اشک جتنا آتا تھا شب نہ آیا
زخمِ جگر نے یارو پانی مگر چرایا

بیداد خواہ بلبل اُس جنگ جو پہ یارو
تیغِ نگہ سے جس کے لوہو میں گل نہایا

عارض سے چہرہ ہو کر اُس بے سے ہوا ہے رُسوا
لالہ نے خانداں کو داغ کیا لگایا

ہوتے جو غیر کے میں وارد ہوا گھر اُس کے
پٹ رہ گئی کہ اُن نے آنکھوں میں ہی چرایا

جس منجھ سے پیالہ پیتے نہ تھے ہم اُن کے
دُھنیے کی کھوپڑی میں پانی ہمیں پلایا

رو رو کے حالِ دل کا روشن کیا ہے اُس پر
آنکھوں نے آہ میرا پانی سے گھر جلایا

دل نقدِ جاں تلک اسکو چاہت تھا میں خریدی
قیمت پہ یک نگہ کے پھر آپ سے بکایا

صبحِ شبِ ملاقات ایسی ستم تھی یارو
جس کے سپیدہ دم نے روزِ سیہ دکھایا

عاشق نہیں وہ جس کا ناصح سیئے گریباں
سینے کے زخم پر بھی ٹانکا یہاں دلایا

اب دغدغہ نہیں ہے کچھ سیل حادثہ کا
اپنا تو گھر عزیزو اک چاہ نے ڈوبایا

کہتا پھرے ہے ناصح شیخی کی راہ یارو
اُس بیوفا سے ملنا سودا کا بیں چھڑایا

ملنا چھڑایا مجھ سے دوری کی زندگی نے
مجذوب ہو کبھی اُس کو میں نے نہ منہ دکھایا

باغ میں جس دم خرام اُس سروِ قامت نے کیا
نعرۂ حق سرہ قمری نے بھر کر جی دیا

عشق میں خونِ جگر کھانے کی گر لذت دیکھی
خضر نے حیراں ہو آبِ زندگانی کیوں پیا

سوزنِ رشتہ کی بدنامی تو لی پر کیا حصول
کب کسی عاشق کے زخمِ دل کو عیسیٰ نے سیا

صبح کو جیتا تو نکلو گھر سے میں پر کیا کہو دل
مرگ تھی اک طرح کی جو رات میں تجھ بن جیا

گھر سے بلوانا تو یکسو مجھ کو جاتے دیکھ کر
وہ کبوتر بھی اُڑانے میں نہیں کہتا بیا

عشق میں آجا دے مہوس دیکھئے زر چہرہ اگر
اُس طلائی رنگ سا کب ہو طلائی کیمیا

مل گئے ماٹی میں کیا کیا جا [illegible]
اب تنک نشکل اتو پڑتا ہے نقشِ بوریا

جا کے بازارِ بتاں جور و جفا اب ناصحا
اپنی میں جی کی خوشی کو نقدِ دل دے کر لیا

کوئی میخانہ سے ناگہ شام کو گذرے جو شیخ
کیا کہوں سودا جو رندوں نے سلوک ان سے کیا

کر سلام ان کو کہا جلدی سے لو یارو قدم
ہیں زقسم اولیا یا از قبیل اولیا

کوئی بولے تھا ملو منہ سے انھوں کی خاک پا
کوئی کہتا تھا کرو آنکھوں میں اپنے طوطیا

آخر کار اس جگہ کیا دیکھتا ہوں رات کو
وہ مقدس صورت اور ایسے بزرگ پیر یا

ڈھونڈتے جاتے ہیں پیچھے پیچھے عمامہ کو آپ
اک مرید آگے چلا جاتا ہے دکھلاتے دیا

سحر جو باغ میں دلدار ایک بار آیا
نثار میوہ سے ہر نخل زیر بار آیا

نوید غنچگاں موسم بہار آیا
ہر ایک تاک کو گلشن میں برگ و بار آیا

قسم نہ کھا ہے ملنے کی غیر سے ہرگز
کہا نہ تم نے میاں ہم کو اعتبار آیا

برنگ آئینہ ہم اور سینہ صاف ہوئے
جو اپنے دل پہ کسی شکل سے غبار آیا

ہماری خاک پہ گو چشم تر کسی نے نہ کی
ہمیشہ گریہ کناں ابر زار زار آیا

گئے جہان سے کیا کیا ستیزہ جو تہِ خاک
کہ گل جب آیا تو مجروح بے شمار آیا

ممانعت نے کیا تیرے شہرۂ آفاق
دگرنہ میں ترے کوچہ سے لاکھ بار آیا

خبر ہے وادی میں سودا کی یوں سنا ہے آج
کہ ایک شیخ کسی بے گنہ کو مار آیا

کب دل شکستگاں سے کرے عرض حال آیا
ہے بے صدا وہ چینی جس میں کہ بال آیا

سینے سے میں دعا کو لایا جو شب لبوں تک
کہنے لگی اجابت کیدھر خیال آیا

ملنے کا ایک دم بھی یاں حسرت ندامت ناصح
اُس تک کے اٹھ گیا وہ تب جی بحال آیا

کو نہیں نکالی تھی جس دل کی میں نے حسرت
نسبت کہ یک نگہ پر میں اسکو ڈال آیا

بخشش پہ دوستاں کی آنکھ تھی تہمت دم
لیکن نہ یاں زباں تک حرفِ سوال آیا

نازاں نہ ہو تو اس پہ کہ تکیہ سنگ میں سے
گوہر نکالنے کا کسب و کمال آیا

ارباب فہم آگے وہ صاحب ہنر ہے
کینہ کسی کے دل سے جس کو نکال آیا

دیر خراب میں کل اک مست کی زباں پر
یہ شعر اُس جگہ کے کیا حسب حال آیا

اعمال دیکھ تیرے مے شرم سے عرق ہے
اے محتسب تجھے بھی کچھ انفعال آیا

اکسیر ہے تو کیا ہے وہ مشت خاک سوداؔ
خاطر پہ جب کسی کے اُس کے ملال آیا

باہر رکھوں نہ بزم سے اے رشک باغ پا
جوں شمع سر کے گل سے کروں تا نہ داغ پا

جوں غنچہ رُک رہا ہے اس باغ میں کہ یاں
جز آب جو کیا نہ کسی نے فراغ پا

کر بیت میں ہماری معاند سمجھ کے دخل
ہر گھر میں دیکھ بھال کے رکھتا ہے زاغ پا

دل تفتگاں کی خاک سے ہے آبلہ کا خوب
رکھتا نہیں ہے کچھ وہ زراہِ دماغ پا

روشن دلوں کا حد سے نہ بڑھ کر قدم پڑے
باہر رکھے نہ سایہ سے اپنے چراغ پا

بیدست و پا نہ صاحب کیفیتوں کو جان
ہے دست میکشاں کا برائے ایاغ پا

پہونچا نہ واں جہاں سے کہ ہیکر اُٹھا نہیں
تجکو دیے فلک نے بہ شکل او جاغ پا

اُس حور ساتھ عیش ہو واعظ تجھے نصیب
باغِ جناں جس کا ہو سراور براغ پا

سوداؔ بے زلف یار میں گم گشتہ دل ترا
گھر گھر میں کیوں رکھے ہے تو بہر سراغ پا

کیا جانے کس کی خاک ہے رکھ ہوش نقش پا
یوں دھر قدم کہ تا نہ دبے دوش نقش پا

اعمال رفتگاں کے مکافات کر نظر
حیراں رہے ہے صورت خاموش نقش پا

کس کی سُنے ہیں خاک نشینان راہِ عشق
گوش اپنے کر ہیں اتنے کہ جوں گوش نقش پا

دہشت ہے کبر اہل جہاں سے یہ اب مجھے
افتادگی نہ ہو وے فراموش نقش پا

کثرت سے کوئے یار میں گرمی ہے یہ کہ واں
پڑتا ہے پا میں آبلہ از جوش نقش پا

گذرے وہ کیونکہ خاک سے میری کہ تا ابد
چھوڑے قدم کو اُسکے نہ آغوش نقش پا

افشائے کار اس آن کے کیا ہیں تری رموزداں   جز خاک کچھ نہیں ہے در آغوش نقشِ پا
اے شوخ نازہ گردئی نے تیرے ہے پائے حیا   خونِ جگر کیا ہے مرا نوشش نقشِ پا
پابوس پر رقیب عبث دست بے تہی کہ واں   کب ہے قبولِ خاطر پاپوشش نقشِ پا

سودا! بقول حضرت بیدل بگوئے دوست
خط جبین ماست ہم آغوشش نقشِ پا

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا   کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا
سرگرم نالہ ان دنوں میں بھی ہوں عندلیب   مت آشیاں چمن کے مرے متصل بنا
جب تیشہ کوہکن نے لیا ہاتھ تب یہ عشق   بولا کہ اپنی چھاتی پہ دھرنے کو سِل بنا
جس تیرگی سے روز ہے عشاق کا سیاہ   شاید اسی سے چہرۂ خوباں پہ تِل بنا
لب زندگی میں کب ملے اس لب سے اے کلال   ساغر ہماری خاک کو مت کر کے گِل بنا
اپنا ہنر دکھاویں گے ہم تجکو شیشہ گر   ٹوٹا ہوا کسی کا اگر ہم سے دل بنا

سن سن کے عرضِ حال مرا یار نے کہا
سودا نہ باتیں بیٹھ کے یاں متصل بنا

سودا یہ کیا کرے گا نت اس قدر کا رونا   عالم کو اے دِوانے سب ساتھ لے ڈبونا
سرتا قدم گلا کر جب تک گرے نہ پانی   جوں شمع داغِ دل سے مشکل بہت ہے دھونا

جس طرح چاہتا ہے دنیا میں زندگی کر
لیکن تو یاد رکھیو عاشق کبھی نہ ہونا

بے وجہ آئینہ نہیں ہر بار دیکھنا   کوئی دم کو پھولتے ہی یہ گلزار دیکھنا
نرگس کی طرح خاک سے میری اگی ہے چشم   ٹک آن کے یہ حسرتِ دیدار دیکھنا
کھینچے تو تیغ سب حرمِ دل کے صید پر   اے عشق پر بھلا تو مجھے مار دیکھنا
ہے نقص جان دید ترا پر یہی ہے دھن   جی جائے بار سے مجھے اک بار دیکھنا.

اے طفلِ اشک ہے فلکِ ہشتمیں پہ عرش
آگے قدم نہ رکھیو تو زنہار دیکھنا

پوچھے خدا سبب جو مرے اشتیاق کا
میری زباں سے ہو یہی اظہار دیکھنا

ہر نقشِ پا پہ تڑپے ہے یاں دل ہر ایک دل
ٹک واسطے خدا کے یہ رفتار دیکھنا

کرتا تو ہے تو آن کے سودا سے اختلاط
کوئی لہر آ گئی تو مرے یار دیکھنا

تجھ بن عجب معاش ہے سودا کا اِن دنوں
تو بھی ٹک اُس کو جا کے ستمگار دیکھنا

نہ حرف نہ حکایت نہ شعر و نے سخن
نے سیرِ باغ و نے گل و گلزار دیکھنا

خاموش اپنے کلبۂ احزاں میں روز و شب
تنہا پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا

یا جا کے اُس گلی کو جہاں تھا ترا گذر
لے صبح تا بہ شام کئی بار دیکھنا

تسکین دل جو اس میں بھی پائی تو پھر شغل
پڑھنا یہ شعر گر کبھو اشعار دیکھنا

کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں روزِ ہجر کو
پر جو خدا دکھاوے سو ناچار دیکھنا

سیہ کاری ہے مانندِ نگیں ہر چند کام اپنا
نکالا زرد سفید آخر میں اس صفحہ میں نام اپنا

حباب آسا کیا ہے کار استغنا تمام اپنا
رکھا محروم میں قطرے سے اس دریا میں جام اپنا

نہ پوچھے نیستی عنقا کی ہستی کو مری ہرگز
کہ میں یاں تک زباں سے بھی نہیں سنتا ہوں نام اپنا

اگر سمجھو تو خاکستر صبا کے ہاتھ بھیجوں میں
نہیں گویا زبانِ شعلہ دوں کسکو پیام اپنا

کہاں ہے شیخ جو دیکھے مری بت کے کرشمہ کو
کہ ہر بندہ خدا کا کر لیا جن نے غلام اپنا

سُنا جب انس تھا ہر نوں کو صحرا بیچ مجنوں سے
کیا شہرہ غزالوں کے تئیں سودا نے نام اپنا

جنھوں کی نظروں میں ہم سبک ہیں دیا انھیں کو وقار اپنا
عجب طرح کی ہوئی فراغت گدھوں پہ ڈالے سے بار اپنا

کروں سو کیا آہ ناامیدی وہ ہو دے پر کبھو نہ یار اپنا
نہ گھر میں ہنسنا ہے اُسکا شیوہ نہ ساتھ پھرنا شعار اپنا

نگر ہو آباد جسکے دل کا نہ پوچھ اُس سے تو دُکھ ہمارا
یہ درد تب تو اس پہ پہنچے ٹک جو لُٹتے دیکھے دیار اپنا

جو دھوم آنے سے تیرے خدا کے اب ایک عالم میں مچ رہی ہے
چمن میں وہ شور ڈالتی ہے جو نو دیکھو بہار اپنا

اثر ہمارے سخن کا ظالم نہیں ہے سو ایک تیرے دل میں
وگرنہ وہ سنگ کون سا ہے نہ ہوگا جس میں شرار اپنا

جہاں تڑپتا ہے دل ہمارا کبھو تو ظالم تو واں گذر کر
کوئی بھی صیاد چھوڑتا ہے پکڑ کے بسمل شکار اپنا

جنھیں نہیں عقل وہ کریں ہیں طلب جس سے کیمیا کی
جو فہم ہووے تو بہ زر اکسیر ہے یہ مشتِ غبار اپنا

ہوا نہ روز فراق میں بس کہ ایکدم بھی میں آپ میں ہوں
نہ رہتے دیکھا کبھو برے وقت پکڑ بھی میں یار اپنا

گراں طبیعت پہ مور کے ہوش ہوئے وہ بھی نصیب اپنے
خدا اُٹھائے ہمیں جو ڈالیں کسی کی خاطر یہ بار اپنا

برنگ ناک اینڈتا پھرے ہے جہاں تو باغِ جہاں میں سودا
میں کیا کہوں واں سے آہ سیار کر گئے ہیں گذار اپنا

چمن نہ تنہا جنھوں کے غم سے ہنوز چھاتی پہ کھاتی ہے گل
رکھے ہے اب تک ہزار حیف روش بھی سینہ فگار اپنا

نہیں پیکاں پہ جوہر نامہ اُن نے تیر پر لکھا
اشارہ قتل کا مجھکو بہ تقصیر پر لکھا

ہوئی تبدیل ہیئت یاں تلک غم سے جدائی کی
کہ میرا نام مانی نے مری تصویر پر لکھا

کہے ہیں زلف کو سب دیکھ اُس روئے مخطط پر
یہ لام افزودہ کیوں قرآن کی تفسیر پر لکھا

نہ بچے جی کس طرح روزِ ازل کاتب نے قدرت کے
ہمارا خون قاتل پر دمِ شمشیر پر لکھا

نہیں چینِ جبین اے یار تجھ محراب ابرو پر
کتابہ روز اس مسجد کی یہ تعمیر پر لکھا

اسی مضمون سے معلوم اُس کی سرد مہری ہے
[illegible] نامہ جو اُس نے کاغذ کشمیر پر لکھا

جگہ دی نالۂ دل کو تری زلفِ چلیپا میں
یہ حسرت کہ یکے روز ہم نے اُس زنجیر پر لکھا

خدا جانے کہ اے سودا پڑھ اُسکو کیا وہ سمجھے گا
ہمیں تھا خط کا لکھنا وہ از تدبیر پر لکھا

بلبل نے جسے جا کے گلستان میں دیکھا
ہم نے اُسے ہر خار بیابان میں دیکھا

روشن ہے وہ ہر ایک ستارے میں زلیخا
جس نور کو تو نے مہ کنعان میں دیکھا

برہم کرے جمعیتِ کونین جو پل میں
لٹکا وہ تری زلف پریشان میں دیکھا

واعظ تو سنے بولی ہے جس روز کی مابین
اُس روز کو ہم نے شبِ ہجران میں دیکھا

اے زخمِ جگر سودۂ الماس سے خو کر — کتنا وہ مزا تھا جو نمکدان میں دیکھا

سودا! جو ترا حال ہے اتنا تو نہیں وہ
کیا جانیے تو نے اسے کس آن میں دیکھا

والہ کو تری چشم کے آزار ہی رہا — جیسے وقت تھا تو وہ بیمار ہی رہا

چھوٹا جو زلف سے تو پھنسا دام خط کے بیچ — یہ مرغ دل ہمیشہ گرفتار ہی رہا

جاتی رہی ترے چمنِ حسن کی بہار — بلبل کے گل نظر میں ولے خار ہی رہا

جیسے ہوئی ہے قابل شمشیر وہ کمر — چھاتی پہ میری مرہم زنگار ہی رہا

سوکھا نہ ایک پل مرا دامان و آستیں — تجھ عشق میں یہ دیدۂ خونبار ہی رہا

اک روز ایک یار نے اس شوخ سے کہا — سودا کے دیکھنے سے تجھے عار ہی رہا

بولا کہ تیرے حق بطرف ہے اس امر میں — جیسے ہوا وہ خلق بد اطوار ہی رہا

اتنا تو وہ برا ہے کہ چہرے کا جس کے رنگ
بھر عمر اس کی شکل سے بیزار ہی رہا

گو گھر میں سب کسی کے تو اے مہ جبیں رہا — پروا نہیں ہمیں کبھی یہ وہ دل نہیں رہا

کیا فائدہ کہ درپے تحقیق ہم رہیں — ملنے سے جب کہ ہم رہے پھر تو کہیں رہا

اسباب دین و دنیوی کب تھا خیال میں — تیرا ہی دھیان تا بدم واپسیں رہا

صبر و قرار و ہوش و دل و دیں فدا کیا — تس پر بھی میری جان تجھے مجھ سے کیں رہا

نکلا کسی ہی طرح نہ دل سے ترے حجاب
سودا سے تو تو یار سدا شرمگیں رہا

عشق تھا یا کیا تھا جس سے دل اٹکتا ہی رہا — خار سا سینے میں میرے کچھ اٹکتا ہی رہا

رات جب غصہ ہو میرے پاس سے اٹھ کر چلا — میں نہ چھوڑا گو کہ دامن وہ جھٹکتا ہی رہا

بوسہ رخسار کا وعدہ کیا کس سے وفا — کان کے موتی تلک تیرے لٹکتا ہی رہا

تاب کس کو ہے کہ تیرے در سے آگے جا سکے
جو ترے کوچے میں آیا سر پٹکتا ہی رہا

کون سی تھی ہجر کی ساعت کہ تب سے عمر بھر
آرزوئے وصل میں یہ دل بھٹکتا ہی رہا

جس کو تیں گھر سے نکالا وہ بامیدِ طلب
ہر قدم پر راہ چلتے میں ٹھٹکتا ہی رہا

یار گھر آیا تھا پر دیکھا نہ اُس کو بھر نظر
ہوش میں آؤں میں جب تک وہ مٹکتا ہی رہا

آج کیا سودا میں اُلفت کی خلش تجھ سے کہوں
خار سا سینے میں میرے کچھ کھٹکتا ہی رہا

مجلس سے جب ہو مست وہ رشکِ بتاں اُٹھا
محشر کا اہل بزم سے شور و فغاں اُٹھا

آیا نظر جو دور سے ہی اُس کو میں کہیں
لے کر وہ میرے قصد کو تیر و کماں اُٹھا

جو نہیں قدم رکھا میں سوئے باغ بانصیب
لے بیلچہ کو ہاتھ وہیں باغباں اُٹھا

میں جس کے پاس بیٹھا لگا کہنے حالِ دل
اپنے ہی دل کے غم کی وہ لے داستاں اُٹھا

مشہور ہے یہ بات کہ جی ہے تو ہے جہان
آپ ہی اُٹھے جہاں سے تو گویا اٹھا جہاں

بوئے وفا و رنگ محبت نہیں ہے یاں
یارب تو اس چمن سے مرا آشیاں اُٹھا

پہنچے گی تیرے گھر ہی جو چاہے گی دخت ناز
سودا نہ جا کے منتِ پیرِ مغاں اُٹھا

تیرے کوچے سے جو میں آپ کو چلتے دیکھا
جی کسی تن سے نہ اس طرح نکلتے دیکھا

تیغ تیری کی سدا شکر ادا کرتے ہیں
لبوں کو زخم کے دن رات میں ملتے دیکھا

کیوں دیا دل میں ترے طرۂ مشکیں کو کہ مرغ
کہیں بھی پنجۂ شاہیں میں ملتے دیکھا

ڈوبے اُچھلے تو بہت دیکھے ہیں پر دریا کے
ڈوبا اُس چاہِ ذقن کا نہ اُچھلتے دیکھا

استقامت ہے عجب شے نہیں جس میں لغزش
نخل کا پاؤں زمیں پر نہ پھسلتے دیکھا

عیش آلودہ افسوس ہے اس جا کہ حنا
جس کو پہنچی تو اُسے ہاتھ ہی ملتے دیکھا

فضلِ حق ہو تو تنزل ہی ترقی ہو جائے
قطرہ گوہر کو صدف سے میں نکلتے دیکھا

آہ و نالہ سے مرے دل نہ پسیجے اُس کا
میں ہوا ہے نہ کبھو سنگ پگھلتے دیکھا

تیغ کا زخم اُٹھا سنبھلے ہے انساں لیکن
سامنے تیر نگہ کے نہ سنبھلتے دیکھا

سوجھی تدبیر نہ تقدیر کو بہلانے کی
جب کبھی قتل پہ عاشق کے مچلتے دیکھا

اپنے مُنھ کے نہ کہا کن نے سخن کو گوہر
لعل سودا ہی کو پر ہم نے اُگلتے دیکھا

چہرے پہ نہ یہ نقاب دیکھا
پردے میں تھا آفتاب دیکھا

کیونکر نہ بکوں میں ہاتھ اُس کے
یوسف کی طرح میں خواب دیکھا

کچھ میں ہی نہیں ہوں ایک عالم
اس کے لیے یاں خراب دیکھا

بے جرم و گناہ قتل عاشق
مذہب میں ترے ثواب دیکھا

کچھ ہووے تو ہو عدم میں راحت
ہستی میں تو ہم عذاب دیکھا

جس چشم نے مجھ طرف نظر کی
اُس چشم میں پُر آب دیکھا

سرگرداں ترے ہی عشق میں ہے
یاں ہم نے جو شیخ و شاب دیکھا

دل تو نے عبث لکھا تھا نامہ
جو اُس نے دیا جواب دیکھا

بھولا ہے وہ دل سے لطف اُس کے
سودا نے یہ جب عتاب دیکھا

ساقی چمن میں چھوڑ کے مجکو کدھر چلا
پیمانہ میری عمر کا ظالم تو بھر چلا

گل مت سمجھیو باغ میں اے عندلیب زار
غنچے کا دل وہیں پہ کسی کے بکھر چلا

نشو و نما پہ تھا تو ہمارا نہالِ عشق
خوبوں کی سرد مہری سے لیکن ٹھٹھر چلا

کد اپنے دل میں یار سے کچھ کم ہے ان دنوں
آلودہ آب گرد سے تھا پر نتھر چلا

اس بحر میں ہے موج کی حافظ شکستگی
فیصل ہوا حباب کہ جس دم اُبھر چلا

اب کی ہے یہ بہار کہ یارو بہ طرف باغ
زاہد گرو کلال کی دستار دھر چلا

غافل ہے اُس مریض سے ظالم کہ جسکے پاس　　آیا تو کوئی پوچھتا اشک اپنے گھر چلا

عالم تو مر رہا ہے ہر اک آن پر تری　　تیغ و سپر یہ لے کے تو کس پر بپھر چلا

سودا کے زرد چہرے کو شوخی کی راہ سے

کہتا ہے تیرا رنگ تو اب کچھ نکھر چلا

اعمال سے میں اپنے بہت بے خبر چلا　　آیا تھا آہ کس لیے اور کیا میں کر چلا

ہے فکر وصل صبح تو اندوہ ہجر شام　　اس روز و شب کے دھندے میں اب تو مر چلا

مجلس سے مجکو اُٹھتے جلیسوں کے سامنے　　عزت کبھو نہ دی یہ کہ پوچھے کدھر چلا

نکلا برے ہی جامہ سے کچھ اندنوں رقیب　　تھوڑے سے دم دلاسے میں کتنا اُبھر چلا

چلنے کا مجکو گھر سے ترے کچھ نہیں ہے غم　　اوروں سے گو میں یک دو قدم پیشتر چلا

کیا اس چمن میں ان کے لیے جائیگا کوئی　　دامن کو میرے سامنے گل جھاڑ کر چلا

جامع قمار خانہ میں چیرہ ہے پیشِ مغ　　اب کاٹوں کس کی جیب کہ دل بادہ پر چلا

بھیجا ہے وہ پیام میں اُس شوخ کو کہ آج　　کر خضر راہ مرگ کو پیغامبر چلا

طوفاں بھرے تھا پانی جن آنکھوں کے سامنے　　آج ابر ان کے آگے زمیں کرکے تر چلا

روکا بصد ہنر اُسے ملنے سے غیر کے　　لیکن ہنر پر اُس کے نہ میرا ہنر چلا

سودا کبھی تھا یار سے یک مو نہیں غرض

اودھر کھلی جو زلف اِدھر دل بکھر چلا

سودا غزل چمن میں تو ایسی ہی کہہ کے لا　　گل پھاڑیں اُنکے جیب کو دیں بلبلاں صلا

نکاک کا پسر بھی مسیحا سے کم نہیں　　فیروزہ ہووے مردہ تو دیوے ہے وہ جلا

نہیں چھوڑتا ہے اشک مرا دامنِ وکنار　　یہ طفل بدسرشت نہ گہوارہ سے پلا

نقاش کی نہیں خطا سے بنی گر یہ شکل زشت　　ممکن نہیں کمہار کا ماٹی کرے گلا

غم سے خزاں کے خونِ جگر چھوٹ اب اے نسیم　　غنچے گلوں کے کچھ نہیں کھاتے انہیں کھلا

دیکھے ہے اس قدر تو مجھے دیکھ رقیب　　چوہے کی بھانت جائے ہے نظروں سے یہ بلا

اسلوب شعر کہنے کا تیرا نہیں ہے یہ
مضمون آبرو کا ہے **سودا** یہ سلسلا

نگاہ مست نے ساقی کے عالم کو چھکا ڈالا　　کہیں مدہوش ہے شیشہ کہیں ٹھہرے ہے متوالا
کرے کیا دل صفِ مژگاں نہ خنجر ہے نہ بھالا　　کہ تیرے روئے ترکش بان دینے ایک بے اثر نالا
نہ کرائے کیفی شوق اس سے تو انداز بوسے کا　　ڈرا دوں ہوں میں نہ پڑ جاوے کہیں اب لب پہ تبخالا
مگر قیمت کہی دل کی تو اس پر بھی گراں سمجھا　　جو نقد جان بکتا ہو کہیں تو مجکو دلوالا

خریدی کچھ نہ جنس آکر ہم اس بازار میں **سودا**
بغل میں لے چلے ہیں دل کو اک آتش کا پرکالا

میں دشمن جاں ڈھونڈ کر اپنا جو نکالا　　سو حضرتِ دل سلمہٗ اللہ تعالیٰ
جب مست چمن سے ہو چلا گھر کو وہ لالا　　غنچے نے صراحی لی اُٹھا گل نے پیالا
کہتا ہے نگہ سے یہ ترا گوشۂ ابرو　　دیکھے جو کوئی خون گرفتہ تو لگا لا
مانگا جو میں دل کو تو کہا میں یہی اک دل　　جتنے ہی تو چاہے مرے کوچہ سے اُٹھا لا
اے غنچہ سبب کیا ہے کہ آتے ہی چمن میں　　گل جھاڑے ہے دامن تو نے بقچی کو سنبھالا
اتنا ہے تو یوسف سے مشابہ کہ عدم کے　　پردے میں چھپا اس کے تئیں تجکو نکالا
تنہا تری مژگاں سے یہ دل کیونکہ برآوے　　نہ تیر ہے اُس پاس نہ خنجر ہے نہ بھالا
فتنہ ہی اُٹھاتے ہو گئی پشت فلک خم　　ہرگز کسی گرتے کو نہ ظالم نے سنبھالا

سودا تجھے کہتا ہوں نہ خوباں سے مل اتنا
تو اپنا غریب عاجز دل بیچنے والا

ملک آئین جب سے تیں لوٹا　　کفر دیں شیخ و گبر سے چھوٹا
موج آتش ہے سیل آنکھوں کی　　شاید اُس دل کا آبلہ پھوٹا

نہ جیا میری چشم کا مارا
نہ تری زلف کا بندھا چھوٹا

چمنِ دل میں عشق بویا تھا
داغ و شعلہ ہوا گل و بوٹا

گرد ہستی نے دل کو دی ہے شکست
آئینہ اس غبار سے ٹوٹا

دل یار کے ہرگز نہ سرِ یار سے چھوٹا
اور اس کو سرِ یار سمجھ عشق نے کوٹا

لگا ہے دل خوں کشتہ سوا بزم میں اپنے
شیشہ مے گلرنگ کا ساقی سے نہ ٹوٹا

جا سکیے کدھر ہاتھ سے اب چشم بتاں کے
تھا دل کا نگر اپنے سو ان ترکوں نے لوٹا

کس کی نگہ مست چمن پر ہے کہ سودا!
غنچہ یہ کھلا ہے کہ سبو بادہ کا پھوٹا

طبیعت سے فرومایہ کے شعر تر نہیں ہوتا
جو آبِ چاہ کا قطرہ ہے وہ گوہر نہیں ہوتا

ہنر سے دور ہے بد اصل کی خلقت کہ آئینہ
خمیرِ سنگ سے بنتا ہے تو جوہر نہیں ہوتا

نہ جانے عکس رو اس میں پڑا کس اہل جنت کا
کہ آبِ آئینہ سے لب کسو کا تر نہیں ہوتا

سعادت مند ہو کر جی کہ بعد از مرگ عالم میں
ہما کے بال کا مصرف بجز افسر نہیں ہوتا

طمع دولت کی بے تاب و تعب مت رکھ زمانے سے
مہوس تا نجھوں کے آگ میں مس زر نہیں ہوتا

نہیں لاتے زباں پر حرفِ مطلب سر گذر اپنا
بدستِ یار تا کھینچا ہوا خنجر نہیں ہوتا

سراپا مشکل اخگر ہے تپ ہجراں سے جسم اپنا
نہیں وہ پیرہن جو تن پہ خاکستر نہیں ہوتا

دیا ہے نقد دل اپنا اب ان خوبوں سے خطرہ کیا
جو مفلس ہوا سے کچھ رہزنوں سے ڈر نہیں ہوتا

تلاشِ خضر بہرِ منزلِ مقصد نہ کر سودا!
کوئی خود رفتگی سے راہبر بہتر نہیں ہوتا

ترا دل بےسبب نہیں ملتا مرا جی رہ نہیں سکتا
غرض ایسی مصیبت ہے کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا

ترے آگے مری آنکھوں سے آنسو کیونکہ چلتے ہیں
جو تو دریا سے گذرے ہے تو باقی بہہ نہیں سکتا

نہ شکوہ یار کا لب تک دلِ پیرانہ سر لیجا
بخاموشی ہی گذری ہے تو باقی بھی بسر لیجا

چمن آرا سے ہو کر آشنا کر برگ و بار اپنا
جہاں کے باغ سے ناداں بدزدی مت ثمر لیجا

نہیں شایاں ہے اپنا ٹال دینا دل کے سائل کو
وگرنہ شے یہ دینے کی نہ تھی تجھ سے کو پر لیجا

کسوفِ مہر سے تارے جھلک آئے ہیں اے نوخط
نہ قطروں کا عرق کے تو گماں اُس چہرہ پر لیجا

نہ قصدِ کعبہ ہے دل میں نہ عزمِ دیر بندہ ہوں
اسیرِ دامِ اُلفت ہوں جدھر چاہے ادھر لیجا

تہاں آسا نہیں ہے خرّمی ماٹی ہیں غربت کے
وطن سے مشت خاک اے دل قدم پر باندھ کر لیجا

قصورِ ہمتِ گردوں ہے بے مہری کا یاں باعث
کہ نالاں دل مجھے دے کر نہ بولا یوں اثر لیجا

نہیں گر نرگسِ شاداب اس گلشن سے قسمت میں
تو یہ بھی ارمغاں اک طرح کا ہے چشمِ تر لیجا

یہ پیاسا موج زن دیکھے ہے دریائے کرم تیرا
دریغ اس میں ہے کیا کہدے سبو اپنا بھی بھر لیجا

بکیں گو صندلیں رنگ کے بازارِ محبت میں
گنوا کر نقد دل اپنا نہ یہ تو دردِ سر لیجا

چراغ آوے گا کاہے کو کبھی گورِ غریباں پر
کبھو سودا سے دل پر اپنے داغِ ہجر دھر لیجا

جب بادہ خون دل ہو تو سیرِ چمن کجا
ساقی وہ تو بہار و شرابِ کہن کجا

صحبت تجھے رقیب سے ہیں اپنے گھر میں داغ
کیدھر پتنگ شمع کہاں انجمن کجا

تیرے لیے وطن سے جو نکلا تو پھر اُسے
مانند طفلِ اشک کے عزمِ وطن کجا

صد حرف آرزو ہے زباں پر مری و لے
چاہوں ہیں تجھ سے ایک کہوں ہیں دہن کجا

غرقاب چاہِ عشق جو ہوتا تو جانتا
یوسف کہاں مصیبتِ چاہِ ذقن کجا

عریاں تنی نے باز رکھا اُس کے رنج سے
ناصح جو چاہے جیب سے تو پیرہن کجا

خلوت سرا کو پہونچے نہ سودا کا بتکدہ
تو اور ہو جہاں ہو بت و برہمن کجا

نہ دانہ ساتھ لے صیاد تیں نے دام لیتا جا
چمن میں ہم سفیروں کو مرا پیغام لیتا جا

اگر دل لے چلا جس کی خلش مت چھوڑ سینے میں
سحر لے جا نہیں سکتا تو اس کو شام لیتا جا

نہ تھی توفیق اگر بوسہ کی تو آشنا تو کہہ دیتے
جو آیا ہے تو خالی مت پھرے دشنام لیتا جا

اگر اے نالہ تو چاہے کہ اس کے گوش تک پہونچے
اثر تھوڑا کہیں سے کر کے قرض و دام لیتا جا

ہوا میں دل کے لیجانے پہ راضی تیری خاطر سے
کہا کب تھا کہ ساتھ اسکے مرا آرام لیتا جا

خیال اُن انکھڑیوں کا چھوڑ مت مرنیکے بعد از بھی
دلا آیا جو تو اس میکدے میں جام لیتا جا

جو چاہے مغبچے تجھکو اذیت دیں نہ اے زاہد
گلی میں اُس کی اب سودا کا اکثر جام لیتا جا

قاتل کا ہاتھ ہرگز ہتھیار تک نہ پہونچا
کارِ شہادت اپنا تلوار تک نہ پہونچا

افسوس کام غم کا اظہار تک نہ پہونچا
یہ لختِ دل بھی چشمِ خونبار تک نہ پہونچا

تیرِ ستم کو تیرے کہتا ہیں نوش جاں ہوں
منہ زخمِ دل کا لیکن سوفار تک نہ پہونچا

اس مرغِ ناتواں کی صیاد کچھ خبر ہے
جو چھوٹ کر قفس سے گلزار تک نہ پہونچا

جوں غنچہ اس چمن میں تیرے مقیدوں کا
رازِ خموشی اے دل اظہار تک نہ پہونچا

اے بخت خواب تجھ سے تحفہ طریق کا ہے
یک شب ہماری چشمِ بیدار تک نہ پہونچا

سودا کی شاعری کا منکر نہیں دو دیکھا
آخر کو کام جس کا اقرار تک نہ پہونچا

حالِ دل سے مرے جیب تک وہ خبردار نہ تھا
جز دمِ سرد کوئی محرمِ اسرار نہ تھا

جو عمل چاہیے کیجیے مرے دُکھ دینے کا
وہ نہ کیجے کہ کہے کوئی سزاوار نہ تھا

پیار و اشفاق و وفا مہر و محبت الطاف
دل کو جس روز لیا کون سا اقرار نہ تھا

صحبتوں کا نہ کرو غیر کے مجھ سے اخفا
کون سی شب تھی کہ میں واں پسِ دیوار نہ تھا

شب تری بزم میں سودا کو میں دیکھا جبتک
کچھ خموشی کے سوا اُس کو سروکار نہ تھا

افسوس تم اوروں سے ملو رات کو تنہا — ہم دن کو ترستے ہیں ملاقات کو تنہا
نہ تو ہے نہ دل ہے نہ کوئی مونس و ہمدم — کھوتے ہیں عبث اپنی ہم اوقات کو تنہا
باللہ اکیلا جو ملے مجکو تو سمجھوں — پاتا نہیں میں ناصح بدذات کو تنہا
اب گوشۂ عزلت سے نکلتا نہیں اے شیخ — خلوت میں ہے کیا جانئے کس بات کو تنہا

سودا تو کبھی بزم میں رنداں کے تو آ بیٹھ
کھوتا ہے عبث کوئی بھی اوقات کو تنہا

وہ ہم نہیں جو کریں سیر بوستاں تنہا — بہشت ہو تو نہ منھ کیجیے باغباں تنہا
کدھر کو چھوڑ گئے مجکو ہمرہاں تنہا — پھروں ہوں دشت میں جوں کارواں تنہا
اگرچہ تم کو نہ چھوڑیں گے بدگماں تنہا — کرا جو بندہ نوازی تو مہرباں تنہا
اکیلے آنے کی تم کو بتاؤں میں تقریر — کبھو جو جاؤں ہوں میں بہر امتحاں تنہا
ہوا ہے دل صفِ مژگاں کے روبرو ہیہات — ہیں نیزہ باز اُدھر اتنے یہ جواں تنہا
خبر لے حال سے مجنوں کے صاحبِ محمل — کرے ہے آج جرس نالہ و فغاں تنہا
سُنا نہ ہووے جو سودا یہ مصرعِ صائبؔ — تو پوچھ خلق سے میں کیا کروں بیاں تنہا
کہ ایک دن میں اُسے راہ میں اکیلا دیکھ — کہا کدھر چلے اے فخرِ شاعراں تنہا
دیا جواب دلم سیر باغ می خواہد — کہا میں ہو متبسم کہ مہرباں تنہا
جو ہووے امر تو میں بھی چلوں کاب کے بیچ — رکھے ہے لطف بھی کچھ سیر بوستاں تنہا

سُنا یہ مجھ سے تو کہنے لگا کہ پوچ مگو
گرفتہ ایم اجازت ز باغباں تنہا

جب بزم میں بتاں کی وہ رشکِ مہ گیا تھا — آپس میں ہر پری رو منھ دیکھ رہ گیا تھا
غنچے نے حال گل کا تجھ سے کہا کہ اُس سے — وہ بند پیرہن میں دے کر گرہ گیا تھا
وہ شوخ آج ہم سے نظریں نہیں ملاتا — شاید سُنا ہیں جو کچھ محرم سے کہہ گیا تھا

کیا کیا دلاسے غیرت رکھا ہیں باز دل کو
ورنہ نہ سہتی باتیں تیری ہیں سہ گیا تھا

سودا پھر آج تیری آنکھیں بھر آئیاں ہیں
عالم کے ڈبونے میں کل کچھ بھی رہ گیا تھا

ٹکڑے ہوئے جگر کے آنسو رہ بھلے کو
خوناب دل سے ورنہ آفاق بہہ گیا تھا

جگہ تھی دل کو مرے دل میں اک زمانا تھا
مرے بھی شیشہ کو اس سنگ میں ٹھکانا تھا

خرید عشق نے جس روز کی متاعِ چمن
جو نقد جاں پڑی قیمت تو دل بیعانہ تھا

جو ذکر بعد مرے ہوگا جاں نثاروں کا
کروگے یاد کبھی کہ وہ اک دیوانا تھا

جو حد ریش کے رکھنے سے میں سخن پوچھا
ہر ایک بات میں زاہد کے شاخسانا تھا

بجرم بیم نگہ تھا نہ قتل سودا فرض
اجل کے واسطے یہ اُس کے اک بہانا تھا

عشق کی خلقت سے آگے ہیں ترا دیوانہ تھا
سنگ میں آتش تھی جب تو شمع میں پروانہ تھا

جزو کل میں فرق اتنا ہی فقط ہے اعتقاد
ورنہ جس خرمن کو دیکھا بالحقیقت خانہ تھا

بر سرِ لطف و عنایت ہم پہ جب آیا فلک
سر پہ جو تیر بلا بیٹھا سو وہ پر خانہ تھا

شب کی مجلس بیچ وہ غمازِ نگرِ سر خانہ تھا
تھے جو باہم آشنا اک ایک سے بیگانہ تھا

جینے دینے کی نہیں یاد اُس زمانے کی کہ شب
نالہ اپنا وقت شب اُس کے لیے افسانہ تھا

کل تو مست اِس کیفیت سے تھا کہ آئی دیر سے
پھر نظر جو مدرسہ دیکھا تو وہ مے خانہ تھا

اختلاطِ اہل آبادی سے دل آیا ہے تنگ
اے خوشا وقتے کہ تنہا ہم تھے اور ویرانہ تھا

اس چمن میں جب تلک ہم نشۂ مستی میں تھے
عمر کا اپنی پُر از خونِ جگر پیمانہ تھا

اتفاقاً بزم رنداں میں ہوا وارد جو شیخ
پنجہ اُس کا دمبدم داڑھی کا اُسکی شانہ تھا

اک برہمن زادہ کل کہتا تھا یوں مل مل کے ہاتھ
ہم میں اور سودا میں یارو کس قدر یارانہ تھا

چشمِ اہلِ قبلہ میں آج اُن نے کی جوں سرمہ جا　　حیف ایسا شخص جو خاکِ درِ بُت خانہ تھا

عشاق تیرے سب تھے پر زار تھا سو میں تھا　　جگ کے خرابہ اندر اک خوار تھا سو میں تھا

داخل شہیدوں میں تو لوہو لگا کے سب تھے　　شمشیرِ ناز سے پُر افگار تھا سو میں تھا

سنبل کے پیچ میں دل تیرے نہ تھا کسی کا　　نرگس کا ایک تیرے بیمار تھا سو میں تھا

تجھ گھر میں عرضِ مطلب کس کی نہ تھا زبان پہ　　در پر جو تیرے نقشِ دیوار تھا سو میں تھا

داغِ محبت اے گل جب تھا تزانہ جگ میں　　داغوں سے جس کا سینہ گلزار تھا سو میں تھا

گو عشق کے تمھارے عشاق اک مُقر ہیں　　اول زباں پہ جس کے اقرار تھا سو میں تھا

تجھ عشق میں نصیحت سب یار مانتے تھے　　ناصح کے پر سخن سے بیزار تھا سو میں تھا

کافر تری زباں اکثر لپکے ہے جوں شمع　　ہر استخوان جس کے زنار تھا سو میں تھا

اس میکدے میں سوداؔ ہم تو کبھی نہ بہکے
سب مست و بیخبر تھے ہشیار تھا سو میں تھا

رات نالہ میں کیا یار سُنا یا نہ سُنا　　بہہ گئے آب ہو کہسار سُنا یا نہ سُنا

قاصدا حالِ دلِ زار سُنا یا نہ سُنا　　راست کہہ ہم سے نوائے یار سُنا یا نہ سُنا

اشک خونیں سے ترے ہجر میں داماں میرا　　ہو گیا تختۂ گلزار سُنا یا نہ سُنا

حال مدت سے مرا گوش زدِ عالم ہے　　تو نے کیا نہیں ستمگار سُنا یا نہ سُنا

باز رونیسے نہ آؤں گا میں ناصح پھر بھی　　میں کہا تجھ سے بتکرار سُنا یا نہ سُنا

حال کہنے سے میں خوگر ہوں میں اپنا تجھ سے　　اس پہ موقوف ہے کیا یار سُنا یا نہ سُنا

شرحِ حالِ دلِ عاشق وہ سُنے کیا سوداؔ
اُس سے مت کر تو یہ گفتار سُنا یا نہ سُنا

بہت سے ہے بہت اس سے ہم کو کم جینا　　بغیر یار نہیں چاہتے ہیں ہم جینا

دعا سے کس کی قیامت کو پہونچے میری عمر　　ہے روزِ حشر شبِ ہجر ایک دم جینا

کمان ناز و ادا اب کہ شوخ تیرے ہاتھ — ہوا ہے صید کو مشکل سوئے حرم جینا

کیا ہے خط نے کے تئیں جیسے تیرے چہرے پر — ہوا ہے خلق کو مقصود یک قلم جینا

جہاں میں لطف کوئی جینے سے نہیں بہتر — پہ آشنا کو ترے یار ہے ستم جینا

وہ فتنہ خیز ہے ظالم جہاں میں تیرا حسن — کہ باپ بیٹے کو مشکل پڑا بہم جینا

ہمیں تو غم ہی میں گذرے ہے عمر تیرے ساتھ — جنھیں خوشی تھی انھیں موت ہے بغم جینا

تلاش زیست میں اتنا نہ مر کہ ہستی کی — خبر جنھوں کو ہے سمجھے ہیں وہ عدم جینا

دل اپنا پھیر لیں خوباں سے تو تو آ سودا
کہ تا کجا بلبِ خشک چشمِ نم جینا

کب کسی دل سوختہ سے ساز کرتی ہے حنا — ان دنوں ہاتھوں پہ تیرے ناز کرتی ہے حنا

فی الحقیقت دست تیرے ہیں یدِ بیضا سے خوب — تیرے ہاتھوں کو کوئی ممتاز کرتی ہے حنا

میں نہ چاہوں گا کسی سے داد اپنے قتل کی — کس لئے تجھ ہاتھ سے پرواز کرتی ہے حنا

حسن پر اپنے نہیں گل کے تئیں اتنا غرور — جو ترے ہاتھوں پہ یہ اب ناز کرتی ہے حنا

اُس کے ہاتھوں پر لگا کر چور لوٹے کیفیت — کیا کہوں میں دزدیِ شہباز کرتی ہے حنا

قتل کر سودا کہ خوں اُسکا چھپایا گو صنم
بر ملا عالم میں اب یہ راز کرتی ہے حنا

دیکھ کر جو مر گئے ہیں تیری پوروں پر حنا — باندھیو ہاتھوں میں جا کر ان کی گوروں پہ حنا

دست رنگیں کی تمہاری دھوم ہے چاروں طرف — اِن دنوں آفاق میں ہے زور شوروں پر حنا

یوں گراں ہے عہد میں اُس بار فندق بند کے — ہاتھ آتی ہے جہاں میں اب کروڑوں پر حنا

یوں لگا فندق تو اے مشاطہ اُس کے ہاتھ میں — اس صفائی سے لگے ہرگز نہ ڈوروں پر حنا

دل نہ دوں اُسکو یہ طاقت ہی تو اب مجھ میں نہیں
کیا کروں سودا ہے اُس کی اب تو زوروں پہ حنا

کہتی ہے میرے قتل کو یہ بے وفا حنا
پوچھ اُس سے ٹک کہ ان نے نزا کیا کیا حنا

بیارے شعور چاہیے تزیین کے لیے
تھا مستحق خون مرا یا بھلا حنا

گر قتل کرکے خون چھپا دے ہے تو مرا
دو چار دن نہ ہاتھ کو اپنے لگا حنا

آمان قتل بے گنہاں سے تو درگذر
رہتی نہیں ہے ہاتھ میں سارے سدا حنا

سودا تو پائے بوس کی حسرت میں تت رہا
لوٹے ہے اب تو ہاتھوں کا اس کے مزا حنا

یاں پھر اس شرم سے عیسیٰ نے گذارا نہ کیا
چشم خوباں کے جو بیمار کا چارا نہ کیا

کس گلی دیکھ کے میں اُس کو پکارا نہ کیا
مُڑ کے ٹک دیکھنے کا ننگ گوارا نہ کیا

کسی کا دین کیا حق نے کسی کی دُنیا
سب کا سب کچھ کیا پر تجھ کو ہمارا نہ کیا

کیا گلہ ہم کو ہے اس کا کہ نہ چاہا اُس نے
ملک دل یار کا کچھ ہم نے اجارا نہ کیا

آتشِ عشق پہ جوں ہے دلِ بیتاب مرا
قائم النار مہوس نے کبھی پارا نہ کیا

خلق پیدا ہے جہاں کا کہ کیا جو اس نے
قصد اس گھر میں پھر آنے کا دوبارا نہ کیا

مجھ گدا نے بھی کسی شاہ سے ڈالا نہ سوال
گو مجھے بخت نے اسکندر و دارا نہ کیا

دہر بانٹے تھا متاعِ دو جہاں اے سودا
بینوائی نے مری اس کو اشارا نہ کیا

کہتے ہیں لوگ یار کا ابرو پھڑک گیا
تیغا سا کچھ نظر میں ہماری سڑک گیا

میں کیا کروں ادائے غضبناک کا بیاں
بجلی سا میرے سامنے آکر کڑک گیا

نالے سے میرے گل تو ہوا چاک پیرہن
بلبل ترا جگر نہ یہ سُن کر تڑک گیا

کوئی گیا نہ خوف سے قاتل کے سامنے
میں ہی تھا اُس کے روبرو جو بیدھڑک گیا

مشکل پڑے گا پھر تو بجھانا جہان کو
جو ٹک زیادہ عشق کا شعلہ بھڑک گیا

سودا بھرا چکا ہی تھا گلشن سے گل نہ گل
قسمت کو اپنی کیا کہوں پتا کھڑک گیا

پہلو سے میرے صبح وہ دلدار اُٹھ گیا
روزِ وصال کر کے شبِ تار اُٹھ گیا

آہ و فغاں کی آج جو آتی نہیں صدا
شاید ترا جہان سے بیمار اُٹھ گیا

لائق نہ تھا یہ سینہ ترے زخمِ تیغ کا
پر اس طرف بھی ہائے ترا ہاتھ اُٹھ گیا

بدنام تو عبث مجھے کرتا ہے ناصحا
مدت ہوئی جنوں سے سروکار اُٹھ گیا

تو رہ جہاں میں اے گلِ گلزار کیا ہے غم
مجھ سا جو تیرے کوچہ سے اک خار اُٹھ گیا

غیروں کو دیکھ بیٹھے ہوئے بزم میں تری
جب کچھ نہ بس چلا تو میں ناچار اُٹھ گیا

وعدے سے پھیر دینے کے دل لے گیا تھا شوخ
سودا نے جب کہ مانگا کر انکار اُٹھ گیا

نے رستم اب جہان میں نے سام رہ گیا
مردوں کا آسماں کے تلے نام رہ گیا

ساقی کو ہم کو دینے سے کیوں جام رہ گیا
ملتا جو تھا وہ بوسہ یہ پیغام رہ گیا

دل ہمصفیرِ زلف میں صیاد کے مرا
اس مرغ کا ہے وہ جو تہِ دام رہ گیا

ہوں تو چراغِ راہِ ہنر زیرِ آسماں
لیکن خموش ہو کے سرِ شام رہ گیا

اے دل تنک اُس کے حُسنِ مختطط کو دیکھ کر
خورشید آ کے تا لبِ بام رہ گیا

ٹکڑے تو ہو چکا ہے جگر پھیر کس لیے
جلنے کا رشک کر کے سر انجام رہ گیا

بوسہ کی اُن لبوں سے یہ سودا ہوس نہ رکھ
جن سے یہ مانگ میں دشنام رہ گیا

اجل لے عہد میں تیرے مری تنفس پر سے یہ پیغام کیا
ناز و تغافل دے کر اس کو مجھکو کیوں بدنام کیا

چمن میں آئے سن کر تجکو بادِ سحر یہ گھبرائی
ساغر جیبِ غنچہ لا دیں ٹبٹا دیں تور سبو کو جام کیا

ناگن کا اس زلف کی مجھ سے رنگ نہ پوچھ کیا حاصل
خواہ تھی کالی خواہ تھی پیلی اس نے اپنا کام کیا

پوچ مجھے اس دیرِ کہن میں کیا پوجتے ہے تجھ بن
مجھ وحشی کو بہت یہ برہمن بتوں نے اپنا رام کیا

تھا جوانی خلوت و نزدیک نصف از ہر ترا یا چلن
رات تو کاٹی دکھ ہی میں صبح ہوئی آرام کیا

خاص کروں میں ہی نظارہ تو تو دید کی لذت ہے — کور ہلیں یہ آنکھیں اس دن جس دن جلوہ عام کیا
کون سا مجھ سے حُسن تردّد عمل میں آیا ہے تیرے حضور — دل کو غارت کر کے میرے جان کو کیوں پیغام کیا
مہر و وفا و شرم و مروّت سبھی کچھ اس میں سمجھے تھے — کیا کیا دل دیتے وقت اس کو ہم نے خیال خام کیا
لذّت دی نہ اسیری نے صیاد کی بے پروائی سے — تڑپ تڑپ کر مفت دیا جی جکڑے ٹکڑے دام کیا
شمع رخوں سے روشن ہو گھر ایسے اپنے کہاں نصیب — صبح ازل سے قسمت نے خاموش چراغ شام کیا
فخر نہیں اے شیخ مجھے کچھ دیں میں تیرے آنے کا — راہب نے جب منہ نہ لگایا تب میں قبول اسلام کیا
سپش نہ مارے لے حاجی تو اپنی حج کی شرائط میں — حرص و ہوا کو قتل اے حاجی باندھ کے ہیں حرام کیا
ادب دیا ہے ہاتھ سے اپنے کبھی بھلا میخانے کو — کیسے ہی ہم مست چلے پر سجدہ ہر اک گام کیا
میں بسماجت دیا ہے دل کو جور و جفا کا شکوہ کیا — ان نے کب آنے پر اس کے قاصد کا اعلام کیا

یار کہے ہے سودا اک کے ملنے سے ہم کو کیا حاصل
شعر جوان نے خوب کہے آفاق میں اپنا نام کیا

سالہا ہم نے صنم نالۂ شبگیر کیا — آہ اک روز ترے دل میں نہ تاثیر کیا
قتل کر مجھکو کھلے تا مری خاطر سے گرہ — میں یہ عقدہ گرہ ناخنِ شمشیر کیا
حشر میں بھی نہ اٹھوں بسکہ اذیت کھینچے — زندگانی نے دو عالم سے مجھے سیر کیا
ایک عقدہ نہ کھلا رشتۂ تقدیر سے حیف — ہم نے فرسودہ بہت ناخنِ تدبیر کیا

کیا ہی وحشت زدہ مضموں ترے جنوں کو سودا
تو نے ہر مصرعِ موزوں میں زنجیر کیا

قابو میں ہوں میں تیرے گو اب جیا تو پھر کیا — خنجر تلے کسو نے ٹک دم لیا تو پھر کیا
کر قطع ہاتھ پہلے پھر فکر کر رفو کا — ناصح جو یہ گریباں تو نے سیا تو پھر کیا
اس وقت میں جو مجھ تک پوچھو تو واہ وا ہے — گر قصد بعد میرے تم نے کیا تو پھر کیا
ملیے اگر بتاں سے ہے لطفِ زندگی کا — اے خضر آب حیواں تو نے پیا تو پھر کیا

سودا ہوئے جب عاشق کیا پاس آبرو کا
سنتا ہے اسے دل تو اپنی جیب دیا تو پھیر کیا

دل میں ترے جو کوئی گھر کر گیا — سخت مہم تھی کہ وہ سر کر گیا
وہم غلط کارنے دل خوش کیا — کس پہ نہ جانے وہ نظر کر گیا
جا ہی بھڑا اُس صفِ مژگاں سے یار — دل تو بڑا سا ہے جگر کر گیا
رات ملا تھا مجھے تنہا رقیب — یار خدا کا ہی ہیں ڈر کر گیا
فیض تری وصعت بناگوش کا — اپنے سخن کو تو گہر کر گیا
دیکھ لی ساقی کی بھی دریا دلی — لب نہ ہمارے کبھو تر کر گیا
کیونکہ کراہوں نہ شب و روز میں — درد مرے پہلو میں گھر کر گیا
نفع کو پہونچا یہ تجھے دب کے دل — جان کا اپنی میں ضرر کر گیا

اور غزل اب کوئی سودا تو کہہ
یہ تو یونہی تھی میں نظر کر گیا

قاصدِ اشک آ کے خبر کر گیا — قتل کوئی دل کا نگر کر گیا
فائدہ اب کیا کرے تریاق چین — زہر غمِ ہجر اثر کر گیا
دیکھیے واماندگی اب کیا دکھائے — قافلہ یاروں کا سفر کر گیا
سیر کی یوں کوچۂ ہستی کی ہم — نے ہیں سے جوں نالہ گذر کر گیا
خاک ہماری پہ بجز نقش پا — کوئی نہ آ خاک بسر کر گیا
گریہ تحمل کر نہ کہ ناصح ابھی — پاک مرے دیدۂ تر کر گیا
کیونکہ کوئی کھائے ترا اب فریب — حال مرا سب کو خبر کر گیا

میں نے یہ سودا سے کہا ایک دن
غم ترا کیا سینے میں گھر کر گیا

سُن کے کہا جو کوئی آیا سو یاں — سیر باندازِ دگر کر گیا
ایک جو مانندِ گل اس باغ سے — خرم و خنداں ہو گذر کر گیا
آن کے شبنم کی طرح دوسرا — شام سے رو رو کے سحر کر گیا

کیا تجھے اب فائدہ اس ذکر سے
ہر کوئی اک طرح بسر کر گیا

بہتا کچھ اپنی چشم کا دستور ہو گیا — دی تھی خدا نے آنکھ یہ ناسور ہو گیا
بھٹکی پھرے ہے کب سے خدایا مری دُعا — دروازہ کیا قبول کا معمور ہو گیا
خوش ہیں شکستہ بالی سے اپنی ہم اسلیے — پرواز کا تو دل سے خلش دور ہو گیا
شب آ گیا جو بزم میں پیارے تو یک بیک — چہرے سے رنگ شمع کے کافور ہو گیا
جا ہی بھڑا تھا اُس صفِ مژگاں سے دل مرا — پر زخم یہ اُٹھائے کے بس چور ہو گیا
سودا کو کہتے ہیں کہ ہے اُس سے مصاحبت — کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہو گیا

اوروں کی نسبت ان دنوں کچھ لگ چلا تھا وہ
دو چار جھڑکیوں میں بدستور ہو گیا

نامہ کو میرے جو سوئے جانانہ لے گیا — گویا وہ نامہ شمع کو پروانہ لے گیا
بزمِ بتاں میں با دلِ صد پارہ جو گیا — آئینہ خانہ میں نہ پری خانہ لے گیا
اُس سے ہوا ہو کس کو سخن کرنے کا جو شوق — جرمِ نگہ پہ دل بہ رجب یمانہ لے گیا
دیوانے کا ترے بجہاں اشتیاقِ دید — آبادیِ جہاں کو بہ ویرانہ لے گیا
تقویٰ کا اُن کے موسمِ گل نے کیا یہ رنگ — زاہد کو خانقہ سے بمیخانہ لے گیا
کیا جانے شیخ کعبہ گیا یا بسوئے دیر — اتنا تو جانتے ہیں کہ پیمانہ لے گیا
ملا یہ مست ہے کہ ہر اک طفلِ مکتبی — مقراض چوک سے عوضِ شانہ لے گیا
گذرا کبھو نہ وہم میں وہ اہلِ ہوش کے — دنیا سے لطفِ زیست جو دیوانہ لے گیا

چونکیں ہیں تیرے بخت توسن کہ اے اہل ہوش
خوابِ عدم میں بختوں کا افسانہ لے گیا

پہلے قدم کے نقش پہ جس کا گرا ہے سر
گو راہِ عشق میں وہی مردانہ لے گیا

دزدی کا ظن کیا بہم ابنائے دہر نے
خرمن سے مور آنکھوں کے اگر دانہ لے گیا

ظالم تری زباں نے کیا مجھ پہ کارِ تیغ
فرقت کا نام تو کبھو سودا نہ لے گیا

سودا وہ شاد ہے کہ ز الطافِ دوستاں
اس دور میں پناہ یہ بیگانہ لے گیا

اپنے کا ہے گناہ بیگانے نے کیا کیا
اس دل کو کیا کہوں کہ دیوانے نے کیا کیا

یاں تک ستا نہ مجھکو کہ رو رو کہے تو ہائے
یارو نہ تم سُنا کہ فلانے نے کیا کیا

پردہ تو رازِ عشق سے اے یار اُٹھ چکا
بے سود ہم سے مُنہ کے چھپانے نے کیا کیا

آنکھوں کی رہبری نے کہوں کیا کہ دل کے ساتھ
کوچے کی اُس کی راہ بتلانے نے کیا کیا

کام آئی کوہکن کی مشقت نہ عشق میں
پتھر سے جوئے شیر کے لانے نے کیا کیا

ٹک دیر تک اپنے آ مرے ناصح کا حال دیکھ
میں تو دیوانہ تھا پہ سیانے نے کیا کیا

چاہوں میں کس طرح پہ زمانے کی دوستی
اوروں سے دوست ہو کے زمانے نے کیا کیا

کہتا تھا میں گلے کا ترے ہو پڑوں گا ہار
دیکھا نہ گل کو سر پہ چڑھانے نے کیا کیا

سودا ہے بے طرح کا نشہ جامِ عشق میں
دیکھا کہ اُس کو منہ کے لگانے نے کیا کیا

ردیف باے موحدہ

موتا کو بھی احیا کرے تیرا پیام لب ‏— عیسیٰ سخن کو سُن کے ترے ہو غلام لب
جوں خضر زندگی ابد ہو اُسے نصیب ‏— یکبار دے تو جس کے تئیں بھر کے جام لب
بوسے کی آرزو میں کٹی عمر بھر کبھو ‏— اک دن ترے لبوں سے نہ پایا میں کام لب
ہم سلسلے میں بات کے اُس کے ہوئے اسیر ‏— رکھتا ہے صید دل کے لئے شوخ دام لب

جب تک جیے وہ نامِ فصاحت نہ لے کبھو
سحباں سُنے جو سودا کا شیریں کلام لب

کھولی گرہ جو غنچے کی تو نے تو کیا عجب ‏— جو دل کھلے جو تجھ سے تو ہو اے صبا عجب
گل داد عندلیب کو پہونچا تو کیا ہوا ‏— فریاد کو مری ہے پہونچنا ترا عجب
فرزند اس زمانے میں کب ہو پدر سے صاف ‏— آئینے کو ہے سنگ سے ہوتا صفا عجب
اسلام چھوڑ ہم نے کیا کفر اختیار ‏— تو بھی وہ بت نہ رام ہوا اے خدا عجب
بیگانہ وار آ کے نہ پوچھا کبھو ہمیں ‏— تم بھی کوئی ہو جان مری آشنا عجب

کی سیر مُلک مُلک کی سودا نے بھی ولے
اے شیخ میکدے کی ہے آب و ہوا عجب

کر حذر میرا نہیں ہے شیشہ خالی محتسب ‏— تیغ ہے اس میں شراب پرتکالی محتسب
کیونکہ ترکِ مے کریں کچھ آج کے مسکیں نہیں ‏— ہم نے میخانے میں آ کے سدھ سنبھالی محتسب
گو سبوئے مے مرے سر پر ہے تیری مے نہیں ‏— وضع کچھ دستار کی اس سے ترالی محتسب
دختِ رز کچھ ایسی ہے تیری جو تجھ پر ہے حرام ‏— ہم نے تیری ضد سے اب وہ گھر میں ڈالی محتسب
ریش کو شعلے سے بن باندھے ترے چھوڑوں ہوں میں ‏— ہاتھ آیا ہے مرے مضمون عالی محتسب
پھر جو نکلے میکدے کی راہ تو پیچھے پڑے ‏— بیت یہ سکھلا لگا دوں گا ڈنالی محتسب

تیرے غزانے کو سودا لادے کب خاطر کے بیچ
تجھ کو وہ سمجھے ہیں پشمِ شیر قالی محتسب

گرچہ ہوں زیرِ فلک نالۂ شبگیر نصیب
پر اسے کیا کروں یارو نہیں تاثیر عجیب

جب نہ تب اُس کو پڑا زلف گرہ گیر سے کام
کس قدر یہ دلِ دیوانہ ہے زنجیر نصیب

ٹوٹے دل کو نہ بناتے ہیں کسی کو دیکھا
ظاہرا دہر میں یہ گھر نہیں تعمیر نصیب

کام جو خوب بھی ہو مجھ سے تو مانو ہو بُرا
کچھ تمھیں دوس نہیں ہوں میں ہی تقصیر نصیب

جرم گر غیر کرے تو بھی معاتب ہوں میں
بے گنہ دیکھا ہے مجھ سا کوئی تعزیر نصیب

کوئی ہے کشتۂ ابرو کوئی بیجاں زِ نگاہ
تیغ قسمت میں کسو کے ہے کوئی تیر نصیب

کیمیا خاک درِ شاہِ نجف ہے سودا
حق تعالیٰ کرے اس طرح کی اکسیر نصیب

نالہ سینے سے کرے عزم سفر آخر شب
راہرو باندھے ہے چلنے کو کمر آخر شب

گر نہ تزئیں کرے مقبول نظر آخر شب
گوش میں گل کے نہ شبنم ہو گہر آخر شب

سانس ٹھنڈی کسی مایوس کی ہے ورنہ نسیم
کر سکے ہے ترے کوچے سے گذر آخر شب

مژدۂ وصل ترا یار مجھے یوں پہونچا
جوں مہِ عید کے صائم کو خبر آخر شب

دوست ہر چند ہمارا ہے موذن لیکن
دشمنِ خواب ہے جوں مرغِ سحر آخر شب

اس قدر شیفتہ ہے شکل کا اپنی کہ سدا
آئینہ ہاتھ میں مشرق کو نظر آخر شب

ردکوں نالے کو نہ لب پر تو کروں کیا اے دل
شام تاثیر نہ اس میں نہ اثر آخر شب

انتہا عیش جہاں کی جو تو دیکھا چاہے
بزم مستاں پہ نگہ غور سے کر آخر شب

صورتِ ماہ شبِ بست چہارم سودا
کچھ ڈھلا جلوے سے آمادہ نظر آخر شب

ٹک خاک لے تو چھوڑ کے غافل پلنگ و خواب
آخر کو پھر یہی ہے کہ چھاتی پہ سنگ و خواب

بیداروں کی مسجدوں کی خوشا حال زاہدا — اک ہم ہیں روسیہ کو خرابات و بنگ و خواب
کیا کیا کہوں جو مجھ سے ترے عشق نے لیا — صبر و حیا و دین و دل عار و ننگ و خواب
پھولوں کی سیج پر جو نہ سوئے تو کیا ہوا — یہ عیش ہے کہ تو ہو بغل بیچ تنگ و خواب
گھائل کی تجھ نگہ کی لگی کس طرح سے آنکھ — کچھ بھی ہے ربط عشق کا ظالم خدنگ و خواب
کیا کیا لڑائیاں تھیں سرک سونے میں ہم — جاگیں گے بخت پھر بھی کہ ہووے گا جنگ و خواب
اس نے چمن میں آن کے آنکھیں لڑائیاں — نرگس کا اڑ گیا ہے مری طرح رنگ و خواب
جھولے کے پینگ میں نہیں آتی ہے اسکو نیند — یکجا کرے ہے شوخ ہمارا شلنگ و خواب
ٹوٹا وضو جو شیخ تو جورو کے ان کی نیند — اُچٹی تو یہ کہا کہ صدائے تفنگ و خواب
دے مت شکست خواب دل سخت کو فلک — پائے طلب کو دے عوض اسکے تو لنگ و خواب
بے خوابی سے ہے میرے جو شاکی وہ شمع رو — یارو کہو یہ اس سے کہ ناداں پتنگ و خواب

سکھ نیند چاہتا ہے کہ سوؤں میں زیر چرخ
سودا یہ کچھ شعور ہے کام نہنگ و خواب

مجھ اشک میں جوں ابر اثر ہووے گا یارب — قطرہ کبھی مرا بھی گہر ہووے گا یارب
آوارہ ہے اتنا کہ میں جاتا ہوں جئے اس پاس — رہتا ہے یہی سوچ کہ گھر ہووے گا یارب
آخر تو پھرے ہے وہ سدا خانہ بخانہ — ادھر بھی کبھو اس کا گذر ہووے گا یارب
کہتے یہی کٹتی ہے مجھے ہجر کی ہر شب — اب پھر بھی کبھی وقت سحر ہووے گا یارب
نالہ سے مرے بہہ گئے کہسار ہو پانی — اس کے کبھو دل میں بھی اثر ہووے گا یارب

دل کو تو نہ کر اس کے گرفتار کسی کا
اس میں ترے سودا کو ضرر ہووے گا یارب

ہمیشہ ہے مری چشم تر آب در تہ آب — سوائے اس کے نہ دیکھا حباب در تہ آب
تو اپنا روئے عرقناک آئینہ میں دیکھ — کہ گل نمط ہے پیارے گلاب در تہ آب

سخن کی چستی و سُستی ہے بحرِ معنی میں — کہیں گہر ہے کہیں ہے سراب در تہِ آب
گئی ہے سر سے گذر موج اشک آنکھوں کی — مجھے یہ لے گئی خانہ خراب در تہِ آب
گرہ جو تو لب دریا پہ زلف سے کھولے — رواں ہو موج ز شرم و حجاب در تہِ آب
دلیل ہے تری شب بے نقاب پھرنے کی — چھپے ہے شرم سے جا آفتاب در تہِ آب
جو دیکھے مرغ ہوا کو وہ دام میں تیرے — تو ہووے رشک سے ماہی کباب در تہِ آب
نکل کنارے پہ جھاڑے غبار دامن سے — غریق بولے جو یا بوتراب در تہِ آب
جبین صاف دلوں پر کہاں غبار ملال — رکھا ہے ریگ کو دریا نے داب در تہِ آب
تو نفع بے ضرر اس بحر بیکراں بیچ ڈھونڈھ — مگر ہے پہلو میں در خوشاب در تہِ آب

اگر نہ حرف دنی ہو تو کر یقیں سودا
گہر ہو برکفِ دریا حباب در تہِ آب

کیا تاب ہے جو منھ پہ ترے آوے آفتاب — دیکھے جو بھر نگاہ تو جل جاوے آفتاب
دیکھے جو منھ ترا تو یہ کہتا ہے شرم سے — یارب پھٹے زمیں تو سما جائے آفتاب
کیوں سیری پر مری صیاد کو تھا اضطراب — کیا قفس آباد ہو گئے کون ہے گلشن خراب
فصل گل ہے لیک گلگشت چمن کی کس کو تاب — مست ناز اپنے میں ساقی ہیں سیہ مست شراب
بہہ گئے پانی ہو سب اعضا مری آنکھوں کی ناؤ — پیرہن میں ایک دم باقی ہے مانندِ حباب
نہ جائے سر سے مرے تا ابد ہوائے شراب — برنگ درد نہ خم ہوں نہ خاکپائے شراب

اُٹھا نہ لے سکے ارض و سما کے پردے کو
نگہ کے آگے سے میرے کوئی سوائے شراب

ردیف التاء

دوا بہت ہے جو دے سر کو سنگ و خشت شکست
نہ ہو وہ روز کہ پہونچے زبختِ زشت شکست

نہ کر وہ کام کہ دل دیندار و کافر سے
کہ پہونچے تا بدرِ کعبہ و کنشت شکست

وہ دکھ نہیں جو چبھے کوئی یار کا کانٹا
نہ پاوے پانوں میں خارِ گلِ بہشت شکست

شکستہ دل نہ رہوں کس طرح کہ عاشق کے
بسانِ زلفِ بتاں رکھتے ہیں سرشت شکست

جو پوچھا حال یہ کچھ آج سے نہیں عشاق
ازل سے رکھتے ہیں اپنی یہ سرنوشت شکست

بیان کیا کروں میں تیری زشت گوئی کا
یہ دل ہے وہ کہ جسے دیوے ایک خشت شکست

غرض یہ **سودا** تری سن کے زچ ہوئے شاعر
کہ جوں ملے شہِ شطرنج کو ز گشت شکست

فندقی انگشت سے کہ کیا رہا ہے رنگ دست
نظروں میں عشاق کے ہے دشنہ کا اورنگ دست

کیسی ہی دولت ہو گو عاشق پہ بیہودہ تنگدست
یار کی گردن سے جب رہ جائے سو فرسنگ دست

یاں نگینِ لعل کی انگشتری ہے کس کو طمع
فقر کا ہرگز نہیں آتا ہے زیرِ سنگ دست

شانہ پہونچے زلف تک اسکے رہے محروم تو
کاٹ ڈالوں تجکو میں اے نارسائے ڈھنگ دست

کیا دیا ان نے کسی کو آسماں ہے جس کا نام
اس دنی کے سامنے پھیلا نہ اے بے ننگ دست

گر خدا توفیق دے کچھ دے نہ لڑ سائل سے تو
کب کیا ہے خلق تیرا حق نے بہرِ جنگ دست

چھوڑ دے دنیا کو جو کوئی بزیرِ آسماں
ہمتِ حاتم کا پہونچے اسکے کب پاسنگ دست

نقشِ پائے شاہِ مرداں ہے منور اس قدر
جس کو **سودا** دیکھ کر خورشید کا ہو دنگ دست

لاگے ہے کس کے منہ پہ بایں زور پشت دست
باندھے پھرے ہے آج وہ مغرور پشت دست

پیدا ہو کیونکہ قربِ قدمبوس مجکو آہ
جنبش میں دیکھتا ہوں میں از دور پشت دست

کس کس طرح کی جنس کو دل کی بتا بتا
جب لیگیا ہوں میں تو بدستور پشت دست

شہرہ اگر رکھے ہے کفِ جود خلق میں — اِس سے زیادہ اپنے ہے مشہور پشت دست
گر سو طرح کی گرد ہے جس آن زاہدا — رکھ گال پر چلے ہے ترا پور پشت دست
یا جامِ مے وہ دست دے یا پیالہ زہر کا — لانا کسی پہ یاں نہیں مقدور پشت دست
ہر صبح وہ ہنسے ہے رُخِ آفتاب پر — دیکھی ہے جن نے یار کی پُر نور پشت دست

کوچے میں تیرے عشق کے سودا قدم کو رکھ
بھر عمر کاٹنی ہو جو منظور پشت دست

ہوئے ہیں غنچوں کے دل بے قرار تیرے ہات — گئی گلوں کی چمن سے بہار تیرے ہات
خزاں سے پوچھے ہے رو رو کے آج یوں بلبل — لُٹا ہے باغ کا یہ برگ و بار تیرے ہات
دلِ رمیدہ مرا ایک جاں ہے اے صیاد — تو فخر کر کہ ہوا ہے شکار تیرے ہات
جنھوں کے نورِ بصر تو نے کھو دیے اے غم — وہ کیونکہ روئیں نہ اب زار زار تیرے ہات
تمام عمر مری اس چمن میں جوں نرگس — مُندی نہ چشم تنک اے انتظار تیرے ہات
نہیں کچھ اور دُکھ اس وقت لے قسم ناصح — میں اب جو رو دوں ہوں بے اختیار تیرے ہات

خدا تجھے بھی کرے داغ آتشِ ہجراں
جلے ہے سودا کا دل شمع وار تیرے ہات

دین و کفر آنکھوں نے تیری کر دیا اے یار مست — صاحبِ تسبیح مست و صاحبِ زنار مست
چشم و ابرو کو ترے یوں دیکھ کر کہتی ہے خلق — تل ہی ہے کھینچ آپس میں دو تلوار مست
جامِ گل نے کھو دیا ہے باغباں کا اب کی ہوش — نغمۂ بلبل سے گلشن کے در و دیوار مست
چاہتی ہیں خونِ دل یوں دمبدم آنکھیں تری — بادۂ گلرنگ کو جوں مانگیں ہیں ہر بار مست
چشم سے گو شب کے آنے کا اشارہ کر گیا — بات وہ ثابت نہیں جس کا کرے اقرار مست
ہوش مجھکو تا دمِ محشر نہ آوے گا طبیب — ہو گیا ہوں میں بیادِ نرگسِ بیمار مست
سچ تو کہہ کس میکدے میں آج سودا پی ہے مے — دیکھ کر مستی کو تیرے ہو گئے ہشیار مست

ہستی کو تری بس ہے اک گل کی اشارت
کافی ہے مرے نالہ کو بلبل کی اشارت

فتویٰ طلب لے یار نہ تقاضی سے کروں میں
توبہ شکنی کو ہے مرے مل کی اشارت

تل بیٹھ مری آنکھوں میں ہے ساعت نیک آج
یہ چشم ترازو ہیں ترے تل کی اشارت

ہے باعثِ جمعیتِ دل ایک جہاں کی
اے شوخ پریشانیٔ کاکل کی اشارت

تقویٰ کے نہیں بار سے قد خم ترا اے شیخ
اک خلق میں مشہور ہے اس مل کی اشارت

یاد آئی تری زلف نہ مجکو جو چمن میں
دے تاب مرے دل کو نہ سنبل کی اشارت

عشاق کو تجھ چشم کے حاجت نہیں مے کی
بیہوش کرے سودا کو قلقل کی اشارت

نالے کا اپنے چمن میں جو کروں ساز درست
کب نکل سکتی ہے بلبل سے پھر آواز درست

سرو گلشن کو قد یار سے نسبت کیا ہے
قامت اُسکے میں قیامت کا ہے انداز درست

آج تک عیسیٰ سے عاشق نہ کوئی مرکے جیا
کام کرتا ہے یہ معشوق کا اعجاز درست

اوروں کا ناز جو دیکھا تو یہ بدخلقی ہے
ناز تجھ سا جو کرے تب تو ہے وہ ناز درست

ڈرتے ڈرتے جو کہا میں کہ ترا عاشق ہوں
قہقہہ مار لگا کہنے وہ طناز درست

وعدۂ وصل سے تیرے نہیں دل کو تسکیں
قول رکھتے ہیں کوئی تجھ سے دغاباز درست

مغ نے دی پگڑی پہ زاہد کے مجھے قرض شراب
کام سودا ہی کا ہوتا ہے خدا ساز درست

بزم غم خون جگر پر مرے نالاں تھی رات
آہ سرگرم مرے شمع شبستاں تھی رات

دیکھیے آج کہ کس طرح سے گذرے ہم پر
دن سے محشر کی تو کل دست و گریباں تھی رات

قطرے اُس چہرے پہ شب یوں تھے عرق کے گویا
جائے شبنم بگلستاں گہرافشاں تھی رات

گریۂ صبح سوا چشم کسو نے نہ دھوئی
اشک خونیں سے مژہ پنجۂ مرجاں تھی رات

گذری پل مارتے اس طرح کہ جیسے شب وصل
بیخودی اپنی عجب بر سر احساں تھی رات

شب جو دیکھا میں تجھے آئینہ خانہ میں یار
گویا اس گھر میں پُر از ماہ جبیناں تھی رات

دن تو نظروں میں شب قبر تھا میرے تجھ بن
محفلِ غیر میں خورشید درخشاں تھی رات

ہو کے مایوس شفا شب یہ کہے تھا سودا
شمع بالیں بھی سن اس حرف کو گریاں تھی رات

لاکھ تدبیر طبیبوں نے مرے کی افسوس
دردِ ہجراں کے لیے وصل کی درماں تھی رات

عشق اپنے کی فلک نے جہاں میں پڑائی رات
اس پیٹ میں نہ اتنی سی یارو سمائی بات

صورت ملی دلی کی زباں کو کروگے کیا
گو ہم سے تم نے صحبتِ شب کی چھپائی بات

کوتہ ہوا تھا قصہ خط آنے سے یار کے
کھلوا کے ہم نے زلف کو ناحق بڑھائی بات

غماز سے نہ یار کا خس پوش ہو گلا
شعلہ زباں دراز ہے اس کی لگائی بات

کیا جانیے یہ کس گل و بلبل کا راز ہے
غنچہ کی رُک رہی ہے دہن پر جو آئی بات

فرماؤگے جو تم تو اٹھاؤں گا میں پہاڑ
پر غیر کی نہ جائے گی مجھ سے اُٹھائی بات

چھپنے کی عشق کی نہ بنی بات پیش یار
سو طرح سے میں سامنے اُسکی بنائی بات

خوبی بدی سے دہر کے کچھ یاد اب نہیں
کر تب نے دل کی جیسے مری سب بھلائی بات

پروانہ اور شمع کی صحبت نہ مجھ سے پوچھ
اپنی نہ کہہ سکا تو کہوں کیا پرائی بات

کل میں کہا تھا یار سے بختے وہ ہی خوبرو
ہے اک سے اختلاط کی جس کو نہ بھائی بات

سودا بریدہ ہو یہ زباں جس کی روح سے آج
میری ہی خصم جاں ہوئی میری بتائی رات

ہندو ہیں بت پرست مسلماں خدا پرست
پوجوں میں اس کسی کو جو ہو آشنا پرست

اس دور میں گئی ہے مروت کی آنکھ پھوٹ
معدوم ہے جہان سے چشم حیا پرست

دیکھا ہے جب سے رنگ کفک تیرے پاؤں میں
آتش کو چھوڑ گبر ہوئے ہیں حنا پرست

چاہے کہ عکس دوست بسے تجھ میں جلوہ گر
آئینہ دار دل کو رکھ اپنے صفا پرست

آوارگی سے خوش ہوں میں اتنا کہ بعد مرگ ہر ذرہ میری خاک کا ہوگا ہوا پرست
خاکِ فنا کو تا کہ پرستش تو کر سکے جوں خضر مست کھائیو آبِ بقا پرست

سودا اسے شخص کے تئیں آزردہ کیجئے
اے خود پرست حیف نہیں تو ہوا پرست

نیک ہے نیک خیال اس کا ہوا افلاک پرست زاہدا پینک افیوں سے نہ ہو خاک پرست
کنہ میں جلوۂ خوبی کی تری ہے شب و روز شکل آئینہ کے حیراں دل ادراک پرست
دخترِ رز کے تو ہم بندۂ موروثی ہیں مے پرستی سے کہیں آگے تھے ہم تاک پرست
صد لبِ تشنہ ہے اس قلزمِ خوں کا اپنے وقتِ جولاں نہ ہووے ترا فتراک پرست
گھر آتش کے تئیں پوجے ہے آتش خس و خار میں پرستش کروں تیری تو ہوسناک پرست
قطرۂ اشک مرا گر کے زمیں پر ہے تلف چرخ سرسبز کرے دانہ جو ہو خاک پرست
کر رکھا ہے کلس و گنبد و دستار اس نے شیخ جی آپ ہیں کس مرتبہ مسواک پرست

واعظا دیکھیو بولا تو اگر سودا سے
بے طرح کا ہے یہ کافرِ بےباک پرست

نظر آجائے ہے جیسی کہ ہندوستاں میں صورت کبھو کاہے کو خلق ایسی ہوئی کنعاں میں صورت
زلیخا سے کہو ٹک دیدۂ تحقیق تو کھولے یہ از یوسف نظر آوے گی ہر انساں میں صورت
چمن میں شور ہے تجھ جلمہ زیبی کا ہر اک گل کے نظر آتی ہے چاکِ زیب میں داماں میں صورت
ترا دل کیوں نہ میرے خوں کا پیاسا ہوئے ظالم ملی ہے اس کو تیرے تیر کی پیکان میں صورت
سمجھتا یکھ ہر پتھر کی ناداں نقشِ شیریں کا بنانے کیوں گیا فرہاد کوہستان میں صورت
گذر کرنے کا میری خاک پر کیوں عہد کرتا ہے نہیں ایفائے وعدہ کا ترے پیماں میں صورت

زمانے کو بھلا سودا کوئی کس طرح پہچانے
کہ اس ظالم کی کچھ سے کچھ ہے ہر اک آن میں صورت

دیکھے بلبل جو یار کی صورت
پھر نہ دیکھے بہار کی صورت

برق دیکھی ہو جس نے سو جانے
مجھ دلِ بے قرار کی صورت

دل ترستا ہے دیکھنے کو مرا
مجھ دلِ داغدار کی صورت

جو کوئی دیکھتا ہے روتا ہے
مجھ دلِ داغدار کی صورت

کیوں نہ سودا ہو بلبلوں کا دل
دیکھے بن لالہ زار کی صورت

آتی ہے کسی واقفِ اسرارِ محبت
پوجیں نہ خدائی کو پرستارِ محبت

آتش ہے تری گرمیِ بازارِ محبت
کیا لے گا بجز داغ خریدارِ محبت

کیوں مجھکو نہ مارا غمِ دوری نے ترے آہ
کس منھ سے کرونگا میں پھر اظہارِ محبت

کرتے ہیں اسیرِ قفس و دام بھی فریاد
لے سکتے نہیں سانس گرفتارِ محبت

کیونکر نہ کراہے بھلا وہ ناصحِ بیدرد
جس دل میں کھٹکتا ہو پڑا خارِ محبت

دعویٰ مری صحت پہ مسیحا کو غلط ہے
بچتے ہی نہ دیکھا کبھی بیمارِ محبت

قاصر ہے زباں شکر میں قاتل کی ہمارے
کیا سہج میں آسان کی دشوارِ محبت

ہر جرم کو ہے عفو ترے عہد میں ظالم
گردن زدنی ہے سو گنہگارِ محبت

باتوں سے کچھ اپنی نہیں تیرا گلہ منظور
شکوے سے مزا دیتی ہے گفتارِ محبت

ٹک سادہ دلی پر تو مرے رحم کر اے یار
ہوں تجھ سے ستمگر سے طلبگارِ محبت

روتی تھی مرے حال پہ بے مہریِ افلاک
جس روز کیا تجھ سے میں اقرارِ محبت

ہر خار سے اُلجھا ہے مرا دامنِ پرواز
ہوں رشتہ بپا بلبلِ گلزارِ محبت

دل طوطیِ خط کو نہ دے اُس شوخ کے سودا
کھاوے گا اس آئینہ کو زنگارِ محبت

جب تک ہے جہاں میں گل و گلزار سلامت
یارب رہے وہ گوشۂ دستار سلامت

سرسبز ہوا باغ ترے حسن کا خط سے
گردِ رُخ آئینۂ زنگار سلامت

ردیف ثاء مثلثہ

آگہ کے بے خبر سے ہے اس طرح یار بحث
کرتا ہو مست بادہ سے جوں ہوشیار بحث

زاہد نہیں ہے اپنی تجھے پاسِ آبرو
رندوں سے تو کرے ہے جو وقتِ خمار بحث

واعظ کسے دماغ ہے تکذیب کا تری
تو بھی کہے ہے سچ نہیں اپنا شعار بحث

[illegible] آپ کے سخن
غنچے نے تجھ دہن سے کی اے گلعذار بحث

سودا خموش ہرزہ درا اُن کے سامنے
طوطی کو زاغ سے ہے بہت ناگوار بحث

جس [illegible] اس سے دل لگانا ہی عبث
سیر کو وقتِ خزاں گلشن میں جانا ہے عبث

پوچھے کیا [illegible] شب میں طرح گذری مجھ بغیر
گذرے سو گذرے جو کچھ اُس کا فسانہ ہے عبث

ابر میں [illegible] یار رہ سکتا ہے کتنا آفتاب
چہرے کو ہم سے نقاب اندر چھپانا ہے عبث

کارگر ہوگا ترا افسوں یہ باور ہے تجھے
اُس پری پر اے دلِ وحشی دوانا ہے عبث

یاد کس کو رحم جی میں کب دماغ و دل کہاں
یاں نہ آنے کا مرے صاحب بہانا ہے عبث

ناصحا داغِ جگر جوں شمع پھیلا تا قدم
جل چکا جب سب کچھ آتش کا بجھانا ہے عبث

کعبۂ دل کی حقیقت کو پہونچ اے شیخ نا
خانقاہ و مدرسہ تیرا ٹھکانا ہے عبث

بوسہ کیا مانگے ہے اُس بُت سے بایں ریشِ سفید
زاہدا نزدیک آتش پنبہ لانا ہے عبث

غیرت اے سودا نہیں ہے مقتضی اس بات کی
جی کی دوری میں پھر اُس کو منھ دکھانا ہی عبث

ردیف جیم فارسی

رہتے تھے ہم تو شاد نہایت عدم کے بیچ
اُس زندگی نے لا کے پھنسایا ہے غم کے بیچ

تجھ بن مرا گلا ہے تہِ خنجرِ اجل
ظالم پہونچ وگرنہ چلی جان دم کے بیچ

آیا نظر جو سودا کو جامِ شراب میں
دیکھا نہ وہ کسو نے کبھو جامِ جم کے بیچ

سودا گرفتہ دل کو نہ لاؤ سخن کے بیچ
جوں غنچہ سو زبان ہے اُس کی دہن کے بیچ

پانی ہو بہہ گئے مرے اعضا مژہ کی راہ
باقی ہے جوں حباب نفس پیرہن کے بیچ

جن نے نہ دیکھی ہو شفقِ صبح کی بہار
آ کر ترے شہید کو دیکھے کفن کے بیچ

وہ خار سرخرو نہیں اہلِ جنوں کے پاس
پابوس کو مرے جو نہ پہونچا ہو بن کے بیچ

کل رخصتِ بہار تھی شبنم صفت میں روز
رویا ہر ایک گل کے گلے لگ چمن کے بیچ

آتشکدے میں دیکھ کے شعلہ ہے بیقرار
آرامِ دل جنوں کو نہیں ہے وطن کے بیچ

بعد از شباب ہوں تری انکھیاں زیادہ مست
ہوتی ہے زور کیف شرابِ کہن کے بیچ

دیتا ہے مشک مجکو مرے خونِ دل کے بو
پوہنچی شمیمِ زلف کسی کی ختن کے بیچ

سودا نے اپنے یار سے چاہا کہ کچھ کہوں
ایسی کی اک نگہ کہ رہی من کی من کے بیچ

نہ چشم نہ ابرو نہ کرشمہ نہ ادا ہیچ
نہ گیند ہے بازی کی ترے اسکے سوا ہیچ

سیرِ چمنِ عمر جو کی ہم نے تو کیا ہیچ
رنگیں ہے جوانی کا گل اس میں سو بقا ہیچ

شیشے کو بھی توڑو تو نکلتی ہے اک آواز
عاشق ہی کا وہ دل ہے کہ ٹوٹے تو صدا ہیچ

اسبابِ جہاں دل نے کیا جب نظر انداز
پوچھا جو میں کیا دیکھے ہے دیوانے کہا ہیچ

ناصح تو نہیں چاشنیِ درد سے آگاہ
بے عشقِ بتاں جینے کی لذت بخدا ہیچ

اس جامہ پہ اتنا نہ اپھر بلبلے کی طرح
جامہ یہ ترا پوچ ہے تو غیر ہوا ہیچ

مانی نہ بندھے گا کبھو نقش اُس کے کمر کا
فرسودہ نہ کر خامہ کو بے فائدہ کیا ہیچ

کیا قافلۂ عمر سبکرو ہے کہ جس میں
چلا ہے جو سنے سامعہ آواز درا ہیچ

شاہاں سے سوال اپنا رعونت شکنی ہے
کونین تلک ورنہ ہے پیشِ فقرا ہیچ

ہم شیخ سے سنتے تھے مریدوں سے بزرگی
دیکھا جو انھیں جا کے تو عمامہ سوا ہیچ

دل دے ہے گواہی کہ ہے اس ناقہ میں لیلیٰ
مجنوں تو خبر لے نہیں آواز درا ہیچ

سودا سے کہا میں کہ ترے شہرتی کو سن کر
دیکھا جو تجھے آ کے تو اے بے سروپا ہیچ

بولا کہ تجھے یاد ہے وہ مصرع بیدل
عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

جان عشاق کی لی چھوڑے یہ کمر پیار کے بیچ
دل سمجھتا نہیں تو اُس بت عیار کے پیچ

دل کو تو کھینچ لیا تار کمندِ کاکل
جان کے پیچھے پڑی اب تری دستار کے پیچ

کس طرح آنکھیں لگانی ہے مرے گلرو سے
باغباں دیکھ تو اس نرگس بیمار کے پیچ

عشق پیچے کی گیا سیر کو آخر وہ صنم
باغباں اپنی نظر میں ہیں یہ گلزار کے پیچ

سبحہ گردانی پہ سودا کی نو مت جائے شیخ
دور کرتا ہے کوئی دل سے نہ زنار کے پیچ

یارو میں کیا عہد اسے مانیو تم سچ
پھر دل نہ کہیں دوں اگر اب کی رہے جی بچ

جینے کی تو کچھ شکل نظر اب نہیں آتی
واں پرورشِ جور و فا اپنے کی یاں سچ

ڈوبا ہے شفق بیچ صنم پنجۂ خورشید
یا مہندی کا ہاتھوں پہ ترے رنگ رہا رچ

ایامِ جدائی کی مصیبت سو کہوں کیا
پھر رات قیامت ہے جو دن کاٹیے مر بچ

جاوے گی چلی بوئے گل اس باغ سے عریاں
گو غنچہ بھرے رخت سے بقچے کو مچا پچ

گالی نہیں نے بوسہ مرے دل پہ گوارا
جھوٹا کوئی کھاتا ہے تو میٹھے ہی کی لالچ

شیخ اُٹھ کے جو کھا گئے چوری سے میہلا پھرتے ہیں مرید ان کے پڑے ڈھونڈتے کیبیچ
ہوتی نہیں کچھ دل کو غذا ان دنوں تحلیل ناصح کو یہ رونا ہے سو غم کھائے گا ان بیچ

ہر بیت رکھے ہے یہ غزل ایسی ہی مضبوط
سودا کوئی جوں ریختے کے گھر یہ [illegible]

ردیف حائے مہملہ

تجھ بن بہت ہی کٹتی ہے اوقات بے طرح جوں توں کہ دن تو گذرے ہے پر رات بے طرح
ہوتی ہے ایک طرح سے ہر کام کی جزا اعمال عشق کے ہیں مکافات بے طرح
بلبل کر اس چمن میں سمجھ کر ٹک آشیاں صیاد لگ رہا ہے تری گھات بے طرح
پوچھا پیامبر سے جو میں یار کا جواب کہنے لگا خموش کہ ہے بات بے طرح
ملنے نہ دیں گے ہم سے تجھے ایک دن رقیب پیچھے لگا پھرے ہے یہ بدذات بے طرح
کوئی ہی مورہی نور ہے اس میں شیخ جی داڑھی پڑی ہے شانہ کے اب ہاتھ بے طرح

سودا نہ مل کر اپنے تو اب زندگی پہ رحم
ہے اس جواں کی طرزِ ملاقات بے طرح

شمع میں ہر چند ہے سر سے گذر جانے کی طرح کھب گئی لیکن نہ دل میں پروانے کی طرح
یا تبسم یا نگہ یا وعدہ یا گاہے پیام کچھ بھی اے ظالم [illegible] بہلانے کی طرح
بلبلوں کو دوں ہوں میں دیوان فغانی کا میں درس ورنہ گلشن میں [illegible] کی بلبلانے کی طرح
تجھ بن آنکھوں سے مری مردم ہوئے صحرا نشیں سیل سے کچھ اشک کے ہر گھر ہے ویرانے کی طرح
کاٹ کر بیٹھے ہے ناگن تب اثر کرتا ہے زہر سیکھ لی زلفوں نے [illegible] کھانے کی طرح
[illegible] کیا اپنا بتوں نے دل کو میرے [illegible] شکیب توڑ کر کعبہ بناتے ہیں یہ بت خانے کی طرح

جائے گل توڑے ہے گلچیں باغ میں اب چوبِ گل
کچھ نظر آتی ہے اے سوداؔ بہار آنے کی طرح

آہ کس سرو میں قمری ہے قدِ یار کی طرح
نالہ کرتی ہے تو میری دلِ انگار کی طرح

طفل کنجشک کا بھی دیکھا کبھو ربط بہم
دل سے میرے ہی اس شوخ کی ہے پیار کی طرح

نہ بندھی قصد پہ کاہ تلک ہم سے کمر
تیغ اگر جزوِ بدن اپنی ہو کہسار کی طرح

تجھ فروتن کی ہے جوں نقشِ نگیں بات پسند
گو بظاہر نہ ہو سیدھی مری گفتار کی طرح

دیکھتا ہوں میں تری بزم میں ہر ایک کا منھ
طالبِ رحم کی نظروں سے گنہگار کی طرح

ڈالی بازار جو سوداؔ نے متاعِ دل کو
لٹ گئی دیکھتے ہی جنسِ خریدار کی طرح

لطفِ نشاطِ بادہ و حُسنِ ظہورِ صبح
مل کر ہوا ہے خلق دو جانِ سرورِ صبح

لہرائی ہے نسیمِ سحر کیا ہے ساقیا
گویا ہے موجِ بادۂ جامِ بلورِ صبح

حلقہ میں اُس کی زلف کے عارض پہ کر نظر
جو شب میں رہ گیا ہو گرہ کھا کے نورِ صبح

گذرے ہے چشمِ تر سے مری یوں سیم تن
جیسے کنارِ بحر سے ہو وے عبورِ صبح

آویزۂ گہر ہے بناگوش یار میں
یا سرنگوں ہے اُس کے مقابل غرورِ صبح

خاکستر اپنے سوختہ دل کی صبا کے ہاتھ
تحفہ تری گلی کو ہے بھیجا حضورِ صبح

سوداؔ کہوں میں یار سے کیا جس کے سامنے
اُڑ جائے ہیں حواس برنگِ طیورِ صبح

ردیف خاۓ معجمہ

نہ دیجیے دل کہیں یار و بتزیر نیلی کاخ
ہیں دلبران جہاں بہر مرغِ دل طباخ

کسی سے ہو نہ علاج رہِ اذیتِ دہر
کہ بند ہو نہ سکے منہ پہ ہوش کے سوراخ

کریم وہ بتواضع کرم جو کرتے ہیں
ثمر نہ پھیر کے دے ہے جو پُر ثمر ہو شاخ

جگہ حرم میں نہ راہب کو شیخ کو نہ بدہر
ہیں صدقے خانۂ مشرب کے کسقدر ہے فراخ

سخن انھوں کا جہاں میں قبول دہلے ہے
سخن نہ کر سخنِ مقبلاں میں ہو گستاخ

ہیں مرغِ معنی کا اپنے ہوں پوست کن سودا
جو شاہباز ہیں کب بوزنے کے ہوں سلاّخ

یہ بات ہو سکے زلفِ اُسکے سے کہاں گستاخ
نسیمِ شانہ مگر ہو تو ہووے واں گستاخ

چمن کی سیر ہیں اُس کو اگر سُنے دمِ صبح
چلے بجائے صبا سوئے بوستاں گستاخ

ضرور ہے ادبِ خفتگانِ خاک اے یار
قدم زمیں پہ نہ رکھ زیرِ آسماں گستاخ

ادب سے چل نہ چل آگے وزیر و سلطاں کے
قدم نہ رکھیو کبھو سوئے مقبلاں گستاخ

اُسے بہت درِ منعم سے اخذ مشکل ہے
مزاج جس کے ہوں غیور حاجیاں گستاخ

تو بادشاہ گدا ہیں سوال نامعقول
کھڑے کھڑے نہ گدا ہوں یہ خسرواں گستاخ

کچھ اُس کی بے ادبی کا گنہ نہیں مجھ کو
نظارہ بازوں سے ہوتی ہیں مہوشاں گستاخ

نچائیو کبھو اے شیخ بزمِ خوباں میں
کہ نو وقار طلب ان کی ہے زباں گستاخ

نہیں مرا سخنِ طبع زاد اے سودا!
کسی بزرگ کی خدمت ہیں در جہاں گستاخ

مگر انھوں سے کئی ہرزہ گو جو ہیں ورنہ
پدر نہ چاہے پسر ہو بمردماں گستاخ

ردیف دال مہملہ

اشک کو کب ہے شنا سائے گہر سے پیوند — صاحبِ درد کی رکھتا ہے نظر سے پیوند

نسبتِ معنوی لازم ہے دو مصرع میں بہم — شاخِ آہو سے نہ ہو شاخ شجر سے پیوند

ہوں میں شرمندہ و ناصح کہ گریباں کو مرے — شام آئی ہے اُسے کرنے سحر سے پیوند

وائے اُس قول پہ میں ہے جسکی فریاد — گوش سے یار کے ہو دور اثر سے پیوند

دامنِ ابر نچوڑتا ہے جو اتنا شاید — کسی عاشق کے ہوا دیدۂ تر سے پیوند

سوجتن ہم نے کیے پر نہ تھمی سوزشِ اشک — آسماں پھٹ لٹے تو ہو اُسکو کدھر سے پیوند

دل کو میرے نہ جُدا دل سے کر اپنے ظالم — میں کیا ہے یہ بہت خوب جگر سے پیوند

کون ایسا ہے جسے دست ہو دلسازی میں — شیشہ ٹوٹے تو کریں لاکھ ہنر سے پیوند

کھینچتا کیوں ہے عبث ناز طبیب اے سودا
درد کو دل کے نہیں درد جگر سے پیوند

کھینچ کر پوست کرے گردشِ ایام سفید — چاہے تجھ چشم کے آگے ہو جو بادام سفید

چوٹ ہو دل میں تو وہ سدِّ رہِ پیری ہے — موئے چینی نہیں کرتا غمِ ایام سفید

ہے جوانی سے فزوں عشق کو پیری میں فروغ — ظلمتِ شب کی ہے آغاز کا انجام سفید

لعل حل کردہ ہے جوں ظرف بلوریں کے بیچ — پیرہن پہنے ہے جس دم وہ گل اندام سفید

بہت ہر ایک سے ٹکرا کے چلے تھا کالا — ہو گیا دیکھ کے وہ زلفِ سیہ فام سفید

آج بیمار ترے کا ہے ترقی پر ضعف — صبح تھا زرد منھ اُس کا سو ہوا شام سفید

رات دن اشک ندامت سے دھوا کر سودا
چاہیے رو ہو ترا حشر کے ہنگام سفید

بزم میں وہ شمع رو یارب کرے گا وہ ورود — یوں ہو آتش زیر پا جس طرح سے مجمر میں عود

آتشیں رخسار پر اُس کے کیا خط نے نمود
گھر جلاوے دیکھیے کس کس کا اِس آتش کا دود

رونق افزا کیوں نہ ہو اس چہرے پر آغازِ خط
جتنی ہو تاریک شب ہو نور شمع اتنا فزود

کہتے ہیں نیلم جسے نہافی الحقیقت ہیں وہ لعل
ہو گیا ہے رشک سے تجھ لب کے رنگ اُس کا کبود

ہے مسلّم حسن مہ ہر چند ہیں بیش کائنات
گر ترے ہم چشم ہو بیٹھے تو ہے پہلو کا غدود

زاہدا بکی منع نے مے اِس بو کی کھینچی ہے کہ آج
کوئی میخانے سے گذرا محتسب پڑھتا درود

یاں فقط بجتی ہے ڈھولک سا ڈھول کھانے کا نہیں
مت دکھا ساتھ اپنے پائے خلق فسخ آتا نہ کود

اجر رندوں کو ہے اُس کا گو کریں زاہد نماز
غیر کی نام آوری کرتا ہے حاتم کا سجود

ہیں زمانے کی سخاوت کا نہیں ہر گز مُقر
چھین کب لینے میں کچھ دیکر کسی کو اہل جود

یہ دنی جو تجکو سونپے اُس کو اپنا مت سمجھ
لے ہے یہ مکڑی کو لٹکا کر حسابِ تار پود

کوچ اس منزل سے یاروں کا نہیں ہے جائے غیر
ہم بھی جا پہونچیں گے آخر پاس اُنکے دیر و زود

اس لیے خوش ہے مرے دل کو دُکھانے سے وہ شوخ
نالہ میرا گوش میں اُس کے ہے مطرب کا سرود

نقدِ دل دے کر کہیں جی کو بلا مت مول لے
مان اے سودا نہیں زنہار اِس سودے میں سود

لے آئے در پہ ترے جو ستم کشاں فریاد
ہوئی کسی کی نہ ایمن سے رائگاں فریاد

ملے نہ داد خدایا وہ بار ہا میرے
گئے زمین سے لے تا بآسمان فریاد

کیا ہے قد کو مرے شاخ ارغواں کا رشک
تمھارے ہاتھ سے اے چشم خونفشاں فریاد

ہزار حیف کوئی باغ میں نہیں سنتا
چمن چمن پڑی کرتی ہیں بلبلاں فریاد

میں دیکھتا ہوں جسے ہے وہ آپ ہی نالاں
تمھاری کیجیے کس پاس اے بتاں فریاد

ہوا ہے اس کو مرا حال باعثِ تضحیک
کہ دیکھ کر مجھے کہتا ہے شوخ ہاں فریاد

تم اپنے جور سے مت سمجھیو کہ نالاں ہوں
یہ دوستوں کو ہے دوری سے دشمناں فریاد

گیا نہ کوئی ترے شہر کہتے میرا حال
کہ میرے پاس تو لایا ہو ارمغاں فریاد

نہ میرے دل کو خوشی ہے موجب آرام — کبھو ہوا ہے کرے مرغ نیم جاں فریاد
قسم ہے گل کی تجھے عندلیب **سودا** سے — جو تو کنا نہ کرے مل کے ہر زماں فریاد

برنگ نے نفسِ غیر تا مدد نہ کرے
کبھی نہ کر سکے تنہا یہ ناتواں فریاد

ہوا ہے داغ مرا دل انار کے مانند — جھڑے ہے آنکھ سے آنسو شرار کے مانند
ہر ایک پاٹ ہے دامن کا تختۂ گلزار — رواں ہے چشم سے خوں آبشار کے مانند
نہیں ہے سیر کا کچھ لطف باغ میں تنہا — بغیر یار رگِ گل ہے خار کے مانند
صدا نہ دل سے ہوئی دیکھ کر یہ سیگوں چشم — تری نگاہ سے ٹوٹا خمار کے مانند
خبر نہیں ہے مجھے ترک چشم نے کس کے — لیا ہے لوٹ مرا دل دیار کے مانند
ہوئی ہے عمر کہ ہم لگ رہے ہیں دامن سے — جھٹک نہ دیجیو پیارے غبار کے مانند

ہوا ہے رشکِ چمن چہرہ یار کا **سودا**
خط اُس کے گرد جو آیا بہار کے مانند

لذتِ بے رنج ملتی ہے زمانہ سے بعید — نوش دے بے نیش یہ زنبور خانے سے بعید
اشک میری چشم کا کیونکر اثر پیدا کرے — سبز ہوتا خاک میں ہے اپنے دانے سے بعید
جو نصیحت کرنے کی مجکو نہیں یہ جانتے — عاقلوں کو بات سننی ہے دیوانے سے بعید
مجھ دلِ صد چاک ہی سے وا نہیں ہوتی وہ زلف — ورنہ کھلنی گانٹھ اُسکی کب ہے شانے سے بعید
میں تو جاؤں در سے پر یہ کہیں گے نیک و بد — بیوفائی اُس سے کرنی تھی فلانے سے بعید
ٹھونک لوں ناصح کو میں تو بھی اُسی کو سب کہیں — بحث دیوانے کو کرنی تھی سیانے سے بعید

یا علی پہونچا ہے **سودا** در پہ تیرے آپ سے
پھیرنا محروم ہے اس آستانے سے بعید

میں چاہتا نہیں مینا نہیں عزو جاہ بلند — یہی کہ دونوں جہاں [illegible] و بلند

مگر تو مہر کو اے شعلہ خو ستاتا ہے
کہ اُس کا ہاتھ ہے جوں دستِ دادخواہ بلند

عجب نہیں کہ چھٹے ہر فلک سے فوّارہ
بڑی ہے اشک کے آنے کی دل سے راہ بلند

الٰہی خیر ہو مجنوں کی اب کہ یہ برپا
کیا ہے لیلیٰ نے کیوں خیمۂ سیاہ بلند

ہجوم فوج خط اس کا نہ کیوں بڑھاوے حُسن
کرے ہے رتبۂ شہ کثرتِ سپاہ بلند

یہ چشم قد سے ہے کسو کی آشنا قمری
دکھا نہ سرو مجھے ہے مری نگاہ بلند

اسی سے واعظِ احمق کو پست فطرت جان
ہوا ہے چڑھ کے یہ منبر پہ خوامخواہ بلند

نہ کر غرور تو زنہار اس پہ اے ناداں
جو مرتبہ ہے ترا شکل مہر و ماہ بلند

کرے ہے گردشِ دوراں طرح ہنڈولے کے
ہر ایک شخص کو یاں گاہ پست و گاہ بلند

لیا ہے دل کو جو میرے تو اُس کو مت کر تنگ
کہ ہووے ملک کی وسعت سے نام شاہ بلند

ترا بھی نام تو پہونچا ہے تا فلک سودا
خدا وہ دن نہ کرے ہو جو میری آہ بلند

ردیف ذال معجمہ

دفترِ دہر کا ہے پیشِ نظر ہر کاغذ
لکھے اپنے کا نہیں علم ہے کیونکر کاغذ

لکھ رکھا ہے نہ ملے کیا تری یاں ظلم کی داد
دوں گا حاکم کو بہ ہنگامۂ محشر کاغذ

لکھنے سے وصفِ بناگوش کی تیرے اے یار
پاوے ہے ملکوں میں اب قیمتِ گوہر کاغذ

اُس کی میں راستیِ قد کی ثنا لکھتے وقت
نہیں پاتا کبھو محتاج بہ مسطر کاغذ

نامہ اُس شوخ کو کر کے رقم میں اے یارو
انتظار دیا ہوں کہ لے جائے ثنادر کاغذ

اب تو مجمر میں طرح عود کے دی ہے آتش
جب میں بھیجوں ہو تجھے کر کے معطّر کاغذ

میں نے سودا اسے کہا ملکوں میں اب ڈھونڈھے ہے
تیرے اشعار کا ہر کہتر و مہتر کاغذ

ان سوا سحر نگاہوں کو یہاں بھی رہ تھی — تیری تصنیف کا دیکھا ہے میں اکثر کاغذ
حظ اُٹھاتے ہیں ترے شعرِ و سخن کے یاں تک — لکھنے کو آتے ہیں لے لے کے ترے گھر کاغذ
نقش عامل سے ہے کیا کم کہ پریرویوں کو — تیری ابیات کو کرتا ہے مسخر کاغذ
سُن کے یہ اُن نے کہا کیا ہے تعجب اُس کا — دلکشِ خلق ہے دیواں کا مرے ہر کاغذ

بسکہ رنگینیِ معنی ہے مرے دیواں کی
ہر ورق کا ہے گلستاں کے برابر کاغذ

ردیف راء مہملہ

مجھ ساتھ تری دوستی جب ہو گئی آخر — دنیا کی مرے دل سے طلب ہو گئی آخر
ناز اُس کے نے عصیاں سے ہمیں باز رکھا ہے — تا ہو وہ رضامند کہ شب ہو گئی آخر
حاصل تو ہوا وصل ہمیں رات پر افسوس — یک پل میں شبِ عیش و طرب ہو گئی آخر
کیا فائدہ ہم کو جو ترے لب ہیں مسیحا — عمر اپنی تو جوں شمع بہ تب ہو گئی آخر
کیا جام تہی ہاتھ سے لیں عشق کے عشاق — مے حُسن کی معشوق کے جب ہو گئی آخر
شوکت نے ہمیں حُسن کے کہنے نہ دیا کچھ — بات آن کے سو بار بلب ہو گئی آخر

مُٹ بھیڑ ہے سوداؔ سے یہ کل ہو جو گئی شیخ
شیخی تھی جو کچھ اُن میں وہ سب ہو گئی آخر

دیا ہے پیچ دل کو سادہ لوح اُس زلف نے پاکر — خطِ نورستہ لے گا جان باغ سبز دکھلا کر
دمِ برگشتہ خنجر سے کیا ہوئے میں حیراں ہوں — کہ کیونکر قتل مژگاں نے کیا منھ پر سے پھر جا کر
اُٹھا دے گر نقاب اُس چہرے سے بلبل کی نظروں میں — گئی بادِ سحر آخر چمن سے گُل کو رسوا کر
چمن میں کھلکھلا کر جب ہنسا تو ساتھ غیروں کے — گرا اپنے وہیں دل کا گُلِ نورستہ کُھلا کر

کبھو آنکھیں دکھاویں اور کبھو دکھلاویں زلفیں
لیا ہے دل کو میرے تونے جادو سحر کیا کیا کر

دل و دیں بیچتے ہیں ہم تو اک بوسہ کی قیمت پر
اگر تو اس میں اپنا نفع جانے آکے سودا کر

چلا جب خوبیِ خط سے نہ بس زلفوں کا اے سودا
تو پیچ و تاب میں آرہ گئیں عارض پہ بل کھا کر

سمندر کر دیا نام اس کا ناحق سب نے کہہ کہہ کر
ہوئے تھے جمع کچھ آنسو مری آنکھوں سے بہہ بہہ کر

دماغ آشفتہ یاں ہوتا ہے تنکے کے کھٹکنے سے
چمن میں ہم سے اے بلبل پڑے مت آشیاں چہچہہ کر

فریبِ وعدہ کا شکوہ جو میں رو رو کے کرتا ہوں
تو میری سادہ لوحی پر وہ ہنس دیتا ہے قہقہہ کر

کسے طاقت ہے شرحِ شوق اس مجلس میں کرنے کی
اٹھا دینے کے ڈر سے سانس واں لیتے ہیں رہ رہ کر

نکالے ہے وہ بے رخ ہو کے اپنے گھر سے یوں مجھکو
شہِ شطرنج کو جس طرح کشتیں دویں شہ شہ کر

تقیہ ترکِ مے کا مجکو روزوں میں ہے اے زاہد
جو چکھے سہو سے گا ہے تو پی جاتا ہوں وہ وہ کر

لگایا منھ نہیں دو روز کس کو اس ستمگر نے
تنک ظرفی سے اپنی بت رقیب اتنا تو بہہ بہہ کر

میاہی مار کر مرتوں کو پیارے کب کہاؤ گے
عبث گھورو ہو مجکو قبضۂ شمشیر گہہ گہہ کر

بچشمِ فہم کھولے ہے اسے ذی ہوش اے یارو
رکھوں ہوں لفظ و معنی کو جو میں مصرع میں تہ کر

نسیم اس باغ میں سودا نہیں باقی گذر اب تو
رکھے ہے رخت گل کو غنچے غنچے پیچ تہ تہ کر

کھینچیں ہیں کٹاری جو بتاں مجھ پہ اکڑ کر
پیتے ہیں یہ بانکے مری نظروں میں بگڑ کر

مطلع ثانی

اٹھ جاتے ہیں سب زور مزا یار سے لڑ کر
ملتے ہیں تو پھر چھاتی کو چھاتی سے رگڑ کر

پوجوں بتوں میں جس بت کو خدا کا ہے تراشا
آذر نہیں لایا وہ مرے واسطے گڑھ کر

خود کردہ کے درماں کہوں میں کیا کروں یارو
دل ان نے لیا مجھ سے نہ لڑ کر نہ جھگڑ کر

کیا پشم اکھاڑے گا بھلا دیکھیں تو یہ شیخ — رندوں کو دھراتا ہے جو ریش اپنی پکڑ کر
کہتا ہے یہ **سودا** وہ نہ جاوے گا کہاں تک — جا بیٹھوں گا دروازے پہ اب! سکے میں گڑ کر
دانا ہو تو سمجھے کہ محبت نہیں وہ شے — در پر کسی کے بیٹھیے جس کے لیے اڑ کر

تو جسے چاہے وہ یارب تجھ سے ہو بیباک تر — ملتے ہیں ہر نیک و بد کے تجھ سے ہو چالاک تر
عشق میں اُس کے نہ ہووے روز خوش تیرے نصیب — غم میں اُس کے تجھ کو دیکھوں آپ سے غمناک تر
ابر سا روتا ہوں اس کوچے میں تیرے میں سدا — تو بھی رو رو دیوں کرے اُس کی گلی کی خاک تر
دیدۂ گریاں پہ تیرے ہو نہ اُس کو اعتنا — تیرے مژگاں کو وہ سمجھے یوں کہ ہے خاشاک تر
روز و شب خونِ جگر سے ہے مجھے یہ آرزو — میری آنکھوں سے رہیں آنکھیں تری نمناک تر
نالہ و فریاد میں گذرے تجھے جوں عندلیب — دامنِ گل سے رہے تیرا اگر یباں چاک تر
جس طرح تجکو نہ سمجھا میں نہ سمجھے تو اُسے — اُس کو دل دینے میں تو مجھ سے ہو بے ادراک تر
سینہ اُس کا صاف ہو اُلفت سے تجھ سینہ کی طرح — مہر سے دل اُس کا تیرے دل سے ہووے پاک تر

حق میں تیرے سب پہ **سودا** کی تمنا حق سے ہے
ہاں مگر چھٹ اس کی تجھ سے ہو نہ وہ سفاک تر

پھینکے جو کماں دار مرا تیر ہوا پر — سیمرغ نے بچے بھرے عصافیر ہوا پر
مرقد پہ مرے موجِ نسیم آوے تو یہ جان — دیوانہ نہ خاک سے ہے زنجیر ہوا پر
گر خانۂ گردوں پہ نظر جیشم قنا سے — ہے مثلِ حباب اس کی بھی تعمیر ہوا پر
یہ ہو مجنوں گا ترے کوچے میں ہو راکھ کی ڈھیری — موقوف رکھی ہے میں یہ تدبیر ہوا پر
تا دم رہے سینہ میں رہے نطق زباں ساتھ — ہے مخصر انسان کی تقدیر ہوا پر
توسن پہ تجھے دیکھ کہیں مانی و بہزاد — اللہ نے کھینچی ہے یہ تصویر ہوا پر

سودا کے دردوست تو یارب نہ رکھے خاک
اس جرم کی تو کیجیو تعذیر ہوا پر

کر دم سے جُدا تن کو رکھا دیر ہوا پر — اب در بدر اس خاک کو مت پھیر ہوا پر
لاتا ہے بلندی سے شکم سب کو بہ پستی — طائر کو بھی ہوتے نہ سُنا سب کو ہوا پر
کیا جانیے کس عالی دورانکی ہے یہ خاک — اٹھتا ہے بگولا جو ہوا ڈھیر ہوا پر
دامان شفق آج خون آلودہ میں دیکھا — چلتی ہے ترے عہد میں شمشیر ہوا پر
وہ شعبدہ باز آکے اُڑا جاوے ہے یوں دل — کرتا ہو کوئی جیسے کہ ہت پھیر ہوا پر
باندھوں ہوں میں جس طرح سے مضمون زبردست — رستم نہ کرے دیو کو یوں زیر ہوا پر

ہے ضعف سے یوں نالہ نزار دنے میں سودا
ساون میں پپیہے کی ہو جوں ٹیڑ ہوا پر

غزل در ہجو میاں حسرت عطّار

پھدلنے کا آندھی سے اُڑا ڈھیر ہوا پر — ہر مرغ اُسے کھاکے ہوا سیر ہوا پر
عناب کے دانوں کی کروں کیا میں بزرگی — نہ چرخ کا جس طرح ہو چک پھیر ہوا پر
چوب اصل السوس پر سیاوشاں مل کر — جوں تیر نہ جھکتے میں گرے دیر ہوا پر
دو پیسے کے نسخے سے جو آدھی بھی ہوئی کم — اس نسخے کو دیتا ہے اُڑا پھیر ہوا پر
بولے جو فرشتہ کہ دوا ہے بُری اُس کی — مارے ہے اُسے جاکے وہ شمشیر ہوا پر
دو بات کے نیچے سے جو دوکان میں بکری — سو بات کا بھر اڑنے لگے ڈھیر ہوا پر
برسات میں جو کھاوے دوا اُسکی دوکاں سے — مانند پپیہے کے کرے ٹیر ہوا پر

قیمت میں تو نسخے کی ٹکا پھاکتے یہ پاؤ
ڈالا ہے زمانے نے یہ اندھیر ہوا پر

اظہار سخن کیجیے کیا خاک زمیں پر — ڈھونڈھے نہ ملا صاحب ادراک زمیں پر
صدقے ترے یوں ہی ہو مری خاک زمیں پر — جس طرح کلالوں کا پھرے چاک زمیں پر

تجھ کو سے غبار اپنے کو میں اُٹھنے نہ دوں گا رہتا ہوں میں با دیدۂ نمناک زمیں پر
ساقی بُتِ مے لے کے پہونچ جلد چمن میں انگڑائیاں لیتا ہوں میں جوں تاک زمیں پر
نالہ کا ستوں ہو نہ مرا گر بشبِ تار تو گر پڑیں اک آن میں افلاک زمیں پر
نکلا جو مرے مُنھ سے ہوا شہرۂ آفاق بیٹھی ہے سخن سنجوں کی یہ ڈاک زمیں پر
راون کی نہ تھی سیف کی ہیبت یہ کسی کو مصرع کی مرے آج جو ہے دھاک زمیں پر
پھل چاہو اگر دین کے تم نخل سے اے شیخ تو جائے وضو گاڑ دو مسواک زمیں پر
اس صید کو مضبوط گرہ دیجو مبادا یہ کُھل نہ پڑے بستۂ فتراک زمیں پر

گر ہو کششِ شاہ خراسان کی سودا
سجدہ نہ کروں ہند کی ناپاک زمیں پر

تیرا ہے بزرِ مہر خریدار فلک پر یوسف کی نہ تھی گرمیِ بازار فلک پر
تارے یہ نہ سمجھو بشبِ تار فلک پر پہونچی ہے مری آہ شرربار فلک پر
پاتا ہوں دماغ اُس کے قدم رکھنے کا ایسا گویا ہے مرے یار کی رفتار فلک پر
سینہ پہ تو گردوں کے نہ یہ کاہکشاں پوچھ تجھ زلف کے ہے کفر کا زنار فلک پر
ہے چہرہ بدل مہر مرے شوخ سے یارو کچھ اس کی جھکتی نہیں دستار فلک پر
اُبھرا ہے چمن آج یہ گلگشت سے تیری ہے زمزمۂ بلبلِ گلزار فلک پر
عیسیٰ سے بھی پاوے نہ شفا مجکو تقیں ہے پہونچے جو تری چشم کا بیمار فلک پر
اس دل کے میں رتبہ کو اسیری میں کہوں کیا پرواز میں ہے مرغِ گرفتار فلک پر

مدّاحِ علی کا ہوں میں سودا شعرا میں
پڑھتے ہیں ملائک مرے اشعار فلک پر

ٹکڑے سی ہے وہ زلف سیہ فام جہاں پر کیا گذرے ہے اب دیکھیے تا شام جہاں پر
ہر ایک کا دل تڑپے ہے جوں مرغِ گرفتار مارا ہے تغافل نے ترے دام جہاں پر

عالم کو کیا محکمۂ حُسن میں حاضر
قاضی کا خط یار ہے اعلام جہاں پر

مذکور ترا شب جو کسی بات پہ نکلا
کیا تنگ ہوا عرصۂ آرام جہاں پر

کل سقف پہ چڑھ گھر کے لگا تلکے یہ کہنے
سرکوب ہے جوں مہر مرا بام جہاں پر

ممکن نہیں دے نالہ مرا چین کسی کو
لایا ہے غضب یہ دلِ ناکام جہاں پر

برگشتہ نصیب اپنے نہ پھرتے کبھو دیکھے
ہرچند رہی گردشِ ایام جہاں پر

دیوے تجھے وہ کچھ کہ نہ پھر چین لے تجھ سے
زنہار نہ رکھ یہ طمعِ خام جہاں پر

دنیا نہیں اے یار تلاش اپنی سے منظور
کرتا ہوں اس حجت کو میں اتمام جہاں پر

زلفوں کے تلے شوخ کے خط کا نہیں آغاز
ڈوری ہے شبِ خونِ سیہ شام جہاں پر

اس صفحہ میں مانندِ نگیں آن کے سودا
وہ مرد تھے جو اُٹھ گئے رکھ نام زمیں پر

باندھی جھنجھلا کے کمر شوخ نے کیں میرے پر
تاب جمدھر کی ہے ہر چین جبیں میرے پر

سچ کیا عشق مجھے کیوں ہے وہ بدتر اپنا
باندھی ہے یاروں نے اک بات یونہی میرے پر

دام سے زمزمہ سازانِ چمن کو کیا کام
لائی آفت مری آوازِ حزیں میرے پر

آبِ شمشیر بجھا دے گی مری آتشِ عشق
آنسو کچھ کر نہ سکیں گے ہے یقیں میرے پر

میں زمیں پر ہوں ترے کوچے میں کیا خاک بسر
تب ہو تسکین جو اُلٹائے زمیں میرے پر

زعم میں اپنے تو میں بھی ہوں مسلماں لیکن
نام میرا منبستم ہے نگیں میرے پر

دامِ اُلفت کے اسیروں کی جدی ہے پرواز
کہیں اُڑتے ہیں مرے ہاں کہیں میرے پر

اُس کے کوچے میں نہ چل ساتھ مرے اے سودا
آفت آ جائے نہ اے یار کہیں میرے پر

صبا حریفانہ لے آئی ہے تو مرے دل پر
لگی ہے تیر سی یہ گُل کی بو مرے دل پر

بتاں کا دیدہ میں کرتا ہوں شیخ جس دن سے
حلال تب سے ہے مو بمو مرے دل پر

کسی ہی چیز کو ڈھونڈھا نہ میں نے دنیا میں — مگر رہی ہے تری جستجو مرے دل پر

خدا کے واسطے سودا نہ لے تو نام اُس کا
غضب کرے ہے تری گفتگو مرے دل پر

یہ اُس کے رنگِ عارض سے ہے دل بیتاب آتش پر — ٹھہرتا ہی نہیں سینے میں جوں سیماب آتش پر
نہ شبنم بر سرِ ہر گل کرے ہے خواب آتش پر — یہ اشکِ چشمِ بلبل کا پڑا ہے آب آتش پر
کباب دل وہ بھونا ہم نے اُس میخوار کی خاطر — کہ خونابِ جگر ٹپکے ہے جوں تیزاب آتش پر
برابر ہو سکے کب عشق میں پروانے سے بُلبل — کہ شمع و گل ہے اُس کے مرگ کا اسباب آتش پر
درآویزہ ہے اُس کے زلف اور رخسار سے باہم — جھمکتا ہے برنگِ گوہرِ شب تاب آتش پر
لبِ لعلِ بتاں پر سرخی پان ہے کہ جادو ہے — بتا دے شکل طوطی صورتِ سرخاب آتش پر
نہ نکلے کیونکہ شعلہ دل سے مے پینے میں اے ساقی — رہے ہے کس طرح بن بھڑکے شرابِ ناب آتش پر
یہ عکسِ چہرۂ گلنار آئینہ میں ہے اُس کا — کہ گویا حُسن کے دریا کا ہے گرداب آتش پر

نہیں اُس گُل کے عارض پر ہیں یہ زلفِ سیہ سودا
جلے دل کے دھوئیں کا ہے یہ پیچ و تاب آتش پر

دل نہ کر منت ز راہِ بے قراری بیشتر — ناز کو کرتی ہے یاں الحاح و زاری بیشتر
ناصحا اُس عشق سے ہوتا ہے لذت یاب دل — جس میں حرمت کم ہو رسوائی و خواری بیشتر
یارو کیوں ہوتے ہو مستفسر مرے احوال کے — غم کو کرتی ہے تمھاری غم گساری بیشتر
کیوں وہ لاگو ترک چشمِ یار اس دل کے رہیں — صید چٹیالی کے در پے ہوں شکاری بیشتر
سوزِ دل سُن سُن کے میرا ہنس کے یہ بولا وہ شوخ — ہوئے گا خلقت میں اُس کے جزوِ ناری بیشتر
جُرم گو لا انتہا اپنے ہیں پر تجھ سے ہمیں — عفو کی ان سے بھی ہے اُمیدواری بیشتر
میں کسی کے واسطے روتا نہیں زیرِ فلک — خانۂ پر دود میں ہوں اشک جاری بیشتر
کوچۂ شاہ حسن کا ہے وہ غبارِ خط نشاں — گرد لشکر سے اُٹھی وقت سواری بیشتر

کشت بر تخم عمل کے اُس کے جتنا توڑ دل
قطع یاں رکھتی ہے سودا آبیاری سے بیشتر

دلِ نا آشنائے نالہ سے صد رہ جرس بہتر
نہ ہو مژگاں سے جو خوں آغشتہ اُن سے خار و خس بہتر

نہ دیکھی خوش دلی جز یک تبسم ہم نے غنچے میں
ہوا سے اس چمن کی ہے دلا ترکِ ہوس بہتر

وفائے گل میں نے چشمِ مروت باغباں میں ہے
نکل بلبل کہ ہے اس باغ سے کنجِ قفس بہتر

نظر میں اُن کے جن کو دولتِ استغنائی بخشی ہو
مگس سے ہے ہما بہتر ہما سے ہے مگس بہتر

بلند آتش جہاں ہووے ہوائے جنبشِ لب سے
تو اپنی فہم ناقص میں ہے واں ضبطِ نفس بہتر

رسائی سے نشہ کی بادۂ گلرنگ کے مجکو
رکھے ہے یار کی سرخوشی نگاہِ نیم رس بہتر

شہید بزعم ملکِ حسنِ دل میرا ہے اے ہمدم
کہ سمجھے قتل فریادی جہاں ہر دادرس بہتر

بگردِ دل ہے طوفِ کعبہ سے نزد اپنے منعم
بسانِ دانہ ہائے سبحہ پھرنا پیش و پس بہتر

کہے ہے دیکھ کر شانے کو یہ سودا اُٹھے دیوانہ
شبِ تاریک میں تنہا نہیں گشتِ عسس بہتر

تو مری آنکھوں میں ہے حور و بشر سے بہتر
یار ہے حسن ترا شمس و قمر سے بہتر

دلِ عشاق ہے پہلو میں جواہر خانہ
اشک خونیں ہے مرا لعل و گہر سے بہتر

جو ہے جوہر اُسے جانیں ہیں بُرا بدگوہر
عیب کو سمجھے ہیں اس وقت ہُنر سے بہتر

موردِ سنگ ہے وہ نخل جو ہو بار آور
پائی ہے بے ثمری ہم نے ثمر سے بہتر

فائدہ باغ کے جانے سے درِ آئینہ میں
سیر لالہ کی نہیں داغِ جگر سے بہتر

چاہیے رتبہ سخن کا ہو سخنور سے زیاد
کہیے اُسکو ہے پسر جو ہو پدر سے بہتر

کعبہ و دیر سے کیا کام ہے ہم کو اے دوست
ہے ہمیں کون سی جاگہ ترے در سے بہتر

چشمِ عشاق پہ کس ابر کو ہے فوقیت
کب وہ برسے ہے مرے دیدۂ تر سے بہتر

شام و صبح و مہ و خور زلف و رخ اُسکے ہیں جبیں
کب وہ ہو سکتے ہیں اس شام و سحر سے بہتر

آشیاں سے نہ اُڑے پہونچے نہ ہم دام تلک
ہم تو بے بال و پری سمجھے ہیں پر سے بہتر

ہیں جو والی مرے بارہ دو جہاں ہیں سودا
خاکِ در اُن کی سمجھتا ہوں میں زر سے بہتر

پیوں ہوں خونِ دل اپنا تجھے گماں ساغر
کدھر ہے شیشہ مرے پاس ہے کہاں ساغر

شرابِ سُرخ سے لبریز گو ہے یاں ساغر
جو تو نہیں ہے تو ہے چشم خونچکاں ساغر

نہ جانے کس کی صبوحی کے واسطے تجھ بن
پھرے ہے مہر کا آتش سے آسماں ساغر

پیام کیونکہ مرا پہونچے دخترِ رز کو
کہ شیشہ پنبہ دہن اور بے زباں ساغر

نگاہِ مست کی تیرے طلب ہے یوں ہم کو
تنک شراب کہ جوں مانگے ہر زماں ساغر

چمن میں گل نہ سرِ شاخ پر یہ جلوہ دے
جو تیرے ہاتھ پہ بجتا ہے اے جواں ساغر

مجھے معاف رکھ اے مغ کہ بد شراب ہوں میں
نہیں یقین تو دے بہرِ امتحاں ساغر

اسی ہی طرح سے میں بھی دہن پہ مرتا ہوں
کہ جیسے دے ہے لبوں پر تمہارے جاں ساغر

شرابِ شوق کی جب تک پیا کرے سودا
تجھے نصیب ہو امرت کا مہرباں ساغر

یہ نہ ہو مہر کہ تا شب رہے گھر سے باہر
سو جتن کیجے تو ٹک نکلے وہ گھر سے باہر

طاقت اِک آن تحمل کی نہیں یاں اور دوست
صبر فرمائے ہے مقدور بستر سے باہر

غیرت اے آہ تجھے کچھ بھی ہے رہ سینہ میں
نے سے بھی نالہ نکلتا ہے اثر سے باہر

منفعل ہو عملِ زشت سے اے دل کہ نہیں
عیب کو اپنے پہونچنا بھی ہنر سے باہر

راز دیر و حرم افشاں نہ کریں ہم ہرگز
ورنہ واں کیا ہے جو ہو اپنی نظر سے باہر

دل رکا آئی ہے تنگی سے فلک کے ہیہات
نکلوں اس خانۂ بے در کے کدھر سے باہر

ضعف سے نالہ کبھی اب دل سے نہیں آسکتا
درد لاتا ہے بہت خونِ جگر سے باہر

اشک پونچھوں ہوں کہ جب خوں سے گذر کر تو بتـ
لختِ دل گرنے لگے دیدۂ تر سے باہر

اثر اُن باتوں نے تجھ میں نہ کیا سُن کے جنہیں
سنگ سے نکلے شرر شعلہ شرر سے باہر

ناصحا کچھ یہ نصیحت سے نہیں منبط شریک
طفل آوے نہ کبھو خوے کے ڈر سے باہر

آوے ہے گھر سے وہ زاہد پسر اس طرح کہ جوں
نکلے ہے مہرِ گریبان سحر سے باہر

چرخ پہ چڑھتے سُنی تیغ تری جس دم سے
سر نکالا نہ مہ و خور نے سپر سے باہر

دینے کو ملک سلیماں کے بُلایا مجھکو
پر قدم میں نہ رکھا دل کی نگر سے باہر

ہوں وہ آوارہ کہ طفلی ہی میں جوں اشک مجھے
کر دیا مادرِ ایام نے گھر سے باہر

جنس ناکارہ کے خواہاں ہیں خریدیں مجھ کو
یہ وہ **سودا** ہے کہ ہے نفع و ضرر سے باہر

کام آیا نہ کچھ اپنا تنِ زار آخر کار
سمجھے اکسیر تھے نکلا یہ غبار آخر کار

داغ مت کھائیو تئیں عشق کا ہم کہتے تھے
کیوں دلا کی ہے نہ اس گل نے بہار آخر کار

ڈھب تغافل نہ تھا اس گل کی گرفتاری کا
ہاتھ سے مفت دیا تیں یہ شکار آخر کار

باغباں تھا تجھے دو دن کی ہوا پر یہ غرور
نہ رہے باغ میں گل رہ گئے خار آخر کار

عشق ذرّہ بھی اگر ہو تو اُسے کم مت جان
ہو کے شعلہ ہی بجھے گا یہ شرار آخر کار

آپ سے کام نہیں نشو و نما کو اپنے
شجرِ خشک کو آتش سے شرار آخر کار

اس قدر جرعہ کشی خون خلائق ہے تو
جی دھڑکتا ہے کہ کھینچے نہ خمار آخر کار

جوں وہ پروانہ جسے شمع سے ہو صبح کو وصل
گرم ہم سے جو ہوئی صحبتِ یار آخر کار

ناصح اس جیب کے آیا تھا رفو کرنے کو
گم گیا ہاتھ سے سر رشتۂ کار آخر کار

سوزشِ داغِ دل اپنے کی وفا اے **سودا**
کیا کہوں میں کہ ہوئی شمع مزار آخر کار

تپ جائے کیونکہ عشق کی اے یار تجھ بغیر
عیسیٰ نفس بھی ہو گئے بیمار تجھ بغیر

قمری کو سرو باغ میں ہے دار تجھ بغیر
گلخن ہے عندلیب کو گلزار تجھ بغیر

کاٹتے دل کو ہیں ابروئے یار کی تلوار بار — یہ جگر کس کا ہے اٹکا جس کو ہو ہموار دار
خون کی مجھ بیگنہ کی بس نہیں تیغِ نگاہ — باندھ آیا ہے یہ کس کے قتل کو ہتھیار یار
باغ تو جاتے ہو تم لیکن خدا کے واسطے — گل کو مت اپنے گلے کا کیجیو زنہار ہار
ایک میں ہی کچھ تری خاطر نہیں پھرتا خراب — روز و شب ہمراہ میرے ہیں مرے غمخوار خوار
مجھ مریضِ عشق کی دارو نہیں کچھ غیرِ وصل — اے طبیب اپنی دوا سے تو نہ یہ بیمار وار
بات سنتا ہے سبک وضعوں کی تو دل دے کے حیف — ہے سخن میرا تری خاطر پہ ہر یکبار بار
آپ کو مت دیکھ جوں منصور واحد یار سے — چشمِ وحدت بیں کو ہے یاں جلوۂ دیدار دار
آج کون آیا تھا گلشن میں خدا جانے کہ یہ — باغباں کا دل نزار و بلبلِ گلزار زار

دیکھو سودا کو مغاں آپس میں کہہ اٹھتے ہیں لوگ
دخترِ رز کے لیے پھرتا ہے یہ میخوار خوار

منزل کے پہونچنے سے ورے قافلہ دے چھوڑ — اے دل سمجھ ان ہمسفروں کا گلہ دے چھوڑ
ہو صاعقہ اس خار پہ صحرا میں الٰہی — اس دل کا رہِ عشق میں جو آبلہ دے چھوڑ
تکلیف مریدی مجھے کر شیخ سمجھ کر — اس زلف کا کس طرح کوئی سلسلہ دے چھوڑ
گر پنجۂ خواری تو مرا چاک گریباں — چل دامنِ تنگی کو تو لے حوصلہ دے چھوڑ
تا خاکِ درِ دوست پہونچنا نہیں کچھ کام — گر نقشِ قدم رہرو دنبالہ دے چھوڑ

ممکن نہیں یہ روحِ مقدس سے حزیں کے
ایسی جو غزل ہو دے تو سودا صلہ دے چھوڑ

دیکھا میں تجلی وادیٔ ایمن ہر اک جھاڑ — روڑا ہے کون سا جو نہیں طور کا پہاڑ
تیرِ نگہ تری نے دلوں کو الٹ دیا — مژگاں تری نے دی ہیں صفوں کی صفیں پچھاڑ
کتنا شگفتہ روئے کہ مانندِ آئینہ — چھاتی کے جس کے سامنے کھل جاتے ہیں کواڑ
خطرہ ہے تجھ سے مسندِ شاہی کو اے فلک — حاضر ہے لا مسند تخت مرا شمع تو اکھاڑ

منعم نہ مر بنائے عمارت کی فکر میں — یہ سب حویلیاں تھیں جہاں تک ہے اب اُجاڑ
بدتر ہے مے کے پینے سے رشوت کلال کی — کہہ محتسب سے دخترِ رز کے نہ کھائے ہاڑ

تنہا نہ شمع روئے سودا کی خاک پر
گُل بھی تو ٹوٹتا ہے گریباں کو پھاڑ پھاڑ

ردیف زائے معجمہ

کرتا ہوں ترکِ عشق میں یوں پیش و پس ہنوز — ناصح ذرا نہیں ہے مرا دل پہ بس ہنوز
سیرِ چمن کی تو قسم اے دل شکن نہ کھا — غنچے رہے ہیں باغ میں ظالم بکس ہنوز
اُس کو حوالے کر کے مرے بوجھ اے فلک — دونوں جہاں سے ہے تجھے اب کچھ ہوس ہنوز
فریادِ عندلیب کو پہنچا چمن میں گل — آیا نہ میرے پاس مرا دادرس ہنوز
آتے ہیں تیرے قافلۂ رفتگاں ولا — جاوے تو جا کے آتی ہے بانگِ جرس ہنوز
نالاں جو باغباں سے ہے بلبل چمن کے بیچ — دیکھی نہیں ہے اُن نے جفائے قفس ہنوز

سو طرح ٹھونک بولا ہے سودا رقیب کو
آتا نہیں ہے باز تو اے بوالہوس ہنوز

شبنم کرے ہے دامنِ گل شست شو ہنوز — بلبل کے خون کا نہ گیا رنگ و بو ہنوز
ہمرہ صبا کے خاک بھی میری ہے دربدر — جاتی نہیں ہے مجھ سے تری جستجو ہنوز
غنچوں سے رنگ و بو کی تمنا نکل چکی — تڑپے ہے خوں میں دل کے مرے آرزو ہنوز
یاں تک ابھی ہے گرم کہ ہو جاوے تو سموم — خاکستر اے نسیم ہماری نہ چھو ہنوز

سودا کا حال تو نے تو دیکھا کہ کیا ہوا
آئینہ لے کے آپ کو دیکھے ہے تو ہنوز

انکار فضل سے تو کیے ہے سخن — میلا نہیں ہوا ہے ہمارا کفن ہنوز

ہو جلوہ گر شتاب تو اے نور بزم عشق
آنسو گلوے شمع کے ہیں ہار تجھ بغیر

موجب گرفت رہنے کا عاشق سے کچھ نہ پوچھ
کیا خوشدلی ہے اُس کو سروکار تجھ بغیر

سبحہ سے شیخ ہی نے اُٹھایا نہیں ہے ہات
اب برہمن بھی توڑے ہیں زنار تجھ بغیر

ناز و عتاب اُٹھانے کی کس کی ہے مجکو تاب
خاطر بہ زندگی ہے مجھے بار تجھ بغیر

تو ہی نہ ہو تو سیر چمن سے ہے کیا حصول
آب رواں بھی تیغ کی ہے دھار تجھ بغیر

تیرا ہی ہم کو گر نہ میسر ہو ہمکنار
نوروز عید بھی ہے شب تار تجھ بغیر

سودا کا دو جہان میں یا مرتضیٰ علی
اب کون ہے بتا تو خریدار تجھ بغیر

جام گل تیرے سے اب بلبل کو مستی ہے بہار
ہم کو آنکھوں سے یہ ذوقِ مے پرستی ہے بہار

خندۂ گل نے کیا ہے بلبلوں کا قتل عام
پھیر اب گلشن میں کیا منھ لیکے ہنستی ہے بہار

جوش سے میرے جنوں کی کیا خوش آتی ہے بہار
پیرہن میں گل کی نہیں پھولی سماتی ہے بہار

آشیاں باندھے ہے کس امید پر اے عندلیب
آتشِ گل سے کوئی دن میں جلاتی ہے بہار

کس کو گلگشتِ چمن کا ہے دماغ اے باغباں
کھینچ کر میرا گریباں یاں لے آتی ہے بہار

دل فسردوں کو کہاں خوں گرم کرتا ہے جنوں
کیوں مجھے ہر سال آ ناحق ستاتی ہے بہار

شور سن کر ہم نواؤں کا اُبلتا ہے یہ دل
رخصتِ یک سالہ اے صیاد جاتی ہے بہار

عارضِ گل پر نہیں شبنم عرق ہے شرم کا
دیکھ کر میرا جنوں یارو لجاتی ہے بہار

کس کی آنکھوں سے کہو آئی ہے مستی سیکھ کر
اس برس نرگس پہ کیا دھومیں مچاتی ہے بہار

خوش رکھو اے عندلیبو اپنے گلشن میں مجھے
خانۂ زنجیر تھا خالی بلاتی ہے بہار

اب خدا حافظ ہے سودا کا مجھے آتا ہے رحم
ایک تو تھا ہی دیوانہ تس پہ آتی ہے بہار

کر

دیکھا جو اِدھر خدا سے ڈر کر　　دل خالی کیا میں آہ بھر کر

رنجش کا مرے نہ پوچھ باعث　　آجا اِسی وقت یار اِدھر گذر کر

قطرے کو صدف کے دل میں لے جرح　　تا کر نہ سکے درد مست گھر کر

نکلو ہو تو نکلو گھر سے ورنہ　　بیٹھا ہوں یہاں سے اُٹھوں گا آج مر کر

غیروں سے نہ کر تو گرم جوشی　　میرے دمِ سرد سے حذر کر

پانے کو جگہ تو دل میں اُس کے　　سودا نہ تلاش اس قدر کر

بستا ہے رقیب واں تو اے یار
کچھ خوب نہیں ہے گھر میں گذر کر

خرمی پھرتی ہے یوں دل پہ مرے غم سے دور　　جوں پھرے اہلِ طرب خانۂ ماتم سے دور

گذرے جس غم سے مجھے زندگی دہ روزہ　　رکھیے اس غم کو خدا ماہِ محرم سے دور

کب تری داد کو پہنچے ہے فلک اے بلبل　　زخمِ گل کو جو رکھے بخیۂ مرہم سے دور

پنبۂ داغ میں سینے کے مرے ہے جو سوز　　یارب اس سوز کو رکھیو تو جہنم سے دور

چمنِ دہر میں توام ہیں سدا شادی و غم　　خندۂ گل نہ رہے گریۂ شبنم سے دور

آہوئے دشتِ جنوں ہوں میں نہ پوچھ آرام　　مرتبے کا مرے وحشت کے سمجھ رم سے دور

نمکِ درد سے ہوتی ہو جو مجھکو سیری　　زخم یارب نہ رہے سینے کا مرہم سے دور

عقل نے ایک دن آکر یہ کہا سودا سے　　پاس یا ہم سے رہا کیجیے یا ہم سے دور

لیکن اتنا ہے کہ وہ کام نہ کیجو پیارے　　جس کے باعث سے رہو تم دلِ عالم سے دور

بلبل کو کیا تڑپتے میں دیکھا چمن سے دور　　یارب نہ کیجو تو کسی کو چمن سے دور

تجھ کشتگاں کو شعلۂ فانوس کی طرح　　تن پر اگر کفن ہے تو تن ہے کفن سے دور

اے شمع کچھ خبر ہے تجھے اُس پتنگ کی　　جو بال و پر جلا کے پڑا ہے وطن سے دور

پوچھے کبھی وہ تو ہم نہ کہیں آرزوئے دل　　وہ بات کیوں کہیں جو ہو اپنے دہن سے دور

گل کو چمن میں شاخ پر اتنا نہیں غرور
کرتا ہے تیرے ہاتھ پر جو کچھ کہ جام ناز

سودا! خرام قد کو ترے دیکھ کر کہے
ہے راستی تو یہ کہ ہوا یاں تمام ناز

نخل اُمید کیونکہ ہمارا ہو آہ سبز
اِس باغ میں کبھو نہ ہوا برگ کاہ سبز

بوویں کسی ہی طرح سے ہم تخم آرزو
ہونے نہ دے کبھو فلکِ روسیاہ سبز

رونق نہ پاوے شام تری زلف کے حضور
ہرگز نہ سامنے ترے رُخ کے ہو ماہ سبز

آغاز خط کا ہے ترے عارض پہ معجزہ
شعلے کے یاں کلہ سے ہوا ہے گیاہ سبز

ایسی سجی ہے سر پہ ہمارے کلاہِ فقر
جس کے حضور ہو نہ سکے تاج شاہ سبز

طاعت کا شیخ شہر کے میں کیا بیاں کروں
شیطاں کا جس کے آگے نہ ہووے گناہ سبز

روتے گئے گلی سے ترے بسکہ اہلِ دل
ہے اُن کے چشم فیض سے ہر خار و کاہ سبز

مزرع کو میرے خشک سحاب کرم نہ دیکھ
پل مارتے کرے ہے مری یک نگاہ سبز

سودا! تو دردِ دل سے نپٹ اب ہے بیقرار
ہوتا ہے گر سفید ترا رنگ گاہ سبز

ردیف سین مہملہ

کب ہم کو ہے بہار میں گلزار کی ہوس
نکلی کبھو نہ مرغ گرفتار کی ہوس

مطلع ثانی

بلبل ہے گو نہیں ہے رُخِ یار کی ہوس
ہے گل کو اُس کے گوشۂ دستار کی ہوس

قاتل ہی میرے خوں کی نہ رکھتا تھا آرزو
اپنے بھی دم میں تھی دمِ تلوار کی ہوس

نرگس جو شکل چشم اُگی ہے زمیں تلے
کیا جانے ہے کسے دیدار کی ہوس

پائے نہ جھانکنے بھی کبھو ہم درِ حبیب
رکھتے ہیں دل میں رخنۂ دیوار کی ہوس

پیش از سخن زبان جو کاٹی قلم کی طرح ‎ اُس شوخ سے رکھوں ہوں میں گفتار کی ہوس
قدرت نہ ہم کو آہ کی نے طاقتِ فغاں ‎ نکلے سو کیونکہ اپنے دلِ زار کی ہوس

سودا یہ جنس دل کے تئیں دے چکے ہم آگے
رکھتے نہیں ہیں کوئی خریدار کی ہوس

ہم نے بھی دیر و کعبہ سے دن چار کی ہوس ‎ اب سبحہ کا نہ شوق نہ زنار کی ہوس
گھر اس کا اُسی کو ملا زیرِ آسماں ‎ جس نے جہاں میں آن کے مسمار کی ہوس
مے چین روز وصل نہ شبِ ہجر کی قرار ‎ کیا جانے کیا ہے اپنے دلِ زار کی ہوس
یوں چاہتا ہوں داغ میں دل پر ہزارہا ‎ جس طرح باغباں کو ہو گلزار کی ہوس
اے شوخ تیری گرمیِ بازار دیکھ کر ‎ سب خوبرو رکھیں ہیں خریدار کی ہوس
دیر و حرم کی پوج چکا ہے وہ سنگ و خشت ‎ جس کو ہے تیرے سایۂ دیوار کی ہوس
عارض کا دیکھنا ہے تمنائے عندلیب ‎ گل کو ہے تیرے گوشۂ دستار کی ہوس
تیری مژہ نے سیر کیا ہے بہت ہمیں ‎ باقی رہی ہے کچھ دمِ تلوار کی ہوس

سودا تو آپ کو سمجھا رہِ خموش
منصور کو ہوئی ہے سرِ دار کی ہوس

بلبل کو ہے ترے سرِ دیدار کی ہلاس ‎ جوں گل ہے اُس کو گوشۂ دستار کی ہلاس
نرگس کی باغ میں نہیں لگتی کبھی پلک ‎ از بسکہ ہے اسے ترے دیدار کا ہلاس
آوے ہزار رنگ سے گلشن میں گر بہار ‎ نکلے کبھی نہ مرغِ گرفتار کا ہلاس
یک لحظہ ہو طبیب تو اپنے مریض کا ‎ نکلے کسی طرح ترے بیمار کا ہلاس
جپنا زباں سے نام ترا ہم کو اس سوا ‎ تسبیح کا نہ شوق نہ زنار کا ہلاس
مرتا ہوں اب تو یار گلے ٹک مجھے لگا ‎ تا دل میں رہ نہ جائے ترے پیار کا ہلاس
سودا ہوئی ہے جنس وفا جب سے بے قدر ‎ دل میں نہیں ہے اپنے خریدار کا ہلاس

کلیوں نے دیکھ شوخیِ گلچیں کو اسقدر
اتنا لہو پیا کہ ہے پر خوں دہن ہنوز

اتنا جلا ہے آتشِ گل سے دلِ ہزار
دیتی ہے بوے دودِ نسیمِ چمن ہنوز

اے شمع کچھ نہیں غمِ پروانہ تجکو حیف
ٹک دیکھ تو پر آب ہے چشمِ لگن ہنوز

آئی بہار دیکھیو طفلانِ سنگ دل
آئے ہیں پار سال کے سب زخمِ تن ہنوز

صدقے ترے نہ کیجیو گلشن میں پھر گذر
اُس دن سے چاک کرتے ہیں گل پیرہن ہنوز

سوداؔ یہ کیا ہوا نہیں صحرا میں آج قیس
تھا ہی دنوں پہ داغِ دلِ کوہکن ہنوز

کس کے ہیں زیرِ زمیں دیدۂ نمناک ہنوز
جا بجا سوت ہیں پانی کے تہِ خاک ہنوز

گل زمیں سے جو نکلتا ہے برنگِ شعلہ
کون جاں سوختہ جلتا ہے تہِ خاک ہنوز

ایک دن گھیر میں دامن کا تری دیکھا تھا
گرد پھرتے ہیں گریباں کے مرے چاک ہنوز

جستجو کر کے تجھ آفت کو بہم پہنچایا
باز آتے نہیں گردش سے یہ افلاک ہنوز

باغ میں جب سے گیا تھا وہ خمار آلودہ
گل ہیں خمیازہ میں انگڑائی میں ہیں تاک ہنوز

زخمِ دل پر ہے مری تیغِ جنوں کا ناصح
تو گریبان کا نادان سے ہے چاک ہنوز

کیونکہ سوداؔ میں کروں وصف بنا گوش اسکا
کی نہیں آبِ گہر سے یہ زباں پاک ہنوز

بے خبر دردِ محبت سے ہے وہ یار ہنوز
دکھ سے دل دینے کے واقف نہیں دلدار ہنوز

رحم سرگشتگی میری پہ اُسے کیا آوے
نہیں گلیوں میں کٹی اُس کو شبِ تار ہنوز

نہ ابھی قطرۂ اشک اُس کی مژہ تک آیا
نہ گھسا اُس کے گریباں کا کوئی تار ہنوز

آپ نالاں ہو تو دیوے مری فریاد کی داد
سو تو وہ گل ہی نہیں بلبلِ گلزار ہنوز

کیوں نہ بھاوے اسے قیمت شکنی سوداؔ کی
جنسِ دل اپنی تو ڈالی نہیں بازار ہنوز

یار کے حُسن سے ہے بے خبر اغیار ہنوز
نہیں اس شعلہ سے آگہ یہ خس و خار ہنوز

بال و پر ہونے نہ پائے تھے نمودار ہنوز
تب سے ہم کنجِ قفس میں ہیں گرفتار ہنوز

ہو گئے پامال نہ کر ہم کو رہا اے صیّاد
مشقِ پرواز نہیں تا سرِ دیوار ہنوز

جی کو تو کھینچ رکھا آنکھوں نے پر حسرتِ دل
مُند رہی ہے صفِ مژگاں سے مرے یار ہنوز

آہ پھر کس کی شکایت ہے مرے دل میں کہ شرم
جس کو دیتی ہے نہیں رخصتِ اظہار ہنوز

تب سے پامال ہے دل کا ورقِ صبر و قرار
سبقِ ناز نہ لیتی تھی وہ رفتار ہنوز

رشتۂ شمع حرم کو میں بھسم پہونچایا
ساتھ ہے جی کے دلے اُلفتِ زنّار ہنوز

زخمِ شمشیرِ ستمگر نے کیا اپنا کام
یارو تم ڈھونڈتے ہو مرہمِ زنگار ہنوز

شیخ اتنا تو جتاؤ نہ تم اپنا تقویٰ
عوضِ مے ہے گرو جُبّہ و دستار ہنوز

تیری دوری سے عجب حال ہے اب سودا کا
میں تو دیکھا نہیں ایسا کوئی بیمار ہنوز

حق تعالیٰ اُسے جلتا ہی رکھے دُنیا میں
اُس قباحت سے نہیں ہے تو خبردار ہنوز

قیس و فرہاد کے ماتم سے تو جگ میں اب تک
دشت ہیں خاک بسر روتے ہیں کہسار ہنوز

بے ہودہ اس قدر نہیں آتا ہے کام ناز
مکھ پر خط آ چکا نہ کرو صبح و شام ناز

وہ دن گئے کہ جس سے پھبتے تھا تمھیں غرور
بدخُلقی اب رہی ہے فقط ہے بنام ناز

از بسکہ اب ڈرے ہے وہ تیری تنبیہ سے
بھائے ہے تجکو دیکھتے ہی لاکھ گام ناز

آئینہ تیرے سامنے ہو کر بدن نما
سمجھے تو یہ کہ مجھ پہ ہوا اب خرام ناز

پیارے ہر ایک وقت کا موقع ہے ایک تیز
لیزم ہی اب ادا ہے تری اور قیام ناز

سنتا ہے دل جلوں کے کہے پر نہ جائیو
ظالم ادا کنیز ہے تیری غلام ناز

یاں کی کیا مجال جو تجھ تک پہونچ سکے
کرتا پھرے ہے گرد ترے اہتمام ناز

[illegible] جائے اپنے ابرو و مژگاں دکھا اُسے
مسجد میں اپنی صف پہ کرے ہے امام ناز

ساقی گئی بہار رہی دل میں یہ ہوس
تو منتوں سے جام دے اور میں کہوں کہ بس

کچھ اس چمن میں آکے نہ دیکھا میں جوں حباب
آبِ رواں کو سیر کیا سو بھی یک نفس

ردیف شین معجمہ

یوں دیکھ مرے دیدۂ پُر آب کی گردش
دریا میں ہو جس طرح سے گرداب کی گردش

مرتا ہوں ترے واسطے روتا ہوں زبس یار
ہے سیل مری چشم میں گرداب کی گردش

پھر جاتی ہیں اس طرح سے اک پل میں وہ انکھیاں
جوں بزم میں ہو جام مے ناب کی گردش

ازبسکہ ہے آنکھوں میں خمار اس گھڑی ساقی
مے مانگے ہے تجھ سے ہر احباب کی گردش

گو خاک ہوا تو بھی پھرا بن کے بگولا
ہو کر نہ گئی عاشقِ بیتاب کی گردش

جنس خرد و صبر بن اس دل کو ہو کیا چین
مفلس کو بُری ہوتی ہے اسباب کی گردش

دل زلف و رخِ یار میں سودا نہ پھرے کیوں
خوش آئے ہے اس کو شبِ مہتاب کی گردش

رکھتے ہیں تری زلف کے ہر تار کا خلش
کس برہمن کے دل میں ہے زنّار کا خلش

گر ہو نصیب مرغِ چمن تجھ گلی کی سیر
پھر دل میں اس کے ہوئے نہ گلزار کا خلش

خطرہ نہیں کچھ اور ہمیں روزِ حشر سے
گر دل میں ہے تو اپنی ہی کردار کا خلش

ایسا نہیں ہے غنچہ کوئی جسکے دل میں یار
ہووے نہ تیرے گوشۂ دستار کا خلش

کیا جانیے کہ اس سے کہے گا وہ کس طرح
مجکو پیامبر کی ہے گفتار کا خلس

اقرار تو کرے ہے وفا کا تو ہم سے شوخ
لیکن ہمارے دل میں ہے انکار کا خلش

سودا کے دل میں کھٹکے ہے اس شوخ کی ہوس
اے بلبلو یہ گل کے نہ ہو خار کا خلش

ماہِ نو تجھ یادِ ابرو میں ہے سینے کا خراش
کس بسولے سے ہے کم یہ ہر مہینے کا خراش

دل کے گم ہونے کا غم کب ہو نہ میرا جاں تراش
جب سلیماں کے ہو سینے میں نگینے کا تراش

کوئی چیز ایسی نہیں مجکو جو ہو سوہانِ روح
تیری دوری میں مگر دل کو ہے جینے کا خراش

در زخمِ تیز کی اُس کی نہ ہو لذت تمام
آگے سوزن کی خلش ہے اور سینے کا خراش

نازک اندامی کروں کیا اُسکے اے سوداؔ بیاں
شمع ساں جس کے بدن پر ہو پسینے کا خراش

دوری ہے تری اپنے دلِ زار کو آتش
ہے یادِ چمن مرغِ گرفتار کو آتش

ہم گرم تگاپو ہیں تری راہِ طلب میں
یاں آبلۂ پا ہے سرِ خار کو آتش

اب شیخ و برہمن ہیں مبرّا ز مذاہب
تجھ عشق نے دی سبحہ و زنّار کو آتش

کچھ سوزِ محبت کا نہیں دل میں ہمارے
گلخن کے لگی ہے در و دیوار کو آتش

اندام میں کچھ اس کے تپِ ہجر نہیں ہے
دی عشق نے ظالم ترے بیمار کو آتش

گل سر پہ نہیں دوڑو بجھانے کو مریدو
زاہد کے لگی گوشۂ دستار کو آتش

لے دخترِ رز بھاگی ہے گھر محتسب آکر
دیوے جو کہیں خانۂ خمار کو آتش

ابر اُس کو بجھاتا ہے وہ بُجھتی نہیں سوداؔ
دی لالۂ خودرو نے یہ کہسار کو آتش

سینے میں ہوا نالہ و پہلو میں دل آتش
دھڑکے ہے پڑا دل کہ نہ ہو مشتعل آتش

اشک آتش و خوں آتش و ہر لختِ دل آتش
آتش پہ برستی ہے پڑی متصل آتش

یک لخت نہ قطرہ نہ ٹپکے مرے دیدہ و دل سے
نادم تو سمندر ہے سدا منفعل آتش

یاقوت نہیں ہے وہ ترے لعل سے اے شوخ
جا ڈوب ہوئی آب میں ہو کر خجل آتش

داغ آج سے رکھتا نہیں ان سنگدلوں کا
مدت سے ہوئی ہے مری چھاتی پہ سِل آتش

دل عشق کے شعلے سے جو بھڑکا تو رہا کیا
اے جان نکل جا کہ لگی متصل آتش

یک قطرہ مے لے اُڑی سودا کو جگہ سے
باروت کے توڑے رہے بس ایک تل آتش

دیں شیخ و برہمن نے کیا یار فراموش
یہ سبحہ فراموش وہ زنّار فراموش

دیکھا جو حرم کو تو نہیں دیر کی وسعت
اس گھر کی فضا کر گیا معمار فراموش

بھولے نہ کبھی دل سے مرا مصرعِ جانکاہ
نالہ نہ کرے مرغ گرفتار فراموش

دل سے نہ گئی آہ ہوس سیر چمن کی
اور ہم نے کیا رخنۂ دیوار فراموش

یا نالے کو کر منع تو یا گریہ کو ناصح
دو چیز نہ عاشق سے ہو یکبار فراموش

بھولا بھروں ہوں آپ کو اک عمر سے لیکن
تجکو نہ کیا دل سے میں زنہار فراموش

دل درد سے کس طرح مرا خالی ہو سودا
وہ ناشنوا حرف میں گفتار فراموش

آشیاں کو مت اُجاڑو کر کے فریاد و خروش
باغباں ظالم ابھی سویا ہے اے بلبل خموش

دیکھیے وہ آنکھیں کوئی شراب ابرو کے تلے
اے مسلمانوں ہے مسجد میں دکانِ مے فروش

لالہ و گل سے نہ پوچھو یہ زمینِ سُرخ رنگ
خونِ ناحق نے ہماری خاک سے مارا ہے جوش

اُبھرے ہے کیا حباب نمط اے حریر پوش
یاں جس کو دیکھیے سو ہوا ہے کفن بدوش

سُکھ نیند زیرِ سقفِ فلک کیونکہ سو سکوں
ایدھر دُہل بجے ہے اُدھر نوحہ خروش

ردیف صاد مہملہ

آرام پھر کہاں ہے جو ہو دل میں جائے حرص
آسودہ زیر چرخ نہیں آشنائے حرص

ممکن نہیں ہے یہ کہ بھرے کاسۂ طمع
دن میں کروڑ در جو پھراوے گدائے حرص

انساں نہ ہو ذلیل زمانہ کے ہاتھ سے
ذلت کوئی کسی کو نہ دیوے سوائے حرص

کر منھ کو ٹک بسوئے قناعت یہ حرف مان
رہتی ہے لاکھ طرح کی آفت قفائے حرص

ناداں تلاشِ طرۂ زر سے تو باز آ جوں شمع یوں نہ ہو کہ ترا سر کٹائے حرص
اپنے سوا کسی کو نہ پایا حریص حیف کی قطع روزگار نے ہم پر قبائے حرص

سودا بسر ہو خوبیِ اوقات ہر طرح
پر درمیاں نہ ہووے بشرطیکہ پائے حرص

وہ مانگتا ہوں ترے حق میں مہرباں اخلاص رکھے ہے خضر سے جو عمرِ جاوداں اخلاص
دلوں میں بہتوں کے میں ڈھونڈ ڈھونڈھ کر ہارا کہیں جو پایا بھی میں نے تو بر زباں اخلاص
مجھے یقیں ہے کہ اخلاص بھی ہے زر کا نام کرے گدا سے نہ نواب اور خاں اخلاص
دل اس کا کیونکہ ملے دل مرے سے اے یارو جہاں ہو شیشہ و سنگ اس جگہ کہاں اخلاص
وہ کیونکہ دوست ہو مجھ سے مگر خدا چاہے تو ہووے پنبہ و آتش کے درمیاں اخلاص
نہ اپنی دید میں آیا کبھی بروئے زمیں بنام ہوش کہیں زیرِ آسماں اخلاص
نہ کر جوان سے اے پیر دوستی کا فکر کہیں ہوا ہے رکھے تیر یا کماں اخلاص
ثباتِ دوستی اے دل نہ دلبروں سے چاہ کہ بارہا میں کیا ان سے امتحاں اخلاص

بہار کو اس کے تو آزردہ مت کر اے سودا
اگر ہے طالبِ گل رکھ بہ پاسباں اخلاص

ایک ہم سے تجھے نہیں اخلاص گھر بہ گھر تجکو ہر کہیں اخلاص
رُوسیاہی سوا نہیں حاصل نام سے مت کر اے نگیں اخلاص
دیکھ تجھ زلف درد کی اُلفت کرتے ہیں آج کفر و دیں اخلاص
روز ہی ہم سے تیں رکھا پیارے واہ وا رحمت آفریں اخلاص
مثلِ نقشِ قدم پہ رکھتی ہے تیرے در سے مری جبیں اخلاص
گر تمنا گہر کی ہے تو کر چشم میری سے آستیں اخلاص
آدم اس دام میں پھنسا سودا رکھے دانے سے خوشہ چیں اخلاص

ردیف ضاد معجمہ

چھوڑا ہیں کفر و دین فقط یار سے غرض
تسبیح سے نہ کام نہ زنّار سے غرض

سینے میں دل جو ہے سو تری یاد کے لیے
جز دید کیا ہے دیدۂ خونبار سے غرض

طوبیٰ کی تجکو چھاؤں مبارک ہو زاہدا
ہے دل کو اپنے سایۂ دیوار سے غرض

پیارے کہیں یہ مفت ترے دام مرنہ جائے
غافل نہ ہو تو مرغِ گرفتار سے غرض

آتے ہیں تیرے کوچے میں سر سے کفن کو باندھ
ہم کو ڈرا نہ شوخ تو دو چار سے غرض

لے جا تو دختِ رز کو پکڑ ہاتھ محتسب
ہرگز نہیں ہے کچھ ہمیں مردار سے غرض

پرسش مرے عمل کی جو ہو روز حشر میں
پوچھا نہ جائے اور گنہگار سے غرض

تم کان دھر سنو نہ سنو اُس کے حرف کو
سودا کو ہے گی اپنی ہی گفتار سے غرض

دیکھ لینا ہم کو تیرا یار ہے جب تک غرض
اس سوا نہ روز ہے کچھ مدعا نہ شب غرض

دوستی کا مارتے ہیں یکدگر دم آشنا
ہووے ہے معلوم باہم آپڑی ہے جب غرض

چاہ جو کچھ کر رہے دنیا و مافیہا ترا
پر کسی سے تو کسی سے ڈال مت یارب غرض

میں کہا شب آج یاں رہتے تو یوں بولا وہ شوخ
رات کے رہنے کی مت رکھیو تو مجھ سے اب غرض

مدعا سودا نہ ایسے یار سے معلوم ہو
جی نکل جاوے کسی کا اُس سے نکلی تب غرض

چشم بینا ہو تو لے کر گل ہی سے تا رخار فیض
بخشے ہے یارو بہر صورت جمالِ یار فیض

شیخ صاحب سے مریدوں کو نہیں زنہار فیض
بخشے ہے رندوں کو ان کا جبہ و دستار فیض

خط سبز اُس رخ سے عارض پر ہوئی دونی بہار
یہ وہ آئینہ ہے پہونچا دے جسے زنگار فیض

فیض [illegible] تار عقیدت [illegible]
نفع نے تسبیح بخشے ہے نہ کچھ زنّار فیض

بخشے ہے یوں دل کو میرے تقویت دشنام یار
جوں دوائے تلخ سے پاوے کوئی بیمار فیض

مہر سے جوں مہ کو پہونچے ہے ضیا جو خوب رو
تیرے سنمکھ ہو تو پہونچاوے ترا رخسار فیض

جی نچے دوں ہمتوں سے تو غنیمت جانیے
کس کو گنج آنے سے پہونچاوے ہے یار و یار فیض

کر کے صاف آئینۂ دل اُس میں تو دیکھ آپ کو
بخشے گا اے یار تیرا ہی تجھے دیدار فیض

تو نے وہ سودا زبانِ ریختہ ایجاد کی
پڑھ کے اک عالم اُٹھاتا ہے ترے اشعار فیض

ردیف طاء مہملہ

سر سبز حسن رکھتی ہے تیرا بہار خط
دل کس طرح سے ہو نہ ہمارا نثارِ خط

آنکھیں برنگ نقش قدم ہو گئیں سفید
اس سے زیادہ خاک کروں انتظارِ خط

بے مہر خط جو ہو تو نہیں اُس کو اعتبار
عارض کے حال سے ہے ترا اعتبارِ خط

اوروں کے خط کی طرح سمجھتا نہ میں یہ خط
گرد آئنہ کے منھ پہ ہے تیرے غبارِ خط

آنکھیں تو صید تھیں ترے چہرے کی خال کے
دل ان دنوں ہوا ہے پیارے شکارِ خط

آفاق کو خراب ترے حسن نے کیا
رسوائے زلف خلق ہے، عالم ہے خوارِ خط

پہونچا ہے کوئی قاصد سودا کبھی یار تک
دل کس طرح سے ہو نہ ہمارا نثارِ خط

تری انکھوں کی طرح سے نہ رکھے جام نشاط
مے میں کد ھر ہے جو رکھتے ہیں یہ یادام نشاط

مطلع ثانی

تو ہو گر پاس تو ہے صبح طرب شام نشاط
دیکھنا تجکو ہے اے جان دل آرام نشاط

فضلِ حق جس کی طرف ہو تو اُسے بخشے ہے
دور ساغر کی طرح گردشِ ایام نشاط

دل جنھوں کا ہے اسیری کے مزے سے آگاہ / ہے قفس بیچ اُسے عیش نہ دام نشاط

عکس تا اُن کی نگہ کا نہ پڑے دام کے بیچ / ہو سکے نشۂ مے سے نہ سرانجام نشاط

دیکھ ہوتے ہیں تجھے قمری و بلبل شاداں / تو ہے اس باغ میں اے سروِ گل اندام نشاط

شیشہ ہے زیرِ بغل آبلہ دل ہے **سودا**

مے سے ہم کو نہیں بے ساقیِ گلفام نشاط

سمجھے تھے ہم جو دوست تجھے اے میاں غلط / تیرا نہیں ہے جُرم ہمارا گماں غلط

کھاتے جو ہو قسم کہ تجھے چاہتا ہوں میں / مشفق غلط ملاذ غلط مہرباں غلط

ساقی نہ ہو تو سیرِ چمن کا ہے کیا مزا / جانا بغیر بادہ سوئے بوستاں غلط

زاہد جو کوزہ پشت ہوا اُسکی نظر سے بیچ / کرتی نہیں ہے تیر کبھو یہ کماں غلط

جو حُسن دیکھتا ہوں میں خندق پہ یار کے / وہ لطف کب رکھے ہے گلِ ارغواں غلط

بہکیں نہ رفتگانِ عدم رستہ سے کبھو / ہرگز کرے نہ راہ کو یہ کارواں غلط

مردوں کی بات ایک ہے **سودا** سے سُن صنم

مانندِ خامہ اُن کی نہ پلٹے کماں غلط

چاہتا نفع فرومایہ سے واللہ غلط / در کو سمجھے جو کوئی ہے یہ تہِ چاہ غلط

خواہ اے رشکِ چمن راست سمجھ خواہ غلط / گُل ترے عہد سے بلبل کا ہو دلخواہ غلط

ٹکڑے ٹکڑے ہے کتاں تجھ بدنِ سیمیں پر / عاشقِ مہ نہ سمجھ اُس کو ہے واللہ غلط

عشق تیرا میں چھپایا تو ہے دل میں لیکن / مخفیِ آتش کا ہے رہنا بہ تہِ خاک غلط

شمع ساں سوزِ دل اپنے کا کہوں گا میں راز / چاہو کاٹے سے زباں ہو مری کوتاہ غلط

دونوں سے ہم نے اثر دل میں نہ پایا اسکے / نالۂ شب ہے عبث آہِ سحرگاہ غلط

اب تو ہے آمد و شد آپ کی ہر ایک جگہ / راہ ایدھر بھی تو کیجیے گہ و بے گاہ غلط

دیدہ کچھ منع نہیں عیش جہاں کا پر اُسے / سمجھیے گر نہ تماشائے سرِ راہ غلط

جز میں کل وہی جانے ہے جو ہو واقف راز — قطرے کو بحر نہ سمجھے دلِ آگاہ غلط
بادہ سے شیخ کو نفرت ہے بہت زاہد کے — ہر گز کسی سے ہو پرائے اسے اکراہ غلط
بزم آراستہ کی جس کے لیے اے سودا! — آج آنے کی خبر اُس کی ہے افواہ غلط

چودھویں رات ہے اور وہ دل عالم کا چور
دزد کا گھر سے نکلنا بشبِ ماہ غلط

تجھ سے چاہوں کہ محبت کا ہو نرباہ غلط — یارو واللہ غلط فہمی ہے باللہ غلط
نہیں نادان میں کہ ہوں مہر کا طالب تجھ سے — شعلے سے چاہے محبت جو پرِ کاہ غلط
جیوے تو جیوے کوئی اپنے نصیبوں ورنہ — جان اُس کی ہے تو لے جس کا ہو دلخواہ غلط
سُن کے سو وصف ترا ہم تو ملے تھے تجھ سے — پر جو دیکھا تجھے بھی محض یہ افواہ غلط
جی سے نفرت ہے کسی سے جو تجھے سو ہم ہیں — صحبتِ بد سے ترے دل کو ہو اکراہ غلط
یہ خطر دے ہے جو تو دکھ یہ کہاں سے جانا — تیری تاثیر سے ہر بار مری آہ غلط
دردِ دل جن نے کہا تجھ سے مرا لاکھ طرح — یہی سُن سُن کے کہا تونے کہ واللہ غلط
وعدہ کرتے ہیں جو طناز جہاں عاشق سے — گاہ کرتے ہیں وفا اُس کے تئیں گاہ غلط
یہ غضب جھوٹ نہ دیکھا میں کہیں اے کاذب — عہد روزانہ غلط قول شبِ ماہ غلط
نہ ہوا یہ کہ مرے کلبۂ احزاں کی طرف — آتے جاتے تو کسی گھر کی کرے راہ غلط

گر کوئی سمجھے کہ اے یار زباں سودا کی
مرتے مرتے ترے شکوے سے ہو کوتاہ غلط

یوں ہی طریق عشق میں ہو راست یا غلط — اجرِ جفا درست ہے مژدہ وفا غلط
قاتل کو بے گناہ تو پہونچے ہے مژدہ قتل — وارث اگر قتیل کا لے خوں بہا غلط
وا شد ہے دل مرے کو دمِ سرد سے ترے — اس غنچہ کو شگفتہ کرے گر صبا غلط
سرتا بپا جوں دستۂ نرگس کی طرح چشم — ہو وے اگر وہ شوخ ادھر دیکھتا غلط

قامت کو اپنے یار کے تشبیہ سرو سے
سودا اگر میں دوں تو سرتاپا غلط

•

ردیف ظاء معجمہ

اُٹھتے نشہ میں محبت کے خط یار سے حظ
بغیر بادہ چمن بیچ کیا بہار سے حظ

ہلال عید سے یہ عیش ہے نہ صائم کو
جو مجکو یار کی ہے تیغ آبدار سے حظ

یہ لخت دل مری پلکوں پہ چشم تر کے دیکھ
کیا جو چاہے تو دریا پہ لالہ زار سے حظ

عبث ہیں منتظر اس شوخ کی مری آنکھیں
سوائے آئنہ کس کو ہے انتظار سے حظ

مجھے بھی عیش ہے یہ تیرے گرد پھرنے میں
کہ جوں پتنگ کو ہے شمع کے نثار سے حظ

کسی شراب سے پائی نہ وہ حلاوت میں
کیا ہے یاد میں ساقی کے جو خمار سے حظ

عجب ہے تنگ سلاسل میں ہو نہ دیوانہ
رہے ہے دل، کو مری زلف تابدار سے حظ

حلاوت اتنی ہے اس باغ دل کے کینے سے
کہ جوں بخیل کو درہم کی ہو شمار سے حظ

ہزار سیر کرے شہر شہر کی سودا
اُٹھے گا دل ہی کے اپنے تجھے دیار سے حظ

زہے وہ معنیِ قرآں کہے جو تو واعظ
پھٹے دہن کے تئیں اپنے کو رفو واعظ

مجھے یہ فکر ہے تو اپنی ہرزہ گوئی کا
جواب دیوے گا کیا حق کے روبرو واعظ

خدا کے واسطے چپ رہ اُتر تو منبر سے
حدیث و آیہ کو مت پڑھ تو بے وضو واعظ

سُنا کسی سے تو نامِ بہشت پر تجھ کو
گلِ بہشت کی پہونچی نہیں ہے بو واعظ

ثبوت حق کی کرنی سبھوں پہ ہے لیکن
تری تو نفی کرم پر ہے گفتگو واعظ

ڈروں ہوں میں نہ کریں رند تیری داڑھی کا
تبرکات میں داخل ہر ایک مو واعظ

ہزار شیشۂ مے اس میں تیں چھپاتا ہے
تری جو پگڑی ہے یہ صورتِ سبو واعظ

سخن ہے وہ کہ موثر دلوں کا ہو ناداں
یہ پوچ گوئی ہے جس سے ہے تجکو خود واعظ

کہا تو مان لے سوداؔ کا تو بہ کر اس سے
لب و دہن کے تئیں کر کے شست وشو واعظ

ردیف عین مہملہ

اشک کے قطرے سے نیساں کا اثر رکھتی ہے شمع
سر سے لے کر تا قدم سلکِ گہر رکھتی ہے شمع

کون ہے میرا بجز پروانہ مرغ نامہ بر
شرح سے مکتوب کے میرے خبر رکھتی ہے شمع

تو مرے غم سے نہ رویا اور میری خاک پر
شام سے تا صبح اپنی چشم تر رکھتی ہے شمع

رہروِ سوئے عدم کو جنبش پا کیا ہے، شرط
خانۂ فانوس میں ہر شب سفر رکھتی ہے شمع

جس قدر جلتے ہیں تیرے ہجر میں اعضا مرے
استخواں میں اپنے کب سوز اسقدر رکھتی ہے شمع

شعلہ پر، ہر چند دل پروانہ کا بھی ہے نثار
واسطے جلنے کے پر کیا ہی جگر رکھتی ہے شمع

حسن کو سوداؔ جو دعویٰ سلطنت کا اب نہیں
سر پہ اپنے کس لیئے یہ تاج زر رکھتی ہے شمع

گو اب نہ مجھ غریب کے بالیں تک آئے شمع
دل بیکسی کا مجھ پہ جلے ہے بجائے شمع

پروانہ کے ہوں میں اثرِ عشق سے خجل
کیوں منفعل تجھے نہیں کرتی وفائے شمع

آتا ہے جی میں یہ کہ قدم تیرے چھوڑ کر
کر رہیے جوں پتنگ بہم ہو کے پائے شمع

عذرِ گناہ سے ہیں پتنگوں کے داغ ہوں
ظالم جلے ہے آپ تو کرتا ہے ہائے شمع

ٹپکا نہ تیرے چشم سے مجھ پر نہ گر [illegible]
جلنے [illegible] آگے جلائے شمع

غزل

لطف اس چہرہ کے آگے بھی کہاں رکھتی ہے شمع
خوبی نظروں میں جہاں رکھتی ہو واں رکھتی ہو شمع

بس اٹھا آگے سے اپنے بھی نہ کر اس کو نصیحت
چشم پروانہ میں اک عزت و شاں رکھتی ہے شمع

ہستی یہ ہے کہ ہے بلہ طویل القامت
حُسن تیرا سا منہ اپنے پہ گماں رکھتی ہے شمع

سر پہ اسکے بھی کیا فرض دھویں کی لٹ ہے
کاکل اس طرح کی کب مشک فشاں رکھتی ہے شمع

ملتے اپنے دہنوں سے کوئی آتش نفساں
گذرے ہے سر ہی سے واں پاؤں جہاں رکھتی ہے شمع

جان تک دے چکے بات اپنی پہ دل سوختگاں
واسطے سر ہی کٹانے کے زباں رکھتی ہے شمع

کیا کیا اس خانۂ پُر دود میں بزم آرا
سو نہ اب نام ہے اس کا نہ نشاں رکھتی ہے شمع

کٹتی ہے عمر تاسف ہی میں اس بزم کے بیچ
تو ہے انگشت کہ جس کو بدہاں رکھتی ہے شمع

ترے بیمار کے بالیں پہ نہ تنہا آپ ہی
شام سے صبح تلک اشک رواں رکھتی ہے شمع

شمع شبہائے محرم کی طرح اپنے ساتھ
ایک عالم کے تئیں گریہ کناں رکھتی ہے شمع

شہرۂ تاب و تب از بس ہے زباں زد اسکا
ہم بھی کہہ دیں جو کوئی پوچھے کہاں رکھتی ہے شمع

سوز تا سوز تفاوت ہے یقیں کر سودا
داغ جو دل پہ ہے اپنے سو کہاں رکھتی ہے شمع

مژگاں کی گر خلش کا بدل ڈھنگ ہے وسیع
سینہ بھی یاں برائے صفِ جنگ ہے وسیع

زاہد جگہ نہ واں ہو تو حاضر ہے گھر مرا
میخانہ مثل کعبہ نہیں تنگ ہے وسیع

نقص صفائی اپنا نہ پہونچا تو واں تلک
آئینہ خانہ ورنہ بہر سنگ ہے وسیع

دامان سیل اشک مرا ہجر میں ترے
مانند دامن جمن و گنگ ہے وسیع

بے ہمتی سبب ننگ و دو کا ہے ورنہ یار
روزی برائے کورو کر ڈھنگ ہے وسیع

چڑیا سے لے بچا ہے نہ سیمرغ تنگ کیجو
شہباز عشق کا بھی عجب چنگ ہے وسیع

تکموں کے واسطے ترے نیمہ کے سرو ناز
گلشن میں تختۂ گل اور رنگ ہے وسیع

خواہش جنھیں ہے ملک کی انکو نہیں یہ فہم
دو گز زمین نداں تہ سنگ ہے وسیع

بادہ پہ گو کہ عرصہ کیا محتسب نے تنگ
سودا کے واسطے قدح بنگ ہے وسیع

ردیف غین معجمہ

اے لالہ گو فلک نے دیے تجکو چار داغ
چھاتی مری سراہ کہ یک دل ہزار داغ

ڈرتا ہے جوں سپند کہیں اب چٹک نہ جلئے
ہے سوز دِل مرے سے نپٹ بے قرار داغ

سینے سے سوزِ عشق ترا ہاتھ کب اُٹھائے
تا پھوٹ کر جگر سے نہ ہو جائے یار داغ

خورشید حشر ڈھونڈے تو پاوے نہ منھ پہ تنگ
ہو جائے دل مرے کا اگر اُس سے دو چار داغ

دل سوز عاشقاں کوئی سوداؔ سا اب نہیں
پروانہ جل مرے تو وہ ہو شمع دار داغ

آتش ہے میرا بوجھ سمندر زوری داغ
سوزش میں کہوں اُس سے میں کھتا ہوں کے داغ

پروانہ کی اور شمع کی نسبت سے ہے روشن
بیداغ ہوئے عشق کو کب حسن کرے داغ

عاشق ہی کے سینے کو ہے اس سوز کی برداشت
تجھ عشق سے کب کھا سکے ہر ماچہ خرے داغ

اے چرخ نہیں تجھ سے میں خواہاں زر و مال
دل کو تو مرے رکھ بتم سیمبری داغ

بے مہر ہے اُسکی سندِ عشق جو کوئی
عشاق میں دل اپنے کو جبتک نہ کیے داغ

ہے خواہشِ گلزار تو سینے کو مرے دیکھ
تختے سے چمن کے ہیں فزود اُس پہ بھرے داغ

سوداؔ نظر آتا ہے بہار آنے کا آثار
ہوتے چلے ہیں پھر مرے سینے کے ہرے داغ

مانند سے میں اپنے نہیں اے رشک پری داغ
کرتی ہے مرے دل کے تئیں بے اثری داغ

یاروں کی مجھے سوختت کیا بے اثری نے
ہر ایک گیا دے کے رفیقِ سفری داغ

پہونچا کے تری زلف کی بو غیر کو یارب
کرتی ہے مجھے موج نسیم سحری داغ

جلنے کی ترے عشق میں خو ہو گئی یاں تک
لالہ کی طرح سوز سے رکھتا ہوں کئی داغ

جانے کا کسی طرح نہیں دل پہ یقیں سے
جو جرم عقیق آہ ہمارا جگری داغ

ہوتا ہوں خجل مفت میں پروانہ کے آگے   جب شمع کو کرتی ہے تری جلوہ گری داغ
طائر کو بیں پرواز میں جب دیکھوں ہوں سودا   کرتی ہے تب اپنی مجھے بے بال و پری داغ

سرد مہری سے بیاں کے مٹ گیا ہے سوز داغ   کر دیا اُن ظالموں نے ملک دل کا بے چراغ
وائے اس پیشہ پہ اے بلبل کہ جسکی ہے یہ قدر   خوار ہیں کوچہ بکوچہ تو ہے رسوا باغ باغ
مملکت ساری میں یاد دگر سلیماں کو نہ تھا   گوشۂ خاطر میں اپنے ہے مجھے جو کچھ فراغ
بلبل خوش نغمہ ہوں لیک اس گلستاں میں خیال   نالۂ مرغ چمن سے کم نہیں فریاد زاغ
خوش کبھی اس بزم میں دو دل نہ دیکھے ایکجا   دم بدم مینا ہی روتا ہے جو ہنستا ہے ایاغ
حیف اس گلشن میں عاشق سے کوئی راضی نہیں   گل سدا بلبل سے ناخوش مجھ سے تو ہے بید داغ

دل اگر کھویا ہے سودا چھوڑ مت دنبال اشک
شاید اس دیوانے کا لڑکوں سے تو پاوے سراغ

کس طرح دل میں چھپاؤں تجکو میں سینہ میں داغ   دل ہے یہ گھر کی بستی پر جو روشن ہو چراغ
زلف دیکھو یا کمر یا چشم یا ابرو کی سمت   اتنی راہیں دل کے گم ہونے کی تو کیدھر سراغ
قہقہہ مارے ہے شیشہ ہی نہ میرے عیش پر   تجھ بن اے ساقی مرا منھ دیکھ ہنستا ہے ایاغ
جی کے خوش ہونے سے رکھتا ہے تعلق حسن لطف   رنگ و بو نکلے ہے جب غنچے کے دل کو ہو فراغ
خاکپا اُن کا ہے سودا اُن سے جو جلتے ہیں گرم   روے نادیدہ اُن سے جنکا آسماں پر ہے دماغ

کب نظر جوشش طلب رکھتی ہے سوے سرد مہر
نور مہ کو سمجھے پروانہ کم از دود چراغ

عشق کی ہو وسے تو ہے ہم کو امیری کا دماغ   دل نہ شاہی پر ہے اپنا نے فقیری کا دماغ
اس لیے خاموش رہتے ہیں چمن میں عندلیب   تجھ سے ہم رکھتے نہیں ہیں ہمصفیری کا دماغ
ہوں گوارا ایسے کی نظروں کا کہ میری خاک پر   باد کو بھی اب نہیں ہے دستگیری کا دماغ
تجھ سے کتنا ہی کریں دعوئ مریدی کا اگر   نہ ملتا دل کو ہمارے ہو نہ پیری کا دماغ

بیا اشعار کا سودا کے کیا ہے شاعرو   گفتگو میں اسکی پاتا ہوں نظیری کا دماغ

ردیف فا

[illegible] تو نہ ہرگز رہے کنعان میں یوسف   آ غرق ہو تو چاہ زنخدان میں یوسف
[illegible] اس بہار میں تو دیکھ کے تجکو   بڑھتا فتیار کو تری شان میں یوسف
[illegible] نظر بازوں کی رہتی ہے تری شکل   بستا تھا زلیخا کے دل و جان میں یوسف
[illegible] تجھے سب نے چمن میں   خاموش کہ ہے سیر گلستان میں یوسف

کیا شاہد معنی کا ترے اب میں کہوں حسن
سودا [illegible] ہیں اب ترے دیوان میں یوسف

[illegible] ستم ایجاد کی طرف   یوں صید وقت ذبح [illegible] صیاد کی طرف
[illegible] نگہ طبع روزگار   آ دیکھ نہ تازہ جور کے ایجاد کی طرف
[illegible] کیا نے [illegible]   دھنس گئے قفس میں دیکھ کے صیاد کی طرف
[illegible] ہزار [illegible]   بڑھیں گے روز حشر سو جلاد کی طرف
[illegible]   [illegible] زبان تیشہ نہ فرہاد کی طرف
[illegible]   قمری [illegible] ہے کاٹنے شمشاد کی طرف

سودا تو اس غزل کو غزل در غزل ہی کہہ
[illegible] استاد کی طرف

[illegible] کہ دل مرا بیداد کی طرف   [illegible] بہ چلا بدن سے تو جلاد کی طرف
[illegible] بات پر نہ کہوں کان مت رکھو   لیکن کبھی تو میری بھی فریاد کی طرف
[illegible]   [illegible] آنکھیں کھلیں صیاد کی طرف
[illegible]   [illegible] اس دل ناشاد کی طرف

سامان نالہ شب ہے مہیا پر اے اثر — میں دیکھتا ہوں تیری بھی امداد کی طرف
خوں کر رہا ہے جوش رگِ جاں میں تری — سودا: دیکھ نشتر فصاد کی طرف

مرضی جو آئی چرخ کی بیداد کی طرف — مائل کیے دل اُس ستم ایجاد کی طرف
تصویر ہو کے آپ ہی حیراں وہ رہ گیا — بیٹھا تو منہ کو پھیر جو بہزاد کی طرف
بھاوے نہ گل چمن اُنہ کبھی تجکو عندلیب — دیکھے جو آکے تو مرے صیاد کی طرف
صد شور محشر آوے تو یکدم نہ ہو سکے — تیرے ستم رسیدہ کی فریاد کی طرف

ردیف قاف

بلبل نہ چمن ہے گل گلزار کا عاشق — جو گل ہے سو تیرے گل رخسار کا عاشق
اے وائے براں عاشق نادار کہ جس کا — معشوق ہوا درہم و دینار کا عاشق
رشتے کو محبت کے جگہ دی ہے میں دل میں — نے سبحہ کا طالب ہوں نہ زنار کا عاشق
باتیں مجھے بھاتی ہیں بآمیزش دشنام — ہوں اس لیے اُس شوخ کی گفتار کا عاشق
ہے سرو سے قامت کے تری قمری تو واللہ — اور کبک دری تک تری رفتار کا عاشق
بچ کر رہ میخانہ سے اے شیخ نکلنا — ہر رند ہے واں جبہ و دستار کا عاشق

کیا قدر رکھے جنس دل اس شخص کی سودا
جس کا ہو فروشندہ خریدار کا عاشق

رنگ سے چہرے کے رسوا ہوئے ہے بیمار عشق — عشق کو بارہ چھپا سکتا نہیں [illegible]
گاہ اشکِ تر گہے خوں گاہ ہیں لختِ جگر — اس طرح جاری ہے ان آنکھوں [illegible]
کیا کہوں اس نے مجھے جو کر دیا بے خانماں — گھر بہ کافر کے نہ پڑیو سایۂ دیوار [illegible]
ترک مجھ سے کیونکہ ہو عشقِ بتاں اے اہل دیں — سمجھوں ہوں تارِ نفس کو اپنے میں زنار [illegible]
خط سمجھ اے دل نہ اُس عارض کے ملکِ حسن میں — اتری ہے یہ فوج بہرِ غارتِ گلزار [illegible]

تھے سکندر طالع اُس دم تک کہ تھا دل اپنے میں
کھا گیا افسوس اس آئینہ کو زنگار عشق

اس چمن میں طرح بلبل کے وہ نالاں کیوں نہ ہو
روز و شب کھٹکا کرے سینہ میں جسکے خارِ عشق

گو کہیں عاشق ہے اے سوداؔ تو میں تجھ سے کہوں
وہ عمل میں لائیو جو نیک ہو کردارِ عشق

عشق کے راہ شریعت سے قدم باہر نہ رکھ
سمجھے ہے دوزخ کو اپنا ایک کرشمہ نارِ عشق

ناصح نہ اُن سے بک جو ہیں آگاہ رازِ عشق
وہ کر چکیں ہیں دین و دل و جاں نیازِ عشق

جھلکے ہے ان میں حق کی تجلی کہ جو کوئی
جوں شمع ہو رہے ہیں سراپا گدازِ عشق

پروانہ رات شمع سے کہتا تھا رازِ عشق
مجھ ناتواں نے کیا کیا اُٹھایا ہے نازِ عشق

سینہ سپر ہے اُس کا سدا پیش تیغ یار
ہیں جو کیے ہوئے بجہاں سرفرازِ عشق

گر سخت تر ہے سنگ سے بھی جان عاشقاں
ہے مثل موم داں ہی جہاں تہ کو نازِ عشق

ہے حقِ بجانب آپ کے پیارے غرور کا
دیکھا نہیں ہے آج تلک اُس نے نازِ عشق

محراب تیغ دوست سلامت رہے مدام
کعبے میں کب یہ جا سکے پڑھ ہوں گا نمازِ عشق

سوداؔ یہ قصہ خط سے نہ کوتاہ ہو سکے
ہے حُسن زلف یار سے عمر درازِ عشق

عشق کے بازار میں کیا ہے جز اشیائے فراق
دے کے نقد دل نہ کر زنہار سودائے فراق

دوستانِ رفتہ کا اتنا فراق اے دل تجھے
مل رہیں گے ایک دن ہرگز نہیں جائے فراق

بس نہ تھا اک داغ اے دل پھر تو اس سے لگ چلا
اُس دبی آتش کو [illegible] سلگائے فراق

وصل کر اُس شوخ کا سوداؔ ہو تیری واستداد
ہو جیو منزد رمت ہے درمیان پائے فراق

زندگی کیوں نہ ہووے مجھ پر شاق
یار بے اعتنا و دل مشتاق

نخچہ بن اعضا کا ہے یہ میرے حال
تار شیرازہ بن ہوئیں جوں اوراق

عشق تیرے میں سب منافق ہیں
ایک غم کو نہیں ہے مجھ سے نفاق

الفت اس دل سے کب ہو دل کو مرے
یہ تو ہے لعل وہ ہے سنگِ ساق

غم نہیں اُس کی بے وفائی کا
کرے ترکِ وفا نہ ہم سے فراق

جور تو ہے بجو گرانِ ستم
کرر کھوتہ دو روزہ کا اشفاق

شیخ صاحب کے عقد میں دنیا
آئی تھی کب جو دی انھوں نے طلاق

دیکھ زاہد کے سر عمامہ تو
ہاتھ اُٹھا رند بولے یا رزّاق

بخشے تجھ خط سے جب چمن میں بہار
زور ہی کے خزاں نے آشلاق

بدر کیا اُس کے آگے اے سودا!
منھ تو دیکھو کہ جیسے ہووے طباق

•

ردیف کاف

شمع اُس عارض کے سب کہتے ہیں پہونچی نور تک
ہم سے جو پوچھے کوئی ہے حرف شمعِ طور تک

بس چلے تو دیکھنے ہرگز تجھے تجکو نہ دوں
آئینہ گھر میں ترے رہنے نہ دوں مقدور تک

آن کراس میکدے کے بیچ جز چشم پُر آب
قسمت اپنی ہم نہ پائے ساغرِ معمور تک

رہیو مت غافل نگاہ حسرت آلودہ اُسکی سے
پہونچے وقتِ جانکنی گر اپنے تو رنجور تک

دل نہ دے ان سادہ رو کے تو نمک کو دیکھ کر
تخمِ اُلفت کو نہ پہونچا اس زمینِ شور تک

باغ ہاتھ آوے تو کریں غصب اہلِ اتقا
نسبت مے سے نہ چکھیں دانۂ انگور تک

کون سے عارف کو یاں دعوٰی خدائی کا نہیں
یہ ترانہ ختم لیکن ہو چکا منصور تک

فی الحقیقت جو مقامِ وجد ہے اے شیخنا
وہ نہیں وابستہ ہرگز ڈھولک و طنبور تک

خوبیِ میخانہ و ساقی نہیں اُس کے نصیب
پہونچے گو زاہد عبادت سے قصورِ حور تک

ہجو ہے اُس زلف کی تشبیہ دینا مشک سے
شاعرو یہ بات پہونچی ہے دراز و دور تک

یہ غزل سودا کہی ہے تو نے اس انداز کی
ہند سے پہونچے گی ہاتھوں ہاتھ تبتا پور تک

رہنے اس فصل میں لے بلبلو گل ناتواں یاں تک
کہ نالہ لب تلک پہونچا نہ چاک جیب داماں تک

کوئی تیماردار دل سے یہ کہیو جا کے جاناں تک
مریض عشق کا تیرے نہ پہونچا کام درماں تک

عجب باندھوں ہوں لکھ لکھ شرح دل بال کبوتر سے
دلوں کے اڑ گئے پرزے نہ پہونچی کچھ خبر واں تک

ترے غم کا دل پرخون سے استقبال کرنے کو
وہ قطرہ نارسا طالع ہے جو پہونچے نہ مژگاں تک

روا کرتا ہے کیا دل کو کھوا کر خال پر سودا
کہیں خطرا گیا اُس کے تو ظالم حرف ہے جاں تک

آباد شہر دل تھا اُسے شہر یار تک
پہونچا نہ آ کوئی پھر اس اُجڑے دیار تک

ٹک دیکھ لیں چمن کو چلو لالہ زار تک
کیا جانیں پھر جئیں نہ جئیں ہم بہار تک

دیکھا نہ اُس کو دو ہیں گماں سو طرف کیا
آئے نہ ہوتے کاشکے ہم کوئے یار تک

قسمت نے دور ایسا ہی پھینکا ہمیں کہ ہم
پھر جیتے جی پہونچ نہ سکے اپنے یار تک

ساقی سمجھ کے دیجیو جام شراب عشق
آخر کو کام پہونچے گا اُس کا خمار تک

غزل

دیکھا کروں میں دور سے اے یار کب تلک
تڑپا کرے مرا یہ دل زار کب تلک

تنہا میں بستر اپنے پہ فکر وصال میں
لوں کروٹیں سدا یہ شب تار کب تلک

کچھ وصل میں نہیں مرض عشق کی دوا
جیویں کہو تو ہجر میں بیمار کب تلک

سچی اگر ہو بات تو آوے ظہور میں
جھوٹے قبول کیجے یہ اقرار کب تلک

دو روز کی بہار پہ اتنا نہ کر غرور
پیارے یہ باغ حسن کا گلزار کب تلک

رخصت جو در تلک کبھی مجھے دے نہ باغباں
جھانکا کروں میں رخنۂ دیوار کب تلک

رشتہ نہ ہو ستم کی جو الفت کا ہاتھ میں
گردن میں برہمن رکھے زنار کب تلک

اب کیجیے مرے مرض عشق کی دوا
رہیے گا دل کے در پے آزار کب تلک

یوسف نہ ہاتھ آئے جو سودا بہ نقد دل ‏ / بیٹھا رہے دکاں پہ خریدار کب تلک

خط آچکا پہ مجھ سے وہی ڈھنگ اب تلک / ویسا ہی میرے نام سے ہے ننگ اب تلک

دیکھے ہے مجکو اپنی گلی میں تو پھر مجھے / ویسی ہی گالیاں ہیں وہی سنگ اب تلک

سب سے ہوا یہ ربط کہ جوں غنچہ و نسیم / رہتا ہے مجھ سے ویسا ہی دلتنگ اب تلک

عالم سے کی ہے صلح مگر ایک میرے ساتھ / جھگڑے وہی عبث کے وہی جنگ اب تلک

دیکھے نہ مجکو تا نہ کرے تیغ پر نگاہ / یاں تک ہے میرے قتل کا آہنگ اب تلک

سنتا ہے جس جگہ وہ مرا ذکر ایک بار / بھاگے ہے واں سے لاکھ ہی فرسنگ اب تلک

سودا نکل چکا ہے وہ ہنگام ناز سے
پر مجھ سے ہے ادا کا وہی رنگ اب تلک

رخ سے دیکھوں ہوں میں اس لف سیہ فام تلک / شام سے صبح تلک صبح سے لے تا شام تلک

یک نفس گرد چمن ہم نہ ہوئے بال افشاں / آشیانے سے اٹھ اک رات گئے دام تلک

آپ سا مجکو تو زاہد نہ سمجھ کر سودا / خط خوباں سے پڑھا ہوں میں خط جام تلک

شاعروں میں کب رکھے ہے شیر کی تقریر جنگ / نہ جدل تقریر میں ان کی نہ در تحریر جنگ

بعضے ایسے بھی ہیں نامعقول ہے جن کا سخن / اپنی شہرت ہونے کی سمجھے ہیں وہ تدبیر جنگ

پوچ گوئی سے نہیں ہٹتے بر میدان سخن / کہتے ہیں گویا وہ جڑ کر پاؤں میں زنجیر جنگ

یکدگر ہوتا ہی ہے سقم سخن پر اعتراض / اس پہ کیا لازم جو کیجے ہو گریباں گیر جنگ

ابرو و مژگاں کے مضموں میں کرے جو انکے دخل / کرنے یہ اس سے لگیں تا واں بہ تیغ و تیر جنگ

میں تو اب حیران ہوں ان شاعروں کی وضع پر / کرتے پھرتے ہیں جو پڑھ پڑھ شعر بے تاثیر جنگ

کچھ بھی ان میں عقل ہے اتنا سمجھتے یہ نہیں / کرتے ناحق ہر مسلماں ساتھ ہی تکفیر جنگ

ایک ان میں سے لگا سودا کے آگے پڑھنے شعر
واسطے اتنے کہ تا کیجے بایں تزویر جنگ

سن کے یہ بولا خدا کے واسطے رکھیے معاف — میں تو ہوں شاعر غریب اور آپ ہیں شمشیر جنگ
دل مسخر کر نہیں سکتے بہ تیغ و تیر جنگ — ملک تو کچھ یہ نہیں جسکو کرے تسخیر جنگ
یہ نہ کر مہر و محبت سے جو ہاتھ آوے تو آئے — اسکے ہاتھ آنے کی اے پیارے نہیں تدبیر جنگ
جنبشِ ابرو نے مارا لشکرِ صبر و قرار — ہوئے سے ہے فیصل کہ جب پہونچے ہے با شمشیر جنگ
اُس کے مل چلنے کی ہے انجام سے غفلت میں دل — پر میں سمجھا ہوں کہ ہے اس خواب کی تعبیر جنگ
جب دو صف بیجاں سپاہی ہوں تو ہو کسطرح صلح — روز و شب باہم ہے پھر جوں لشکرِ تصویر جنگ
سامنے چہرے کے تیرے مہر و مہ کا ہے یہ حال — رنگ رو نامرد کا کرتی ہے جوں تعبیر جنگ
کب سپاہی کام پر آقا کے اب دیتا ہے جی — بھوک سے کرتا ہے ہو کر زندگی سے سیر جنگ
یہ نہیں ممکن کہ وہ وحشی کسی کا ہووے رام — کرتے ہیں اُس پر عبث باہم جوان و پیر جنگ

در پڑا تحریر پر سودا کی قسمت کا لکھا
کر چکے اُس کے قلم با خامۂ تقدیر جنگ

پھونک دی ہے عشق کی تب نے ہمارے دل میں آگ — دیکھے ہے جوں شعلۂ فانوس پیراہن میں آگ
رنگ گل کچھ بے طرح دیکھے ہے اے ابرِ بہار — آشیاں میرا جھڑک لگتی ہے اب گلشن میں آگ
لالۂ خودرو نہیں ہے خون نے فرہاد کے — جوش میں آکر لگا دے کوہ کے دامن میں آگ
گر نہ ہو پانی دل اُس کا خوف سے اے شعلہ خو — لگ اُٹھی تیری نگاہِ گرم سے درپن میں آگ
رنگ یہ یاقوت کا دیکھے ہے اب انگارے کی طرح — حسرتِ لب سے تری از بس لگی معدن میں آگ
برج میں ہے دھوم ہووے گی ولیکن تجھ بغیر — یہ گلال اُڑتا نہیں بھڑکی ہے اب تن من آگ

گو بہار آئی کسے سودا بھلا لگتا ہے باغ
یوں چمن میں گل نظر آتے ہیں جوں گلخن میں آگ

عدو ہے دوری مے ایک اور خمار ہے ایک — گل ایک دشمنِ جاں ہے مرا بہار ہے ایک
پہونچ شتاب کہ بیٹھا ہوں بیگھڑی ساقی — دو چار ایک ہوئے ہیں یہ دلفگار ہے ایک

بچے تو بچ رہے آنکھوں سے دل مرا لیکن
غضب ہے یہ کہ ہیں صیاد دو شکار ہے ایک

بدن میں جس کے ترے عہد تک دل و جاں نہ ہے
ادا پہ ایک فدا ناز پر نثار ہے ایک

یقیں ہے یہ کہ دراز سے عمر خضر نہ ہو
ہے ایک اپنی شب ہجر و زلف یار ہے ایک

ڈبو دیں ہیں یہی دو جان و مال عاشق کے
دل ایک خوں شدہ ہے چشم اشکبار ہے ایک

رہی نہ دین کی عزت نہ حسرتِ دنیا
خراب ایک ہے اے عشق تجھ سے خوار ہے ایک

ہوس رہی نہ چمن کی ہمیں کہ داغوں سے
دل ایک باغ ہے اور آنکھیں آبشار ہے ایک

نہ کیجو تکیہ تو اس جان و جسم پر **سودا**
ہوا تو ایک ہے ان دو میں اور غبار ہے ایک

میں بتاؤں تم کو یارو گر کرو تدبیر ایک
بس ہے مجھ دیوانے کو اس زلف کی زنجیر ایک

دل دھڑکتا ہے مبادا جل نہ جاوے یہ قفس
ورنہ اے صیاد کرتے نالۂ شبگیر ایک

کیوں ڈراتا ہے مجھے تلوار ہر دم کھینچ کھینچ
یار ثابت کر تو مجھ پر بھی بھلا تقصیر ایک

اس چمن کی سیر میں لیجا بسر تو اس طرح
چاہیے ہو وے نہ تیرا خار دامنگیر ایک

بزم میں تیری تو یوں آزردہ خاطر ہیں بہت
پر نہ دیکھا ہم نے **سودا** سا کوئی دلگیر ایک

سنبل و زلف سیہ کاکل و شب چاروں ایک
غمزہ و ناز و ادا جنبش لب چاروں ایک

دیکھیے کیونکہ بچے جی کہ ہوئے ہیں تیرے
تجھ بن اب درد و غم و رنج و تعب چاروں ایک

باتیں دو کہنے کی ہیں وہ نہیں کہنے کی انھیں
لب پہ کرڈالے ہے تجھ آگے ادب چاروں ایک

گل و خورشید و مہ شمع ترے چہرے سے
ہیں کسب کرنے میں یہ نور کا اب چاروں ایک

شعلہ و برق و تجلی و شرار اے **سودا**
رکھتے ہیں زیر فلک حسب و نسب چاروں ایک

رونے کو میرے تا بہ کجا دل سے آئے اشک
نکلے ہے خون چشم سے اب تو بجائے اشک

خونِ جگر تو چشم سے جو تھا سو بہ گیا
آتا ہے لخت دل کبھی چلا اب قفائے اشک

رونے سے باز ہم کوئی آتے ہیں مثل شمع لے سر سے پاؤں تک نہ رہیں تا گھلائے اشک
نظروں سے جو کسو کے گرے بول کیا سکے ہم نے سنی نہ چشم سے گرتے صدائے اشک
آنکھوں سے ایک دم نہیں ہوتا مرے جدا سودا میں کیا بیان کروں بے وفائے اشک

کب لگ سکے ہے اُس سے کوئی رنگ اور نمک نیرنگی کا ترے ہے جو نیرنگ اور نمک
لذت ہے تیغ عشق میں کیا جب تلک نہ ہو امن فراخ زخم دل تنگ اور نمک
ساقی جو تو نہ ہووے تو ساغر بلور کا مینائے مے کے واسطے ہے سنگ اور نمک
مخمور ہو کے جام مے ناب کی طرح پیدا کرے ہے چشم تری رنگ اور نمک
لذت ہے دل کو آنکھ لڑانے کے یار سے دیکھا کہیں نہ اسکے سوا جنگ اور نمک
ملنا ترا ہر ایک سے پھیکا کرے نہ دل چاہے ہے دوستی میں تو یہ ڈھنگ اور نمک
موزوں نہیں اس چمن میں بہ ہنگام میخوری بہر کباب مرغ ہزا ہنگ اور نمک
خط سادروں کے چہرے پہ رکھتا نہیں ہے لطف ایسا کچھ اُس کو جان کہ جوں بنگ اور نمک
کب سیر ہوں وہ نان قناعت سے جو کوئی کھاتے ہیں خوان دہر پہ سر جنگ اور نمک
جز خط سبز عارض دلدار ہمنشیں دیکھا ہے آپ نے کبھی رنگ اور نمک
سودا اسے کیونکہ یار کو ہووے موافقت پیر و جواں ہیں بادۂ گلرنگ اور نمک

کرتی ہے مرے دل میں تری جلوہ گری رنگ اس شیشہ میں ہر آن دکھاتی ہے پری رنگ
کس رنگ میں دیکھا نہ ترے رنگ کا جلوہ سب رنگ میں ہے سو یہ ترا سب سے بری رنگ
اے شیشہ گراں دل کوئی ٹوٹا جو بناوے پیدا کرے پھر اور ہی کچھ شیشہ گری رنگ
ہر مرغ کے پہچان کے نامے کو تو لینا نالے کے کبوتر کا ہے میرے جگری رنگ
ہے خاک بسر آج خدا جانے چمن کا دیکھ آئے ہے کیا جانے نسیم سحری رنگ
کس گل میں یہ جلوہ ہے جو اب کنج قفس میں دکھلاتی ہے میری مجھے بے بال و پری رنگ
کر جامۂ عریانی کو خاکستری سودا ہو عزم سفر یاں سے تو ہے بیسفری رنگ

ردیف لام

کھینچ شمشیر چاوٴ دل کے نکال
آج در پر ترے پڑا ہوں نڈھال

پان کھا کھا کے آرسی کے بیچ
اپنے ہونٹھوں کو دیکھتا ہے لال

کم ہے ناصر علی سے نعمت خاں
اُسے مرغوب تر ہے اس کا خیال

شیخ اس داڑھی پہ تو ناچے ہے
کیا ہے اے مسخرے یہ تیرا حال

داڑھی ملاّ کی گیہوں جو کا کھیت
لے گئے لڑکی لڑکے ایک ایک بال

اس کے قامت کو صحن گلشن میں
ہو گئے سرو دیکھتے ہی نہال

لے مرے دل کو دے کے اپنا دل
سنگ کے مول یہ بکے ہے لعل

دے ہے دولت فلک ہمیں لیکن
اس سے ہم لیں یہ کیا ہے ایسا مال

واہ وا بے تماکو والے کے
دے ہے تو دھا ہمیں دکھا کر گال

میوہ نخلِ اُمید سے سودا
جتنا چاہے تو کھا پہ توڑ نہ ڈال

سخن عشق نہ گوش دل بیتاب میں ڈال
مت یہ آتش کدہ اس قطرۂ سیماب میں ڈال

گھر نہ کا گھر بیچ نہ کی خرچ مے ناب میں ڈال
زاہد اسباب یہاں کچھ نہیں دے آب میں ڈال

ابھی جھپکی ہے ٹک الشیور قیامت یہ پلک
صبح کا وقت ہے ظالم نہ خلل خواب میں ڈال

کر کے معیوب طمع دل کو نہ سن حرف درست
یہ بڑی جیت ہے نہ اس گو ہر نایاب میں ڈال

شمع ساں رو تیے کیونکر کہ یہاں بیٹھے ہیں
ہم بنا ہستی کی اپنی رہ سیلاب میں ڈال

دسترس ہووے تو کر مہر کا طرہ معتراض
ساقی کے سامنے دیجے شیشۂ مہتاب میں ڈال

کوئے میخانے سے رکھ دل تو کنارے سودا -
شیشہ ٹوٹا ہے نہ جا کر رہِ احباب میں ڈال

بوٹ پیتے ہیں در دیدۂ نمناک کے مول — مژۂ تر کو بتاں لیویں نہ خاشاک کے مول

دل پُرخوں کو نہ وہ مغبچہ لیوے بہ نگاہ — جرعۂ مے جو ہو شیشے میں تو دے تاک کے مول

زاہد نطق گہربار پہ واعظ کے نہ جا — ابھی بیچے ہے بیٹھا ہوا ادراک کے مول

مرغ دل کے جو شکاری ہیں اگر صید حرم — بکنے آوے تو خریدیں نہ وہ فتراک کے مول

تڑپ اپنے دل بیتاب کی خاطر اے شوخ — برق سے لے ہے ترے غمزۂ صد چاک کے مول

شوق کس کو ہے پتنگوں کے لڑانے کا کہ خلق — شیشہ ٹوٹا ہو تو لے ہے دل صد چاک کے مول

عکس رو اپنے سے کہتا ہے لب آئینہ میں دیکھ — ان نگینوں کا پتا کیا ہے بے حکاک کے مول

کوزہ پشت اتنے ہوئے شیخ ہمارے کہ عصا — بیچے اپنا تو وہ شاید بکے مسواک کے مول

محتسب رحم کر اب مفلسی رنداں پر — سنگ قدغن سے ترے بکتی ہے تریاک کے مول

بے زری خلق کو ہے یہ کہ کسی کا کیسا — کوئی کاٹے تو بکے کیسۂ دلاک کے مول

جنس دل اپنی کے بکنے کو کہوں کیا سودا
مفت بر لے گئے دہتی دے اُسے خاک کے مول

مرا لگتا نہیں اے باغباں تیرے چمن میں دل — لگے کیونکر کسی کا یار بن سرو و سمن میں دل

جلے ہم شام سے تا صبح ہم بزموں میں یوں اپنے — جلے ہے شمع کا جس طرح تیرے انجمن میں دل

کہا مت کر ہمیں حرفِ درشت اے یار تو ہردم — نظر آیا ہے اکثر ٹوٹ جاتے یک سخن میں دل

جو تو سیرِ چمن میں ساتھ ہوتا ہے تو شادی سے — سماتا واں نہیں جوں غنچہ میرے پیرہن میں دل

نہیں سودا جو وہ مرنے کے بعد از بھی تجھے بھولے
پڑا تڑپے ہے تیری یاد میں اسکا کفن میں دل

ہووے نہ ملک عشق سے کم رسم داغ دل — روشن رہے ہمیشہ الٰہی چراغِ دل

مانند غنچہ تا کہ پریشاں نہ ہوئے تو — کب اس چمن کی سیر میں پاوے فراغِ دل

شاید کہ سیلِ اشک نے اُس کو بہا دیا — سینے میں اب تو خاک نہ پایا سراغِ دل

اک دست اک زمانہ جہاں میں لٹائے گل — سر کو ہمارے خاک نہ دیوے چہ جائے گل

کہتے تھے اس لیے کہ نہ ہو آشنائے گل — اے عندلیب دیکھے نہ آخر وفائے گل

دیکھے اگر صفائے بدن کو ترے صبا — کھولے کبھی نہ شرم سے بندِ قبائے گل

میں اور عندلیب دونوں ازل سے ہیں ہم نصیب — مجھ پر ستم ہوا ہے تو اس پر جفائے گل

ہے شرط درد یوں کہ بجز حکم عندلیب — کوئی کسی مزار پر ہرگز نہ لائے گل

ہستی سے نیستی میں جو بہتر نہ ہو مزا — ہنستا ہوا جہان سے ہرگز نہ جائے گل

سودا کہے بہار میں وضع زمانہ دیکھ
اے وائے وائے بلبل و وے ہائے ہائے گل

جب تو چمن سے گھر کو چلا کر کے دید گل — بلبل نے گل کو دے کے تجھے لی رسید گل

آنے کی تیرے باغ میں ہے آج یہ خوشی — نوروز عندلیب کہوں یا میں عید گل

ساقی تلاش بادہ میں مطرب بفکر ساز — بلبل ہے غرق زمزمہ سن کر نوید گل

جوں لالہ داغ داغ ہے دل تس پر اب ہمیں — رکھنے کی اس چمن سے ہے سر پر امید گل

جس جا کہ ذکر حسن ہو تیرا تو اُس جگہ — لایق نہیں جو کیجے گفت و شنید گل

بندہ میں بے درم ہوں ترا اس کو جان لے — بلبل چمن میں دہر کی ہے زر خرید گل

نسبت نہ عندلیب سے سودا کو دیجیو
بسمل یہ آن کا ہے تری وہ شہید گل

جاتا ہے دل تو جائیو ہشیار آجکل — چلتی ہے اُس کے کوچے میں تلوار آجکل

خنجر مژہ ہے تیر نگہ تیغ ابرواں — مجروح کس سے ہے یہ دلِ زار آجکل

کوئی دوا نہیں ہے موافق بغیر وصل — مرتا ہے تیرے غم میں یہ بیمار آجکل

گر زمزمہ یہی ہے ہمارا تو ہم صفیر — ہوتے ہیں اس چمن میں گرفتار آجکل

تسبیح گر یہی ہے جو رکھتا ہے شیخ شہر — اے یار ہم تو پہنیں گے زنار آجکل

غرض کہ عہدِ بہار کا ساقی پہونچ شتاب
جاتی ہے اس چمن سے یہ گلزار آجکل

گر ہے ترا سلوک یہی ہم سے اے صنم
بُت سے کرے گا برہمن انکار آجکل

مت چل تو اس لٹک سے کہ ظالم قدم تلے
مل ڈالے گی جہاں کو یہ رفتار آجکل

تیری زباں سے عہدہ برآ کیونکہ ہو کوئی
سودا اسے ہے جو کچھ تری گفتار آجکل

اس چمن کی سیر میں آیا ہے یوں مل کے گُل
کیا بنائے صانعِ قدرت نے رنگیں گل کے گل

بہنے ہو دریا کہ جس سے گذرے تو پل باندھکر
موج چشمِ عاشقاں دے توڑ پل میں پل کے پل

قتل کا کس کے کیا ہے آج ان آنکھوں نے عزم
کھینچ کر تیغیں رہے ہیں ابروِ اُس قاتل کے تل

عہد میں تجھ حُسن کے جسکو ہوا ہے شغلِ عشق
مچ رہی ہے شرق سے تا غرب اُس شاغل کی غل

حل مشکل کس سے ہو سودا کی شاہا تجھ بغیر
کھول دے مشکل کشا عقدے مری مشکل کے کل

ردیف میم

سنا ہے اب تو خط آیا ہے کس اسلوب دیکھیں ہم
تمنا ہو وصل قسمت میں تو یہ بھی خوب دیکھیں ہم

ہمیں دعویٰ نبوت کا نہیں کچھ صرف عاشق ہیں
جفائے صبر یہ دل پر کہ جوں ایوب دیکھیں ہم

ہوتے ہیں غرق ہم جس طرح آب چشم میں اپنے
بھلا اے ابر یوں دریا میں تو تو ڈوب دیکھیں گے

لکھیں ہیں شرح سوزِ دل بجز پروانہ اے ظالم
تجھے اب کون پہنچاتا ہے یہ مکتوب دیکھیں ہم

نکو حل سے گلہ کرتے ہو تم آئینہ پر اکثر
مزاج آئے ہو ادھر تو کوئی محبوب دیکھیں ہم

خدا وہ دن کرے ہووے جو کوئی تندخو تجھ سا
ترا دل راغب اُس پہ وہ ترا مرغوب دیکھیں ہم

ترے دوست تو آ کر جفا دیں پہ وہ کہاں جس سے
جفا کے سامنے اپنی وفا محجوب دیکھیں ہم

نہ دیکھا ہے تجھے اپنے سوا وہ جسکو دل چاہے
جو طالب ہوں کسی کے تو کوئی مطلوب دیکھیں ہم

خوشی سودا کو گیا ہے حور سے نسبت کی اے زاہد
وہ دن ہو دختِ رز سے آپ کو منسوب رکھیں ہم

تیرے ہی دیکھنے کی نہ آوے جو کام چشم — تو زخم چہرے پہ ہے کہ اُس کا ہے نام چشم
کیونکر نہ دیکھے خلقتِ انساں تجھے کہ سنگ — دیکھے لباس آئینے میں ہو تمام چشم
مبدا جو بلا کا ہے سو ہے وہ نظرِ چشم — آئے ہے کسی دل پہ جب آفت زدۂ چشم
آتا ہے نظر رونے سے ہر دم کے یہ مجکو — ہے قافلہ اشک کے ہمرہ نظرِ چشم
اور لگتے ہی جلوے پہ حسینوں کی مری آنکھ — دیدان کی سے پہونچے ہے بہم بال و پرِ چشم
مکتوبِ غم اُس شوخ تلک سیل سے پہونچا — دیکھا نہ بجز اشک کوئی نامہ برِ چشم
دیدار کے وعدے پہ نہ رکھ منتظر اتنا — تا مجکو برابر پڑے سود و ضررِ چشم
چاہے تو جہاں رہ مرے پیارے کہ تصور — رکھتا ہے ترے جلوے کو میری بہ برِ چشم
موتی کو صدف کے ہے مرے اشک پہ ترجیح — عالم میں نہیں قدر شناس گہرِ چشم

سرمہ تو ان آنکھوں میں ہے پر کیا کہوں سودا
آفاق کے ہے موجبِ نورِ بصرِ چشم

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام — ذرا بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام
صیاد سے ہوں اے اثرِ نالہ منفعل — آتش دی اُس نے دام کو توڑے قفس تمام
اشک آنکھ سے تھمے تو رہے نالہ سے یہ دل — جب قافلہ تھکے تو ہو بانگِ جرس تمام
آتش کو رنگِ گل کے صبا تو نے پھونک دی — جلوائے آشیاں کے مرے خار و خس تمام

سودا ہوئی ہے شانہ کو زلفوں میں اُس کی راہ
اس دستِ نارسا کو ہے کیا دسترس تمام

اب اس طرف مری دل گرمی شعلہ خو معلوم — تپاک غیر سے جو ہوں گے ہم سے وہ معلوم
بھری ہے دل میں ترے یاں تلک محبتِ غیر — کہ جا نہیں مرے کینے کو مہر تو معلوم

گلہ ہیں غیر کے میری وفا کرو ہو یاد
سو غائبانہ کبھو اُسکے روبرو معلوم

خطا ہے زلف کو تیری کہوں جو مشک ختن
سیاہ فام تو وہ ہے یہ ایسی بو معلوم

ستم ترے کی کروں کس کے آگے جا فریاد
جو تجکو رو ہے یہاں ہیں سو مجکو رو معلوم

عبث ہے مہر کی نت اُٹھ تلاش ذرّے کو
ہے وصل دوز ترا میری جستجو معلوم

طبیب اُٹھ مری بالیں سے دے اجل کو جگہ
دوا مری وہ لب شربتی ہے سو معلوم

نہ زر نہ زور نہ طالع نہ تیرے دل میں مہر
جو چاہے اس سے یہ دل کامیاب ہو معلوم

سخن تو یار بھی سودا بُرا نہیں رکھتے
ولے جو چاہے یہ انداز گفتگو معلوم

نہ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے کام
مدعا ساقی سے اپنے ہمیں اور جام سے کام

دلِ نالاں کو مرے کس کے ہے آرام سے کام
کوئی بے چین رہے اپنے اسے کام سے کام

اس چمن میں نہ کسی چشم سے پونچھے کوئی اشک
صبح تک ہم کو بھی شبنم رہی ہے شام سے کام

کیوں نہ افعی چلے ہر ایک جگہ مکڑا کر
نہ پڑا اُس کو تری زلف سیہ فام سے کام

گر اکیلا کہیں مل جائے ہمیں تو دل کا
لیجیے من مانتا اُس شوخ گل اندام سے کام

ہوں اسیر اُس کا جسے بعد گرفتاری صید
نے گرفتار سے مطلب رہے نے دام سے کام

ہے برا یہ زباں کہنے سے اب رام رحیم
جن نے پایا ہے نشاں اُسکو نہیں نام سے کام

جو میں آغاز ترے کام کا دیکھا سودا
واہ وہ دن کہ تجھے اُسکے ہو انجام سے کام

کیا مچائی اُس نے مرے دل کے کاشانے میں دھوم
شور ہے جس کے لیے کعبے میں بتخانے میں دھوم

مٹ گئے وہ شور دل کے ہائے تب آئی بہار
ورنہ کیا کیا ہم بھی کرتے شہر و ویرانے میں دھوم

زلف کو کھولا تو کر اس دل کی شورش کا علاج
سخت دیوانے نے کی زنجیر کھلجانے میں دھوم

تجھ نگاہِ گرم کی حسرت سے دل مارے ہے جوش
رات کو دیکھوں ہوں میں جب شمع ویرانے میں دھوم

اسقدر ہیں لاغری میری سے خوش ابنائے دہر | جوں ہلالِ عید ہے میرے نظر آنے میں دھوم
دل کو شن کوچے میں تیرے اب چلے ہیں سیل اشک | ہوئے گی بیوجہ واں اطفال و دیوانے میں دھوم

کب سے اے **سودا** شراب اس بزم میں پیتے ہیں یار
تو نے اے کم ظرف کی پہلے ہی پیمانے میں دھوم

بے دیدۂ تر جدھر گئے ہم | ڈیرے جو تھے خشک بھر گئے ہم
تجھ عشق میں روز خوش نہ دیکھا | دُکھ بھرتے ہی بھرتے مر گئے ہم
تیرا جو ستم ہے اس کو تو جان | اپنی سی تو خوب کر گئے ہم
یہ قطعہ پڑھے تھا سوز دل سے | **سودا** کے جو رات گھر گئے ہم
جوں شمع لبوں پہ آرہا جی | تھا تن سو گداز کر گئے ہم
اتنی بھی پتنگ پیش قدمی | گر شام نہیں سحر گئے ہم
ہوگی نہ کسی کو یہ خبر بھی | اس بزم سے آ کدھر گئے ہم

ہے صفائے بادۂ درد تہِ پیمانہ ہم | نورِ شمع مجلس و سوزِ دلِ پروانہ ہم
جانِ عقل کامل و شورِ سرِ دیوانگاں | رونق آبادگی اور وحشتِ ویرانہ ہم
چشم شیخ و برہمن میں ہے ہمیں جوں سرمہ جا | گردِ راہِ کعبہ و خاکِ درِ بتخانہ ہم
فیض سے مستی کے دیکھا ہم نے گھر اللہ کا | جا رہے مسجد میں شب گم کردۂ کاشانہ ہم
فرصت اکل و شرب کی پائی نہ یاں مانند اشک | لیگئے ہمراہ جو لائے تھے آب و دانہ ہم
زاہد اکہہ تو صلاح نیک ان دونوں میں کیا | جام کا بوسہ لیں یا چومیں لب جانانہ ہم
گر نکالا آسماں نے گھر سے اپنی ہے سزا | آن کر مہمان بن بیٹھے تھے صاحب خانہ ہم
یمن سے پاؤں کی لغزش کی کیا اے شیخنا | دیر سے اُٹھتے ہوئے کل سجدۂ مستانہ ہم
واعظا سوزِ جہنم سے ڈراتا ہے کسے | داب پھرتے ہیں بغل میں دل سا آتش خانہ ہم
ہاتھ اُن زلفوں تلک پہونچے نہ اپنا ایکبار | گرچہ ہم پہنچا کیں صد انگشت مثلِ شانہ ہم

ماندگی گر محنتِ دنیا کی خواب آور ہو یاں
شورِ محشر کو بھی سودا سمجھیں اک افسانہ ہم

دیکھوں کیونکر بولا کیے جب یار کے کاشانہ ہم
جی میں آتا ہے کریں اس گھر کو خلوتخانہ ہم

ہے عجیب قسمت کہ سمجھے جس کو اپنا آشنا
آخرِ کار اس کو پایا آپ سے بیگانہ ہم

کوہ کا پیارے اٹھانا زورِ مردوں کا نہیں
جو اٹھاوے تجھ سے دل سمجھیں اسے مردانہ ہم

شیخ تم مانگو دعا تا یار ہووے مہرباں
آپ کی ڈاڑھی میں یا حضرت کرینگے شانہ ہم

دخترِ رز سے ہمارا باندھ دے تو گر نکاح
خوب کھلوائیں گے اے ملا تجھے شکرانہ ہم

آبیاری کشتِ ہستی کو نہ ہو اپنا کہ ہیں
اشک کے مانند آپ ہی آب آپ ہی دانہ ہم

کام نے شمعِ حرم سے نے چراغِ دیر سے
جس جگہ تیری تجلی ہیں وہاں پروانہ ہم

دوستی کا غیر کے کیا ذکر اس دل میں کہ دوست
آشنائی میں ترے ہیں آپ سے بیگانہ ہم

جب تصور بیچ ان زلفوں کے جھپکے ہے پلک
کرتے ہیں ان کو خیال اپنے میں سودا شانہ ہم

عاشق تو نامراد ہیں پر اس قدر کہ ہم
دل کو گنوا کے بیٹھ رہے صبر کر کہ ہم

کہتا تھا کل کسو سے کروں گا کسی کو قتل
اتنا تو کشتنی نہیں کوئی مگر کہ ہم

دیکھیں تو کس کی چشم سے گرتے ہیں لختِ دل
تو اس طرح سے رو سکے اے ابرِ تر کہ ہم

بیٹھا نہ کوئی چھاؤں نہ پایا کسی نے پھل
بے برگ و بر نہیں کوئی ایسا شجر کہ ہم

قاصد کے ساتھ چلتے ہیں یوں کہہ کے میرے اشک
دیکھیں تو پہلے پہونچے ہے واں نامہ بر کہ ہم

اتنا کہاں ہے سوزِ طلب دل پتنگ کا
رکھتی نہیں ہے شمع بھی ایسا جگر کہ ہم

لاغر ہوا ہوں میں یہ ضعیف کہ کہتے ہیں میرے عضو
باریک و ناتواں ہے اب ایسی کمر کہ ہم

سودا نہ کہتے تھے کہ کسی کو تو دل نہ دے
رسوا ہوا پھرے ہے تو اب دربدر کہ ہم

خانۂ پروردِ چمن ہیں آخر اے صیاد ہم
اتنی رخصت دے کہ ہوویں گل سے ٹک آزاد ہم

خندۂ گل بے نمک فریادِ بلبل بے اثر
اس چمن سے کہہ تو جا کر کیا کریں گے یاد ہم

خاکساروں سے موافق کب ہے دنیا کی ہوا
راہ میں تیری پھرے جوں نقشِ پا برباد ہم

ذبح تو کرتا ہے ٹک فرصت گلے لگنے کی دے
عیدِ قرباں ہے تجھے دے لیں مبارکباد ہم

قیس جس دم سے گیا اپنے قدم کے فیض سے
خانۂ زنجیر رکھتے ہیں سدا آباد ہم

نے نکل سکتے اسیری سے ترے اے سرو قد
طوق قمری کی طرح رکھتے ہیں مادرزاد ہم

اے جنوں مصرع ترا سودا کی ہے زنجیرِ پا
قید سے تیری نہیں ہونے کے اب آزاد ہم

اے گل صبا کی طرح پھرے اس چمن میں ہم
پائی نہ بو وفا کی تو ہے پیرہن میں ہم

شیشے کی طرح دل کے تئیں رو کے تا سحر
خالی کریں ہیں بیٹھ تری انجمن میں ہم

فانوس بیچ شمع جلے جس طرح ہنوز
جلتے ہیں تیرے ہجر سے ظالم کفن میں ہم

کرنے کو وصف طول تری زلف کا صنم
پھیرے خدا ہی جانیں جو فکرِ سخن میں ہم

سودا نہ تن ہمارے سے شعلہ اُٹھا کبھی
بھٹی کی طرح جل گئے کچھ من ہی من میں ہم

تو کیوں جلتی رہی بلبل چمن میں دیکھ کر شبنم
کہ وہ دامان پاکِ گل جیسے کرتی ہے تر شبنم

نہ دیکھا اس سوا کچھ لطف اے صبحِ چمن تیرا
ادھر گل لے گئے گلچیں گئی روتی ادھر شبنم

بھلا گل تو تو ہنستا ہے ہماری بے ثباتی پر
بتا روتی ہے کس کی ہستیِ موہوم پر شبنم

پڑے ٹک بر سیرِ گلشن سے ہم نازک مزاجوں کے
بہا دیتی ہے رنگِ گل کو یاں اے ابرِ تر شبنم

کہا بلبل نے میں گلشن میں کچھ تجکو بھی اے ناداں
خبر ہے اس کی یاں کرتی ہے کیوں آتے ہی گھر شبنم

چمن میں وقت رخصت صبح کہ میں کیا کہوں تجھ سے
لگی ہر گل کی چھاتی سے لپٹ کر کس قدر شبنم

بس ان بالوں سے ہے روشن ہے چشمِ دیدہ بینا
رکھے ہے عشق کے مجذوب پر تیری نظر شبنم

وہ بولی سن کے وہ یوں بھی ہوا بالفرض اے سودا
تو کیا چھینے تھی میں گل کا کہ لیگئی توڑ کر شبنم

مجھے وضع جہاں سن رشک سے محفوظ رکھتا ہے
بہار آخر ہے اک پل میں کہاں پھر گل کدھر شبنم

ترے آگے اُسے خورشید کا منہ خوش نہیں آتا
چمن سے ورنہ کیوں جاتی رہی وقتِ سحر شبنم

پیتا ہوں یاد دوست میں ہر صبح و شام جام
بے یاد دوست مجکو ہے پینا حرام جام

اے شمع سرکشی نہ کر اتنے فروغ پر
ہے کلبۂ فقیر کا بدرِ تمام جام

کیوں شیخ اُس کو منہ نہ لگاؤں میں کس لیے
لاتا ہے لب سے یار کے ہردم پیام جام

رہتا مثال جام دہن وا تمام عمر
دیتا نہ زخم دل کو اگر التیام جام

جمشید کو تھی مملکتِ جم یہ ہے ستم
کرتا نہ جلد آن کے گر انتظام جام

سودا تھا وقت نزع کے کلمے کا منتظر
جنبش لبوں کی دیکھی تو کرتا تھا جام جام

وہی ہیں دن وہی راتیں وہی ہے فجر و شام
وہی ہے روشنی مہر و مہ جو کچھ تھی مدام

نجانو دور محبت کا کیا ہوا یارب
کہ دوستوں سے جدا کر کے گردشِ ایام

ہمیں لے آئی ہے شہر غریب جس دن سے
کبھو انھوں کی طرف سے نہ نامہ و پیغام

علی الخصوص تغافل کو میر صاحب سے
کہوں میں کس سے کہ باوصف اتحاد تمام

لکھا نہ پرچۂ کاغذ بھی اتنی مدت میں
کہ بے قراروں کو تا ہووے موجب آرام

کبھی انھوں کو ہماری بھی الفتِ سابق
کسی کے ہاتھ جو پہونچے ہے نامہ و پیغام

جو وہ پھرے ہے اُدھر سے تو یہ بھی کہتا نہیں
کہ میں بھی تھی تری بندگی انھوں کو سلام

ختم شد کلیات سودا حصہ اول

طرف ہوتا ہے اشتہار سے اس شعر صفی میں
[illegible]

طرف ہوتا ہے اشتہار ہے اس شعر صفی میں
کہیں سے سودا بھی ہوتا ہے سو جان کی بیچارے